دشتِ دل
رُخ چوہدری

میں قسط وار چھپا، اسے محمد علی بھائی کتابی صورت میں لے آئے، میں ان کی بہت مشکور ہوں۔ لاہور سے انہوں نے رابطہ کیا اور بڑے خلوص اور توجہ سے میرے ناول کو کتابی شکل میں لائے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ذوق سلیم کو بڑھائے اور کاروبار میں ترقی دے آمین۔ اس کے بعد انشاء اللہ آپ میرے دوسرے ناول بھی کتابی شکل میں دیکھیں گے اور پڑھیں گے۔ ''دشت دل'' کے بارے میں کیا کہوں کہ میں جس معاشرے میں، جس ماحول میں رہتی ہوں وہاں حقائق آپ ہی لفظوں کے پیراہن اوڑھ کر سامنے آتے ہیں اور ''دشت دل'' میں بھی حسب سابق اچھائی برائی میں رسہ کشی ہے۔ ہر چند کہ برائی بڑے طاقتور بھوت کی صورت چھا جاتی ہے مگر سچائی کی طاقت جب ابھرتی ہے تو برائی دم توڑ دیتی ہے۔

''دشت دل'' ایک معاشرتی کہانی ہے۔ اس کہانی میں ایک مظلوم و بے بس ماں بیٹی کی کہانی ہے جن کو باپ اور شوہر گھر سے نکال کر معاشرے کے سامنے ڈال دیتے ہیں اور مظلوم ماں اور بیٹی کو زندگی کی بقاء کے لئے منفی سوچ کے بے شمار بھوتوں سے لڑنا پڑتا ہے۔ دوسری کہانی میں نام نہاد نواب کی کہانی ہے جو اپنی روایات کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں......

آپ ناول پڑھیے، آپ کی آراء ہماری صلاحیت نکھارتی ہیں خواہ وہ تعریف ہو یا تنقید...... ہو سکتا ہے اس ناول کی ایک کہانی کو آپ جلد ہی ڈرامائی صورت میں کسی بھی چینل سے دیکھیں انشاء اللہ۔ آخر میں یہ کہوں گی کہ اللہ کا شکرانہ میں ادا نہیں کر سکتی البتہ اپنے ان مہربان دوستوں کا شکریہ ضرور ادا کروں گی جن کی محبت، حوصلہ افزائی نے آج مجھے صاحب کتاب کر دیا۔ شکریہ۔

آپ سب کی دعاؤں کی طلبگار...... رخ چوہدری



تقسیم پاک و ہند سے قبل نواب امیر اللہ کئی ریاستوں کے امین تھے۔ خاندانی نواب تھے۔ عزت، دولت، شہرت اللہ نے عنایت کر رکھی تھی۔ وہ ہر دم خدا کا شکر ادا کرتے رہتے مگر پھر بھی طبیعت مضطرب ہی رہتی کہ وہ خدا کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کر سکتے۔

''نواب صاحب! ہم گناہ گار انسان بھلا خدا کی نعمتوں کا، احسانات کا شکر کیسے ادا کر سکتے ہیں؟'' نواب بیگم، بیگماتی شان سے چلتی ہوئی آ کر نواب صاحب کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولیں۔

''حالات روز بروز بگڑتے جا رہے ہیں بیگم۔ بے شمار تفکرات ہمیں گھیرے رہتے ہیں۔''

''نواب صاحب! خدا پر بھروسہ رکھئے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر اپنا فضل ضرور کرے گا۔ ہمیں تو یہ فکر ہے کہ ہم سب یہاں سے کس طرح جائیں گے؟''

برصغیر کے حالات تمام اقوام کے سامنے تھے اور دنیا کی نظریں اب کسی حتمی فیصلے کا انتظار کر رہی تھیں کہ ہندو اور مسلمان کب دو الگ الگ خطوں میں تقسیم ہوتے ہیں۔ ہر سو افراتفری کا عالم تھا۔

''کیا مطلب ہے بیگم، ہم کیسے جائیں گے؟ ارے بھئی اللہ پاک ہمیں پاکستان عطا فرمائے تو ہم یہ نوابی اپنے وطن پر قربان کر کے وطن کی خاک ہو جائیں گے۔ بس ہمارا خدا ہمیں معتبر کر دے، ہمیں ایسا خطہ پاک عطا فرما دے جہاں ہم اپنے مذہب، اپنے عقائد اور اپنی روایات کے ساتھ آزادی سے جی سکیں۔ یہ دولت، یہ جاگیر، یہ نوابی ٹھاٹھ ان سب کو بس گھر کا مہمان جانئے اور ہر وقت رخصت کی حالت میں رہئے۔ نہ جانے کب ہمیں ہجرت کا حکم ہو جائے۔''

اور پھر ایسے ہی بے شمار مسلمانوں کی دعاؤں کے کشکول میں جب اللہ تعالیٰ نے پاکستان ڈال دیا تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر مسلمان پاکستان آ گئے۔ محلوں اور ریاستوں کے مالک یہاں جھگیوں میں امن اور سکون محسوس کر رہے تھے، خوش اور مطمئن تھے۔ نواب امیر اللہ بھی اپنے خاندان اور بیٹوں شجاعت اور شفاعت اللہ کو لے کر ملتان میں شفٹ ہو گئے۔ وقت کی دھول

نے نہ صرف نقوش دھندلا دیے تھے بلکہ حالات کے سیل رواں نے خدوخال ہی بدل ڈالے تھے۔ زندگی کی ایسی صورت بھی ہو سکتی ہے، اس بات کا ان کو اب اندازہ ہوا تھا۔ خاندانی نواب امیر اللہ اور ان کے گھر والے کیا جانیں کہ تشنہ لبی کسے کہتے ہیں۔ خالی پیٹ کا سناٹا کتنا اذیت ناک ہوتا ہے۔ یہ تو اب اندازہ ہو رہا تھا۔ حالات بہت سخت تھے۔ بچے بھوکے پیاسے تھے مگر مجال ہے جو نواب صاحب یا بیگم نواب کے لبوں پر کوئی شکوہ یا ماتھے پر شکن آئی ہو۔ ہاں ہر وقت زبان پر تشکر کے کلمات ضرور رہتے تھے۔ سر سجدے میں ہوتا تو سکون کا بے پناہ احساس روح تک کو سرشار کر دیتا۔

''یا اللہ، تیرا شکر ہے، تیری پاک ذات نے یہ وطن دیا کہ ہم آزادی سے سانس لے سکتے ہیں۔ تیری پاک ذات کا ذکر آزادی سے کر سکتے ہیں۔ تیرا شکر ہے مولا۔ تیرا شکر اتنا کہ میں گناہ گار تیرا شکرانہ ادا نہیں کر سکتا۔'' اور پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے اتنے پیار کرنے والے، دعائیں مانگنے، شکر ادا کرنے والے بندے کو پھر اپنی نوازشوں سے نواز دیا۔ نواب امیر اللہ کو یہاں سرکار کی جانب سے اتنا کچھ مل گیا کہ وہ تو کیا ان کی کئی پشتیں آرام سے کھا سکتی تھیں۔ خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے انہوں نے پھر اپنی زندگی کو ترتیب دینا شروع کر دیا تھا۔ مذہب سے لگاؤ، روایات کی پاسداری، وضع داری یہ سب انہوں نے اپنی اولاد میں منتقل کر دیا تھا۔ خود دونوں میاں بیوی حج کرنے کے بعد زیادہ تر عبادت میں مصروف رہتے۔ نواب شجاعت اللہ نے والد کی گدی سنبھال لی تھی۔ انہوں نے زندگی کی عمارت کو اپنے والدین کی رکھی ہوئی بنیادوں پر کھڑا کر دیا تھا۔ دین، اقدار، روایات اور وضع داری اس گھرانے کی اساس تھی۔ نواب شجاعت اللہ اس اساس کو سنبھالے ہوئے تھے۔ جبکہ چھوٹے نواب شفاعت اللہ کو بچپن ہی سے فوجی بننے کا جنونی شوق پاک آرمی میں لے گیا۔ شجاعت اللہ کی شادی نواب امیر اللہ کے قریبی دوست کے ہاں ہو گئی تھی۔ بانو بیگم بہت اچھی اور سلجھی ہوئی خاتون تھیں۔ گھر کو بڑی سمجھ داری اور سلیقے سے چلا رہی تھیں۔ ہر کام ساس کے حکم پر کرتیں، ملازمین کو کبھی شکایت کا موقع نہ دیتیں۔ ساس سسر دونوں ان سے خوش تھے۔

اس وقت بھی وہ دونوں کو کھانا کھلا کر دوا دینے آئی تھیں۔

''ابا جان! خدا کے فضل سے اب تو آپ کی طبیعت بہت بہتر ہے۔''

''جی بیٹا، خدا کا بڑا کرم ہے۔ بیماری تو ختم ہو گئی ہے، البتہ کمزوری ہے کہ قدم اٹھائے نہیں اٹھتا۔ اور بھئی کمزوری کو کیوں مورد الزام ٹھہرائیں۔ بڑھاپا ہے، اب عمر ہی اتنی ہو گئی کہ..... کیوں بیگم! بھلا آپ کی عمر کتنی ہو گئی ہو گی؟ دیکھیے یہ بتائے دیتے ہیں آپ سولہ کے



پیٹے سے نکل چکی ہیں، اس لئے عمر کے سالوں کے حساب میں سوچ سمجھ کر ڈنڈی ماریئے گا۔''

نواب صاحب، بیگم کو اکثر یوں ہی چھیڑا کرتے تھے۔ بانو بیگم ان کی بات پر آنے والی مسکراہٹ کو آنچل کی اوٹ میں چھپا کر ساس کو دیکھنے لگیں جو پان منہ میں رکھتے ہوئے جوابی حملے کے لئے تیار ہو رہی تھیں۔

''نواب صاحب! اپنی خیر منایئے۔ ہم تو پھر بھی آپ سے [illegible] سال چھوٹے ہیں۔''

ان کی بات پر نواب صاحب نے بہو کو مسکرا کر دیکھا جو دونوں کی نوک جھوک سے محظوظ ہو رہی تھیں مگر حیا آڑے آ رہی تھی اسی لئے تو وہ کھل کر مسکرا بھی نہیں رہی تھیں۔

''بہو! آپ کو معلوم ہے کہ اس جمعہ کو ہماری برتھ ڈے ہے۔ اب پوچھیے کون سی؟''

نواب صاحب نے پُرمزاح انداز میں کہا تو وہ بوکھلا گئیں۔ انہوں نے ساس کو دیکھا۔

''ارے بھئی، اس میں لجانے والی کیا بات ہے۔ ہم بالکل درست عمر بتائیں گے۔ ہم کوئی آپ کی امی جان تھوڑی ہیں کہ ڈنڈی مار جائیں گے۔'' انہوں نے پان بناتی ہوئی بیگم کو دیکھا۔

''وہ تو خیر کیا پوچھیں گی، آپ ہمیں بتا دیجئے خیر سے عمر عزیز کتنی ہو گئی؟''

''اس جمعہ کو خیر سے ہم ایک سو بیس سال کے ہو جائیں گے اور ہماری بیگم خیر سے ایک سو دس سال کی۔ کیوں بیگم، پورے دس برس چھوٹی ہیں ناں آپ ہم سے؟'' نواب صاحب خوش دلی سے ہنس دیے۔ بانو بیگم بھی اپنی مسکراہٹ دبا نہ پائیں۔

''توبہ ہے نواب صاحب، خدا کا خوف کھایئے۔ آپ کی عمر اتنی زیادہ کہاں ہے۔ یہی کوئی.....''

''کوئی بیس برس کی اور آپ دس برس کی۔ ہے ناں؟''

نواب صاحب ہنس رہے تھے۔ بانو بیگم مسکراتی ہوئی جانے لگیں۔

''بہو بیگم! آپ کہاں چلیں؟ ہمیں آپ سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔ یہ تو بس یوں ہی۔''

ساس کی آواز پر وہ پلٹیں، طشتری ایک طرف رکھی اور توجہ سے ان کی طرف دیکھنے لگیں۔

''جی امی جان میں ہمہ تن گوش ہوں۔''

''بیٹی! ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اب شفاعت میاں کی شادی کر دینی چاہئے۔ اب تو وہ خیر سے میجر ہو گئے ہیں اور سونے سونے سے پھرتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس بار جب شفاعت میاں آئیں تو ان کی شادی کی بات ہو جائے۔ خود سے تو وہ نہ کہیں گے۔''

''جی امی جان! میں خود یہی چاہتی ہوں۔ مگر جب بھی شفاعت میاں سے بات ہوئی، وہ

کترا کر گزر گئے۔ آپ بات کیجئے گا تو شاید مان جائیں۔''

دونوں ساس بہو شفاعت کی شادی کی باتیں کر رہی تھیں۔ نواب صاحب خاموشی سے سن رہے تھے۔ ''قطع کلامی کی معافی چاہتے ہیں خواتین، آپ دونوں کے بیچ شفاعت میاں کی شادی زیر بحث ہے ناں؟''

''جی ہاں۔'' دونوں ہم آواز بولیں۔

''تو کوئی لڑکی ہے آپ کی نظر میں یا صرف ہوا میں تلواریں چل رہی ہیں؟'' ان کی بات پر دونوں ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔ بات تو درست کی۔ لڑکی تو واقعی کوئی نظر میں نہیں تھی۔

''دیکھ لیں گے لڑکی بھی۔ لڑکیوں کی کیا کمی ہے میرے شہزادے کے لئے۔'' انیسہ بیگم کے لہجے میں ممتا عود کر آئی۔

''ٹھیک ہے، ضرور دیکھئے گا مگر شادی چونکہ عمر بھر کے نباہ کا نام ہے اس لئے شفاعت میاں کی پسند اور ناپسند کو اولیت دیجئے گا۔ یہ نہ ہو کہ اگر آپ کو لڑکی پسند آ گئی تو بات طے ہو گئی۔ اگر آپ کی پسند کی ہوئی لڑکی بیٹے کو پسند آ گئی تو ٹھیک ورنہ ان کی پسند پوچھ لیجئے گا۔'' نواب صاحب نے شیلف پر رکھی ٹوپی اٹھائی اور نماز کے لئے اٹھ گئے۔

''بہو، ویسے کوئی لڑکی ہے نگاہ میں تو بتاؤ۔ شفاعت میاں سے تو بعد میں بات ہو گی۔'' شوہر کے جاتے ہی انیسہ بیگم نے بانو بیگم کو دیکھا، پھر اپنے حلقہ احباب میں دائیں بائیں نظر ڈالنے لگیں۔ لڑکیاں تو بہت سی نگاہوں میں گھوم گئیں، کچھ پر نگاہ ٹھہر بھی گئی مگر شفاعت اللہ کے ساتھ کھڑا کرتیں تو فیصلہ بدل دیتیں۔

''ہیں تو سہی امی جان۔ مگر رہی ابا جان والی بات کہ شفاعت کو آ جانے دیں، معلوم ہو جائے کہ ان کی کیا پسند ہے۔ ممکن ہے انہوں نے کسی کو پسند کر رکھا ہو، ان کے آفیسرز کی بیٹیاں بہنیں بھی تو ہوتی ہیں، ہو سکتا ہے کہ......''

''بہو بیگم! آپ کے گھر سے ٹیلی فون آیا ہے، جلدی کیجئے۔'' بانو بیگم کی بات مکمل ہونے سے قبل ہی اماں بی ان کو بلانے آ گئیں تو وہ انیسہ بیگم سے اجازت لے کر اٹھ گئیں۔

☆☆☆

آنے والے فون سے بانو بیگم کے والد اور چھوٹی بہن انیقہ کی آمد کی خبر نے جہاں بانو بیگم کو سرشار کر دیا تھا وہاں گھر میں مہمانوں کی آمد کی تیاریاں شروع ہو گئی تھیں۔ بچے اپنی خالہ کی آمد پر بے حد خوش تھے۔

''یہ انیقہ غالباً ہمارے ہاں پہلی بار آ رہی ہیں ناں؟'' شجاعت اللہ صاحب نے کباب



پلیٹ میں رکھتے ہوئے بہو بیگم کو دیکھا جن کے چہرے پر خوشی کی کرنیں رقصاں تھیں۔

''جی، یہ سب میں چھوٹی ہے، کسی بھی بہن بھائی کے ہاں جاتی ہی نہیں، بس پڑھائی میں لگی رہتی ہے۔ بتا رہی تھی کہ اب ایم اے کا امتحان دے کر فارغ ہوئی ہے تو بہنوں کے ہاں جانے کا خیال آیا ہے۔ مجھے تو اتنی خوشی ہو رہی ہے کہ وہ میرے پاس آ رہی ہے۔''

بانو بیگم خوشی سے جھوم رہی تھیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کے لئے کیا کیا کچھ بنا ڈالیں۔

''ہماری شادی پر تو وہ خاصی چھوٹی تھی۔'' شجاعت اللہ صاحب نے سوچتے ہوئے کہا تو بانو بیگم مسکرانے لگیں۔

''صرف دس برس کی تھی۔ اب تو ماشاء اللہ بائیس برس کی ہو گئی ہے۔ ایک بار آ تو جائے، ڈھیر سارے دن رکھوں گی اسے اپنے پاس۔'' بانو بیگم نے ڈھیر سارے پروگرام بنا لئے تھے انیقہ کے ساتھ گزارنے کے۔

انیقہ کے آنے سے گھر میں گویا بہار سی آ گئی۔ نواب صاحب کی اپنی کوئی بیٹی نہیں تھی مگر انیقہ ان کو بالکل بیٹی کی طرح لگتی تھی۔

''بیگم! انیقہ بہت اچھی اور پیاری بچی ہے۔ ہے ناں؟'' نواب صاحب نے جواب طلب نظروں سے بیگم کو دیکھا جو تخت پر بیٹھی پان دان سنبھالے پان بنا رہی تھیں۔ مسکرا کر ان کو دیکھنے لگیں۔

''ہوں، تو اس کا مطلب ہے آپ بھی وہی سوچ رہے ہیں جو میں سوچ رہی ہوں۔'' ان کی بات پر نواب صاحب نے نال ایک طرف رکھی اور پُرخیال انداز میں بیگم کو دیکھنے لگے۔

''ہاں، اگر ایسا ہو جائے تو بہت خوشی کی بات ہو گی۔ کیونکہ بانو بیگم ہماری بہت فرمانبردار بہو ہیں اور انیقہ ان ہی کی بہن ہے۔ تو دونوں بہنیں خوش رہیں گی اگر اللہ نے چاہا تو۔''

''جی ہاں۔ ہم لوگ تو اللہ لاشریک کے حکم کے پابند ہیں۔ ویسے مجھے تو لڑکی بے حد پسند آئی ہے۔ اب اگر اللہ کو بھی منظور ہو تو شفاعت بیٹے کو بھی پسند آ جائے گی ورنہ ہم اسے مسلط نہیں کریں گے۔'' انیسہ بیگم نے پان دان بند کر کے ایک طرف رکھ دیا۔

☆☆☆

''ہائے آپی! آپ سے مل کر کتنی خوشی ہو رہی ہے۔ سوچتی ہوں اتنے عرصے آپ سے جدا کیسے رہ لی۔'' انیقہ بار بار بہن سے لپٹ جاتی تو شجاعت اللہ صاحب بہنوں کی محبت پر ں دیتے۔

"ہاں، جب بھی جاتی ہوں کتنا کہتی ہوں چلو میرے ساتھ مگر تمہیں تو بہنوں سے زیادہ محبت ہے ہی نہیں۔" بانو بیگم نے بڑے پیار سے انیقہ کے بال سنوارتے ہوئے کہا۔

"ایسی بات نہیں ہے آپی جان۔ پتہ ہے پڑھائی میں وقت ہی نہیں ملتا تھا کہ کسی اور طرف دھیان دوں۔" ابھی انیقہ کی بات جاری تھی کہ گھر کی پرانی ملازمہ رشیدن جو انیسہ بیگم کے ساتھ آئی تھیں، ساتھ ہی رہیں، سرد و گرم موسموں کے اثرات کی طرح ان کے گھر میں رچی بسی رہیں۔

"ہائے کمبخت چیونٹے۔ ارے کہاں مر گیا یہ عبدل کا بچہ۔"

وہ گال پر ہاتھ رکھے ہائے ہائے کرتی عبدل کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ عبدل گھر کے مالی کا تیرہ چودہ سالہ لڑکا تھا جس کو اماں بی کو تنگ کرنے میں بڑا مزہ آتا تھا۔ "ارے اماں بی! عبدل تو ابھی خود بچہ ہے، اس کا بچہ آپ کہاں سے تلاش کر رہی ہیں؟" نواب شجاعت اللہ سمجھ تو گئے تھے۔ اماں بی کو چڑانے کی غرض سے بولے۔

"ارے میاں، آپ کے ان لاڈوں نے تو اس بالشت بھر مچھر کو سر چڑھایا ہوا ہے ورنہ اس کی مجال کہ رشیدن بی بی کے منہ لگے۔ چھوڑوں گی تو نہیں اس کلموئے کو۔"

"اللہ کی پناہ مانگو اماں بی۔ جس روز مچھر بالشت بھر کے ہو گئے ناں، سمجھو کہ تم گئیں۔ یوں دندی کاٹے گا اور اماں ہماری انا للہ۔" عبدل اماں کی آنکھ بچا کر نہ جانے کہاں سے آ گیا اور اماں کا ہاتھ پکڑ کر دانت نکالے تو اماں بی اچھل پڑیں۔

"ٹھہر کمبخت ابھی تیرے پائے نہ چولہے پر چڑھائے تو کہنا۔" اور پھر عبدل اور اماں بی کا چوہے دوڑ بلی آئی والا کھیل شروع ہو گیا۔

"ٹھہر کمبخت رک جا اور مار کھا ورنہ......" اماں بی کا سانس پھول چکا تھا۔ برا حال تھا۔ سلیپر اتار کر مارا مگر عبدل نے کیچ کر کے بغل میں دبا لیا۔

***

"انیقہ! ماشاء اللہ تمہارے بال تو بہت خوبصورت ہیں۔ کتنی اچھی لگتی ہے تمہاری چوٹی۔ تمہارے بال تو بالکل امی جان پر گئے ہیں۔ ان کے تو اب بھی اتنے ہی چمکدار اور گھنے بال ہیں۔ میرے تو بس اتر گئے ہیں۔" بانو بیگم، انیقہ کی دراز چوٹی کے بل کھولتے ہوئے رشک آمیز لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

"یہی تو مشکل ہے آپی کہ بال خدا نے اچھے دے دیے ہیں۔ اگر اچھے نہ ہوتے تو میں ضرور کٹوا دیتی۔ میری دوست ہے، اتنے اچھے لگتے ہیں اس کے شولڈر کٹ بال، یوں لہراتی



ہے کہ بندہ دل تھام لے۔"

انیقہ کو چھوٹے بال پسند تھے مگر مجال ہے کوئی اسے بال کٹوانے کی اجازت دے دیتا۔

"ایسا کبھی سوچنا بھی نہیں۔ ایک تو بال عورت کا حسن ہیں، حیا ہیں اور دوسرے ہمارے خاندان میں بال کٹوانے کی قطعی اجازت نہیں، سمجھیں۔ تم بیٹھو، میں ذرا کچن سے ہو کر آتی ہوں پھر تمہارے بالوں میں تیل ڈالوں گی۔ کیسے روکھے پھیکے ہو رہے ہیں۔"

بانو بیگم اٹھ گئیں تو انیقہ نے جھٹ بال سمیٹ لیے۔

"ہائے نہیں آپی، تیل نہیں۔ امی جان بھی اسی بات پر خفا رہتی ہیں مگر مجھے تیل سے بہت کوفت ہوتی ہے۔ میں بس بال بنا رہی ہوں، آپ تسلی سے اپنا کام نمٹا کر آئیے گا۔"

"اچھا خبردار جو آئیں بائیں شائیں کی تو۔ بیڑا غرق کرنا ہے اتنے حسین بالوں کا۔" بانو نے اس کے ملائم چمکدار بال ہاتھ میں لے کر کہا اور باہر نکل گئیں۔ انیقہ نے برش اٹھا کر پھیرا، پھر بانو کی پڑی ہوئی ہلکے شیڈ کی لپ اسٹک لگائی۔ خاصی بوریت ہو رہی تھی۔ پھر اٹھ کر باہر آ گئی۔ ملتان سے یہ لوگ اسلام آباد شفٹ ہو گئے تھے اور جہاں ان کا گھر تھا۔ وہاں سے پہاڑی منظر بڑا دلکش نظر آتا تھا۔ قدرتی نظارے تو اسے بہت پسند تھے۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی باہر ٹیرس پر آ گئی۔ وہ کتنی ہی دیر قدرتی مناظر میں کھوئی رہی۔ پھر جب ہوا تیز ہو گئی تو وہ دل میں خدا کی حمد و ثناء کرتی واپسی کا سوچ رہی تھی کہ کسی نے پیچھے سے پکڑ کر اُسے دھکا سا دیا۔

***

عشقے بھئی عشقے، کیا چال ہے تیری...... کا کے؟"

"بس چال ہی پسند آئی ہے تجھے میری۔ میرا رنگ روپ، میرا نین نقشہ ہائے...... ہائے کیا قیامت ڈھاتے ہیں اور تجھے صرف چال پسند......"

"ہائے کاکے کی پسند کی بات نہ کر۔ پسند تو، تو سر سے پیر تک ہے۔ پر کیا کروں تو قابو میں آتا ہی نہیں یار کیا کروں۔ آ جا نا، ایک بار تو آ جا نا......شکل بری سہی مگر تیری قسم دل برا نہیں۔" یہ وہ جملے تھے جو اسے روز سننے کو ملتے تھے۔ یہ وہ گندی نگاہیں تھیں جو چادر میں لپٹے اس کے وجود کے آر پار ہوتی تھیں مگر وہ ان کو اہمیت دیئے بغیر بڑھتی چلی جاتی تھی۔ گلی کے یہ اوباش لڑکے تھے جن کو نہ اپنی عزت کا پاس تھا، نہ دوسروں کی عزت کا خیال۔ اگر وہ ان باتوں کی پرواہ کرتی تو نہ پڑھ پاتی اور نہ پارٹ ٹائم جاب ہی کر سکتی۔ وہ زمین پر پُراعتماد قدم رکھتی بڑھ رہی تھی کہ پاؤں کے نیچے نہ جانے کیا چیز آ گئی کہ وہ توازن برقرار نہ رکھ سکی اور

لڑکھڑا گئی۔ اگر محلے کا وہ خوبرو لڑکا جو غنڈوں میں شامل تھا، اسے بڑھ کر تھام نہ لیتا تو وہ شاید کوڑے کے ڈھیر پر گر جاتی۔

''سنبھل کے شہزادی! ابھی تمہارے دشمنوں کو کچھ ہو جاتا تو کوئی بدنصیب مارا جاتا ناں۔''

وہ اُس کا نازک ہاتھ تھامے اس کی گہری آنکھوں میں ڈوبا جا رہا تھا۔

''چھوڑو میرا ہاتھ۔'' شہناز نے جھٹکے سے ہاتھ اس کی گرفت سے آزاد کرایا۔

''ہاتھ پکڑ کر چھوڑنا مردانگی تو نہیں شہزادی، مگر تمہارے حکم پر چھوڑے دیتے ہیں۔'' اس نے ہاتھ چھوڑ دیا تو وہ جھک کر اپنی گری ہوئی چیزیں اٹھانے لگی۔ مگر اس سے قبل ہی سلیم نے جھک کر اس کا پرس اٹھا کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیا تو وہ نخوت بھری نگاہ اس پر ڈال کر آگے بڑھنے لگی۔

''شکریہ تو کہتی جاؤ شہزادی۔'' سلیم کی آواز بھی اس کی صورت کی طرح خوبصورت اور گمبھیر تھی۔ شہناز نے بس پلٹ کر دیکھا۔

''کس بات کا شکریہ؟'' اُس نے ترش لہجے میں پوچھا تو دلفریب سی مسکراہٹ سلیم کے لبوں تک آ گئی۔

''گرتے گرتے تھام نہ لیا ہوتا تو شہزادی ہمارے قدموں میں ہوتی۔''

سلیم کی گہری نگاہیں اُس کے حسین چہرے کو حصار میں لئے ہوئے تھیں۔

''خدا نہ کرے کہ میں تمہارے قدموں میں گروں۔'' وہ تلملا اٹھی۔ سلیم نے اسے دیکھا، ہلکی سی روشنی میں اس کے نقوش اور حسین لگ رہے تھے۔ اس نے شہناز کو دیکھا۔

''ہاں خدا نہ کرے کہ حسن کبھی اتنا مجبور ہو کہ عشق کے قدموں میں گر پڑے۔'' پھر سلیم نے سینے پر ہاتھ رکھا اور اسے جانے کو کہا۔ وہ گھورتی ہوئی آگے بڑھ گئی تو وہ دور تک اسے دیکھتا رہا۔

''السلام علیکم امی جان۔'' اُس نے تھکے انداز میں مشین پر بیٹھی ماں کو سلام کیا۔ حمیدہ بیگم نے اسے دیکھا، اس نے بھی ان کو دیکھا، ایک تھکی ہوئی پُرسوز سی مسکان ماں کو افسردہ کر گئی۔

''وعلیکم السلام۔'' انہوں نے دھیرے سے جواب دیا اور اپنے کام میں مصروف ہو گئیں۔

شہناز کا دل بہت بوجھل ہو رہا تھا۔ آخر ایسے کب تک چلے گا؟ زندگی کا یہ بے منزل بیڑا کس ساحل پر لگے گا؟ وہ اداس شاموں کی اداسی لئے فرش پر لیٹ گئی اور سر ماں کی گود میں رکھ دیا۔ ڈھیر سارے بے نام آنسو ماں کی آغوش میں جذب ہو گئے۔ انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔



''میں تم سے ہرگز نہیں پوچھوں گی کہ آج پھر.....'' حمیدہ بیگم نے جملہ ادھورا چھوڑ کر اسے بولنے کی دعوت دی تو اس نے ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑ ڈالیں۔

''آپ کے پوچھنے نہ پوچھنے سے کیا ہوتا ہے امی۔ یہ جو گلی میں کتے بندھے ہوتے ہیں ناں، بھونکنا ان کی عادت ہوتی ہے۔ وہ تو ہر آتے جاتے پر بھونکیں گے ہی۔ اب کوئی پلٹ کر پتھر اچھالے گا تو ان کے منہ تو بند نہیں ہوں گے البتہ لوگوں کو پتہ چل جائے گا کہ کس پر بھونک رہے ہیں۔ ان کو اپنا کام کرنے دیں، ہم اپنا کام کریں گے۔'' بولتے بولتے اس کی آواز بھیگ گئی۔

''میں...... میں تم سے بے حد شرمندہ ہوں۔ مگر..... مگر میں نے تو بہت کوشش کی تھی بیٹا! تمہارے باپ کے ظلم کے ہر وار کو اپنے صبر و ضبط اور برداشت میں اتار لیا تھا، ہر طرح کا نباہ کیا تھا، سمجھوتا کیا تھا۔ مگر وہ ظالم، خود سر شخص مجھے چھوڑ دینے پر ہی تلا ہوا تھا۔ میں تو اس کے نام کے سائبان کی بھیک مانگتی ہی رہ گئی۔ اس نے یہ سایہ بھی چھین کر پھینک دیا دنیا کی بھیڑ میں انجانی منزل کی تلاش میں بھٹکنے کے لئے۔''

حمیدہ بیگم کے دُکھ قطرہ قطرہ شہناز کے بالوں میں جذب ہونے لگے تو اس نے ان کے ہاتھ پکڑ کر ہونٹوں سے لگا لئے۔ بچپن کے تمام مناظر نگاہوں میں گھومنے لگے۔ روز والدین کی لڑائی جھگڑا۔ ابو کا امی کو مارنا، برتن توڑ دینا، گالیاں دینا۔ زیادہ تو حمیدہ بیگم برداشت کر جاتیں۔ مگر جب پیمانہ لبریز ہو جاتا تو ایک آدھ دفاعی جواب پر ایسی درگت بنائی جاتی کہ وہ اور اس کے چھوٹے بھائی سہم کر کمرے میں بند ہو جاتے۔ آخر کار یہ ناہموار سفر طلاق، طلاق اور پھر طلاق کے موڑ پر آ کر ختم ہو گیا۔ اسے وہ قیامت خیز دن خوب اچھی طرح یاد تھا۔ اس کی عمر بارہ سال تھی جب اس کے ابو نے اپنی زندگی کی گاڑی سے اس کی ماں کو دھکا دے کر گرا دیا تھا۔ وہ زخموں سے چور تڑپتی سسکتی بچوں کی طرف بڑھی تب ابو نے اسے حمیدہ کی طرف دھکیل دیا اور دونوں لڑکوں کو اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔

''لڑکوں کو ورغلانے کی ضرورت نہیں۔ یہ میرے بیٹے ہیں۔ بیٹے ہو کر میرے بڑھاپے کا سہارا بنیں گے۔ یہ تمہاری بیٹی ہے، لے جاؤ اسے بھی اپنے ساتھ۔''

اس کے سگے باپ نے اتنی سفاکی سے اسے دھکا دیا تھا کہ وہ گر پڑی تھی، ماں نے تڑپ کر اسے ساتھ لگا لیا تھا۔

''ٹھیک ہے، تم اس عزت کے قابل بھی نہیں ہو کہ ایک بیٹی کی اچھی تربیت کر کے اسے عزت سے رخصت کر سکو۔ آج کے بعد میں اور میری بیٹی تمہاری راہوں میں نہیں آئیں

گے۔'' حمیدہ بیگم نے اس کا ہاتھ پکڑا اور ان کی زندگی سے نکل آئیں تو اندازہ ہوا کہ اس معاشرے میں مرد کا ساتھ، اس کے نام کا سائبان کتنا ضروری ہے۔ وہ خود بے نام و نشان تھیں۔ نہ والدین تھے، نہ بہن بھائی۔ ماموں مامی نے جیسے تیسے پالا تھا۔ غریب لوگ تھے کہاں تک زندگی کے مسائل سے لڑتے۔ ان کی اپنی بیٹیاں بھی تھیں۔ اس کی شادی کر دی تو دلہن بنی حمیدہ بیگم کو مامی نے گلے لگا کر کہا۔

''بیٹی! ڈولی میں سج کر جا رہی ہو، شوہر کے گھر سے جنازے کی صورت ہی نکلنا اور کیسے ہی حالات کیوں نہ ہوں، شوہر کتنے ہی ظلم کیوں نہ کرے، برداشت کر لینا مگر کبھی طلاق نہ لینا۔''

اور ایک دُلہن جو سہاگ کا جوڑا پہنے بیٹھی ہو، وہ ایسی بات سوچ بھی نہیں سکتی جو مامی نے کہہ دی تھی۔ وہ حیران کن نظروں سے مامی کو دیکھنے لگی تھی۔

''میری بیٹی! یہ میرے نہیں، تمہاری مرحومہ ماں کے الفاظ ہیں بلکہ وصیت ہے۔ یہ تو تمہیں معلوم ہی ہے کہ تمہاری ماں کو بھی طلاق ہوگئی تھی۔ وہ بھی بالکل بے قصور تھی مگر اس کے ظالم شوہر نے اس بے بس کی بیماری کو اس کی سزا بنا دیا اور طلاق دے دی اور وہ جب تک زندہ رہی، ہر سانس سینے میں پھانس بن کر آتی جاتی رہی۔ اس لئے بیٹی! یہ اُس کے آخری الفاظ تھے کہ طلاق کا جو زہر اس کی رگوں کو کاٹتا رہا ہے، اس کی بیٹی اس سے محفوظ رہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں خوش رکھے۔ سب کچھ برداشت کر لینا مگر طلاق کی نوبت نہ آنے دینا۔''

اپنے جہیز میں یہ وصیت ملی تھی تو اس نے بھی سر دھڑ کی بازی لگا دی تھی۔ بد دماغ شوہر کی خاطر مدارات اور خدمت میں جان گنوا دی تھی۔ مگر دوسری شادی کے لئے اس نے اس کی اجازت کے باوجود بے وجہ بہانہ بنا کر طلاق دے دی کیونکہ جس عورت سے وہ شادی کرنا چاہ رہا تھا، اس کی شرط تھی کہ پہلے بیوی کو طلاق دو اور بیٹی کو اس کے ساتھ رخصت کرو تب وہ شادی کے لئے تیار ہوگی۔ اور اس کمزور سنگدل آدمی نے شریف، نیک بیوی کو تو طلاق دی ہی تھی ساتھ میں اپنی معصوم بیٹی سے بھی اپنے باپ ہونے کا حق چھین لیا تھا۔

''آپ...... آپ کس لئے شرمندہ کر رہی ہیں امی! میرے تو باپ نے ہی مجھے قبول نہیں کیا۔ اس نے تو میرے وجود سے ہی انکار کر دیا تھا۔ گھر کی فالتو چیز کی طرح اٹھا کر پھینک دیا تھا، جس کی کبھی ضرورت نہ پڑتی ہو۔ میں تو آپ کی مشکور ہوں کہ آپ نے میرے وجود سے انکار نہیں کیا، مجھے سینے سے لگایا اور حالات کی تپتی دھوپ میں میرے لئے سائبان بنی رہیں۔ میں تو آپ کی احسان مند ہوں۔''

''میری جان! میں تیرے وجود سے انکار کیسے کر سکتی ہوں۔ تم تو میرے وجود کا حصہ ہو۔



میرا دل ہو، میری جان ہو۔''

''امی! آپ نے میرے لئے کیا کچھ نہیں کیا۔ میں تو آپ کی خاطر جان بھی دے سکتی ہوں۔ نفرت ہے مجھے اپنے اس باپ سے جس نے ایک دوسری عورت کی خاطر ہم ماں بیٹی کو در بدر خوار ہونے کے لئے چھوڑ دیا۔''

شہناز کو واقعی اپنے باپ سے شدید نفرت تھی اور یہ نفرت اس وقت شدید ہو جاتی جب ان کو لوگوں کے رویوں کا سامنا کرنا پڑتا، ناقابل برداشت مسائل کی چکی سے گزرنا پڑتا۔ پھر دونوں ستم زدہ ماں بیٹی کتنی ہی دیر روتی رہیں، اپنوں کی بے وفائیوں پر تڑپتی رہیں۔

''چھوڑیں امی! یہ زندگی ہے۔ یہاں ہر طرح کے لوگ ہیں۔ زندگی کے اس میلے میں اگر ہر طرح کے لوگ نہ ہوں گے تو میلہ رنگین کیسے ہوگا۔ اچھے برے لوگوں کا ہجوم ہی تو ہے یہ زندگی۔ اور پھر اگر میرے جیسی مظلوم بیٹی، جس کو باپ نے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہو اور آپ جیسی پارسا بیوی جس کو ایک نفس پرست شوہر نے بلاوجہ چھوڑ دیا ہو، ہم جیسے کردار اگر معاشرے میں نہیں ہوں گے تو یہ زندگی کیسے گزرے گی، گلیوں میں بندھے یہ کتے کس پر بھونکیں گے، افسانے کیسے لکھے جائیں گے، ڈرامے کیسے بنیں گے۔ خوشیوں اور غموں کی دھوپ چھاؤں کا امتزاج ہے ناں یہ زندگی۔ اور پھر امی ہم اکیلے اور تنہا کب ہیں، ہمارا اللہ تو ہے ناں۔'' اس نے ماں کا تر چہرہ اپنے ہاتھوں سے صاف کیا۔ انہوں نے اسے ساتھ لگا لیا۔

''ہاں جان، اللہ ہی ہمارا سب کچھ ہے۔ ہمیں کسی بات کی فکر کیوں ہو۔''

''اچھا چلئے چھوڑیں۔ یہ بتائیں آج آپ نے میرے لئے کیا بنایا ہے؟ قسم ہے چوہوں کے ہاکی میچ نے پیٹ میں کھلبلی مچا رکھی ہے۔''

حمیدہ بیگم اٹھ کھڑی ہوئیں۔

حمیدہ بیگم نے جب شوہر کے گھر کو چھوڑا تو ان کے ایک ہاتھ میں بیٹی کا ہاتھ اور دوسرا ہاتھ خالی تھا، حال بے حال اور مستقبل گمشدہ تھا۔ ہاں دل میں ایمان اور یقین تھا کہ اللہ تو ساتھ ہے ناں وہ بچانے والا ہے۔ دینے والا ہے۔ وہ تعلیم یافتہ نہیں تھیں اس لئے زندگی بہت مشکل سے گزر رہی تھی۔ ان کو وہ تمام مشکلات پیش آتی تھیں جو ایک طلاق یافتہ عورت کو پیش آتی ہیں۔ ساتھ میں بیٹی کا وجود طرح طرح کے افسانوں کو جنم دے رہا تھا۔

''ارے بھئی طلاق کی کوئی نہ کوئی وجہ تو ہوگی۔ یونہی تو شوہر طلاق نہیں دے دیتا اور ساتھ میں بیٹی بھی ہے۔ اور ارے بھیا، نہ جانے کیا کہانی ہے، مجھے تو عورت ہی کا قصور لگتا ہے۔''

اس طرح کی بے شمار باتیں تھیں جو دل میں نشتر بن کر اتر جاتیں۔ جوان اور خوبصورت

تھیں، گھروں میں کام پر نہیں رکھی جاتی تھیں کہ جوان اور خوبصورت عورت کو گھر میں ملازمہ رکھ کر شوہر گنوانا ہے۔ ایسے خیالات کے اظہار پر وہ شدت سے رو پڑتیں۔ کئی محلے، کئی گھر بدلے تھے مگر ہر جگہ سے اسی قسم کی باتیں ان کو کسی دوسرے سفر پر روانہ کر دیتیں۔ اسی خانہ بدوشی کے دوران اللہ تعالیٰ نے ان کی دعائیں سن لیں اور حمیدہ بیگم کے ماموں کے کسی دوست سے ملاقات ہوگئی تو وہ دونوں کے سرپرست بن کر اپنے گھر اس محلے میں لے آئے۔

وہ بیمار آدمی تھے، کوئی آل اولاد تو تھی نہیں، دو کمروں کا یہ گھر تھا جس کو کرائے پر دیا ہوا تھا مگر حمیدہ بیگم کی خاطر انہوں نے کرایہ دار نکال دیئے۔ تب سے ان کی زندگی میں ٹھہراؤ آ گیا تھا۔ ایک عرصے تک وہ بزرگ ساتھ رہے۔ پھر سانس کی بیماری نے یہ ساتھ بھی توڑ دیا مگر یہ ضرور ہوا کہ حمیدہ بیگم اس مہربان بزرگ کی بیٹی اور شہناز نواسی کی حیثیت سے رہ رہی تھیں۔ سلائی کا کام ان کی کوئی پڑوسن لا دیتی تھی۔ شہناز کالج میں پڑھ بھی رہی تھی اور باقی وقت میں وہ کسی فیکٹری میں کام بھی کرتی تھی۔ یوں تو یہ لوگ اب اسی محلے کی رہنے والی تھیں مگر دوسرے گھروں میں لوگ کرائے پر بھی آ کر رہ رہے تھے اور کچھ عرصے سے چند اوباش قسم کے لوگ بھی آ کر آباد ہوگئے تھے جس کی وجہ سے شہناز کو خاصی پریشانی تو ہوتی تھی مگر اس نے تو زندگی کے ناہموار راستوں پر اسی وقت سے چلنا شروع کر دیا تھا جب سگے باپ نے گھر سے نکالا تھا۔

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا کہ دروازے پر بڑی پراسرار سی دستک ہوئی۔ دونوں ماں بیٹی کا دل دھڑک اٹھا۔

''کک...... کون ہے؟'' حمیدہ بیگم کی آواز لرز گئی۔

⁂☆⁂

''آ...... آپی......'' انیقہ پوری قوت سے چیخ اٹھی۔ کچھ دیر کے لئے تو اس نے خود کو گہری وادی میں گرتے ہوئے محسوس کر لیا تھا۔ وہ گھبرا کر پیچھے مڑی تو ایک ساتھ دو حیرت انگیز چیخیں فضا میں بلند ہوئیں۔

''آپ......؟'' یہ دراصل شفاعت اللہ تھے جو کچھ دیر قبل ہی آئے تھے۔ نیچے سب کو ملنے کے بعد بھائی کو کہیں نہ پا کر اوپر آئے تو انیقہ پشت کیے کھڑی تھی۔ وہ تو بانو بیگم سمجھ کر ہی آگے بڑھے تھے، اب ان کی جگہ اجنبی خاتون کو دیکھ کر وہ شرمندہ ہوگئے کہ وہ کیا خیال کرے گی کہ کس قسم کا آدمی ہے۔

''آپ...... آپ کون ہیں؟'' دوسری طرف انیقہ اس باوردی خوبرو فوجی افسر کو دیکھ کر



سمٹ گئی۔ گو کہ اُسے شفاعت اللہ کے بارے میں پتہ تھا کہ وہ آرمی میں ہیں مگر اس وقت بوکھلاہٹ میں سب بھول گئی۔ وہ دونوں اپنی اپنی جگہ شرمندہ ہو رہے تھے۔ شفاعت اللہ کی شرمندگی اور گھبراہٹ تو دیدنی تھی کہ بلاوجہ ہی شرارت کر ڈالی۔ مگر ان کو کیا خبر تھی کہ وہ کسی اجنبی خاتون کو تھام بیٹھے ہیں۔

''جی میں شفاعت...... شفاعت اللہ۔''

شفاعت اللہ جو بانو کی فرمائش پر باوردی آئے تھے، اپنی کیپ اتارتے ہوئے لجاجت سے اپنا تعارف کروا رہے تھے اور انیقہ سے اپنی زلفیں سنبھل نہیں رہی تھیں اور جھونکے بھی شریر ہوگئے تھے۔ ان کی زلفیں فضا میں لہرا رہی تھیں۔

''جی اچھا میں...... میں آپی کو بتاتی ہوں۔'' انیقہ نے ایک نگاہ اس خوبرو فوجی افسر پر ڈالی اور گزرنے لگی تو ہوا سے اڑتی ہوئی زلفیں شفاعت اللہ کے شولڈر پر جڑے ستارے میں الجھ گئیں۔ دونوں ہی گھبرا گئے۔ کسی کے آ جانے کے اندیشے دونوں کے ہاتھوں میں نمی بن کر اتر آئے تھے۔ بال بری طرح اُلجھ گئے تھے۔

''آئی ایم سوری، ایک تو یہ میرے بال۔'' انیقہ بری طرح نروس ہو رہی تھی۔ بہن کے دیور کے قریب کھڑی وہ اپنے بال سلجھا رہی تھی۔

''آپ کے بال میرے اعزاز میں الجھ گئے ہیں۔'' نہ جانے کیوں شفاعت اللہ کو یہ ساری سچویشن بہت اچھی لگ رہی تھی۔ زندگی میں ایسے لمحات بھی آتے ہیں جن کے طویل ہونے کی دعا بے ساختہ لبوں پر آ جاتی ہے۔

''میں شرمندہ ہوں کہ میرے بال......'' انیقہ اس کے احساس سے بے نیاز اسی شرمندگی میں غرق ہوئی جا رہی تھی کہ بال ایک تو اس کے اسٹار میں الجھ گئے تھے، دوسرے وہ اس کے انتہائی قریب کھڑی تھی اور تیسرے سب سے بڑا خوف کہ کوئی آ گیا تو اس سچویشن سے کیا اخذ کرے گا۔ وہ بری طرح اپنے بال کھینچ رہی تھی۔

''ارے اتنے ظالمانہ انداز میں بال مت کھینچئے، ٹوٹ جائیں گے۔''

''کوئی پرواہ نہیں۔ بس آپ......'' وہ روہانسی ہوگئی۔

''ارے گھبرایئے مت، لایئے میں آپ کی مدد کرتا ہوں۔'' اور پھر میجر شفاعت اللہ نے بال نکالنے کی کوشش کی۔ مگر بال بری طرح الجھے ہوئے تھے۔ انہوں نے ایک نگاہ انیقہ پر ڈالی، شرمندگی اور گھبراہٹ نے اس کے خوبصورت چہرے کو اور حسین بنا دیا تھا۔

''میرا خیال ہے، معاملہ الجھ گیا ہے۔ میں ایسا کرتا ہوں، اپنا اسٹار اتار کر آپ کو دے دیتا

ہوں۔ آپ کمرے میں لے جائیے اور تسلی کے ساتھ اپنے بال نکال لیجئے۔'' اُسے معنی خیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے میجر شفاعت اللہ نے اپنا اسٹار اتار دیا تو وہ کچھ ممنون، کچھ شرمندہ سی نگاہ اس پر ڈالتی ہوئی تیزی سے اسٹار لئے سیڑھیاں اتر گئی۔ شفاعت اللہ سینے پر ہاتھ باندھے اُس کے وجود سے اٹھتی خوشبو کو محسوس کرتے ہوئے ایک گہرا سانس لے کر رہ گئے۔

''مجھے تلاش تھی جس کی شاید وہ ہم سفر تم ہو۔'' شفاعت اللہ نے اپنے دل میں اٹھنے والے پہلے لطیف احساس کا راز خوبصورت آزاد فضا کے سپرد کیا اور نیچے آ گئے۔

☆☆☆

کمرے میں آ کر انیقہ کافی دیر اُلجھی رہی۔ بڑی مشکل سے وہ ستارے سے بال نکال پائی۔ کتنے ہی بال ٹوٹ گئے۔ کتنے ہی ستارے میں پھنسے رہے۔ اس ساری کارروائی کے دوران دل دھڑکتا رہا اس خیال سے کہ شفاعت اللہ کیا سوچتے ہوں گے یا پھر اگر کسی نے دیکھ لیا ہوتو؟ ''اُف میرے خدایا، یہ سب کیوں ہوا؟ وہ کیا خیال کرتے ہوں گے کہ..... کہ میں کیسی لڑکی ہوں۔''

باہر خوب شور ہنگامہ تھا، ہر کوئی شفاعت اللہ کے یوں اچانک بغیر اطلاع کے آ جانے پر خوش تھا۔

''یہ سرپرائز دینے والی تمہاری عادت نہ گئی۔'' شجاعت اللہ صاحب پیار سے بھائی کو دیکھ رہے تھے۔

''ارے بھائی صاحب، بہت فائدے ہوتے ہیں سرپرائز دینے کے، اس کا اندازہ تو ہمیں آج ہی ہوا ہے۔'' شفاعت اللہ نے سامنے دیکھا جہاں سامنے والے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور بانو، انیقہ کو بلا رہی تھیں، جبکہ وہ پس و پیش کر رہی تھی۔ شفاعت اللہ سے ملاقات کا احوال پاؤں کی زنجیر اور حیا کا باعث بنا ہوا تھا۔

''آپی! ایمان سے مجھے بھوک نہیں ہے ورنہ میں آ جاتی۔ اس وقت تو قطعی موڈ نہیں۔ اپنا تو گھر ہے، جب بھوک لگے گی تو خود جا کر کھا لوں گی۔'' انیقہ نے کترا کر گزر جانا چاہا۔

''انیقہ جانی! لڑکیوں کو اپنے مزاج اور موڈ کے تابع نہیں ہونا چاہئے۔ ان کا موڈ بزرگوں کی عزت اور ماحول کے تابع ہونا چاہئے۔ اور پھر تمہیں اس بات کا خیال ہونا چاہئے کہ یہ ہمارا سسرال ہے، ہماری عزت کا خیال ہونا چاہئے۔ سب کھانے پر تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ اور.....''

''معذرت چاہتی ہوں آپی جان۔ مگر بخدا قطعی بھوک نہیں۔ آپ کو کیسے یقین دلاؤں۔''



انیقہ روہانسی ہو گئی۔ کیونکہ اس کی بھوک تو گویا اس ملاقات کے بعد اڑ گئی تھی۔ بھوک تو تھی نہیں دوسرے وہ اب شفاعت اللہ سے نگاہیں ملانے کی ہمت نہیں کر پا رہی تھی۔

''ٹھیک ہے، بھوک نہیں تو آ جاؤ، سب میں مل کر بیٹھ جاؤ۔ ابا جان بھی کئی بار پوچھ چکے ہیں۔ اٹھو چندا، کیا ہوا ہے، کوئی خاص بات ہوئی ہے کیا..... ہمیں بتاؤ۔'' بانو نے آگے بڑھ کر اس کے سرد ہاتھ چھوئے تو وہ خوفزدہ ہو کر کھڑی ہو گئی۔

''نن..... نہیں آپی جان، کوئی خاص بات نہیں۔ بس یوں ہی۔ اچھا آپ چلئے ہم آتے ہیں۔'' بوکھلاہٹ میں انیقہ نے بانو کا ہاتھ جھٹکا اور کھڑی ہو گئی۔ اسی وقت اس کی گود میں رکھا ہوا شفاعت اللہ کا اعزازی ستارہ قالین پر گرا تو انیقہ کی جان نکل گئی۔ قریب تھا کہ بانو متوجہ ہوتیں کہ باہر سے شفاعت اللہ کی آواز آئی۔ بانو اس کی طرف مڑ گئیں۔

''مانا بھابی جان، کہ ہم بن بلائے مہمان ہیں۔ اب اس کی سزا یہ ہے کہ ہم بھوکے شہید ہو جائیں؟''

''ارے نہیں بھیا۔ آپ تو ہمارے بیٹوں کی طرح ہیں۔ شفاعت میاں، ہم آ رہے ہیں۔ بس یہ انیقہ..... ارے ہاں، آپ کا تعارف ہے انیقہ سے؟'' بانو نے شفاعت اللہ کو دیکھا جن کی نظریں گھبرائی ہوئی انیقہ پر ٹھہری ہوئی تھیں۔ وہ پریشانی میں ہاتھوں کو آپس میں رگڑ رہی تھی۔

''یقین جانئے بھابی جان! ہمارے گھر کی دیواریں قطعی نہیں بولتیں اور نہ ہی ہمارے گھر کے فرنیچر کو چغلی کھانے کی عادت ہے کہ چپکے سے ہمارا ان سے اور ان کا ہم سے تعارف کرا دیتے۔'' شفاعت اللہ کی نگاہیں اب بھی جز بز ہوتی انیقہ پر تھیں۔

''بہت شریر ہو گئے ہیں آپ شفاعت میاں۔'' بانو نے مسکرا کر شفاعت اللہ کو دیکھا۔

''تھے تو نہیں، اب ہو جائیں گے۔ بہرحال آپ ان سے ہمارا تعارف کرانے والی تھیں۔'' انیقہ کی پیشانی عرق آلود ہو رہی تھی اور دل دعا کر رہا تھا کہ یہ لوگ جلدی سے یہاں سے ٹل جائیں۔

''ہاں بھئی، رسمی سا تعارف ہے ورنہ تو تم جانتے ہی ہو گے کہ یہ انیقہ ہیں۔''

''السلام علیکم! کیسی ہیں آپ؟ مجھے تو معلوم ہی نہیں تھا کہ آپ ملک کی معروف و مشہور شخصیت ہیں۔ دیکھئے ہماری لاعلمی کا ماتم کیجئے کہ معلوم ہی نہیں کہ ہماری بھابی جان کی بہن اتنی مشہور شخصیت ہیں۔'' شفاعت اللہ نے بانو کے جملے سے یہ حظ اٹھایا کہ دونوں بہنیں حیرت سے ان کو دیکھنے لگیں۔

''وعلیکم السلام، لیکن میں کوئی مشہور شخصیت تو نہیں۔'' انیقہ نے بہن کو دیکھ کر دھیمی سی آواز میں کہا۔

''ہمیں کیا معلوم، آپ کی بہن اور ہماری بھابی جان نے کہا ہی ایسے ہے کہ یہ تو رسمی سا تعارف ہے ورنہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ یہ انیقہ ہیں۔ اب بتایئے ہم مجرم ہیں کوئی؟'' شفاعت اللہ نے سہمی ہوئی انیقہ کی آنکھوں میں جھانکا جہاں خوف کے سائے لہرا رہے تھے۔

''آپ واقعی شریر ہو گئے ہیں۔ چلئے کھانے پر سب ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے۔'' بانو نے پیار سے شفاعت اللہ کے کان چھوئے تو انہوں نے ایک گہری نگاہ پریشان سی انیقہ پر ڈالی جوان کے جانے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے جھکی اعزازی ستارہ اٹھا رہی تھی۔

''اوہ۔'' جاتے جاتے شفاعت اللہ کو انیقہ کی گھبراہٹ اور پریشانی کا سبب معلوم ہوا تو ہلکی سی مسکراہٹ ان کے ہونٹوں پر آ گئی۔ انہوں نے بھرپور نگاہ ان پر ڈالی اور جاتے جاتے رک گئے۔

''کیسی میزبان ہیں آپ بھابی جان! کہ اصل مہمان کو آپ نے کھانے کا کہا ہی نہیں۔ کیا محترمہ روزے سے ہیں؟'' وہ شرارت سے پلٹ کر بلند آواز میں بولے تو گھبراہٹ میں ان کا ستارہ پھر گرا مگر اس بار بستر پر گرا۔

''جی نہیں، آپ چلئے ہم آتے ہیں، بس ذرا.....'' گھبراہٹ میں ستارہ اٹھاتے ہوئے انیقہ نے کہا تو شفاعت اللہ نے پلٹ کر دیکھا۔ بانو بیگم باہر نکل چکی تھیں۔

''یہ ہمارا اعزاز ہے، سنبھال کر رکھئے گا۔ ہو سکے تو ہمارے اعزاز میں اضافہ کر دیجئے گا۔'' شفاعت اللہ واقعی شرارت پر آمادہ ذومعنی الفاظ کی کرنیں بکھیر رہے تھے۔

''جی.....؟'' انیقہ گھبراہٹ میں سمجھ نہیں پائی۔

''کچھ نہیں۔ آپ جلدی آ جایئے، ہم ذرا وضع دار قسم کے آدمی ہیں۔ کھانا مہمانوں کے ساتھ کھانا پسند کرتے ہیں۔ جلدی آیئے۔'' شفاعت اللہ نے جاتے جاتے پھر ان کو دیکھا۔

''جی بہتر۔'' انیقہ نے گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے لہجے میں اعتماد شامل کرتے ہوئے کہا۔ وہ مسکراتے ہوئے باہر نکل گئے۔

⁂☆⁂

''بھئی شفاعت میاں، یہ آپ کی اچانک آمد کس سلسلے کی کڑی ہے؟ پوسٹنگ ہوئی ہے یا چھٹی پر آئے ہو؟'' بانو اور انیقہ کے والد نواب حشمت صاحب پوچھ رہے تھے۔ ان کی آمد پر شفاعت اللہ ایک ہاتھ پیچھے باندھ کر مودب کھڑے ہو گئے۔



''سلسلوں کا تو کچھ پتہ نہیں چلتا چچا جان کہ کب کہاں کس موڑ پر کون سا سلسلہ شروع ہو جائے۔ البتہ فی الحال تو میں یہاں پنڈی کورس کے سلسلے میں آیا ہوں۔ امید ہے کہ پوسٹنگ بھی یہیں کی آ جائے گی۔''

شفاعت اللہ نے سامنے گزرتی انیقہ پر ایک چور سی نگاہ ڈال کر کہا جو سر پر دوپٹہ جمائے بانو کے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی۔

''چلئے، اللہ آپ کو کامیاب کرے۔ یہ تو بہت ہی اچھا ہوا کہ ہماری موجودگی میں آپ آ گئے۔ ورنہ تو جب سے آپ پاک آرمی کو پیارے ہوئے ہیں، ہمارے ہاں آنا تو درکنار، ہم بھی جب کبھی آئے، آپ غائب ملے۔'' نواب حشمت صاحب کو شفاعت اللہ سے مل کر بہت خوشی ہو رہی تھی۔

''جی اللہ نے چاہا تو اب ملاقات کا یہ سلسلہ چلتا ہی رہے گا، انشاء اللہ۔'' شفاعت اللہ کسی خاص خیال کے تحت مسکرائے۔ نواب حشمت صاحب، نواب امیر اللہ کے ساتھ بیٹھ گئے تو شفاعت اللہ بھی قدرے فاصلے پر بیٹھ گئے۔ اسی وقت اماں بی منہ پر ہاتھ رکھے آ گئیں۔

''خیریت بھئی رشیدن! منہ پکڑ رکھا ہے۔ دانتوں کے فرار ہونے کا اندیشہ تو نہیں؟ ویسے جہاں تک ہماری ناقص یادداشت کا تعلق ہے تو آپ کے دانت عرصہ ہوا آپ کو داغ مفارقت دے چکے ہیں۔''

''ارے رہنے دیجئے نواب میاں، یہ جو عبدل کا بچہ ہے ناں.....''

''ہائیں، راتوں رات عبدل کے بچے بھی ہو گئے اور ہمیں خبر تک نہ ہوئی۔ ویسے کتنی تعداد میں ہیں عبدل کے بچے؟'' نواب امیر اللہ صاحب نے مسکراتے ہوئے اماں بی کو دیکھا تو اماں بی نے منہ پر رکھے ہاتھ ہٹائے اور کمر پر رکھ کر بات کرنے لگیں۔

''ارے میاں پورے بتیس۔'' وہ بات کیا مکمل کرتیں، منہ سے ہوا ہی نکل گئی۔ سب ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرانے لگے۔

''لاحول ولا..... رشیدن بی! خدا کا خوف کھاؤ۔ بتیس بچے ہو گئے عبدل کے؟''

''اے میاں آپ تو منہ کی بات پکڑتے ہیں۔ پورے بتیس دانتوں کی نئی بتیسی بنوا کر دی تھی بیگم نے۔ کمبخت نے لے کر کہیں چھپا دی ہے۔ گھر بھر میں تلاش کر ڈالی مگر مل کر نہیں دی۔ اب جو چیز کھاتی ہوں، دانتوں میں پھنس، پھنس جاتی ہے۔ اے ہے، موئی منہ کی ہوا ہی نکل جاتی ہے، بات کیا ہو گی۔'' اماں بی سے واقعی بات نہیں ہو رہی تھی۔ پھس پھس ہو کر ہوا نکل جاتی۔ اسی وقت عبدل اچھلتا ہوا آ گیا۔

''شفاعت بھیا! آپ کا ٹیلی فون آیا ہے۔ جلدی سے سن لیجئے، لائن کٹ جائے گی۔''
عبدل نے اماں بی کو دیکھا، آنکھیں ٹیڑھی کیں اور فون کی اطلاع دی۔ شفاعت اللہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

''عبدل! تم ذرا ادھر دیکھو۔'' نواب امیر اللہ نے کہا تو اپنی طرف تھا مگر وہ آنکھیں بھینگی کر کے اماں کو دیکھنے لگا تو ان کے پتنگے لگ گئے۔

''ہائیں اماں بی، ابھی تو تم فوت بھی نہیں ہوئیں اور تم چار چار بن کر آ گئیں۔ چار اماں بی کیسے ہو گئیں؟'' عبدل بھینگی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

''دیکھا نواب صاحب، یہ بندر اسی طرح اچھلتا کودتا رہتا ہے اور شکلیں بگاڑ کر مجھے ڈراتا ہے۔''

''میاں، تم ذرا ادھر آؤ۔ ہم بتاتے ہیں اماں بی چار کیسے ہو گئیں۔'' نواب صاحب نے اس کی گردن اپنی چھڑی میں پھنسا کر اپنی طرف کھینچا۔

''یہ بتاؤ اماں بی کی بتیسی کہاں ہے؟'' نواب صاحب نے اس کے کان کھینچے۔

''قسم ہے اماں کی موٹی گردن کی جو آپ کی چھڑی میں فٹ نہیں آتی نواب صاحب، مجھے بالکل نہیں پتہ کہ اماں کی بتیسی کہاں گئی۔ قسم اللہ پاک کی میرے اپنے دانت ہیں، اللہ نے مجھے اپنی بتیسی دے رکھی ہے تو میں اماں بی کی بتیسی کیوں چرانے لگا۔ لو دیکھ لو اماں بی، چیک کر لو، تلاشی لے لو، یہ تمہاری بتیسی ہے کوئی؟'' عبدل بندروں کی طرح اماں کو دانت دکھانے لگا تو وہ غصے سے پیچھے ہٹیں۔

''اے پیچھے دیکھو کمبخت، بدبو آ رہی ہے۔ کبھی نہا لیا کر نامراد اور پھاوڑوں پر جھاڑو پھیر لیا کر۔''

''روز جھاڑو پھیرتا ہوں ان پھاوڑوں پر اماں بی۔ یہ دیکھو، یہ ہے میرا برش۔'' عبدل نے جیب سے برش نکال کر دکھایا تو اماں بی کو جیسے کرنٹ لگا۔

''اے ہے مردود تو یہ تیرے پاس ہے۔ ارے یہ میرا برش ہے نامراد، میں تلاش کرتی رہی اور تو اسے اپنی جیب میں ڈالے پھرتا ہے۔ ٹھہر ابھی تیری ہڈیوں کا سرمہ بناتی ہوں۔''
عبدل، اماں بی کا برش ہاتھ میں لئے قلانچیں بھرتا ہوا باہر نکل گیا اور اماں حسب معمول گرتی پڑتی اس کے پیچھے ہو لیں۔ باقی سب ہنستے رہے۔ اسی دوران شفاعت اللہ فون سن کر آ گئے۔

''کس کا فون تھا بیٹے؟'' نواب صاحب نے حقے کی نال اپنی طرف کھینچی۔



''ابا جان! بڑی پھوپھی جان اور سب سے چھوٹی والی پھوپھی جان آ رہی ہیں۔''

''ارے واہ بھئی، یہ تو خوشخبری ہوئی ناں۔ بہنیں بھائیوں کے گھر آئیں تو یہ بھائیوں کی خوش بختی ہوتی ہے۔ کب آ رہی ہیں ہماری بہنیں؟ ان کی آمد کے انتظامات شروع کر دو اور اپنی والدہ سے کہو کہ ان کی رہائش کا بندوبست کریں۔ اس گھر میں پہلی بار آ رہی ہیں ہماری بہنیں۔'' نواب امیر اللہ کو اپنے بہن بھائیوں سے بے پناہ محبت تھی مگر وہ اپنی بہنوں کا بے حد احترام کرتے۔ خواہ بڑی ہوتیں یا چھوٹی، وہ کہتے لڑکیاں تو پیدائشی مہمان ہوتی ہیں اس لئے ان کے ساتھ ہمیشہ محبت اور عزت کے ساتھ پیش آنا چاہئے۔

''نواب صاحب! آپ کس لئے فکرمند ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے، سب انتظامات پہلے سے موجود ہیں۔ خیر سے ان کو آنے تو دیں۔ شفاعت! کب آ رہی ہیں آپ کی پھوپھیاں؟'' انیسہ بیگم کو اطلاع ملی تو وہ بھی خوشی میں جلدی سے باہر آ گئیں۔

''جی جمعہ کو پانچ بجے شام پی آئی اے سے آ رہی ہیں۔ ساتھ میں قمر بھائی اور نورینہ وغیرہ بھی ہیں۔''

''ایک عرصے کے بعد کوئی آ رہا ہے، بہت خوشی ہو رہی ہے، خوب رونق رہے گی۔ امی جان! دوسری منزل والے کمرے ان لوگوں کی رہائش کے لئے درست کرا دوں یا...'' بااخلاق، باہمت بانو بیگم فطری طور پر بہت اچھی اور ایکٹو خاتون تھیں۔ زیادہ ذمہ داریوں سے خوش ہوتی تھیں۔ مجال ہے جو کبھی تیوریوں پر ناگوار شکن ابھر آئے۔

''جی ہاں بانو بیگم، زہرہ کا کمرہ تو اوپر ہی سیٹ کیجئے گا کیونکہ وہ دوسری منزل کو ہمیشہ سے پسند کرتی ہے۔''

''حالانکہ ہماری یہ بہن جب ویٹ مشین پر اپنا وزن کراتی ہے تو جواب آتا ہے چھ بندے اتر جائیں۔'' نواب امیر اللہ چھوٹی بہن کا ذکر پیار سے کر کے مسکرائے۔

''اب آپ کی اس بذلہ سنجی کا جواب تو آپ کی بہن ہی دے سکتی ہیں۔'' انیسہ بیگم نے شوہر کو دیکھا اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی بانو کے ساتھ چلی گئیں۔

نواب حشمت صاحب سب کچھ دیکھ رہے تھے اور ان کا ذاتی خیال تھا کہ اب ان کو رخت سفر باندھ لینا چاہئے۔

''نواب صاحب! ہمارے خیال میں ہمیں اب اجازت دیجئے۔'' نواب حشمت صاحب نے جو کہا تھا اس کا مطلب تو امیر اللہ صاحب بخوبی سمجھ گئے تھے مگر ازراہ مزاح بولے۔

''بھئی نواب صاحب! ہم سے کیا اجازت طلب کر رہے ہیں۔ نکاح ثانی کی اجازت تو

بھابی بیگم ہی دے سکتی ہیں۔'' نواب امیر اللہ کی برجستہ بات پر نواب حشمت صاحب تو قہقہہ لگا کر ہنس پڑے، جوان لوگ مارے ادب اور لحاظ کے ایک دوسرے کو دیکھ کر بس مسکرا کر رہ گئے۔ حشمت صاحب کتنی ہی دیر تک دوست کی بات سے محظوظ ہوتے رہے۔

''واہ کیا بات کی ہے نواب صاحب آپ نے۔ بھئی آپ میں اور آپ کی بھابی بیگم میں یہی بات تو مشترک ہے کہ وہ ہمیں نکاحِ ثانی کی اجازت نہیں دیں گی اور آپ ہمیں یہاں سے رخصت کی اجازت نہ دیں گے۔''

''تو جب آپ ہمارے وصف سے آگاہ ہیں تو ایسی بات کیوں کرتے ہیں جس سے دل کو ایذا پہنچے۔''

''نواب صاحب، ہمارا مقصد یہ نہیں تھا۔ بخدا ہم فقط اس لئے رخصت چاہ رہے ہیں کہ ہماری ہمشیرگان مع اہل و عیال تشریف لا رہی ہیں۔ تو ہم نہیں چاہتے کہ ہماری وجہ سے ان کی خدمت میں کوئی کمی آئے۔''

''نواب صاحب، انسان کے دل میں وسعت ہونی چاہئے۔ دو گز زمین بھی محل بن جاتا ہے۔ رہی بات آپ کی اور ہمشیرگان کی تو آپ بھی ہمارے مہمان اور وہ بھی مہمان۔ اور آپ جانتے ہیں کہ ہمارے مہمان ہماری عزت ہوا کرتے ہیں اور اپنی عزت کا کس طرح خیال رکھنا، کس طرح بھرم رکھنا ہے، یہ ہمیں معلوم ہے۔ اللہ کا فضل و کرم ہے، آپ ابھی تو تشریف لائے ہیں۔ لہٰذا جائیے گا تب جب ہم اجازت دے دیں۔''

''چلئے نواب صاحب، بات ختم کرتے ہیں۔ مان لیتے ہیں کہ ہم جیتے آپ ہارے۔''

''ہاں یہ ٹھیک ہے۔ ہائیں! یہ کیا بات ہوئی؟''

نواب حشمت صاحب نے تو ازراہِ مزاح بات کہی تھی، نواب صاحب سادہ دلی میں ہاں کہہ کر بعد میں چونکے تو نواب حشمت کا قہقہہ فضا میں بلند ہو گیا۔

⁂☆⁂

''لائیے کباب میں بنا لیتی ہوں، آپ کوفتے اور بریانی بنا لیجئے۔''

انیقہ نے کباب بنانے کی آفر کی تو بانو کو بھی آسرا ہو گیا۔ کیونکہ وہ کھانا ہمیشہ خود اپنے ہاتھوں سے تیار کرتی تھیں۔ گھر کے بزرگ اور خود شجاعت اللہ انہی کے ہاتھوں کا کھانا پسند کرتے تھے۔

''چلو ٹھیک ہے، تم مسالہ بناؤ، میں ذرا بریانی کو دیکھ لوں۔''

دونوں بہنیں کھانا بنا رہی تھیں کہ شفاعت اللہ متلاشی نگاہوں سے انیقہ کو ڈھونڈتے ہوئے



ادھر ہی آ گئے۔ انیقہ کی پشت پر دراز چوٹی لہرا رہی تھی۔ اس واقعے کے بعد انیقہ نے تنہائی میں بھی بال نہیں کھولے تھے۔ انہوں نے کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے اپنی آمد سے گویا دونوں خواتین کو مطلع کیا۔

''بھابی جان! یہ تو سراسر زیادتی ہے، آپ نے مہمانوں کو بھی کام پر لگا دیا۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔'' بانو مسکرا کر ان کی طرف مڑیں۔ انیقہ نے گھبرا کر ڈھلکا ہوا آنچل جو سر پر رکھنا چاہا تو ان کے ہاتھ میں چمچ تھا جو پیچھے کھڑے شفاعت اللہ کی پیشانی پر لگا تو انیقہ مارے شرمندگی کے گڑ گئیں۔

''قتل کرنے کے لئے ہتھیار استعمال کرنا ضروری تو نہیں۔''

شفاعت اللہ نے بانو کی مصروفیت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے دھیرے سے کہا تو انیقہ شرمندگی سے نگاہ بھی اٹھا نہ پائی۔

''ہم معذرت چاہتے ہیں، نہ جانے ہم سے ایسی گڑبڑ کیوں ہو جاتی ہے۔'' نادم سی انیقہ کی پیشانی خنکی میں بھی عرق آلود اور لہجہ بھیگا ہوا تھا اور قبل اس کے کہ وہ بھی کوئی شوخ سی پھلجھڑی پھینکتے، بانو بیگم ان کی طرف مڑیں۔

''جی شفاعت میاں، آپ کیا کہہ رہے تھے؟'' وہ صافی سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔

''جی ہم یہ کہہ رہے تھے کہ اس گھر کی روایات کو کیا ہو گیا ہے کہ مہمان کی خدمت گزاری کے بجائے ان سے کام لیا جا رہا ہے۔ اب یہ کیا خیال کریں گی کہ بہن کے سسرال جا کر بھی کام کرنا پڑا۔''

شفاعت اللہ کی شوخ نگاہوں کی زد میں انیقہ بری طرح نروس ہو رہی تھی۔ خواہ مخواہ ہی چیزیں لرزتے ہاتھوں سے گر رہی تھیں۔

''ارے کیسی مہمان، یہ اس کی بہن کا گھر ہے اور یوں بھی لڑکیوں کو کام کرنے چاہئیں۔ مگر یہ بتایئے، آپ کو تو سدا سے کچن سے اڑتی ہوئی بھاپ سے چڑ رہی ہے، پھر آپ یہاں کیسے آئے ہیں؟''

بانو بیگم ان کی اندرونی کیفیت سے قطعی لاعلم تھیں۔ وہ تو یوں ہی پوچھ رہی تھیں۔ وہ پہلے گھبرائے کہ کہیں چوری پکڑی نہ جائے، پھر ایک نگاہ انیقہ کی چوٹی پر ڈال کر بولے۔

''قسم لے لیجئے، اپنی ٹانگوں پر چل کر آئے ہیں، دائیں بائیں سے ادھار نہیں لیں۔''

''باتیں بنانا تو کوئی آپ سے سیکھے شفاعت میاں۔'' بانو بیگم نے محبت سے دیور کو دیکھا۔

''اور کباب بنانا؟'' شفاعت اللہ بے دھیانی میں کہہ گئے۔ انیقہ نے مڑ کر ان کو دیکھا، فوراً سنبھل گئے۔

''بھابی! ایک تو آپ باتوں میں یوں لگاتی ہیں کہ بندہ اصل بات ہی بھول جاتا ہے۔'' شفاعت نے جھٹ بہانہ گھڑا۔

''چلئے بتا دیجئے کہ اصل بات کیا ہے؟'' بانو نے کہہ تو دیا، اب ان کی سمجھ میں نہیں آیا کیا کہیں۔

''جی وہ...... دراصل، ہاں وہ ہماری یونیفارم کا اسٹار گم ہو گیا ہے، آپ نے تو نہیں دیکھا؟''

ان کی بات پر انیقہ نے پلٹ کر ان کو دیکھا۔ اسی وقت چھری اپنا کام کر گئی۔

***



''کون ہے بھئی؟'' حمیدہ بیگم نے لرزتی ہوئی آواز میں پھر پوچھا۔ شہناز بھی خوفزدہ ہو کر اپنا بستر چھوڑ کر ان کے پاس آ گئی۔ حمیدہ بیگم نے لحاف اتارا اور باہر جانے لگیں۔ شہناز نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''کہاں جا رہی ہیں امی، یہ وہی لڑکے ہوں گے۔ خبیث ہیں اول درجے کے۔ نہ اپنی عزت کا خیال اور نہ دوسروں کی عزت کا پاس۔ نہ جائیں، خود ہی دفع ہو جائیں گے۔''

''نہیں نازو بیٹی، یہ دستک بڑی عجیب سی ہے۔ میرا دل دھڑک رہا ہے اس دستک پر۔ مجھے جا کر دیکھنے تو دو۔'' حمیدہ بیگم نے اس کا ہاتھ جھٹکا اور جوتا پہن کر دروازے تک گئیں۔

دھڑکتے دل اور لرزتے ہاتھوں سے کنڈی گرائی ہی تھی کہ پھر زور سے دروازہ پیٹا گیا۔

''کون ہے بھئی، بتاتا کیوں نہیں۔'' اب کی بار حمیدہ بیگم نے آواز میں رعب کی آمیزش کی۔

''یہ...... یہ حمیدہ بیگم اور ان کی بیٹی شہناز کا گھر ہے ناں؟'' باہر سے عجیب سے لہجے میں اجنبی سی آواز نے فضا کو مرتعش کیا تو دونوں ماں بیٹی ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگیں۔

''امی! نہ جانے کون ہے، آپ انکار کر دیں۔'' نہ جانے کیوں حمیدہ بیگم کا تو دل چاہ رہا تھا، ہاں کہہ دیں۔ مگر شہناز نے سختی سے منع کر دیا۔

''نہیں، وہ یہاں نہیں ہوتیں، مگر آپ کون ہو اور......؟''

''اچھا ٹھیک ہے۔ زیادہ باتوں کی ضرورت نہیں۔'' اس مردانہ آواز کے لہجے میں عجیب سی مایوسی کا تاثر ملا تھا۔ پھر گلی سے اس کے بھاگ جانے کی آواز آئی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور خوف کا نیا احساس لئے کمرے میں آ گئیں۔ اب کیسی نیند، کہاں کا سکون؟ بلب روشن کر کے دونوں ایک بستر پر بیٹھ گئیں۔

''کون ہو سکتا ہے یہ؟'' حمیدہ بیگم متفکر انداز میں بیٹی کو دیکھ رہی تھیں۔

''اونہہ... مصیبت کی بھی کوئی پہچان، کوئی نام ہوتا ہے؟ مصیبت تو بس مصیبت ہوتی ہے۔''

''کیا قسمت ہے ہماری کہ تم باپ اور بھائیوں کے ہوتے ہوئے اور میں بیٹوں کے

ہوتے ہوئے خوف کے سایوں میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ میرے خدا، تیری پاک ذات جان سکتی ہے کہ کون خطا کار ہے اور کون بے خطا۔''

حمیدہ بیگم کو اپنی تو پرواہ نہیں تھی مگر ہر وقت جوان اور خوبصورت بیٹی کی طرف سے دھ لگا رہتا تھا۔

''امی! آپ کو کتنی بار کہا ہے کہ نفرت ہے مجھے اپنے باپ اور بھائیوں سے۔ نام ن کریں میرے سامنے ان کا۔'' شہناز ماں کی گود میں سر رکھ کر سسک پڑی۔

''بھائیوں سے نفرت تو تمہاری بلاوجہ کی ہے۔ وہ دونوں تم سے چھوٹے تھے۔ جس وق ہم ان کی زندگی سے نکلے تھے، وہ تو اپنے منہ پر پھیلتی ناک بھی صاف نہیں کر سکتے تھے۔ ے زیادہ تو وہ مظلوم ہیں بیٹی جو سوتیلی ماں کی نفرت کی گود میں پل رہے ہوں گے۔ ن عورت جس نے مجھے گھر سے نکلوا کر ہی دم لیا، ان معصوموں پر کیسے کیسے ظلم ڈھاتی ہو گ کاش..... کاش میں ہمت کر کے ان دونوں کو بھی گھسیٹ لاتی۔ میرے مظلوم بچے۔'' ح بیگم اپنے بیٹوں کو یاد کر کے رونے لگیں۔

''نہ جانے کہاں ہوں گے وہ لوگ امی۔ آخری خبر تو یہی سنی تھی ناں کہ ابو شادی کر سعودی عرب چلے گئے ہیں، ساتھ میں نئی بیوی اور بھائی بھی تھے۔ چھوڑیں امی، وہ ہمارا ما تھے۔ ان کو بھول جائیں۔'' شہناز نے دُکھ، اذیت اور یادوں کی دُھند سے ماں کو نکالنے کوشش کی۔

''یہ نہ کہو نازو۔ وہ میرے جگر گوشے ہیں۔ ہر وقت، ہر لمحہ ان کی شکلیں میری نگاہوں گھومتی رہتی ہیں۔ نہ جانے کہاں ہیں، کس حال میں ہیں، کس طرح تڑپتے ہوں گے میر لئے؟'' دونوں ماں بیٹی حال سے ماضی میں جا کر تڑپ اٹھی تھیں۔

''امی! ہم کسی اور علاقے میں نہیں جا سکتے؟'' شہناز کی سمجھ میں تو تمام مسائل کا یہاں سے جانے میں ہوتا تھا۔

''کہاں جائیں گے میری جان؟ کون سا ٹھکانا ہے ہمارا؟ یہاں تو پھر بھی بابا کا یہ گھر جہاں کسی قسم کی کوئی پریشانی نہیں، نہ کرائے کی مصیبت ہے نہ بجلی پانی کا کوئی مسئلہ ہے۔ بات محلے والوں یا ایسے حالات کی تو میری گڑیا! اکیلی عورت کے لئے مضبوط محل بھی ات غیر محفوظ ہے جتنی کہ تنکوں کی جھگی۔ اکیلی عورت ہمارے معاشرے میں لوٹ کے مال ک حیثیت رکھتی ہے۔ جس کا جی چاہے اٹھا کر لے جائے یا ناپسند کر کے پھینک جائے۔''

''کوئی بات نہیں، اللہ تو ہے ناں ہمارا نگہبان اور محافظ۔''



ماں سے زیادہ شہناز نے خود کو تسلی دی اور دھڑکتے دل کے ساتھ اپنے بستر پر آ گئی۔ پھر ساری رات دونوں کی آنکھوں میں کٹ گئی۔

*☆*

''معلوم نہیں خالہ کون تھا۔ ساڑھے تین بجے کا عمل تھا کہ دروازہ دھڑ دھڑ بجنے لگا۔ آپ جانو جوان لڑکی کا ساتھ میری تو جان ہی نکل گئی تھی۔''

خالہ ہاجرہ محلے کی بزرگ جیسی حیثیت رکھتی تھی۔ اس نے خود بڑے مسائل سے گزر کر زندگی گزاری تھی، اس کی زندگی کے وہی حالات تھے جو حمیدہ یا ان جیسی بے شمار شوہر کی ٹھکرائی ہوئی عورتوں کے ہوتے ہیں۔ بیٹی کو بیاہ کر وہ پُرسکون ہو کر اب اپنے جیسی عورتوں کی مدد کیا کرتی تھیں۔

''اے حمیدہ! اب کچھ کہوں گی تو برا لگے گا تمہیں۔ کتنا کہا تھا کہ نکاح کر ڈالو، آسرا ہو جائے گا مرد کا۔ مرد عورت کی ڈھال ہوتا ہے، برا سہی مگر عورت کا محافظ ہوتا ہے۔ کسی کو انگلی اٹھانے کا موقع نہیں ملتا۔ مگر تم تو......''

حمیدہ بیگم کی جوانی سے خالہ کی یہی رٹ تھی اور کئی اچھے اچھے رشتے بتائے بھی مگر حمیدہ ایک تو مرد کی ڈسی ہوئی تھی، دوسرے لڑکی کا ساتھ تھا۔ ان کا معلوم تھا کہ ان کے بیٹے سوتیلی ماں کا ظلم برداشت کر رہے ہوں گے مگر سوتیلی ماں اور سوتیلے باپ میں بہت فرق ہوتا ہے، وہ بھی بیٹی کے لئے۔ اور شہناز تو وہ حرماں نصیب لڑکی تھی جس کو سگے باپ نے تسلیم نہیں کیا، گھر سے نکال باہر کیا تھا، تو سوتیلا باپ کیا دیتا اسے۔''

''خالہ بی! آپ اچھی خاصی سمجھدار ہیں۔ مانتی ہوں کہ آپ کی بات بھی درست تھی اور ہے۔ مگر خالہ! شہناز جس کو سگے باپ نے قبول نہ کیا، سوتیلا باپ کیا کرتا؟ اور پھر خالہ! غیر مرد کے لئے پرائے کی بیٹی، بیٹی نہیں صرف لڑکی ہوتی ہے تو ایک عورت اور ایک لڑکی کو ایک مرد کس نظر سے دیکھتا ہے، آپ اچھی طرح جانتی ہیں اور میں یہ سب تو برداشت کر سکتی ہوں، کر رہی ہوں مگر وہ سب شاید میری برداشت سے باہر ہوتا۔''

''ہاں، کہہ تو تم بھی ٹھیک رہی ہو۔ کہو تو شہناز کا رشتہ لگاؤں کہیں؟'' خالہ بی پوری طرح متفق تھیں حمیدہ سے۔

''ہاں ہاں خالہ بی، ضرور دیکھنا۔ لڑکا بھلے غریب ہو، مگر پڑھا لکھا اور اچھا ہو۔'' حمیدہ نے آواز دھیمی کر کے کمرے کی طرف دیکھا جہاں سے شہناز کالج جانے کے لئے تیار ہو کر آ رہی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ان دونوں کے قریب آ کر ٹھہر گئی۔ کچھ دیر دونوں کو دیکھتی

رہی۔ اسے معلوم تھا کہ کس موضوع پر بات ہو رہی تھی۔

''امی، میں آپ سے کہہ چکی ہوں میں شادی نہیں کروں گی بس۔'' اُس نے مضبوط او
حتمی انداز میں کہا تو خالہ بی نے بغور اسے دیکھا۔

''اے لو۔ تو کیا ماں کے سینے کا درد بنی رہو گی؟ ارے چندا، مرد کے بغیر عورت کی زندگ
ادھوری ہوتی ہے۔ مرد کا سہارا بہت بڑی چیز ہے بیٹی۔''

خالہ بی کی بات پر وہ جو نکل رہی تھی، اپنی کتابیں ایک طرف رکھ کر خالہ کے قریب بیٹھ
گئی۔ ''خالہ بی! وہ شخص جو میرا سگا باپ تھا، وہ بھی تو مرد تھا ناں۔ بیوی کو تو اس نے ٹھوکر
کر زندگی سے الگ کر دیا۔ میں...... میں تو اس کی سگی بیٹی تھی ناں خالہ بی۔ اس نے میرا
ننگا کیوں کر دیا؟ کیوں بے سائبان کر دیا اس نے مجھے؟ جب ایک باپ سہارا نہیں دے سکا
تو کوئی بھی مرد سہارا نہیں بن سکتا۔ سہارا صرف اللہ کی ذات ہے اور ہمیں اسی کا آسرا۔
بس۔'' آنسوؤں کا گولا حلق میں پھنس گیا۔ اپنی بے وقعتی، کم مائیگی کا احساس ٹوٹ کر ا
کے کرب میں ڈھلتا رہا۔ وہ اٹھ کر خدا حافظ کہتی باہر نکل گئی۔

''باپ کے رویئے کے بعد تو اس نے شادی نہ کرنے کا فیصلہ کر رکھا ہے خالہ بی۔ ا
لئے پریشان ہوں کہ میرے دم کا کیا ہے، آج ہے کل نہیں۔ یہ کہیں اچھی جگہ سیٹ ہو جائے
سکھ سے مر تو سکوں گی۔'' بے شمار آنسو حمیدہ کے آنچل میں اپنا وجود کھو بیٹھے۔

''اچھا بیٹی صبر کرو، نماز پڑھو، اللہ مالک ہے۔ خدا کا شکر ہے میری بیٹی کے سسرال وا
بہت اچھے ہیں۔ بہت عزت کرتے ہیں میری بچی کی۔ اسی سے کہوں گی اپنے خاندان !
کوئی اچھا سا لڑکا دیکھے اپنی شہناز کے لئے۔'' خالہ بی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''اچھا خالہ بی۔ اللہ آپ کا بھلا کرے۔ ہمیں تو اللہ اور رسول پاکؐ کے بعد آپ ہ
آسرا ہے۔ ورنہ ہم تو گھٹ گھٹ کر مر جاتیں ماں بیٹی۔''

''ارے بیٹی! اصل مالک تو اللہ لاشریک ہے۔ ہم بندے تو بس وسیلہ ہیں۔ چلو
نوراں ہے ناں، رات سے اس کی بڑی طبیعت خراب ہے۔ ذرا اس کا پتہ کر آؤں۔ ا
حمیدہ بیٹی، ذرا دھیان سے سویا کرو۔ ان کم بختوں کا کچھ بھروسہ نہیں اور کبھی بھی رات
وقت جتنی بھی دستک ہو، دروازہ نہ کھولنا اور لڑکی کو تو بھول کر بھی نہ کھولنے دینا۔''

''جی اچھا خالہ بی، ایسا ہی کرتی ہوں۔ نہ جانے زندگی زندگی سے خوف کے سائے
ہٹیں گے۔ اچھا خالہ بی! اللہ حافظ۔'' حمیدہ بیگم کنڈی چڑھا کر آ گئیں اور کام کرنے لگیں۔

***



کالج میں شہناز لان میں گم صم سی بیٹھی تھی کہ راحیلہ آ گئی۔ اس کے قریب بیٹھ کر بغور
اسے دیکھنے لگی۔

''نازو! کیا سوچتی رہتی ہو تم ہر وقت۔ نہ کسی سے ہنستی بولتی ہو نہ کھل کر بات کرتی ہو، کیا
بات ہے؟ دل کی بات تو بندہ دیواروں سے بھی کہہ دیتا ہے۔''

''دیواریں انسانوں سے بعض اوقات بہتر ہوتی ہیں راحیلہ، سکھ نہیں تو دکھ بھی نہیں دیتیں۔''

راحیلہ بہت اچھی، بڑے اچھے خاندان کی لڑکی تھی۔ اس نے بڑی مشکلوں سے شہناز سے
دوستی کی تھی۔ ورنہ تو شہناز اپنی ذات کے احاطے میں کسی کو آنے بھی نہیں دیتی تھی۔

''اتنی بدگمان ہو انسانوں سے۔ مجھے نہیں بتاؤ گی کہ کیوں ہو؟''

راحیلہ اُس کا ہاتھ تھامے آہستہ آہستہ اُس کی ذات کا دروازہ بجا رہی تھی۔ شہناز بھی سمجھ
رہی تھی کہ یہ دلکش نازک سی لڑکی دخل در معقولات کرنے پر تلی ہوئی ہے۔

''کیا جاننا چاہتی ہو راحیلہ تم؟'' اُس نے محبت سے اسے دیکھا۔

''میں تمہارے اندر جھانکنا چاہتی ہوں، تمہیں ہر وقت اداس کرنے والے راز جاننا چاہتی
ہوں۔''

''مگر کیوں؟'' شہناز نے سوالیہ نظروں سے راحیلہ کو دیکھا۔

''کیوں سے کیا مطلب ہے، بندہ جس کو چاہتا ہے اسے خوش دیکھنا چاہتا ہے، اس کے
بارے میں سب کچھ جاننا چاہتا ہے۔ بس سمجھ لو ہم تمہیں چاہتے ہیں اور......''

''عجیب لڑکی ہو۔ لوگ تو اُجالوں کے سفر پر نکلتے ہیں اور تم اندھیروں میں جھانکنا چاہتی
ہو۔''

''ہاں، میں عجیب ہوں۔ لیکن یاد رکھو، عجیب لوگ خاصے اعتماد کے قابل ہوتے ہیں۔''

''تم کیوں بضد ہو میرے بارے میں جاننے کے لئے؟'' شہناز نے بہت کوشش کی تھی،
کترانے کی۔

''پھر وہی کیوں۔ اچھا نہ بتاؤ، میں بھی آئندہ تم سے کچھ نہیں پوچھوں گی۔''

راحیلہ بہت اچھی لڑکی تھی۔ شہناز اسے ناراض کرنا نہیں چاہتی تھی اس لئے اس نے اس
کا ہاتھ تھام کر اپنے دُکھوں کی داستان اسے سنا دی تو وہ ایک ٹک اس کی گہری نگاہوں کو دیکھے
گئی جو بڑی دلیری سے باپ سے ٹھکرائے جانے کی اذیت کو دل کے نہاں خانوں میں
چھپائے ہوئے تھی۔ اس کی کہانی سن کر راحیلہ کو یوں لگا جیسے تمام الفاظ ختم ہو گئے ہوں، وہ
اب کیا کہتی۔ اس کی تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

''آئی ایم سوری نازو، میری ضد نے تمہیں دُکھی کر دیا۔ ماضی کی راکھ کتنی ہی سرد کیوں ہو، جب انگلیاں پھیرو، چھالے پڑ ہی جاتے ہیں۔ سوری ڈیئر، ویری سوری۔'' وہ واقعی بہت نادم ہو رہی تھی۔ شہناز کے ہونٹوں پر زخمی سی مسکراہٹ آ گئی۔

''کوئی بات نہیں راحیلہ! بلکہ میں تو تمہاری ممنون ہوں کہ تم نے اتنی ضد کر کے میرے اندر جھانکا ہے۔ تم سے یہ سب کہہ کر میں بھی ہلکا سا فیل کر رہی ہوں۔ تم بہت اچھی لڑکی ہو اچھی دوست ہو۔''

''بی بی! آپ کا ڈرائیور آ گیا ہے۔'' کالج کے چوکیدار نے راحیلہ کو گاڑی کے آنے کی اطلاع دی تو وہ کپڑے جھاڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ شہناز بھی کھڑی ہو گئی۔

''آؤ نازو، تمہیں ڈراپ کر دوں گی۔'' راحیلہ نے خلوص سے آفر کی۔

''نہیں راحیلہ، تمہاری گاڑی بہت بڑی ہے اور جہاں میں رہتی ہوں نا، اس محلے کی جس طرح گلیاں چھوٹی ہیں نا اس سے کہیں زیادہ وہاں کے مکینوں کے دل اور سوچ چھوٹی ہے تمہاری یہ بے لوث دوستی ہی میرے لئے بہت ہے۔'' شہناز نے کتابیں اٹھائیں اور بیگ میں ڈال دیں۔ ابھی اسے فیکٹری بھی جانا تھا اس لئے راحیلہ کو خدا حافظ کہہ کر اس کی سیاہ بڑی گاڑی کو دیکھتی آگے بڑھ گئی۔

☀☆☀

فیکٹری سے واپسی پر اسے عموماً شام ہو جایا کرتی تھی۔ وہ حسب معمول آ رہی تھی، شام کے دھند لکے بڑھ رہے تھے۔ نکڑ پر پان والے کا کھوکھا تھا۔ ساتھ ہی چھوٹا سا ہوٹل تھا جو کچھ شریفوں اور بہت سے اوباشوں کی بیٹھک کی حیثیت رکھتا تھا۔ وہی روز والی بکواس کسی ناگوار بدبو کی طرح اس کے ناک اور کانوں میں گھس رہی تھی۔

''یار تمہارا کالج اتنی دیر سے بند کیوں ہوتا ہے۔ تمہاری استانیوں کو ہم پر ذرا بھی ترس نہیں آتا کہ ہم انتظار میں سوکھ رہے ہوں گے۔''

وہی شیدا کاکا اور دیگر اوباش لڑکے ہر لڑکی پر ہی نظر رکھتے تھے۔ مگر چونکہ دوسری لڑکیاں باپ اور بھائیوں والی تھیں اس لئے ان سے ایک بار ہٹ جانے کے بعد ان کو کچھ نہیں کہتے تھے۔ مگر اس کو تو اپنی ملکیت سمجھنے لگے تھے۔

''ہاں یار، ذرا پوچھ تو سہی مہارانی سے رات کون آیا تھا؟ پکارتا ہی رہ گیا اور پھر مایوس ہو کر چلا گیا بے چارہ، چچ چچ۔''

وہ مسخرے پن سے جملوں کے میزائل پھینک رہے تھے۔ وہ اندر سے تباہ ہو رہی تھی



اس نے بھی اللہ سے دعا کی تھی کہ اسے صبر اور ضبط کی توفیق دے۔

اس چھوٹے سے بازار کو عبور کر کے جب وہ اپنی تنگ گلی میں داخل ہوتی تو نہ جانے کیوں قدرے اطمینان ہو جاتا۔ کیونکہ یہ سلیم کی گلی تھی اور جہاں سے سلیم کی بدمعاشی شروع ہوتی، دوسرے بدمعاش وہاں آ کر ختم ہو جاتے تھے۔ اور سلیم جتنا بھی بدمعاش سہی، شہناز کو اس سے خوف نہیں آتا تھا بلکہ وہ اکثر سوچا کرتی کہ اگر یہ خوبرو سا نوجوان تعلیم یافتہ ہوتا، باکردار ہوتا تو کتنا اچھا ہوتا۔ لڑکیاں مرتیں اس پر، کئی تو خیر اب بھی اس کے دامِ اُلفت میں گرفتار ہو جاتیں مگر اس کی منزل تو شہناز تھی جو اس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتی تھی۔

وہ شہناز کی حسب توقع کھڑا تھا۔ سفید کلف شدہ سوٹ میں اس کا منتظر تھا۔

بدتمیز، خوش لباس کتنا ہے۔ شہناز نے ایک اچٹتی سی نگاہ اس پر ڈالی اور اس کی وجاہت کو سراہتی آگے بڑھی تو اس کے قریب سے گزرتے ہوئے قیمتی پرفیوم کی مہک نے فضا کو مہکا دیا۔

''پلٹ کر دیکھ لے ظالم، تمنا ہم بھی رکھتے ہیں۔ اگر تو سنگ مرمر ہے تو پتھر ہم بھی رکھتے ہیں۔'' اسی قسم کے بسوں اور رکشوں پر لکھے عامیانہ سے شعر اسے بے شمار یاد تھے۔ چوراہے پر اسے دیکھتے ہی ٹپکنے لگتے زبان سے۔ اس نے توجہ نہیں دی۔ بڑھتی رہی۔ وہ تیز تیز چلتا ہوا اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

''قسم سے تم بے حد ظالم ہو شہزادی۔ شہزادہ سلیم تمہاری محبت میں مرا جا رہا ہے اور...... اور تمہیں اس کی پرواہ ہی نہیں۔'' وہ چلتی رہی، پھر وہ سامنے آ کھڑا ہوا۔

''میرے یار دوست کہتے ہیں شہزادی! میری اور تمہاری جوڑی چاند سورج کی جوڑی ہو گی۔''

وہ پھر خاموش رہی اور راستہ بدل کر آگے بڑھ گئی۔ وہ بھی کچھ بولتا، کبھی شعر پڑھتا ہوا ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ یہاں تک کہ شہناز کا گھر آ گیا۔ اس نے دستک کے لئے ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ وہ بولا۔

''تمہیں معلوم ہے شہناز! کہ رات تمہارے گھر کون آیا تھا؟''

شہناز کا ہاتھ اوپر کا اوپر ہی ٹنگا رہ گیا۔ دل زور سے دھڑکا۔ اس نے خوفزدہ سانس سرد فضا میں چھوڑا مگر چپ رہی۔

''مجھے معلوم ہے۔'' سلیم نے اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ اب شہناز کو تاؤ آ گیا۔

''تمہیں معلوم ہے تو مجھے بھی معلوم ہے۔ ہو گا تمہارا ہی کوئی بھائی بند، کمی

شہناز نے غصے سے کہا اور دستک دے دی۔

''ہاں، وہ دوست ہے مگر میرا نہیں، تم......'' چونکہ حمیدہ بیگم نے آ کر دروازہ کھول دیا اس لئے وہ دوسری طرف بھاگ گیا۔ شہناز خراب موڈ کے ساتھ اندر آ گئی۔

''کیا کہہ رہا تھا یہ؟ آج تو میں اس کے گھر جا کر ضرور شکایت کروں گی۔'' حمیدہ بیگم غصہ آ گیا۔ مگر شہناز نے روک دیا۔ نہ جانے کیوں اس کی اس بات میں کوئی انوکھی بات کوئی خاص بات کی جھلک نظر آ رہی تھی۔

''نہیں امی جان، رہنے دیں۔ کیچڑ میں پتھر اچھالیں تو اپنا ہی کپڑے خراب ہوتے ہیں نا ں۔''

اور پھر سب کچھ حسب معمول ہوا۔ روز کے معمولات سے فراغت کے بعد دونوں جب گہری نیند سو گئیں تو پھر دروازہ دھڑ دھڑ بجنے لگا۔ دونوں اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

''یہ...... یہ حمیدہ بیگم اور ان کی بیٹی شہناز کا گھر ہے...... ہے کہ نہیں؟''

⁕☆⁕

میجر شفاعت اللہ اتفاقاً ہی گھر آ گئے تھے۔ مگر ان کو اندازہ نہیں تھا کہ آتے ہی وہ کسی کی زلف گرہ گیر کے اسیر ہو جائیں گے۔ وہ بھی بہت خوب صورت اور ڈرامائی انداز میں۔ ان کے تمام دوستوں کی شادیاں ہو چکی تھیں اور خود وہ اب ان سب کے مذاق کے تیروں کے تلے ہوتے۔ طرح طرح کی باتیں اور مذاق ہوا کرتے مگر حقیقت یہ تھی کہ ان کو آج تک کوئی حسین چہرہ بھایا ہی نہیں تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ کوئی ٹکرایا ہی نہ ہو۔ وہ خوبرو آرمی آفیسر تھے بہت سی نگاہیں اُٹھتیں اور ٹھہر جاتیں مگر وہ خود کترا کر گزر جاتے تھے۔ مگر اب جہاں نظر ٹھہری تو ان سے کترانا محال ہو گیا بلکہ وہ کتراتی پھرتی تھی۔ مگر وہ بات کرنے کا بہانہ تلاش کرتے رہتے۔ آج موسم بے حد حسین ہو رہا تھا۔ سیاہ بادل ہوا کے دوش پر اڑے جا رہے تھے، ان کو پہلے روز والا سین یاد آ گیا اور وہ زیر لب مسکراتے ہوئے نہ جانے کس خواہش کی تکمیل میں ٹیرس پر آ گئے اور یہاں پہلے روز والے انداز میں انیقہ کو دیکھ کر انہوں نے فوراً خدا کا شکر ادا کیا جس نے ملاقات کا موقع دیا تھا۔ آج انیقہ نے اپنی شریر زلفوں کو کس کر چوٹی میں قید کر رکھا تھا جو بار بار ہوا کے سنگ جھول رہی تھی۔ وہ کرسی پر بیٹھی چائے پی رہی تھیں کہ شفاعت اللہ آ گئے۔ وہ کسمسا کر سمٹ کر رہ گئیں۔ دل دھڑک اُٹھا۔

''آداب۔'' شفاعت اللہ مسکرا کر اس کے سامنے والی کرسی پر براجمان ہو گئے تو وہ اٹھنے لگیں مگر ان کے اٹھنے سے قبل شفاعت اللہ کھڑے ہو گئے۔ وہ پھر بیٹھ گئیں۔



''ہماری آمد کا مقصد آپ کا ڈسٹرب کرنا نہیں ہے انیقہ! بلکہ آپ سے شکوہ کرنے کے لئے ہم آپ کو سارے شہر میں تلاش کرتے ہوئے آئے ہیں۔''

''جی شکوہ اور ہم سے؟ ایسا کیا، کیا ہے ہم نے؟'' انیقہ کے چہرے پر گھبراہٹ کی دھند چھا گئی، ہاتھ میں پیالی لرزنے لگی، شفاعت اللہ ان کی بہن کے چہیتے دیور تھے۔ اگر وہ ان سے کسی وجہ سے بدظن ہیں تو آپی کی خفگی لازمی تھی۔

''آپ نے ہماری چیز چرائی ہے۔'' شفاعت اللہ ان کی گھبراہٹ سے محظوظ ہوئے تھے۔

''آپ کی چیز اور ہم چرائیں؟ آپ کیسی بہتان بازی کر رہے ہیں؟'' وہ رو دینے کو تھیں۔ شفاعت اللہ کو ترس آ گیا اور دوسرے کسی کے آ جانے کے خوف سے انہوں نے مزید تنگ کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

''بھئی یہ بہتان بازی نہیں ہے۔ آپ نے ہماری وردی کا اسٹار سنبھال رکھا ہے۔ یہ چوری نہیں تو اور کیا ہے؟''

''اوہ اچھا......'' انیقہ بھی اسٹار کو بھول ہی گئی تھی۔ اب یاد آیا تو سکون کا احساس اندر تک اتر گیا۔ وہ پیالی رکھ کر کھڑی ہو گئی۔

''جی میں ابھی لا کر دیتی ہوں۔''

''جی نہیں، فوری طور پر مجھے اس کی ضرورت نہیں، فوری طور پر جس چیز کی ضرورت تھی اس کی تو آپ نے آفر نہیں کی، چلی ہیں اسٹار لانے۔'' شفاعت اللہ ان کو باتوں میں الجھائے جا رہے تھے۔

''جی؟'' وہ بالکل نہیں سمجھ پائی کہ وہ کہنا کیا چاہ رہے ہیں۔

''بھئی بہت کوڑھ ذوق معلوم ہوتی ہیں محترمہ، آپ مائنڈ نہ کیجئے گا، بھئی دیکھئے ناں بندہ چائے پی رہا ہو اور کوئی آ جائے تو اسے چائے پیش کی جاتی ہے مگر جناب آپ تو......''

''اوہ......'' انیقہ کے چہرے پر دھیمی سی مسکراہٹ آ گئی۔ وہ چائے بنانے لگی۔

''شفاعت بھیا!'' عبدل کی آواز پر دونوں مڑے۔ عبدل کو آتا دیکھ کر شفاعت اللہ کھڑے ہو گئے۔ عبدل تو تھا ہی بڑبولا۔ کسی کے سامنے کچھ کہہ دیتا تو کیا عزت رہ جاتی۔

''کیا بات ہے عبدل! اس طرح بوکھلائے ہوئے کیوں پھر رہے ہو؟'' شفاعت اللہ اس کی بے وقت کی آمد پر خاصے بیزار ہو گئے تھے۔

''کچھ نہیں شفاعت بھیا۔'' عبدل نے سر کھجایا۔

''ارے بھئی تم جو اس طرح بوکھلائے ہوئے آئے ہو تو کسی کام سے آئے ہو، ہمیں کسی

نے بلایا ہے یا ہم سے کسی کو کام ہے؟''

''کام، جی بہت ضروری کام ہے جی۔''

''اچھا، تو بتاؤ کام۔''

''وہ کام آپ سے تھوڑی ہے، شجاعت بھیا سے ہے۔'' عبدل نے کان کھجائے شفاعت نے ہاتھ اٹھایا۔ وہ مسخروں کی طرح مسکراتا ہوا نیچے چلا گیا۔ انیقہ کو موقع مل گیا تو وہ شفاعت اللہ سے کترا کر گزرنے لگیں تو وہ ایک دم سامنے آ گئے۔

''آپ کہاں چلیں۔ پاک فوج کبھی دشمن کو بھاگنے نہیں دیتی محترمہ۔'' شفاعت اللہ نے ایک بھرپور نگاہ انیقہ پر ڈالی جو آپس میں ہاتھ رگڑتی پھر اسی اندیشے کے بھنور میں تھی کہ کوئی گیا تو کیا سوچے گا۔ بہن کا سسرال ہے، کوئی بات نہ بن جائے۔

''جی وہ میں آپ کا اسٹار لے کر آتی ہوں۔'' انیقہ نے گھبرا کر سیڑھیوں کی جانب دیکھا شفاعت اللہ نے راستہ دے دیا۔ کیونکہ وہ ماحول کی نزاکتوں کو بخوبی سمجھتے تھے۔ وہ را... سے ہٹ گئے تو وہ تیزی سے سیڑھیاں اتر گئیں۔ شفاعت اللہ آخر تک ان کی پشت پر لہر... چوٹی کو دیکھتے رہے۔

***

''بھئی بیگم، ہمیں تو شفاعت میاں کے لئے انیقہ بیٹی بے حد پسند آئی ہے۔ ماشاء اللہ تع... یافتہ اور باحیا بچی ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟'' نواب صاحب ہمیشہ سے معاملہ فہم ر... تھے۔ کسی بھی فیصلے سے پہلے خود سوچتے ہر پہلو پر، جب کسی نتیجے پر پہنچ جاتے تو انیسہ بیگم... مشورہ کرتے، پھر فیصلہ کرتے۔

''خدا آپ کا بھلا کرے۔ آپ نے میری خواہش کو زبان دے دی ہے۔ بہت سلجھی... سلیقہ مند بچی ہے، ابھی وہ مہمان کی حیثیت رکھتی ہے مگر پھر بھی بہت خیال رکھتی ہے گھر... میرا خیال ہے میں بھائی صاحب سے بات کرنے کے بجائے پہلے بانو بیٹی سے بات ک... ہوں ممکن ہے وہ متفق نہ ہوں۔'' انیسہ بیگم نے پان بناتے ہوئے کہا۔

''اور بہو بیگم سے پہلے ہم شفاعت اللہ سے پوچھنا پسند کریں گے تاکہ ان کی رائے م... ہو جائے، تب ہم نواب صاحب کے سامنے دست سوال دراز کریں گے۔''

''ویسے آپس کی بات ہے ہمارا اندازہ ہے کہ شفاعت میاں راضی ہیں۔ ہم نے ا... نگاہوں میں انیقہ بیٹی کی شبیہہ واضح طور پر دیکھ لی ہے، اب تو تعرض باقی ہے۔'' انیسہ بیگ... نگاہوں میں کئی مناظر گھوم گئے۔



''چلئے! تو اور کیا چاہئے ہمیں؟''

''شفاعت میاں کی شادی کی بات آپ کہیں تو پہلے بانو بیٹی کا عندیہ لے کر آگے بڑھائی جائے؟''

''جی ضرور بات آگے بڑھائیے بیگم۔ مگر پہلے شفاعت میاں کی رائے ضروری ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ کسی کے ساتھ زیادتی ہو یا کوئی ہم سے ناخوش ہو۔ اور پھر نواب حشمت تو اتنے وضع دار ہیں کہ وہ ہماری بات تو ہرگز رد نہیں کریں گے۔ لہٰذا ہم چاہتے ہیں کہ پہلے بچوں کی رائے لے لی جائے اور بعد میں بات کو بڑوں تک لایا جائے۔''

''چلئے جیسا آپ کا حکم۔ پہلے ایسے ہی کر لیتے ہیں۔ لیکن یہ ذمہ داری بانو بیگم بخوبی انجام دے سکتی ہیں۔ اس لئے ہم انہی سے کہیں گے کہ وہ معلوم کر لیں۔''

''بخدا بیگم! کبھی کبھی تو آپ مثل طفل بات کرتی ہیں۔ ہم بانو بیگم اور ان کے والد سے بالا بالا یہ بات معلوم کرنا چاہتے ہیں اور آپ ہیں کہ ان کے ذریعے..... بیگم صاحبہ! بیٹی کی عزت اس کی رائے سے زیادہ معتبر ہوتی ہے۔ آپ باتوں باتوں میں شفاعت میاں سے عندیہ لے لیجئے کہ اگر ان کی نسبت انیقہ بیٹی سے طے کر دی جائے تو ان کی کیا رائے ہے۔ آپ ماں ہیں، معلوم کر سکتی ہیں۔''

''چلئے نواب صاحب، ایسا ہی کر لیتے ہیں۔ ہم ہی بیٹے سے رائے لے لیتے ہیں۔'' بیگم نواب امیر اللہ منہ میں پان رکھ کر کھڑی ہو گئیں۔

''جی ذرا جلدی کر لیجئے گا۔ کیونکہ ایک تو شفاعت میاں کا کچھ بھروسہ نہیں، کب رخت سفر باندھ لیں اور دوسرے نواب صاحب اب مزید یہاں ٹھہرنے والے نہیں۔ ہم چاہتے ہیں اب اس فرض سے بھی اللہ رب العزت ہمیں فارغ فرمائے تو اس کی یاد میں محو ہو جائیں اور اسی کی ذات واحد کے عشق میں ڈوبے کلمہ پڑھ لیں اور اس جہانِ فانی سے کوچ کر جائیں۔''

''توبہ ہے نواب صاحب، کسی بد فال منہ سے نکال رہے ہیں۔'' جب بھی نواب صاحب ایسی بات کرتے رئیسہ بیگم کا دل ڈوب جاتا۔ وہ کچھ خفا سی اٹھ کر باہر چلی گئیں۔

***

انیقہ نے کمرے میں آ کر اسٹار تلاش کیا مگر کہیں نہیں ملا۔ اس نے دراز ہی میں رکھا تھا مگر اب نہ جانے کہاں تھا۔ اس نے کمرے کا حلیہ بدل کر رکھ دیا تھا۔ وہ بری طرح گھبرا رہی تھی۔ وہ تو میجر شفاعت کا سرکاری اعزاز تھا، کوئی مذاق تو نہیں تھا کہ یہاں وہاں ہو جاتا تو ... تھی۔

''ہائے میرے پروردگار، میں کیا کروں، وہ کیا سوچیں گے کہ ہم کتنے بے پرواہ ہیں۔ یہ بھی تو سوچ سکتے ہیں کہ ہم ان کے ساتھ فری ہونے کے لئے شرارتیں کر رہے ہیں۔ اُف خدایا، یہ سب ہمارے ساتھ کیوں ہو رہا ہے؟'' وہ رو دینے کو تھیں۔ ایک بار پھر انہوں نے سب جگہ دیکھا۔ اسی دوران بانو بیگم اندر آ گئیں تو انیقہ نے اپنا سانس روک لیا۔

''ارے انیقہ جان، یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے آپ نے کمرے کا۔ کوئی پریشانی ہے، کچھ گم گیا ہے تو ہمیں بتائیے، ہم آپ کی مدد کئے دیتے ہیں۔'' بانو بیگم نے کمرے کا جائزہ لیتے بہن کو دیکھا جن کا رنگ فق ہو رہا تھا۔ ایک تو اسٹار کے کھو جانے صدمہ اوپر سے جان کا خوف کہ ان کے سسرال میں ان سے اس قسم کا حادثہ رونما ہوا تھا۔

''کچھ نہیں آپی جان! وہ...... وہ......'' مارے گھبراہٹ کے وہ ہکلا کر رہ گئیں۔

''مالا یا کوئی زیور کہیں رکھ کر بھول گئی ہیں تو قطعی فکر کی بات نہیں۔ اس گھر کے ملا بہت پختہ ایمان والے ہیں، ہر چیز کتنی ہی قیمتی ہو، بھلے نظروں سے اوجھل ہو جائے مگر کہیں نہیں۔ تمہیں ہرگز بھی فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔'' بانو بیگم بے چاری اصل سے بے خبر یہی سمجھ رہی تھیں مگر انیقہ کا تو حلق خشک ہو رہا تھا۔

''نہیں، نہیں آپی جان! نہ تو ہماری مالا گم ہوئی ہے نہ ہی ہمارا زیور کھویا ہے۔ ہمارا تو..

''سکھ چین کھویا ہے۔'' شفاعت اللہ جملہ مکمل کر کے اندر آ گئے تو انیقہ بے ہوش ہو لگیں۔ شفاعت اللہ کی شریر نگاہیں بھی تو انہی کو احاطے میں لئے ہوئے تھیں۔ ان کی نگاہوں کا مطلب مصیبت کے بھنور میں پھنسی انیقہ قطعی نہیں سمجھ رہی تھیں۔

''لیجئے ان کا نہ جانے کیا کھو گیا ہے، آپ کا سکھ چین کھو گیا ہے۔ اب چور کو ہم کہاں کریں؟'' بانو بیگم نے دونوں کو مسکرا کر دیکھا تو شفاعت اللہ کے ہونٹوں پر شریر تبسم بکھر گیا

''خیر ہمارا چور تو بھابی جان ہمارے سامنے ہے۔ ہمیں اگر اس کی آبرو کا پاس نہ ہو ابھی نام لے دیں۔'' انیقہ کی گھبراہٹ سے محظوظ ہوتے ہوئے وہ مزید شریر ہو رہے۔ انیقہ نے گھبرا کر ان کی طرف دیکھا، انہوں نے اس کی طرف دیکھا۔ انیقہ کی نگاہوں جانے کیسی التجا تھی کہ وہ مسکرانے لگے۔

''ارے بھابی جان! یہ آپ نے کمرے کا کیا حلیہ بنا رکھا ہے۔ بالکل کباڑ خانے کا پیش کر رہا ہے۔'' گو کہ شفاعت اللہ سب کچھ جانتے تھے مگر ان کا مقصد یہاں اپنے طویل کرنا تھا، انیقہ کی بے بسی سے لطف اندوز ہونا نہیں تھا۔ مگر انیقہ کو کم از کم یہ خو نواب زدہ کچھ ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے ان کی بے بسی کا مذاق اڑا رہا ہو، جبکہ شفاعت



معلوم تھا کہ وہ کیا تلاش کر رہی ہیں اور کیوں ہراساں نظر آ رہی ہیں۔

''ارے بھیا! ہماری انیقہ کا کچھ کھو گیا ہے، اس کو تلاش کرتی پھر رہی ہیں۔ نہ کچھ بتاتی ہیں، بس تلاش کر رہی ہیں اور ہراساں نظر آ رہی ہیں۔'' بانو بیگم دیور کے سامنے کچھ شرمندہ بھی ہو رہی تھیں کہ انیقہ ایسی حرکتیں کر رہی ہیں جو کہ ان کی عمر کی لڑکیوں کو ہرگز نہیں کرنی چاہئیں۔ مگر اب بے چاری اندر کی بات تو وہ بھی نہیں جانتی تھیں۔

''ہوں، تو یہ بات ہے۔'' شفاعت اللہ نے ان کو گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا اور چند قدم چل کر کچھ اس طرح آگے بڑھے کہ انیقہ ان کے قریب آ گئیں۔ وہ بہت پزل ہو رہی تھیں، ہاتھوں کو بے قراری سے مسل رہی تھیں۔

''آپ بلاوجہ فکرمند ہو رہی ہیں۔ آپ کی کھوئی ہوئی چیز تو انشاء اللہ مل جائے گی، افسوس کرنا ہے تو ہم سے کیجئے کہ جو کھو دیا سو کھو دیا۔ مل جانے کے امکانات ہی نہیں۔ ستم یہ کہ ہم چور کا نام لے سکتے ہیں اور نہ پکڑ سکتے ہیں۔'' شفاعت اللہ کی نگاہوں کے ساتھ لہجہ بھی گہرا اور گمبھیر ہو گیا تھا۔

''ارے شفاعت میاں، آپ یہاں کہاں گرد میں کھڑے ہیں؟ چلئے باہر چلتے ہیں۔'' بانو بیگم کو اچھا نہیں لگ رہا تھا کہ اس بگڑے ہوئے حلیے والے کمرے میں وہ ٹھہریں۔''

''چلئے۔'' شفاعت اللہ نے پیچھے ہٹ کر ہاتھ کے اشارے سے انیقہ کو کہا تو وہ بھیگی پلکوں سے بس ان کو دیکھ کر رہ گئیں۔ ایسے میں ان کو اس پر بڑا ترس آیا اور وہ ان پر الوداعی نگاہ ڈال کر شوخ تبسم لئے باہر آ گئے۔

⁕☆⁕

''شفاعت بھیا...... شفاعت بھیا! وہ شجاعت بھیا کہاں ہیں؟'' عبدل بھاگا آیا اور ایک طرف بیٹھی اماں بی جو کہ سروتے سے چھالیہ کتر رہی تھیں ان سے جان بوجھ کر ٹکراتا ہوا بولا۔ سروتہ اماں بی کے پاؤں پر لگا تو وہ لگیں ہائے وائے کرنے۔

''اے ہے کوئی ہے جو اس کمبخت لومڑ کی دم کاٹے۔ کلموہے نے دل زخمی کر کے رکھ دیا۔ ہائے...... ہائے بیگم کہاں ہیں آپ؟ ارے کمبخت نے مار ڈالا۔ ہائے میرا دل۔'' اماں بی کو بھی عادت تھی کہ تکلیف سے زیادہ واویلا مچاتی تھیں اور اس وقت بھی پاؤں تھامے وہ ہائے دل پکار رہی تھیں۔ شفاعت اللہ مسکرا کر ان کی طرف بڑھے۔ گرا ہوا سروتہ ان کو دیا۔

''اماں بی! ویسے آپ کی اطلاع کے لئے عرض کر دوں کہ سروتہ آپ کے پاؤں پر گرا ہے اور تھامے آپ دل بیٹھی ہیں۔''

''ارے ہاں بھیا، دیکھو یاد ہی نہ رہا۔ اے کمبخت بڑھاپے میں کچھ یاد ہی نہیں رہتا۔''

''دیکھ لیجئے شفاعت بھیا۔ اب یہ خود اپنے منہ سے بڑھاپے کو تسلیم کر رہی ہیں۔ اگر مَیں کہہ دوں کہ اماں بی بوڑھی ہو گئی ہو، چل چلاؤ کا وقت ہے، نہ جانے کب ویزا لگ کر جائے تو سیدھی سواری جہنم میں جا کر اترے گی۔ کوئی نیک کام کر لو مگر مجال ہے جو میری بات پر کان دھریں۔'' عبدل بڑا تیز اور شوخ لڑکا تھا۔ اماں بی کو ایسی ایسی باتیں سناتا جو غصہ دلانے والی ہوتیں۔

''دیکھ رہے ہیں شفاعت میاں آپ۔ ارے بالشت بھر کی تو زبان ہے کمبخت کی۔''

''توبہ... توبہ بھیا، دیکھا آپ نے اماں بی کتنا جھوٹ بولتی ہیں۔ توبہ کرو اماں بی، موت کا فرشتہ ہر وقت منڈلاتا ہے سر پر۔ کسی روز ٹینٹوا دبا دیا ناں تو تم چپ بیٹھی رہو گی، ہم سب پڑھ رہے ہوں گے انا للہ.....'' عبدل مستقل اماں بی کو طیش دلائے جا رہا تھا۔

''ارے ٹھہر، تو یوں باز آنے والا نہیں۔'' بھاری بھر کم وجود رکھنے والی اماں بی اٹھیں اٹھتے اٹھتے اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکیں اور دھڑام سے زمین بوس ہو گئیں۔

''دیکھا گر گئیں نا، یہ ہوتی ہے جھوٹ کی سزا۔ بالشت بھر کی زبان ہے میری کہ سوا ڈھ انچ کی۔''

''ارے کمبخت، اٹھا پھر بتاتی ہوں تیری زبان کی لمبائی۔''

''اری اماں بی، تمہیں تو اب اللہ ہی اٹھا سکتا ہے۔ یہ عبدل کے بس کا روگ نہیں۔'' عبدل قلانچیں بھرتا ہوا آگے بڑھ گیا تو مسکراتے ہوئے شفاعت اللہ نے ان کا ہاتھ کر اٹھایا۔

''ارے بھیا، تم نے مجھے اٹھایا، خدا تمہیں اٹھائے۔'' اماں بی بھی بس بول دیتی تھیں۔ کی بات کا کیا مطلب نکلتا ہے، وہ کب سوچنے کی زحمت گوارا کرتی تھیں۔

''ہائے اماں بی، خدا نہ کرے، آپ یوں نہ بول دیا کیجئے۔ جو منہ میں آیا کہہ دیا۔'' بیگم نے اماں بی کو سرزنش کی تو وہ کچھ کھسیانی سی ہو گئیں۔ قبل اس کے کہ وہ مزید کچھ کہتیں عبدل پھر پرندوں کی طرح اڑتا ہوا آ گیا بازو پھیلائے ہوئے اور جاتے جاتے ایک ہاتھ اماں بی کو لگا لیا۔

''وہ شفاعت بھیا، شجاعت بھیا کہاں ہیں؟''

''یہ تمہیں شجاعت بھیا سے کیا کام ہے جو پوچھتے پھر رہے ہو؟'' شفاعت اللہ نے اس کا بازو پکڑ کر کہا تو وہ سوچنے لگا کہ کس کام سے آیا تھا۔



''اوہ ہاں بھیا! مجھے شجاعت بھیا سے تھوڑا کام ہے۔ کام تو آپ سے بھی ہے، آپ کا کال فون آیا ہے۔'' عبدل نے پھر شرارت کی اور اماں بی کے سلیپر کرسی کے اندر گھسا دیئے تاکہ وہ ڈھونڈتی پھریں۔

''عبدل! تم واقعی پٹنے والے ہو۔ اماں بی! اس نے آپ کے سلیپر چھپا دیئے ہیں، اسی سے نکلوا کر اس کے سر پر لگائیں۔ بہت بگڑ گیا ہے۔ نہ جانے کب کا فون آیا ہوا ہے اور بتایا ہی نہیں۔'' شفاعت اللہ وہاں سے اٹھ کر فون سننے آ گئے۔ دوسری طرف ان کے سی او صاحب تھے۔

''ہیلو جی، السلام علیکم سر...... جی...... جی رائٹ، میں حاضر ہو جاؤں گا سر، او کے سر۔ خدا حافظ۔'' شفاعت اللہ کو فوری طور پر بلایا گیا تھا۔ وہ فون رکھ کر مڑے تو انہوں نے دیکھا ایقہ پریشان سی خوفزدہ سی پھر رہی ہیں، چہرے پر ہوائیاں سی اڑ رہی ہیں، وہ کسی سہمی ہوئی بچی کی طرح لگ رہی تھیں۔ وہ اٹھ کر بانو بیگم کے پاس آ گئے جو کچن کی طرف جا رہی تھیں۔

''کس کا فون تھا شفاعت میاں؟'' بانو بیگم نے پلٹ کر شفاعت اللہ کو دیکھا جو ایقہ کو دیکھ رہے تھے۔

''ہمارے سی او صاحب کا فون تھا۔'' اچانک ہی ایک شریر خیال کی آمد شفاعت اللہ کے لبوں پر مسکرانے لگی۔

''اچھا، کیا کہہ رہے تھے؟'' بانو بیگم اپنا کام شروع کر چکی تھیں۔ فریج سے گوشت وغیرہ نکال رہا تھا۔

''اجی کہنا کیا ہے، بس بلایا ہے اور چھٹی۔'' وہ آہستہ سے کھسکتے ہوئے ایقہ کے قریب آ گئے جن کے ہاتھ پیر اس خبر سے سن ہونے لگے تھے۔

''چھٹی، کس بات کی چھٹی؟'' یہ پوچھتی ہوئی بانو بیگم باہر کسی کام سے چلی گئیں۔ ایقہ نے گھبرا کر ان کو دیکھا۔

''وہ....وہ آپ....سی او صاحب نے آپ کو کیوں بلایا ہے؟'' گھبراہٹ میں وہ ہکلائیں۔

''اجی لڈو مٹھائیاں کھلانے کے لئے قطعی نہیں بلایا جا رہا۔ ہمیں سرزنش کرنے کے لئے بلایا جا رہا ہے اور پھر......''

''سرزنش کی جائے گی آپ کو؟'' ایقہ کا حلق خشک ہونے لگا۔

''جی صرف سرزنش پر موقوف ہوتا تو خیر تھی۔ مگر محترمہ! سرزنش کے بعد ہمیں سزا سے بھی نوازا جائے گا۔'' بانو بیگم کی عدم موجودگی کا وہ خوب فائدہ اٹھا رہے تھے اور یوں خوفزدہ سی

ایقہ کا روپ ان کو بہت بھا رہا تھا۔

''سزا مگر...... کیا، کیا ہے آپ نے؟ سزا کیوں دی جائے گی؟'' ایقہ واقعی نہیں سمجھ پا رہی تھیں۔

''لیجئے، سزا کیوں دی جائے گی۔ قسم سے مان گئے کہ حسن بہت معصوم ہوتا ہے۔ مگر آپ کو خبر نہیں کہ ہمیں سزا کیوں دی جائے گی؟؟'' وہ ان کی خوفزدہ سی پھیلی آنکھوں میں جھانک رہے تھے۔ انہوں نے پشیمان سا ہو کر نظریں جھالیں۔

''محترمہ! آپ ہماری مہمان ہیں اور ہماری پیاری بھابی جان کی ہمشیرہ عزیز از جان ہیں۔ ہم تو آپ سے کچھ کہہ بھی نہیں سکتے۔ آپ نے ہمارا سرکاری اعزاز گم کر دیا ہے تو سزا تو ہمیں ہی بھگتنی پڑے گی ناں۔''

''اُف میرے خدا، آپ کو اس بات کی سزا ملے گی؟ اوہ ہم بہت شرمندہ اور نادم ہیں۔ بخدا ہم نے بہت سنبھال کر رکھا تھا۔ مگر اس روز ہونے والی صفائی میں نہ جانے کہاں کھو گیا۔ ہم بے حد شرمندہ ہیں۔''

ایقہ کا لہجہ تو بھیگ ہی رہا تھا، آنکھوں نے برسنا بھی شروع کر دیا۔ شفاعت اللہ پریشان ہو گئے۔ ایک تو ایقہ کے آنسو دکھ پہنچا گئے، دوسرے کسی کے آنے کے خیال سے خوفزدہ گئے۔ انہوں نے جیب سے رومال نکال کر ان کو دیا۔

''ارے...... ارے ایقہ، یہ آپ کیا غضب کر رہی ہیں۔ وہاں سے تو اب چھٹی ہو جائے گی۔ آپ یہاں سے سزا دلوائیں گی کیا۔ گھر والے تو ہمیں معاف نہیں کریں گے۔ مہمان کے ساتھ ہم نے ایسا کیا، کیا کہ وہ رو پڑیں۔ ارے خاموش ہو جائیے، بھابی جا رہی ہیں...... پلیز خدا کے لئے چپ ہو جائیے۔''

بانو بیگم واقعی کہیں سے نمودار ہو کر تیز تیز قدموں سے آ رہی تھیں۔ اب تو شجاعت اللہ جان پر بن آئی۔ لاکھ وہ شوخ، بذلہ سنج سہی مگر خاندانی اقدار اور بزرگوں کا احترام بہر صورت پیش نظر رہتا تھا۔ وہ واقعی گھبرا گئے۔ ایقہ نے بھی جلدی سے رومال لیا اور چہرہ صاف کرنے لگیں۔ اسی وقت بانو بیگم اندر آ گئیں۔

''ہاں تو شفاعت میاں، آپ کیا ذکر کر رہے تھے کہ آپ جا رہے ہیں اور چھٹی......'' کو بھی ساری بات یاد تھی۔ ایقہ نے التجائیہ گھبرائی ہوئی نظروں سے شفاعت اللہ کو دیکھا، خود اپنی جان چھڑانے کے چکروں میں تھے۔

''جی کچھ نہیں۔ میں سوچ رہا تھا کہ چھٹی مزید بڑھا لوں۔ مگر اب سوچ رہا ہوں،



فائدہ نہیں۔ اور ہاں بھابی جان! آج رات کھانے پر ہمارے کچھ دوست آ رہے ہیں، ذرا پُرتکلف سا کھانا تیار کر لیجئے گا۔'' شفاعت اللہ نے جلدی جلدی کہا اور دروازے کی جانب بڑھے۔ ایقہ کی جان میں جان آئی اور دل میں اس وجیہہ شخص کے لئے عزت بڑھ گئی۔

''آپ بے فکر رہیے شفاعت، انشاء اللہ آپ کے دوست انگلیاں چاٹتے رہ جائیں گے۔'' بانو بیگم مسکرائیں۔

''ارے بھابی جان! میری عزت کا معاملہ ہے۔ اچھا سا کھانا بنائیے گا۔ اگر ان کو خالی انگلیاں ہی چاٹنی ہیں تو وہ کہیں بھی بیٹھ کر چاٹ لیں گے۔ اس کے لئے ان کو ہمارے گھر آنے کی زحمت کی کیا ضرورت ہے۔'' بھابی کی بات کا مطلب وہ اچھی طرح سمجھ رہے تھے مگر بات بھی تو بنانی تھی۔ ان کی بات پر وہ ہنس پڑیں۔

''بہت شریر ہیں آپ۔'' بانو بیگم نے مسکرا کر کہا تو وہ بچ جانے کا شکرانہ ادا کرتے باہر آ گئے۔

☆☆☆

نواب صاحب کی ہمشیرگان زینت بیگم بڑی اور سب سے چھوٹی زینب بیگم اپنے اپنے بچوں کے ساتھ آ گئیں تو گویا گھر میں شور ہنگامے کا بگل بج اٹھا۔ ہر کوئی خوش نظر آ رہا تھا۔ نواب صاحب تو گویا خوشی سے سرخ و سفید اور تندرست نظر آنے لگے تھے۔

''بھئی زینت بیگم اور زینب بیگم! ہمیں آپ لوگوں کی آمد کی جو خوشی ہے وہ بیان سے باہر ہے۔ لیکن اگر آپ لوگوں کے سب بچے اور شریک زندگی بھی ساتھ ہوتے تو ہمیں اور زیادہ خوشی ہوتی۔'' نواب صاحب سے چلا نہیں جاتا تھا۔ بیماری نے ان کو مزید نحیف کر دیا تھا مگر بہنوں کی وجہ سے وہ سب کے درمیان آ کر بیٹھ جاتے۔

''بھائی صاحب! جی تو سب کا چاہ رہا تھا مگر آپ کو تو معلوم ہے کہ ایک تو بچیاں جوان، ان کی ذمے داری دوسرا کاروبار کے اندیشے بس ان سب معاملات نے باندھ کر رکھ دیا ہے سب کو گھروں میں۔ ہمارا تو دل تڑپ رہا تھا آپ کی صورت دیکھنے کو۔ سو سب کچھ بھاڑ میں جھونک کر چلے آئے آپ کو دیکھنے کے لئے۔'' زینت بیگم نے پیار سے بھائی کو دیکھا تو نواب حشمت بھی اسی بزم میں موجود تھے۔ زینت بیگم کی بات پر ہنس دیئے اور نواب امیر اللہ کو دیکھنے لگے۔

''دیکھ لیجئے بھابی بیگم! یہ ہوتے ہیں بہنوں کے حوصلے کہ جس صورت سے ہم خوفزدہ ہو جاتے ہیں، یہ اس کو دیکھنے کے لئے تڑپ رہی تھیں اور بھاگی چلی آئیں۔ واہ بہن صاحب

واہ۔'' حشمت صاحب کی بات پر نواب صاحب زیرلب مسکرا دیئے مگر چپ رہے تو دونوا بہنوں کو اچنبھا ہوا کیونکہ دونوں بچپن کے دوست تھے، دونوں خاندانوں کے پرانے مراسم تھے سب جانتے تھے دونوں دوستوں میں فقروں کی اکثر جنگ چھڑ جایا کرتی تھی۔

''بھائی صاحب! بھائی حشمت وار کر گئے اور آپ چپ ہیں۔ کیا وجہ ہے؟'' زینب بیگم نے بھائی کو دیکھا تو انہوں نے حقے کا ایک گہرا کش لگایا اور تھوڑا سا کھانس کر گاؤ تکیہ قریب کر کے نیم دراز ہو گئے۔

''بھئی زینب بی بی! آپ کو تو معلوم ہے کہ ہم سوچ سمجھ کر بات کرتے ہیں اور دیوانے کی بڑ کا تو ہم یوں بھی جواب نہیں دیا کرتے۔'' نواب صاحب کی بات پر حشمت صاحب کا قہقہہ سب سے بلند تھا۔

''اور بھائی صاحب! بھائی بیگم اور بچے تو سب ٹھیک ہیں نا؟'' اب زینت بیگم نواب حشمت سے حال احوال دریافت کر رہی تھیں۔

''بہن صاحبہ! جب ہم یہاں آئے تھے تو سب ٹھیک تھے۔ اب بھی خدا کے فضل سے ٹھیک ہی ہوں گے۔'' نواب حشمت نے حقے کی نال اپنی جانب کرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

''آپ تشریف کب لائے تھے بھائی صاحب؟'' زینب بیگم نے منہ میں پان رکھتے ہوئے یونہی پوچھا۔

''ارے بھئی، ایک صدی پہلے تشریف لائے تھے اس جہانِ فانی میں، اب تو ان کی روانگی کا وقت ہے۔'' نواب صاحب نے مسکراتے ہوئے نواب حشمت کی جانب جملہ اچھالا انہوں نے ہنستے ہوئے ان کو دیکھا اور نال ان کے حوالے کرتے ہوئے بولے۔

''بجا ارشاد فرمایا نواب صاحب آپ نے۔ ہم لنگوٹیا یار ہیں، ایک دوسرے کی جدائی کہاں برداشت کر سکتے ہیں۔ اس جہانِ فانی سے روانہ ہوں گے تو ایک ساتھ ہی ہوا ہو گے۔'' اس بات پر نواب تو دل کھول کر ہنسنے لگے البتہ انیسہ بیگم کچھ برہم سی ہو گئیں۔

''توبہ ہے، کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ لوگ۔ ... اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو زندگی دے۔ ان کی دعا کے جواب میں بہنوں نے دل کی گہرائیوں سے آمین کہا۔

☆☆☆

قمر، زینت بیگم کے صاحبزادے تھے۔ انتہائی سادہ لوح اور کسی حد تک بے وقوف بھی دھان پان سا وجود رکھتے تھے۔ یا یوں کہنا چاہئے کہ ان کی جیب میں کسی بھاری چیز کی موجودگی بہت ضروری تھی، جبکہ ان کے یار دوستوں کا کہنا تھا کہ زمین میں کشش ثقل کی



موجودگی میاں قمر کو زمین کی طرف کھینچے ہوئے ہے۔ وہ سب باتیں سنتے اور مسکرا دیتے۔ پڑھائی سے وہ شغف نہیں رکھتے تھے اور کام کاج سے دلچسپی نہیں تھی۔ لہٰذا اپنی والدہ کے آنچل کو تھامے ساتھ ساتھ گھوما کرتے اور وہ بھی ان کے بغیر ایک پل نہیں رہ سکتی تھیں۔ قمر میاں خود تو جیسے بھی تھے مگر صنف نازک کے معاملے میں بڑے چوزی واقع ہوئے تھے۔ وہ بہت خوب صورت، اسمارٹ سی لڑکیاں پسند کرتے تھے جو ان پر نگاہ غلط بھی ڈالنا گوارا نہ کرتی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ بارہا ہاتھ جڑ دینے کے واقعات بھی رونما ہو چکے تھے۔ اور دوسری طرف نورینہ بیگم تھیں، زینت بیگم کی سب سے چھوٹی صاحب زادی۔ شکلاً تو خوبصورت تھیں، بلکہ جسامت میں اپنی والدہ پر پڑی تھیں۔ اپنے بھاری بھرکم وجود کی وجہ سے وہ اپنی عمر سے خاصی بڑی نظر آتی تھیں اور اوپر سے بہت معصوم اور سادہ فطرت تھیں۔ تب ہی تو شفاعت اللہ ان کو چھیڑتے۔

''ارے نورینہ، آپ تو بہت دبلی ہو رہی ہیں، کچھ کھایا پیا کیجئے۔''

''ہیں واقعی شفاعت بھیا! آپ سچ کہہ رہے ہیں ناں؟'' وہ پریشان کن نظروں سے ان کو دیکھنے لگتیں۔

''لیجئے ہمیں جھوٹ بولنے کے کوئی لڈو ملیں گے۔ دیکھئے تو کیا حالت ہو رہی ہے آپ کی۔ کمزوری سے رنگ پیلا پڑ رہا ہے۔ آنکھوں کے گرد گوشت کی تہیں میرا مطلب ہے حلقے پڑ رہے ہیں۔ مجھے تو اندیشہ ہے کہ کہیں آپ کو کوئی بیماری نہ لاحق ہو جائے... کیوں قمر بھیا؟'' اپنی بات کی تائید کے لئے شفاعت اللہ نے قمر میاں کی جانب دیکھا تو انہوں نے اپنی موٹے شیشوں والی عینک اتاری، صاف کی اور پھر نورینہ کو چاروں طرف سے دیکھنے لگے، پھر شفاعت اللہ کو دیکھا۔

''بھئی شفاعت بھیا! یا تو آپ کی نظر انتہائی کمزور ہو گئی ہے یا ہماری نظر اللہ میاں نے تیز کر دی ہے ورنہ تو محترمہ نورینہ صاحبہ کو دیکھنے کے لئے کم از کم ایک گھنٹہ درکار ہوتا ہے۔''

''شفاعت بھیا درست کہہ رہے ہیں قمر بھیا! اماں جان نے ہمیں کہا ہے کہ کم کھایا کرو۔ اور ہم کم کھانا کھا رہے ہیں تو یقیناً ہم کمزور نظر آ رہے ہوں گے، ہٹئے پیچھے۔'' نورینہ نے معمولی سی جنبش قمر میاں کو پیچھے کرنے کے لئے کی مگر وہ بے چارے اتنے دھکے سے بھی لڑکھڑا گئے تو شفاعت اللہ نے ان کو تھام لیا۔ اب نورینہ کسی بھی بات کا خیال کئے بغیر سامنے رکھے فروٹ پر ٹوٹ پڑی تھیں۔

''ہمیں اسمارٹ بنانے کے چکروں میں اماں جان ہماری جان ہی لے کر رہیں گی۔ ہمیں

نہیں ہونا اسمارٹ وسمارٹ۔" وہ بولے بھی جا رہی تھیں اور ایک کے بعد ایک سیب کھائے رہی تھیں۔ قمر میاں کے لئے یہ منظر نیا نہیں تھا۔ وہ تو ساتھ رہتے تھے، اسی لئے جانتے تھے مگر شفاعت اللہ تو حیرت سے ان کو دیکھ رہے تھے۔ دوسری طرف سے عبدل آ گیا۔ یہ م عبدل کو فوت کرنے کے لئے کافی تھا، وہ آنکھیں پھاڑے دیکھے جا رہا تھا۔ نورینہ کسی کا خیال کئے بغیر کھائے چلی جا رہی تھی۔ ان کو کچھ ہوش نہیں تھا۔ عبدل نے ایک طرف کھڑ قمر میاں کو اٹھایا اور بھاگنے لگا تو وہ واویلا مچانے لگے۔

"ارے، ارے ہمیں کہاں لئے جا رہے ہو نالائق نابنجار عبدل میاں؟"

"یہ سب میں آپ ہی کے بھلے کے لئے کر رہا ہوں، دیکھ نہیں رہے نورینہ بی بی کو بھو لگی ہے۔ پھل کے بعد یقیناً وہ ہڈیوں کا سوپ پینا پسند کریں گی، تب کیا کیجئے گا؟" قمر م کے ہاتھ پاؤں چلانے پر عبدل نے انہیں ایک طرف کھڑا کر دیا۔ عبدل کی بات پر شفاع اللہ بہت محظوظ ہوئے۔ سامنے پربل لباس میں پریشان اور ہراساں سی انیقہ پر نظر پڑی اسی وقت قمر میاں کی بھی ان پر نظر پڑی۔ قمر میاں تو دل تھام کر رہ گئے۔ اتنی خوبصورت، اسمارٹ دوشیزہ ہی تو ان کا آئیڈیل تھی۔ انہوں نے اپنا چشمہ درست کیا اور ایک دم انیقہ سامنے آ گئے۔

"ہم..... ہم آداب بجا لاتے ہیں محترمہ۔ گو کہ آپ کو پہلی بار دیکھ رہے ہیں مگر لگتا بارہا ملے ہیں۔ آداب...... آداب۔" آگے پیچھے دیکھے بغیر وہ آداب بجا لاتے لاتے کر سے ٹھوکر کھا گئے اور قالین بوس ہو گئے۔ شفاعت نے آگے بڑھ کر قمر میاں کو سیدھا کیا۔

"محترمہ ہماری بھابی جان بانو بیگم کی چھوٹی ہمشیرہ ہیں اور ہماری معزز مہمان ہیں اور آ کو بھی ان کا احترام کرنا چاہئے۔ آخر یہ آپ کی بہنوں کی طرح ہیں۔"

"جی..... جی ہاں....." قمر میاں انیقہ کی رعب دار شخصیت کے سامنے بس جی ہاں، ہاں کئے گئے۔ مگر بہن والی بات پر تڑپ اٹھے۔

"جی نہیں، قطعی نہیں، ہرگز نہیں۔ شفاعت بھیا! یہ آپ کی پرانی عادت ہے۔ ہر خوبصور اور حسین خاتون کو آپ ہماری ہمشیرہ بنا دیتے ہیں۔" قمر میاں انیقہ کو بغور دیکھ رہے تھے۔

"اس لئے قمر بھیا! کہ ہم آپ کے خیر خواہ ہیں۔ ایسی خواتین کو اگر ہم آپ کی ہمشیر کہہ دیں تو آپ تو مرحوم ہو جائیں۔ شکریہ ادا کرنے کے بجائے آپ خفا ہو رہے ہیں شفاعت نے گہری نگاہوں سے پریشان انیقہ کو دیکھا جن کے اندر کی پریشانی نے ان حسن کو سوز بخش دیا تھا۔



"ابھی بس رہنے دیجئے۔ ہم ان کو ہرگز ہمشیرہ نہیں مانیں گے۔ حد ہو گئی، ہر اچھی خاتون کو ہم ہمشیرہ سمجھ لیں۔ یہ تو ایسی خاتون ہیں، بخدا ایسی خاتون ہیں کہ ہم ان پر غزل لکھیں گے، ان کو غزل کے مصرعوں میں مقید کر کے اپنی ڈائری میں چھپا کر اپنے پاس رکھ لیں گے۔" قمر میاں تو انیقہ کے حسن سے اس حد تک متاثر ہوئے تھے کہ ان کو دیکھتے ہی شعر اُترنے لگے تھے۔ وہ ان کو لفظوں میں ڈھالتے ہوئے بیٹھنے لگے۔ شفاعت اللہ نے جو ان سے چڑ چکے تھے، چپکے سے پاؤں سے کرسی کھسکائی، وہ دھڑام سے نیچے آ رہے۔

"آپ بھی کمال کرتے ہیں قمر بھیا! ابھی آپ گر جاتے تو؟" انیقہ جو شفاعت اللہ کی شرارت دیکھ چکی تھیں، ان کی اس حرکت اور بات پر مسکرا پڑیں۔ ان کی مسکراہٹ اتنی خوبصورت اور حیا کے رنگوں میں چھپی ہوئی تھی کہ شفاعت اللہ دیکھتے رہ گئے۔

"شفاعت بھیا! جہاں تک ہماری عقل کام کرتی ہے....." قمر بھیا، انیقہ کو دیکھتے ہوئے پھر گویا ہوئے۔

"اچھا، تو آپ کی عقل بھی کام کرتی ہے۔" شفاعت اللہ نے حیرت سے کہا تو قمر میاں خفگی سے ان کو دیکھنے لگے۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" قریب تھا کہ وہ آستین چڑھا کر شفاعت اللہ سے زور آزمائی کرتے کہ عبدل اٹھلاتا ہوا آ گیا اور نورینہ کی طرف بڑھا جو اب بھی فروٹ کے ساتھ دو دو ہاتھ کر رہی تھیں۔

"نورینہ بی بی! اب فروٹ کی سزا معاف کر دیں اور کھانے پر ٹوٹ پڑیں۔ کھانا لگ چکا ہے۔"

"اچھا، کھانا لگ چکا ہے اور تم نے ہمیں بتایا ہی نہیں، ہٹو پیچھے۔" نورینہ نے عبدل کو ہاتھ سے ہٹایا تو وہ بے چارہ گرتے گرتے بچا اور جاتے جاتے قمر میاں کو بھی لے گیا۔ کیونکہ شفاعت اللہ نے اشارہ کر دیا تھا۔ اب دونوں کے بیچ تنہائی تھی۔ وہ محسوس کر رہے تھے کہ انیقہ کچھ کہنے والی ہیں۔ وہ مسلسل ہاتھوں کو آپس میں رگڑ رہی تھیں۔

"وہ ہم آپ کو سارے گھر میں تلاش کر کے ادھر آئے ہیں۔" انیقہ کی آواز کی مترنم لہر فضا میں گونجی۔

"زہے نصیب۔" شفاعت اللہ سمجھ رہے تھے کہ وہ کیوں ان کو تلاش کر رہی تھیں مگر کچھ بھی سہی وہ خوش ہو گئے۔

"جی وہ..... وہ میں آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔" انیقہ کی لرزتی پلکیں لمحہ بھر کو ان پر

اٹھیں۔ ان کی پُرشوق اور گہری نگاہوں کی حدت کو وہ بخوبی محسوس کر رہی تھیں مگر وہ خا سمجھدار تھیں، کسی خوش فہمی کا شکار بننا نہیں چاہتی تھیں۔

''ہم ہمہ تن گوش ہیں۔ کہیے آپ کو جو کہنا ہے، گھبرائے بغیر کہیے۔''

''وہ...... وہ شفاعت اللہ صاحب! ہم آپ کے گناہ گار ہیں، خطا وار ہیں۔ ہم سے آ کا وہ اسٹار گم ہو گیا ہے۔ ہمیں آپ جو چاہیں سزا دے دیجیے، ہم اُف نہیں کریں گے۔'' باقاعدہ رو پڑیں تو شفاعت اللہ کا دل سینے میں مچل اٹھا کہ بڑھ کر ان کی پلکوں کے گر والے ان پاکیزہ شفاف قطروں کو اپنے ہاتھوں میں جمع کر لیں مگر ابھی ان کو اس بات اختیار ہی کیا تھا۔

''سزا۔ ابھی رہنے دیجیے۔ ہم آپ کو کیا سزا دیں گے۔ ہم مہمانوں کو سزا نہیں دیا کرتے ہم تو خود کو سزا کے لئے تیار کر رہے ہیں۔ سرکاری اعزاز گم کر دینے پر چھٹی تو پکی ہے، ا سزا نہ جانے کیا ملتی ہے۔'' وہ ایسے سنگدل تھے نہیں مگر محض ایقہ کو تنگ کرنے کی خاطر جھوٹ بول گئے۔

''ہم بے حد شرمندہ ہیں آپ سے۔ کاش، ہم یہاں آئے ہی نہ ہوتے۔ اماں جان رو ہی رہ گئیں، ہم ضد کر کے آ گئے۔ لیکن ہمیں کیا خبر تھی کہ بہن کے سسرال میں آ کر ہم اتنی بڑی غلطی سرزد ہو جائے گی کہ ان کے دیور کا اعزاز ہی گم کر دیں گے۔ کاش...... کاش نہ آئے ہوتے۔ ہم تو ان لمحات کو کوستے ہیں کہ جب ہم یہاں آئے۔'' وہ کرسی پر بیٹھی ا کے دیے ہوئے رومال سے آنسو صاف کر رہی تھیں۔ اپنا رومال اب بھی ایقہ کے ہاتھ یہ دیکھ کر شفاعت اللہ کے اندر روشنی سی پھیل گئی۔

''اور ہم ان لمحات کو دعا دیتے ہیں جن کی ڈولی میں بیٹھ کر آپ یہاں آئیں۔'' وہ ز لب کچھ یوں بولے کہ ایقہ کچھ سمجھیں اور کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ وہ ان کو دیکھنے لگیں۔

''جی، آپ نے کچھ کہا؟'' وہ احتیاطاً پوچھ رہی تھیں۔ اس لئے کہ ان کے سامنے کوئی کوئی بات غلط ہو جاتی تھی۔

''جی، آپ نے اجازت ہی کہاں دی ہے کچھ کہنے کی۔ میرا مطلب ہے کچھ نہیں کہا البتہ یہ ضرور کہنا چاہتے ہیں کہ اب آپ ناحق خود کو ہلکان کر رہی ہیں۔ جانے دیجیے، جو ہو دیکھا جائے گا۔''

''شفاعت اللہ صاحب! آ... میری کیفیت کو سمجھ نہیں رہے کہ......'' وہ بے چینی سے کھڑی ہو گئیں۔



''آپ بھی تو ہماری کیفیت تک رسائی حاصل نہیں کر پا رہیں کہ ہم کیا چاہتے ہیں اور......'' اور قبل اس کے کہ شفاعت اللہ اپنی بات کو تکمیل کی منزل تک پہنچاتے، اسی وقت بانو بیگم آ گئیں۔ اس طرح تنہا کمرے میں دونوں کو قدرے ایک دوسرے کے قریب کھڑا دیکھ کر، خاص طور پر ایقہ کا بھیگا چہرہ ان کو کسی انجانے اندیشے میں مبتلا کر گیا۔ ان کے ملیح چہرے پر اچانک اتر آنے والی سختی نے ایقہ اور شفاعت اللہ کے اوسان خطا کر دیے۔

''ایقہ! وہاں کھانے پر سب منتظر ہیں۔ اور شفاعت میاں! آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟ ہمیں یوں ایک کمرے میں آپ دونوں کا تنہا نظر آنا اچھا نہیں لگا۔ اب اگر ہماری جگہ پر آپ کے بھائی یا کوئی اور یہاں آ جاتا تو کیا خیال کرتا؟'' سدا کی حلیم بانو بیگم جب بات کرتیں تو گویا پھول جھڑتے، اب اس طرح تند اور سخت لہجے میں بولیں کہ شفاعت اللہ کی ساری حاضر جوابی دھری رہ گئی اور ایقہ میں تو گویا جان ہی نہیں رہی۔

''آپ درست کہہ رہی ہیں بھابی جان، وہ دراصل بات یہ ہے کہ......'' شفاعت اللہ اپنی اور ایقہ کی پوزیشن کلیئر کرنا چاہتے تھے مگر بانو بیگم شدید غصے میں تھیں۔ انہوں نے صفائی کا موقع بھی نہیں دیا۔

''جو بات ہے، وہ ہم بعد میں معلوم کر لیں گے۔ فی الحال کھانے پر آپ دونوں کا انتظار ہو رہا ہے۔ چلئے۔'' ایک سخت نگاہ انہوں نے ایقہ پر ڈالی جن کی ٹانگیں بے جان ہو رہی تھیں۔ دونوں چپ چاپ بچوں کی طرح ان کے پیچھے چل پڑے۔ دونوں کی جان پر بن آئی تھی اور یہ تھی بھی تو غلط بات۔ ان کے گھر میں جہاں روایات کی پاسداری اور حیا کو مذہبی احکام کی زندگی کے اصول اور قوانین کی حیثیت حاصل ہو، وہاں یہ حرکت ایک غیر شادی شدہ مرد اور عورت کا تنہا کمرے میں پایا جانا معمولی بات نہیں تھی۔ بانو بیگم سخت طیش میں تھیں۔ البتہ مُردہ سی ہو رہی تھیں۔ شفاعت اللہ نے اسی بات کی آڑ لے کر سب کچھ بتا دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

☼☆☼

''امی! وہ میری دوست ہے نا راحیلہ، اُس کی سالگرہ ہے۔ وہ بہت اصرار کر رہی ہے کہ میں اُس کے گھر جاؤں۔'' یونیفارم دھو کر صحن میں بندھی تار پر ڈالتے ہوئے شہناز نے گویا اطلاع دی تو مشین پر جھکی حمیدہ بیگم نے سر اٹھا کر اسے دیکھا مگر وہ اپنے کام میں مصروف تھی۔

''ارے ہوتی ہے سالگرہ تو ہوتی رہے، ہمیں کیا لینا دینا۔'' حمیدہ بیگم نے گویا بات ہی ختم کر دی تو وہ ان کے قریب آ کر بیٹھ گئی اور بغور امی کو دیکھنے لگی۔

''کیوں امی، کیوں نہیں لینا دینا۔ میری برتھ ڈے پر اس نے اتنا قیمتی سوٹ مجھے دیا تھا۔ اب اس کی برتھ ڈے ہے تو......''

''نازو، میں نے تمہیں پہلے ہی کہا تھا کہ اپنے سے اونچی کلاس کی لڑکی سے دوستی نہ کرنا تم نے وہی کیا، میں نیکہا، کوئی ضرورت نہیں تحفے تحائف لینے کی مگر تم نے پھر میرے حکم کی خلاف ورزی کی۔ کیوں، کیا ہے تمہاری اس سوچ کے پیچھے؟ کیوں تم ایسا کر رہی ہو؟ کہیں ماں کی غربت کے اندھیرے میں تمہارا دم تو نہیں گھٹنے لگا؟''

بات تو کوئی ایسی خاص نہیں تھی مگر آج حمیدہ بیگم بڑی جذباتی ہو رہی تھیں۔ ایک تو ماضی کی طرف لوٹ کر آتے ہوئے ان کے پاؤں لہولہان ہو گئے تھے اور اب ٹیسیں ان کو اس قسم کے لب و لہجے میں بات کرنے پر مجبور کر رہی تھیں۔ نازو حیران پریشان سی ان کو دیکھے گئی۔ کیونکہ انہوں نے کبھی اس سے اس انداز میں بات نہیں کی تھی۔

''امی...... امی جان! یہ آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ آپ کیا سمجھ رہی ہیں؟ خدا کی قسم امی جان میں آپ کو ہر بات سچ اس لئے بتا دیتی ہوں کہ خدا تو سب کچھ جانتا ہے پھر میں آپ سے جھوٹ کیوں بولوں۔ میں نے آپ کو بتایا تھا میں راحیلہ سے دوستی کرنا نہیں چاہتی۔ مگر نہ جانے اس لڑکی کی باتوں میں، اس کی محبت میں کیا تھا کہ جس نے اس کے بڑھتے ہوئے دوستی کے ہاتھ کو تھام لیا۔ پھر میں تو انکار کرتی رہ گئی مگر اُس نے زبردستی برتھ ڈے پر سوٹ دے دیا تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔ مگر امی! مجھے آپ کی خوشی زیادہ عزیز ہے۔ میں اس سے کل ہی دوستی ختم کر دوں گی اور وہ سوٹ بھی اس کو واپس کر دوں گی۔ امی۔ مجھے آپ کی خوشی عزیز ہے۔ آپ جس بات پر خفا ہوں، یا دُکھی ہوں، وہ میں کیوں کروں گی۔'' اس نے امی کے ہاتھ پکڑ کر آنکھوں سے لگا لئے۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ انہوں نے اس کو کن محبتوں سے پالا ہے۔ اور اگر اس کے باپ کی طرح خودغرض ہو جاتیں تو اسے باپ کے پاس دھکیل کر خود دوسری شادی کر لیتیں، ایک سے ایک اچھے اور امیر آدمی نے ہاتھ بڑھایا تھا، لہٰذا اپنی امی کا کبھی بھی دل دکھانا نہیں چاہتی تھی۔

''نہیں نازو! ایسا نہ کرنا۔ میں ہی آج کچھ جذباتی ہو گئی تھی۔ دوستی تو دوستی ہوتی ہے۔ تم اس کو سوٹ واپس نہ کرو بلکہ میری سلائی کے آج ہی پیسے ملے ہیں، انہیں لے جاؤ اور اس کے لئے کوئی اچھا سا تحفہ خرید لاؤ۔'' نازو کی باتوں سے حمیدہ کچھ نادم بھی ہو گئی تھیں اور ان کو احساس ہونے لگا تھا کہ انہیں ایسی بات نہیں کہنی چاہئے تھی۔ ان کو نازو کی فرمانبرداری پر ایک طرح سے فخر تھا۔



''نہیں امی، بات آپ کی بھی درست ہے۔ انسان کو ہمیشہ نیچے دیکھ کر چلنا چاہئے۔ اوپر دیکھ کر چلنے والا تو ٹھوکر کھائے گا ہی۔ مگر میں نے آپ کو بتایا ہے ناں کہ وہ زبردستی ہی میری دوست بن گئی ہے۔ خیر اب تو جو ہونا تھا ہو گیا۔ لائیں پیسے دیں، کل کالج جاتے ہوئے مارکیٹ سے اس کے لئے کچھ لے لوں گی۔ ایک تو امیر لوگوں کو تحفہ دینے میں یہ بڑی مشکل ہوتی ہے کہ سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ ان کو کیا دیا جائے۔ پہلے سے ان کے پاس اتنی چیزیں موجود ہوتی ہیں۔ میرا خیال ہے امی، پرفیوم ہی بہتر رہے گا۔ آپ کا کیا خیال ہے؟'' نازو نے گہرے ہوتے سائے دیکھے اور اٹھ کر برآمدے کی لائٹ آن کرتے ہوئے پوچھا۔ حمیدہ بیگم بھی اب اپنا سامان سمیٹ رہی تھیں۔

''ہاں، خوشبو بہترین تحفہ ہے۔ یہی لے لینا۔ اور ذرا یہ مشین اٹھا کر اندر رکھ دو۔ حاجرہ اپنی لڑکی کی شادی کے جوڑے دے گئی ہے، ایک ہفتے تک دینے ہیں۔'' حمیدہ بیگم سارے کپڑے سمیٹ کر اندر لے آئیں۔ اندر کافی اندھیرا تھا۔ انہوں نے بلب روشن کیا۔ اس وقت نازو مشین اٹھا کر اندر لے آئی اور ان کی میز پر رکھ دی۔

''امی! بس اللہ کرے میرا بی اے اچھی پوزیشن میں ہو جائے پھر میں کسی اسکول وغیرہ میں اپلائی کر دوں گی اور اللہ نے چاہا جاب مل گئی تو میں آپ کو ہرگز اتنا کام نہیں کرنے دوں گی۔ بہت ہو گی وہ تنخواہ ہم دونوں کے لئے۔'' نازو کو بہت دُکھ ہوتا جب امی ڈھیروں کے حساب سے کپڑے سیتیں۔

''نہیں صرف پیٹ ہی تو نہیں بھرنا بیٹا۔'' وہ باورچی خانے کی جانب چل پڑیں تو وہ بھی ان کے ساتھ آ گئی۔ وہ آگ جلانے لگیں تو وہ ان کو چیزیں دیتی رہی۔

''پھر...... پھر اور کیا کرنا ہے امی؟ ہمارے کون سے اتنے اخراجات ہیں؟''

''سب سے بڑی ضرورت تو میری بیٹی کی شادی خانہ آبادی ہے اور یہی میری زندگی کا مقصد بھی ہے کہ خدا تمہیں نیک، شریف شوہر دے دے جو تمہاری عزت کرے۔''

''امی! آپ تو ہر وقت میری شادی کی فکر میں گھلتی رہتی ہیں۔ سب کام اللہ کے ہیں۔ وہی خالق اور مالک ہے۔ آپ اتنی فکر نہ کیا کریں۔ اور وہ خالہ حاجرہ کو منع کر دیں، اٹھا کر لے آتی ہیں ہر روز کوئی نہ کوئی رشتہ۔ کیا زندگی کا مقصد صرف یہی ہے؟ شادی کے علاوہ بھی بہت سے مسائل ہیں زندگی کے۔'' نازو نے شعلوں کے عکس میں اپنی ماں کی ناکام شادی کو سوچتے ہوئے کہا۔ اس وقت دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ نازو جلدی سے اٹھ کر باہر آئی۔ صحن میں دروازے کے پاس ایک چھوٹا سا گفٹ پیک پڑا تھا۔ اُس نے دائیں بائیں دیکھ،

کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو گفٹ اٹھا کر باورچی خانے میں لے آئی۔

''کون تھا..... کون دے گیا ہے یہ؟'' حمیدہ بیگم نے روٹی توے پر ڈالتے ہوئے گف دیکھا۔ نازو اسے کھولنے میں مصروف تھی۔ پیکٹ کھلا تو اندر بہت خوبصورت اور قیمتی پین تھا۔ انتہائی خوبصورت۔ بھیجنے والے کی نفاست پسندی کا منہ بولتا ثبوت تھا یہ پین سیٹ۔

''امی! کتنا نفیس اور خوبصورت ہے ناں یہ سیٹ۔ اور قیمتی تو بے حد ہوگا۔'' نازو د پین نکال کر پُر ستائش نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ حمیدہ بیگم نے بھی دیکھا اور پھر روٹی کی متوجہ ہوگئیں۔

''ہے تو۔ مگر بھیجا کس نے ہے؟'' حمیدہ بیگم کو اس پین سیٹ کی خوبصورتی اور قیمت غرض نہیں تھی، وہ صرف بھیجنے والے کے بارے میں جاننا چاہتی تھیں۔

''امی، دیکھ تو رہی ہوں۔ مگر دیکھ لیں کسی بھی بھیجنے والے کا نام نہیں لکھا۔'' نازو نے کو اوپر تلے کر کے دیکھ لیا مگر کوئی اتا پتا معلوم نہ ہو سکا۔ البتہ نازو کو گمان ہی نہیں، یقی کہ یہ تحفہ شہزادہ سلیم صاحب نے ہی بھیجا ہوگا مگر وہ اپنے خدشے یا یقین کا اظہار امی بھی نہیں سکتی تھی۔

''اچھا، اب ان کو ہاتھ نہ لگاؤ۔ اسی طرح پیک کر کے باہر پھینک دو۔ کیا خبر کسی جادو وغیرہ کر کے پھینک دیا ہو۔ کیا بھروسہ کسی کا۔ چلو اٹھو، اسے ابھی پھینک کر آؤ۔'' امی تھیں کہ اس کو پھینک دے۔ مگر نہ جانے کیوں اس کا دل نہیں مان رہا تھا۔ کیونکہ قلم جب دینے والا یقیناً ایک اچھا اور اس کا دوست ہی ہو سکتا تھا جو اس کی پسند کو سمجھتا تھا اور قلم دیا تھا۔ مگر چونکہ یہ تحفہ بے نام تھا اور ماں کا حکم بھی ماننا تھا، وہ بے دلی سے اٹھ کر باہر آ اسی طرح پیک کر کے پیکٹ باہر اچھال دیا تو باہر کھڑے سلیم نے دل میں اُٹھتے درد ساتھ اسے کیچ کر لیا اور ایک کرب آمیز گہرا سانس ٹھنڈی فضا میں چھوڑ کر آگے بڑھ گیا نازو جب واپس پلٹ رہی تھی تو اس کی نظر دروازے کی دہلیز کے قریب پڑے ہوئے پر پڑی۔ اُس نے جھٹ اٹھا لیا۔

''پیاری شہزادی! تمہاری سالگرہ تھی اور تمہارے جنم دن پر میں تمہیں بہت خوبصور قیمتی تحفہ دینا چاہتا تھا۔ مگر میرے پاس جو رقم تھی وہ پاک نہیں تھی۔ جوئے میں جیتی تھی۔ اور میں اپنی شہزادی کو ناپاک کمائی سے تحفہ نہیں دینا چاہتا تھا۔ اس لئے پورا ایک بوریاں ڈھوئی ہیں۔ خدا کی قسم کمر پر چھالے پڑ گئے ہیں۔ مگر میں اپنی شہزادی کو اپنے پسینے کی کمائی کا تحفہ دینا چاہتا تھا۔ تحفہ کی کبھی کوئی قیمت نہیں ہوتی شہزادی، قیمت تو



والے کی محبت اور خلوص کی ہوتی ہے۔ اور پھر قلم..... قلم کی تو کوئی قیمت ہوتی نہیں اور یہ تحفہ ٹھکرایا بھی نہیں جاتا۔ تمہاری سالگرہ کا تحفہ دینے میں اسی لئے لیٹ ہو گیا۔ میں دن رات محنت کر کے تمہیں تحفہ دینا چاہتا تھا۔ کیوں، پسند آیا ناں؟ تم بھی سوچ رہی ہو گی کہ ایک آوارہ، جاہل آدمی ایسا فلسفہ بول رہا ہے اور قلم کا تحفہ دے رہا ہے، شہزادی! کبھی میرے دل کی کتاب کھول کر پڑھنا اور ایک خواہش اور پوری کر دینا، اس قلم سے ایک بار..... صرف ایک بار اپنے دل کی کتاب پر کسی کونے میں میرا نام ضرور لکھنا۔ سلیم۔ اللہ حافظ۔''

''اُف میرے خدایا۔ یہ کیا کر دیا میں نے۔ سلیم کے خون پسینے کی کمائی کو یوں کچرے میں پھینک دیا میں نے۔'' نازو کو عجیب طرح کے دُکھ نے گھیر لیا تھا۔ وہ اُس کی تحریر ہاتھوں میں لئے کتنی ہی دیر دیکھتی رہی۔ کتنی عزت کرتا تھا وہ اس کی۔ وہ تو میٹرک پاس بھی نہیں تھا مگر تحریر کتنی خوبصورت اور پختہ تھی۔ وہ کتنی ہی دیر بیٹھی رہی اور پھر ایک ملال کے ساتھ باورچی خانے میں آ گئی اور اس کا خط بھڑکتے شعلوں کی نذر کر دیا تو حمیدہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''کیا تھا یہ، کیوں جلایا ہے اسے؟'' وہ اس کے اور اپنے لئے کھانا نکال رہی تھیں۔

''تحفہ بھیجنے والے کا خط تھا امی۔'' اس نے دھیمے سے لہجے میں کہا تو وہ اسے دیکھنے لگیں۔

''کیا کہا، اس آوارہ بدمعاش کی اتنی جرأت کہ اب گھر میں تحفے تحائف بھیجنے لگا۔ کیا سمجھ رکھا ہے اس نے۔ میں آج ہی خالہ حاجرہ کو بلا کر بتاتی ہوں۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی، کمال ہے، اکیلی عورت کو تو یہ مرد لوٹ کا مال سمجھتے ہیں۔ میں بخشوں گی نہیں اس کو۔'' حمیدہ بیگم، سلیم کو صلواتوں سے نواز رہی تھیں مگر نازو کبھی بھی سلیم کے متعلق ان کے خیالات سے متفق نہیں رہی تھی۔ اور اب تو بالکل بھی نہیں تھی۔ گو کہ سلیم کا چال چلن اور رویہ دوسرے اوباش لڑکوں جیسا ہی تھا مگر کچھ تھا جو اس کو منفرد کرتا تھا۔

''رہنے دیں امی، کیا ضرورت ہے کیچڑ میں پتھر اچھالنے کی۔ ہم نے کون سا اس کا تحفہ قبول کر لیا ہے۔ تحفہ دیتے ہوئے تو شاید کسی نے نہ دیکھا ہو مگر امی! جب خالہ اس سے بات کریں گی تو بات باہر نکلے گی تو شاید سارے محلے کو پتہ چل جائے گا۔ اس لئے چپ رہئے۔ بات اسی وقت تک قیمتی اور باعزت ہوتی ہے جب تک وہ ہونٹوں کی حد کے اندر ہوتی ہے۔ جہاں اس نے ہونٹوں کی حد کراس کی، بے آبرو ہو گئی۔ اور ہم اپنی بات کو بے آبرو کیوں کریں۔'' نازو نے شعلوں کی لپیٹ میں آئے سلیم کے خون پسینے میں اٹے خط کو دیکھا۔

''ہاں، کہہ تو تم ٹھیک رہی ہو۔ ہونٹوں نکلی بات کوٹھوں چڑھ جاتی ہے۔ اور ہم جیسی

عورتیں جو باپ اور بھائیوں، بیٹوں کے ہوتے ہوئے بھی بے سائبان ہوں، بے آسرا ہوں ان کو کوئی بھی کچھ کہہ کر جا سکتا ہے۔ چپ ہی ہماری ڈھال ہے۔ اللہ ہی حافظ ہے ہمارا تو دُکھ کی گہری جگر خراش قسم کی سانس سینہ چیرتی ہوئی باہر آئی تو نازو نے اپنی دُکھی ماں کے ہاتھ چوم لئے۔

''امی! اللہ ہی ہمارا حقیقی خالق اور مالک ہے۔ اسی پاک ذات کو نگہبان ہونا چاہئے باپ اور بھائی کے سہارے تو ہوا کے دوش پر رکھے ننھے ننھے دیے ہوتے ہیں جو...... چلیں کھانا کھائیں۔'' نازو نے گلے میں اٹک جانے والے آنسوؤں کے گولے کو بڑے نوالے سے اندر کرتے ہوئے کہا۔

☼☆☼

سلیم کی کہانی نازو سے مختلف نہیں تھی۔ وہ باپ کی ڈسی ہوئی تھی تو وہ ماں کا ڈسا ہوا تھا اُسے اچھی طرح یاد تھا، اس کے باپ کو شاید کوئی بہت بڑی بیماری تھی، تب ہی تو خون اُلٹیاں آیا کرتی تھیں۔ اور اسی بیماری نے اس کی جان لے لی تو ماں جو کہ بے حد حسین عورت تھی، اپنے حسن کو بیوگی کی چادر میں چھپا کر رکھنے کا حوصلہ نہیں رکھتی تھی شاید تب ہی اس نے دوسرے سال ہی ایک آدمی سے شادی کر لی۔ دوسرے شوہر نے قطعی طور پر سلیم کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تو محض شوہر کی خوشی کی خاطر اس عورت نے بڑی سہولت سے اسے خود سے الگ کر دیا اور اسے چچا چچی کے حوالے کر دیا کہ یہ میری زندگی کا عذاب بن گیا ہے۔ چنانچہ وہ اس چچا کے گھر آ گیا جہاں بچوں کی فوج پہلے ہی سے موجود تھی۔ چچی کے اپنے اتنے بچے تھے تو وہ اس کے لئے نرم گوشہ کہاں سے پیدا کرتی۔ مسائل میں گھرے چچا چچی نے بس اتنا ہی کیا تھا کہ اپنے گھر کا دروازہ اس کے لئے کھول دیا تھا اور ذمہ داری کی ماں تو گویا بھول ہی گئی تھی کہ اس نے اپنا جگر گوشہ خود سے الگ کر دیا ہے۔ اسے تعلیم حاصل کرنے کا بے پناہ شوق تھا۔ مگر جب بنیادی ضروریات یونیفارم، کتابیں، فیس جیسی ضرورتیں ہی پوری نہ ہوتی ہوں تو وہ تعلیم کیسے حاصل کر سکتا تھا؟ چنانچہ آٹھ جماعت کسی نہ کسی طرح پڑھ کر چھوڑ دیا اور کسی کو ضرورت پڑی تھی جو دیکھتا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ پڑھ رہا ہے یا نہیں؟ سارا دن گھر سے غائب رہتا ہے تو کہاں جاتا ہے؟ کھانا گھر سے نہیں کھاتا تو کہاں سے کھاتا ہے؟ کن دوستوں میں رہتا ہے۔ انہی گندی اور چھوٹی گلیوں نے اس کی پرورش کی تھی۔ قدرت نے شکل اور پرسنالٹی اتنی اچھی دے رکھی تھی کہ گلی کی اکثر لڑکیاں چھپ چھپ کر اسے دیکھتیں اور کئی تو خود آگے بڑھی بھی تھیں مگر وہ بڑا اکھڑ قسم کا تھا۔ وہ اکثر لڑکیوں کو ڈانٹا



کرتا تھا۔ وہ محرومیوں کی گود میں پل کر جوان ہوا تھا۔ اس کے پاس کسی کے لئے کچھ نہیں تھا۔ وقت اور حالات نے اسے بہت اکھڑ اور بدتمیز بنا دیا تھا۔ وہ کسی کا لحاظ نہیں کرتا تھا۔ مگر جب سے نازو زندگی میں آئی تھی، وہ یکسر بدل گیا تھا۔ وہ اس کی بہت عزت کرتا تھا۔ گو کہ ابتدا میں اس نے اپنی محبت کا اظہار بازاری انداز میں ہی کیا تھا مگر اب وہ اس کی عزت کرتا تھا۔ مگر اس کی عزت کو بھی جب پذیرائی نہ ملی تو وہ سلگ اٹھا تھا۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ واقعی وحشی بن جائے اور نازو کو اغوا کر لے اور اسے بتائے کہ اسے ٹھکرانے کا اسے کوئی حق نہیں۔ وہ تلملاتا ہوا نکڑ پر موجود پان کے کھوکھے کے قریب پہنچا۔

''تحفہ واپس آ گیا۔ چچ...... چچ......'' شیدا منہ میں بھرے پان کے باوجود قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔ اس پر زبردست قہقہہ پڑا۔ سلیم چپ رہا۔

''محبوب کو تحفہ بھی کوئی ڈھنگ کا دیا ہوتا۔ اب وہ کالج میں پڑھتی ہے تو اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ اس کو قلم ہی دیا جائے۔ او بھولے بادشاہ! کوئی انگوٹھی دی ہوتی، کوئی ہار لاکٹ دیا ہوتا، کوئی لال جوڑا دیا ہوتا۔ اور کچھ نہیں تو کچھ رقم ہی لفافے میں ڈال دی ہوتی۔ بہت ضرورتیں ہوتی ہیں لڑکیوں کی۔ اور پھر ایسی لڑکیوں کو ہرے لال نوٹ بڑے اچھے لگتے ہیں۔ نوٹ کماؤ اور لڑکی آپ کی جیب میں۔'' کاکا اُس کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنسا تو سلیم کا دماغ گھوم گیا۔ اُس نے کاکے کا گریبان اتنی زور سے پکڑا کہ کچھ دیر کے لئے اسے اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوا۔

''نازو کے بارے میں آئندہ اس قسم کے بیہودہ الفاظ زبان سے نکالے تو زبان کھینچ لوں گا، ٹانگیں توڑ ڈالوں گا، سمجھے تم؟'' سلیم نے زور سے دھکا دے کر پرے دھکیلا۔

''ٹانگیں توڑ دے گا، آیا کہیں سے علاقے کا حوالدار بن کر۔''

''طیش میں نہ آ پیارے۔ جب پیار کیا تو ڈرنا کیا۔ بات کاکے کی درست ہے۔ ایسی عورتوں کو تحفے نہیں، پیسے درکار ہوتے ہیں پیارے! پیسے۔ آج نہیں تو کل تجھے اس بات پر یقین آ جائے گا کہ یہ لڑکی جس سے تو پیار کرتا ہے، کسی بڑی آسامی کے چکروں میں ہے۔ آج ہماری جیب بھری نوٹوں سے کل وہ ہماری جیب میں۔ نہ ہو تو کہنا۔ ناحق اپنا وقت برباد کر پیارے۔ سارا کھیل پیسے کا ہے میری جان۔'' شیدا بکواس کئے جا رہا تھا۔ سلیم کا میٹر تو پہلے ہی گھوما ہوا تھا، ان کی باتوں پر وہ اُبل پڑا اور تینوں میں خوب لڑائی ہوئی۔ سلیم تو آج دونوں کو مار ہی دیتا مگر بیچ بچاؤ کرانے والوں نے چھڑا دیا۔

''کیوں آپس میں دشمنی پیدا کرتے ہو۔ ارے نہ جانے کون ہیں؟ کیسی ہیں؟ کن چکروں

میں ہیں؟ کہاں سے آئی ہیں؟ کہاں چلی جائیں گی؟ ایسی عورتوں کا کیا بھروسہ ہوتا اتنے عرصے سے رہ رہی ہیں، کچھ اتا پتا چلا ان کا؟ کوئی مرد ان کا وارث بن کر آیا؟ ایسی عورتوں کے پیچھے کیوں لہولہان ہوتے ہو؟ جاؤ، اپنے گھروں کو جاؤ۔'' کھوکھے ادھیڑ عمر آدمی نے جو خود بھی نازو پر نظر رکھتا تھا، اپنے ان خیالات کا اظہار کر دیا جو آج نہیں کر سکا تھا۔ اب سلیم کی توپوں کا رخ اس کی طرف تھا۔

''شرم کر، شرم۔ نازو سے بڑی بیٹیاں بیٹھی ہیں گھر پر۔ ان کو تو سات پردوں میں چھپا رکھا ہوا ہے اور دوسروں کی بیٹیوں پر نظر رکھتے ہو۔ شرم سے ڈوب مرو۔'' رفیق پان والا جب سلیم نے آئینہ دکھایا تو وہ بتھے سے اکھڑ گیا۔

''خبردار! جو میری معصوم بیٹیوں کا کسی نے نام لیا تو۔ ارے زبان گدی سے کھینچ لوں

''ہاں، سوچ ذرا۔ اگر اس بے سہارا لڑکی کا بھی کوئی باپ ہوتا تو اسی طرح تیری سے زبان کھینچتا۔'' سلیم نے رفیق کو گریبان سے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا تو نظروں میں گھومتے تاروں کے ساتھ اسے واقعی کچھ دیر کے لئے شرم آ گئی کہ وہ اپنی بیٹیوں جیسی پر انتہائی رکھتا تھا۔

''ارے سلیم شہزادے، کسی باپ بھائی کی کیا ضرورت ہے۔ تو جو ہے اس کا اور...'' شیدے نے آنکھ مار کر کہا تو سلیم کا دماغ پھر گھوم گیا۔ اُس نے شیدے کو ڈالا۔ جواباً اس کو بھی بہت سی چوٹیں آئیں مگر اس کو کسی چوٹ کی تکلیف کہاں تھی۔ ٹھکرائے جانے کا دُکھ مارے جا رہا تھا۔ اس نے نازو کو تو بڑی تمنا سے چاہا تھا۔ آج دُکھی ہو رہا تھا۔ چھوٹے سے گھر کی چھت پر اسے کبوتروں کے ڈربے کے ساتھ چھوٹا ملا ہوا تھا یا یوں کہ اس نے چچا سے کہہ کر لیا تھا۔ نیچے اتنے ڈھیر سارے بچوں کی چیخ میں اسے بہت وحشت ہوتی تھی۔ وہ اپنی ٹوٹی چارپائی پر پڑا چین سیٹ دیکھ رہا تھا جو نازو کو دیا تھا اور اس نے اسے کچرا سمجھ کر باہر پھینک دیا تھا۔ اس نے زور سے دیوار پر

''ہت تیری بدقسمتی، کہیں تو پیچھا چھوڑ دے۔'' اُس نے چین دیوار سے مار دیا میں منہ چھپا کر لیٹ گیا۔

✳☆✳

''نازو...... نازو! یہ تمہاری محبت ہے کہ میں انکار نہیں کر رہی مگر اس کی کیا ضرور یقین کرو تمہاری محبت اور دوستی میرے لئے کسی تحفے اور کسی اعزاز سے کم نہیں۔ تکلف بہت کیا ہے۔ اتنا قیمتی پرفیوم۔'' راحیلہ کو یقیناً احساس تھا کہ نازو کے حالات



کبھی اس نے اتنا قیمتی پرفیوم خریدا۔

''کتنا بھی قیمتی سہی مگر تم سے زیادہ نہیں، تمہاری دوستی سے زیادہ قیمتی نہیں۔'' نازو نے بھی ان کے انداز میں خیر سگالی اور محبت کے جذبات لوٹائے۔

''اچھا اب ہمیں اپنی دوستی کا دائرہ ذرا وسیع کرنا چاہئے۔ پہلے میں تمہارے گھر جاؤں گی تم میرے ساتھ۔ اور دیکھو، انکار کی گنجائش قطعی نہیں۔'' راحیلہ نے بھانپ لیا تھا کہ وہ انکار کرنے والی ہے۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر پہلے ہی روک دیا مگر نازو ایسا ہرگز نہیں کر سکتی تھی۔

''دیکھو راحیلہ، میں تمہیں سب کچھ بتا چکی ہوں۔ ہمارے دلوں میں بے شک فاصلے نہیں گھروں میں بہت ہیں۔ میں چاہنے کے باوجود نہ تمہاری میزبان بن سکتی ہوں اور نہ ہی مہمان، اس لئے کہ......''

''اس لئے کہ وہاں میری لمبی بڑی گاڑی نہیں جا سکتی ناں۔ تو چلو ہم بس پر جائیں گے۔'' راحیلہ نے بھی ٹھان لی تھی کہ اس کے گھر جا کر رہے گی اور اپنے گھر بلا کر رہے گی۔ اس کی بات پر وہ اسے حیرت سے تکنے لگی۔

''بس پر......تم بس پر بیٹھو گی؟ بس میں سفر کرو گی؟''

''ہاں، ہاں...... کیا حرج ہے اس میں؟ تم بس میں سفر کرتی ہو۔ اور بھی بہت سے لوگ اس ہی میں سفر کرتے ہیں۔ میں کر لوں گی تو کیا ہو جائے گا۔ یوں بھی بس کے سفر میں بھی مزا آتا ہو گا۔''

''بس کے سفر میں اور مزا......'' نازو کے چہرے پر اذیت ناک مسکراہٹ پھیل گئی۔ یہ شہزادی جو محل میں رہتی تھی، اے سی کار میں سفر کرتی تھی، بس کے سفر کی اذیت اور کلفت کو کیا جان سکتی تھی۔ بس اسٹاپ پر بس کا انتظار کرنا، الٹے سیدھے مردوں کی نظروں کا نشانہ بننا، جھٹکے کھاتے ہوئے بھری بس میں گرتے گرتے بچنا اور اس احتیاط کے ساتھ کہ سر سے کبھی نہ ڈھلکے اور ہینڈل پر گرفت بھی نہ چھوٹے۔

''تم خدا کا شکر ادا کرو راحیلہ! کہ بسوں کے دھکے تمہارا مقدر نہیں ہیں۔ جن کا مقدر ہیں ان کے لئے رہنے دو۔''

''اس کا مطلب ہے تم کبھی میرے گھر آؤ گی اور نہ ہی میں تمہارے گھر آؤں گی۔'' راحیلہ خفا ہی ہو گئی۔

''میرے گھر کے راستے بڑے پُرخار ہیں راحیلہ! اور تمہارے پاؤں بہت نازک۔ میں کبھی یہ نہیں چاہوں گی کہ تمہارے پاؤں زخمی ہوں۔ ہاں تمہارے گھر کے راستوں میں تو

کہکشاں ہے نا تو میں انشاء اللہ ضرور آؤں گی۔''
''وعدہ؟'' راحیلہ اس لمحے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس سے وعدہ لے رہی تھی۔
''نہیں پرامس۔'' نازو نے مسکرا کر کہا تو راحیلہ خوش دلی سے ہنس دی اور چوکیدا
طرف آتا دیکھ کر کھڑی ہوگئی۔
''اچھا نازو، پھر اپنے وعدے پر قائم رہنا۔ میں کسی روز بھی تمہیں اپنے گھر لے
گی۔ پھر نہ کہنا کہ...'' وہ کھڑی ہو کر کپڑے جھاڑتی ہوئی بولی تو وہ بھی ساتھ ہی کھڑی
''نہیں راحیلہ، پروگرام بنا کر جائیں گے۔ پہلے میں امی سے اجازت لوں گی، پھ
گی۔ ایسے ہرگز بھی نہیں۔''
دونوں چلتی ہوئی گیٹ سے باہر آگئیں۔ راحیلہ دوپٹہ گلے میں ڈال کر اسے خدا ح
گاڑی میں بیٹھ گئی اور نازو بڑی سی چادر لپیٹے بس اسٹاپ کی طرف چلنے لگی۔
''سنو شہزادی۔'' اس آواز پر نازو نے گھبرا کر پلٹ کر دیکھا تو ہاتھ اور سر پر پٹی
سلیم کھڑا تھا۔
''تم......تم یہاں کیسے؟'' نازو کو حیرت ہوئی تھی۔ کیونکہ ایسا پہلی بار ہوا تھا۔
''اڑ کر نہیں آیا ہوں۔ ظاہر ہے چل کر آیا ہوں۔'' آج سلیم کے تیور بگڑے ہو
نازو نے خوفزدہ سی نظروں سے اسے دیکھا اور اردگرد نظر ڈالی۔ وہ اس سے کوئی بھی ا
نہیں کرنا چاہتی تھی کہ وہ ہنگامہ کھڑا کردے۔
''تو ...یوں آئے ہو؟'' اس نے دھیمی آواز میں وجہ پوچھی تو وہ اس کے سامنے آ
''زیادہ اترانے کی ضرورت نہیں شہزادی۔ لوفر ہوں، بدمعاش ہوں۔ مانتا ہوں
کچھ ہوں مگر شاید تم یہ نہیں جانتیں کہ ایسے لوگ جب محبت کرتے ہیں تو مٹ جایا کر
یا مٹا دیا کرتے ہیں۔ میں نے تمہاری پسند اور معیار کو دیکھتے ہوئے تمہیں قلم کا تحفہ د
منگنی کی انگوٹھی تو نہیں دے دی تھی کہ تم نے قلم کی عزت کا بھی پاس نہیں کیا اور اٹھ
کچرے میں پھینک دیا۔ وہ تو میں وہیں موجود تھا تو یہ میرے ہی ہاتھ لگا ورنہ......''
بولتے رک گیا۔ نازو نے محسوس کیا کہ اس کی آواز بھیگ گئی تھی۔ اس نے پلٹ کر ا
''یہ......یہ تمہیں چوٹیں کیسے آئی ہیں؟'' وہ اس کی ہر بات کو نظر انداز کر گئی تھ
وقت صرف ان زخموں کا سبب جاننا چاہتی تھی۔ نہ جانے کیوں وہ دل میں اس
ہمدردی سی محسوس کرتی تھی۔ جب سے اسے خالہ حاجرہ کی زبانی اس کی کہانی معلو
کہ اسے تو حالات اور ان گندی گلیوں نے بدمعاش بنایا تھا، اس کے حالات تو اسی



شاید یہی ''دردِ مشترک'' تھا کہ اسے اس سے ہمدردی سی ہونے لگی۔
''کیسے بھی آئی ہوں، تمہیں اس سے کیا؟'' وہ اکھڑ انداز میں کہہ رہا تھا۔ وہ مسکرا دی۔
''ہاں، مجھے واقعی کچھ نہیں ہے۔ مگر پھر بھی کیوں اور کیسے آئیں یہ چوٹیں؟''
''اگر تمہیں پرواہ نہیں ہے تو پوچھ کیوں رہی ہو؟'' وہ مستقل روٹھا ہوا تھا۔
''بھئی آخر محلے دار ہیں۔ ایک دوسرے کی خیریت پوچھنے کا اتنا تو حق ہونا چاہئے ناں
...'' وہ اس سے جان بوجھ کر اچھے انداز میں بات کر رہی تھی۔ خر دماغ آدمی تھا، کیا خبر کیا
کہہ دیتا سرِعام اور کیا خبر کچھ کر بھی ڈالتا تو وہ کیا کر سکتی تھی۔ اس کی بات پر سلیم اسے بغور
دیکھنے لگا۔
''شہزادی! چلو تم نے کوئی حق تو مانا۔ بہرحال یہ زخم بھی تمہارے حوالے سے ہیں اور اتنے
ہی پیارے ہیں جتنی تم خود۔ مجھے صرف یہ بتاؤ کہ تم نے میرا تحفہ کیوں ٹھکرایا؟ میں نے کوئی
گویا تحفہ تمہیں نہیں دیا تھا، قلم کا تحفہ دیا تھا۔ کیونکہ قلم سے تمہارا رشتہ ہے اور میں قلم کے
ذریعے ہی تم تک پہنچنا چاہتا تھا مگر تم نے اسے پھینکا کیوں؟ بے شک اسے توڑ کر پھینک
دیتیں مگر شاید تمہیں اندازہ نہیں کہ یہ جوئے میں جیتی ہوئی رقم سے نہیں خریدا تھا، نہ ہی غلط
انداز سے اڑایا تھا۔ یہ میری خون پسینے کی کمائی......'' اُس کے لہجے میں دُکھ اور احساسِ محرومی
اور اتنا گھلا ہوا تھا کہ اگر ہاتھ کے اشارے سے وہ اسے روک نہ دیتی تو شاید وہ آنسوؤں
سے رونے لگتا۔
''مجھے معلوم ہے کہ یہ تحفہ تم نے محنت کی کمائی سے خریدا تھا، پڑھ لیا تھا میں نے۔''
''پھر...... پھر بھی تم نے اسے پھینک دیا، میری تحریر پڑھ لینے کے باوجود، کیوں... کیوں؟''
اس کی طرف سے ڈھیل مل جانے کے بعد اپنے سوال کا جواب چاہ رہا تھا۔ اور نازو نے
بھی سوچا کہ آج کے بعد شاید اسے اس سے یوں بات کرنے کا موقع نہ ملے، وہ اپنا نقطہ نظر
واضح بیان کر دینا ضروری سمجھ رہی تھی۔
''پہلی بات تو یہ ہے سلیم کہ تمہیں ایسا کرنا ہی نہیں چاہئے تھا۔ محلے کی بہو بیٹیوں کی
عزت سب کے لئے سانجھی ہوتی ہے۔ اور ایسی عورتیں جن کا کوئی مرد نہ ہو، کیا وہ لوٹ کا
مال ہوتی ہیں کہ جس کا جی چاہے ان کی ذات کو چوراہے پر رکھ کر نیلام کر دے، بدنام کر
دے۔ ایسی ستم رسیدہ عورتیں تو مظلوم ہوتی ہیں، ہمدردی اور عزت کی زیادہ حق دار ہوتی ہیں۔
ان عورتوں سے زیادہ حق دار ہوتی ہیں جن کے گھروں میں ان کے باپ بھائی یا شوہر
ہوتے ہیں۔ مگر ہم ستم رسیدہ ماں بیٹی کو تو یہ محلے والے نہ جانے کیا سمجھتے ہیں، ہر کوئی ہمیں

تنگ کرنا، ہم پر گندی نظر رکھنا اپنا حق سمجھتا ہے۔ کیوں..... کیوں آخر؟'' نازو جو ایسے موقع کی تلاش میں تھی، آج جب خدا نے یہ موقع فراہم کر دیا تو وہ کھل کر بولنے لگی۔ میں باپ کی سنگ دلی، سفاکی اُسے مزید تڑپا گئی۔ وہ روئے چلی گئی۔ سلیم کو بھی خا ذریعے نازو کی کہانی معلوم ہو چکی تھی، تبھی تو درد کے رشتے زیادہ مضبوط ہوتے محسوس تھے۔ وہ اسے روتے ہوئے دیکھے گیا۔ اسے خود بھی افسوس ہونے لگا کہ اس نے بھی کیا تھا۔ محلے کے دوسرے اوباش لڑکوں کے ساتھ مل کر اسے تنگ بھی کیا تھا، فقرے بھی کی تھی۔ گو کہ وہ پہلی نظر میں اسے چاہنے لگا تھا۔

''میں..... میں تم سے اپنے پچھے رویوں کی معافی چاہتا ہوں شہزادی۔ آئندہ تم سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ میں تمہیں صرف چاہتا ہی نہیں تمہاری عزت ہوں۔'' سلیم نے پُروقار انداز میں اس سے معذرت چاہی تو وہ اسے دیکھنے لگی اور کہیں یہ خواہش ضرور اُبھری کہ یہ شخص جہاں ہے، کاش نہ ہوتا۔

''سلیم! میں صرف تم سے عزت کی درخواست کروں گی۔ کیونکہ ہر شریف عور سے زیادہ عزت کی طلب گار ہوتی ہے۔ تمہارے کردار کی ظاہری برائیوں کی اوٹ نہ کہیں سے تمہاری شرافت بھی جھانکتی نظر آتی ہے مگر تم نے اپنی ظاہری برائیوں کو رکھا ہے کہ تمہاری شرافت بہت کوشش کے بعد نظر آتی ہے۔''

''جب گندی گلیاں کسی لاوارث بچے کی پرورش کرتی ہیں نا شہزادی، تو اپنا سارا میں منتقل کر دیتی ہیں۔ وہ بچے ایسے ہی ہوتے ہیں جن کو نہ اپنی ذات کا خیال ہوتا۔ دوسروں کی عزت کا پاس۔ تم اپنے گرد دیکھ لو، تمہیں اس قسم کے جتنے بھی لوگ ملیں محرومیوں کے پروردہ ہوں گے۔ مگر شہزادی اب تمہیں مجھ سے شکایت نہیں ہوگی۔ کہ میرا تمہارا درد ایک ہے۔ تم باپ کی اور میں ماں کا ٹھکرایا ہوا ہوں۔ اس لئے منز ایک ہو نہ ہو مگر شہزادی، ہمارا درد تو ایک ہے ناں۔ اور ہمارے درمیان درد کا رشتہ تو شہزادی۔'' وہ اپنے جذبوں کا اظہار کرنا چاہتا تھا مگر خود کو اس قابل ہی نہیں سمجھتا تھا۔

''سلیم! میرا نام شہناز ہے، تم مجھے شہناز کہہ سکتے ہو یا نازو کہہ سکتے ہو مگر شہزا اس لئے کہ میں شہزادی نہیں ہو سکتی۔ شہزادی تو وہ ہوتی ہے جو محل میں رہتی ہے زندگی گزارتی ہے، وہ دربدر کی ٹھوکریں نہیں کھاتی، الٹے سیدھے مردوں کی نظروں کی نہیں چھنتی، بس اسنایوں پر خوار نہیں ہوتی۔ اس لئے تم مجھے شہزادی نہیں کہو گے۔'' ناز پر سلیم اسے دیکھنے لگا۔ دھوپ کی حدت سے سرخ چہرہ لئے وہ دُکھوں کی دُھند میں کو



''تم نے منع کر دیا اس لئے میں تمہیں آئندہ شہزادی نہیں کہوں گا۔ لیکن شاید تمہیں معلوم نہیں کہ اصل میں شہزادی کون ہوتی ہے۔ شہزادی وہ ہوتی ہے جو کسی کے دل کی سلطنت پر بلا شرکت غیرے حکومت کرتی ہے، بلکہ وہ تو ملکہ ہوتی ہے۔ اب میں تمہیں ملکہ تو کہنے سے رہا۔ خواہ مخواہ تم اترانے لگو گی۔'' وہ اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے ہنسا تو نازو نے آج اسے بغور دیکھا۔ وہ بہت وجیہہ تھا اور ہنستا ہوا خاصا چارمنگ لگ رہا تھا۔ وہ اسے دیکھنے لگی تو سلیم شوخ ہونے لگا۔

''ایسے نہ دیکھو شہزادی، اوہ نازو جی! بندہ یہیں فوت ہو جائے گا۔'' اُس کی برجستہ بات پر وہ شرما گئی اور ڈھلکتا ہوا آنچل سر پر درست کرنے لگی۔

''تم اس انداز میں بات نہ کیا کرو۔ تم اچھے آدمی ہو، کیوں اپنا حال اور مستقبل برباد کر رہے ہو۔ کچھ کرو ناں۔'' وہ بولتے بولتے رُک گئی۔ اُسے پھر خیال آ گیا کہ اسے کیا حق پہنچتا ہے اسے کوئی مشورہ دینے کا یا ہو سکتا ہے وہ اس کی بات کو غلط معنی پہنا دے۔ اور وہ بھی سمجھ گیا تھا کہ وہ کچھ کہتے کہتے کیوں رُک گئی ہے۔

''تمہیں جو کہنا ہے کہو نازو! میں نہ کسی غلط فہمی میں مبتلا ہوں گا اور نہ خوش فہمی کا شکار ہوں گا۔ کہو تم، کوئی تو ہو جو مجھ پر توجہ دے، میری بہتری کے لئے کچھ کہے، منزل کی طرف نشاندہی کرے، پلیز کہو جو کہنا ہے۔'' اور پھر نازو نے وہ سب کچھ اسے کہہ دیا جو اسے دیکھ کر وہ کہنا چاہتی تھی۔ وہ اسے بگڑا ہوا نہیں، سنورا ہوا انسان دیکھنا چاہتی تھی۔

''اور ہاں، گلی میں مجھے کوئی کچھ بھی کہے، تم نہیں بولو گے۔''

''نہیں، نہیں نازو! یہ حد بندی نہ کرو۔ کوئی تمہاری طرف میلی نظر کی گرد اڑائے، گھٹیا جملوں کے کانٹے بچھائے اور میں چپ رہوں، یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔'' یہ واقعی اس کے دائرہ اختیار میں نہیں تھا کہ کوئی نازو کو کچھ کہے اور وہ چپ رہے۔

''اچھا تو پھر تم یہ چاہتے ہو کہ لوگ مجھے تمہارے حوالے سے بدنام کریں اور میری کردار کشی کریں؟''

''نہیں نازو، ایسا نہیں ہے مگر.....'' وہ بے بسی سے بولا۔

''اور اگر تمہارے دل میں میری عزت ہے سلیم تو میری خاطر تمہیں خود پر قابو پانا ہوگا۔'' نازو کو اچھا بڑا اچھا موقع ملا تھا دل کی باتیں کہہ دینے کا۔ اور اسے دکھ دینے والی باتوں میں سب سے بڑی یہی بات تھی کہ محلے والے اسے سلیم کے حوالے سے بدنام کرتے تھے۔

''ٹھیک ہے نازو، تمہاری خاطر تو میں جان بھی دے دوں گا، یہ جبر بھی کر لوں گا خود پر۔''

''اچھا سلیم! اب میں چلتی ہوں، بہت دیر ہوگئی ہے۔'' نازو نے قدم بڑھائے۔

''نازو۔'' سلیم کی آواز پر وہ پلٹ کر اسے دیکھنے لگی۔

''تمہارا بہت بہت شکریہ نازو کہ تم نے مجھ جیسے بیکار اور فضول آدمی پر اپنا قیمتی وقت صرف کیا۔ یہ لمحات میری زندگی کا اثاثہ ہیں نازو جو تم نے فقط میرے لئے برباد کئے۔ آج میں بہت خوش ہوں اور اللہ کا بے حد شکر گزار ہوں کہ اس نے میری یہ خواہش پوری کر دی۔ اچھا نازو، اب تو یہ تحفہ رکھ لو۔'' سلیم نے جیب سے وہ پیکٹ نکال کر اس کے سامنے کیا تو نازو اسے دیکھنے لگی۔ پہلے ہاتھ بڑھایا مگر پھر کھینچ لیا۔

''نہیں سلیم، یہ تحفہ میں اپنی ماں کے حکم پر پھینک چکی ہوں اور ان کو مجھ پر بہت اعتماد ہے۔ اب اسے دوبارہ لے کر میں ان کی حکم عدولی نہیں کر سکتی، اس لئے معذرت۔''

''ٹھیک ہے نازو! ماں کا حکم زیادہ قیمتی ہے میرے تحفے سے۔ جاؤ، خدا حافظ۔''

''خدا حافظ۔'' نازو چادر سنبھالتی اسٹاپ کی طرف بڑھ گئی اور فیکٹری جانے والی بس کا انتظار کرتی رہی۔ اور سلیم وہیں کھڑا دیر تک اسے دیکھتا رہا اور ان لمحات کی کرنوں کو سمیٹتا رہا۔

⁂☆⁂

یہ ملاقات راز ہی رہتی اگر شیدے کا چھوٹا بھائی، نازو اور سلیم کو وہاں باتیں کرتے ہوئے نہ دیکھ لیتا۔ بس اس کا دیکھنا تھا اور سارے محلے کو خبر ہونی تھی۔ شام اترنے لگی تھی جب نازو ہر بات سے بے خبر فیکٹری سے آ رہی تھی۔ آج گلی میں کچھ خاص قسم کا ماحول تھا۔ کوئی خاص قسم کی بات تھی۔ اس نے سر جھکایا اور حسبِ معمول تیز تیز قدم اٹھاتی بڑھنے لگی تو ہر طرف سے معنی خیز کھانسی کی آوازیں آنے لگیں، سیٹیاں کانوں کے پردے پھاڑنے لگیں۔

''او یار، بڑا ڈنکا تھا تیری شرافت کا۔ ہم تو ڈرتے ڈرتے دیکھتے تھے۔ پر پتا چلا کہ......''

''یہ تیر کس طرف سے آیا تھا، نازو نے نہیں دیکھا۔ وہ چلتی رہی۔

''او یار سمجھا کرنا۔ ڈائن بھی تو سات گھر چھوڑ کر حملہ کرتی ہے ناں۔ تو ہماری شہزادی بھی تو خوبصورت ڈائن ہے، ہائے ہائے دل کلیجہ سب ہی کچھ تو چبا ڈالا۔ ہم تو جاہل اجڈ ہیں، یہ سمجھا کرتے تھے کہ کالج میں پڑھائی ہوتی ہے مگر ہماری شہزادی تو کچھ اور ہی......'' شیدے کی گندی آواز میں ڈھلے اُس کے ناپاک خیالات نازو کا ضبط توڑے دے رہے تھے۔ شیدے کی آواز پر ایک اور زوردار قہقہہ پڑا۔ نازو کی مٹھیاں بند ہونے لگیں مارے ضبط کے۔

''یا اللہ! میری مدد فرما۔'' اس نے اللہ سے مدد مانگی۔

''یار شیدے، ہم بھی کالج ہی چلے جایا کریں گے۔ ہمیں کیا خبر تھی کہ محلے سے باہر ہمیں بھی......''



''بس جیب بھر لینا پیارے! جلوؤں کی سوغات ایسے ہی تھوڑی مل جاتی ہے۔ کل سلیم بھی جو جیتا تھا خاصی بھاری رقم تھی اس کی جیب میں، آج خالی کر آیا ہوگا۔ ہیں شہزادی، ہم بھی آ جائیں کل کالج؟ ہم کوئی سلیم سے کم تو نہیں بلکہ کچھ زیادہ ہی اسمارٹ ہیں، ذرا نظر بھر کر تو دیکھو شہزادی۔'' کاکا ایک دم اچھل کر نازو کے سامنے آ گیا تو نازو کے ضبط ٹوٹنے لگے مگر اس نے بہت ہمت کی۔

''بھائی میرے راستے سے ہٹ جاؤ۔'' اس نے کچھ ایسے لہجے میں کہا کہ گویا پھٹ پڑی تو سب کچھ تباہ کر دے گی۔

''بھائی۔ اوہ یارو، مجھے بھائی کہہ رہی ہے۔ ہائے میری قسمت، مجھے بھائی کہہ رہی ہو۔'' کاکا انتہائی بدمعاشی سے ہنسے گیا اور چیخ چیخ کر بولے گیا۔ باقی سب بھی اس کی ہنسی میں شریک تھے۔

''نہیں شہزادی، ہم پر یہ ستم نہ ڈھا۔ ہم بھی یاروں کے یار ہیں۔ سلیم کے یار ہیں۔ یار ہمیں بھی کچھ اور ہی بنا مگر بھائی نہ بنا۔ نہ بنا بھائی۔''

سلیم اپنے گھر کی نکڑ پر کھڑا یہ تماشہ دیکھ رہا تھا۔ رگوں میں کھولتے خون میں اب اُبال آنے لگے تھے۔ اب تک تو وہ نازو کی قسم میں بندھا ہوا تھا۔ شیدے نے اخلاق کی آخری حد پھلانگنے کی کوشش کی اور نازو کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''ہم بھی سلیم کے یار ہیں۔ کچھ حق تو ہمارا بھی ہے نا۔'' شیدے نے نازو کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی تو سلیم برداشت نہ کر سکا، بھاگتا ہوا آیا اور شیدے پر پل پڑا......!

⁂☆⁂

ہم آپ سے ایسی کسی حرکت کی توقع نہیں کرتے ایقہ! کہ آپ شفاعت میاں کے ساتھ ہمارے سسرال میں تنہا نظر آئیں۔ ہماری جگہ کوئی اور دیکھ لیتا تو ہماری کیا عزت رہ جاتی اپنے سسرال میں۔" بانو بیگم سے تو ڈھنگ سے کھانا بھی نہیں کھایا گیا۔ وہ ایقہ کو لے کر کمرے میں آگئیں اور جھاڑنا شروع کر دیا۔ ایقہ کی جان عجب مشکل میں آگئی تھی۔ اسٹار کہیں گم ہو گئے تھے، شفاعت اللہ کو واپس جانا تھا اور آپی جان بدگمان ہو رہی تھیں۔ انہوں نے تنگ آ کر سب کچھ ان کو بتا دیا تو بانو بیگم سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

"یہ...... یہ کیا کہہ رہی ہو ایقہ؟ ہماری سسرال میں ہماری ناک کاٹنے کیوں آ گئیں آپ؟ پہلی بار بہن کے گھر آئیں اور...... اُف توبہ، مارے حیا کے ہماری تو جان نکلی جا رہی ہے۔ ہم تو سوچ رہے ہیں کہ شفاعت میاں سے نگاہیں کس طرح ملا پائیں گے۔ ایقہ، کچھ تو سوچا ہوتا، یہ ہمارا سسرال ہے اور بہن کے سسرال میں......" بانو بیگم نے تو کچھ زیادہ ہی اس بات کا اثر لیا تھا۔ وہ سر تھامے بستر پر گر سی گئیں۔ ایقہ روہانسی ہو گئیں۔

"بخدا آپی جان! ہم سے دانستہ طور پر ایسا کچھ نہیں ہوا ہے کہ آپ کی نگاہیں سسرال میں جھک جائیں۔ وہ سب تو اتفاقاً ہو گیا تھا۔ آپ ہمیں بٹھا کر گئیں۔ ہم گرل کے ساتھ کھڑے ہو کر وادی کے حسن میں کھو گئے کہ اچانک ہمیں محسوس ہوا کہ کسی نے ہمیں دھکا دیا ہے، پلٹ کر دیکھا تو شفاعت اللہ صاحب تھے۔ وہ بھی نادم تھے اور ہم بھی ہراساں۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ شاید آپ کھڑی ہیں، اسی وقت ہوا کا جھونکا آیا اور ہمارے بال ان کے سرکاری اعزاز میں الجھ گئے اور......" ایقہ شدت ندامت سے رونے لگیں۔ بات تو ایقہ کی درست تھی مگر اس حادثے کا المناک پہلو یہ تھا کہ اسٹار کہیں کھو گیا تھا جس کی وجہ سے شفاعت اللہ کی ملازمت بھی جا سکتی تھی اور سزا بھی ہو سکتی تھی اور دونوں بہنوں کو اسی بات کا زیادہ دُکھ تھا کہ ان کی عزت اور ملازمت خطرے میں پڑ گئی تھی۔

"تو آپ کو چاہئے تھا کہ اسی وقت ہمیں بتاتیں اور ان کے اسٹار ہمیں تھما دیتیں۔" بانو بیگم کو اپنے رویے کی بدصورتی کا احساس ہوا تو انہوں نے ایقہ کو ساتھ لگا لیا۔



"ہم بہت نادم اور شرمندہ تھے آپی جان! کیونکہ ہمارے بہت سے بال اُلجھ گئے تھے۔ انہوں نے اسٹار اتار کر ہمیں دے دیا کہ آپ بال الگ کر کے دے دیں۔ ہم نے اسٹار دراز میں رکھا تھا۔ پھر...... پھر نہ جانے کہاں چلا گیا۔ اس سارے قصے میں اگر ہم خطا وار ہیں تو ہمیں ضرور سزا دیجئے، چاہیں تو ہماری جان لے لیجئے بلکہ یہی بہتر رہے گا۔ اب جب بات کھل کر سامنے آئے گی تو ہم یہ سب نہیں کر پائیں گے۔ کاش ہم مر جائیں۔ کاش ہم آئے ہی نہ ہوتے۔" ایقہ بری طرح رو رہی تھیں۔

شفاعت اللہ نے بھابی جان کے تیور اسی وقت محسوس کر لئے تھے اور کھانے کی میز پر یہ تینوں ہی تھے جو محض دکھاوے کا کھانا کھا رہے تھے۔ ان کے دل کے اندر تو گویا آندھیاں چل رہی تھیں۔ اور پھر انہوں نے دیکھا جب بانو بیگم ایقہ کو تلخ نظروں سے دیکھتی ہوئی کمرے میں لے آئی تھیں۔ اب وہ دروازے کے باہر کھڑے سوچ رہے تھے کہ اندر جائیں یا نہ جائیں۔ ان سے حرکت بھی تو خاندانی روایات سے ہٹ کر سرزد ہو گئی تھی۔ ایقہ مہمان تھیں۔ خاندان کی ہوتی تو بھی گرفت میں بات نہ آتی مگر اب تو وہ شرمندہ تھے بانو بیگم سے اور معذرت کرنا چاہتے تھے کہ ایقہ کو کچھ نہ کہا جائے۔ انہوں نے روکا تھا ایقہ کو مگر دشمنوں کو پچھاڑنے والے اس فوجی کی اتنی جرأت نہیں ہو رہی تھی کہ دروازہ بجا کر اندر آ جائیں۔ ان کو ایقہ پر ترس آ رہا تھا۔

"ہماری سمجھ میں نہیں آ رہا ایقہ، اب ہم کیا کریں؟ چلو پھر سے کمرے کی صفائی کرتے ہیں۔ کہیں الماری کے نیچے نہ گر گیا ہو۔ اے پروردگار، ہماری لاج رکھنا ہماری سسرال میں۔ تیری ذات واحد ہی ہمیں ذلت سے بچا سکتی ہے۔ اے اللہ، ہماری عزت رکھنا۔" بانو بیگم نے دامن پھیلا کر اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگی تو ایقہ کے دل کی گہرائیوں سے آمین نکلا۔ تلاش بسیار کے باوجود مطلوبہ اسٹار نہ ملا تو دونوں بہنوں کا خون خشک ہو گیا۔ لاکھوں کی چیز گم ہو جاتی تو ان کو پرواہ نہ ہوتی مگر یہ تو ان کے دیور کا سرکاری اعزاز تھا جس کے کھو جانے سے بہت گڑبڑ ہو سکتی تھی۔ وہ پریشان سی باہر آ گئیں۔ شفاعت اللہ جلدی سے وہاں سے ہٹ گئے۔ وہ تو مذاق کر کے خود پھنس گئے تھے۔ خود کو ملامت کر رہے تھے۔

☼☆☼

نواب امیر اللہ کے کمرے میں سب بزرگ جمع تھے۔ آج ان کی حالت بھی قدرے خراب تھی۔ وہ چپ چپ سے تھے۔

"بھائی صاحب! آپ کو معلوم ہے ہم یہاں کس طرح آئے ہیں؟" زینت بیگم نے ان

کا دھیان بٹانے کے لئے کہا۔

''لیجئے اور سنئے ہماری ہمشیرہ کی بات۔ نہ تو آپ اُڑ سکتی ہیں اور نہ آپ کے پیرو پیدے فٹ ہیں۔ تو ثابت ہوا آپ جہاز سے یا ٹرین سے ہی تشریف لائی ہیں۔ کیوں صاحب؟'' نواب حشمت کی بات پر نواب صاحب مسکرانے لگے۔

''بھائی حشمت بھی موجود ہیں تو اتفاق سے میں آج سب کے سامنے ایک با چاہتی ہوں، اجازت ہے بھائی صاحب؟'' زینت بیگم نے نواب صاحب سے پوچھ اپنی بیگم کا سہارا لے کر تھوڑا سا اٹھ کر بیٹھ گئے۔

''ضرور کیجئے زینت بیگم، ہمیں معلوم ہے ایک بات کرنے کی آپ اجازت لیتی ہزار ہا باتیں آپ بلا اجازت کر جاتی ہیں۔ کہیے ویسے ہمیں کچھ اندازہ ہے کہ آپ چاہتی ہیں، آپ کہیئے ہم سب ہمہ تن گوش ہیں۔'' نواب صاحب گاؤ تکیے سے ٹیک لگا طرح بیٹھ گئے تو زینت بیگم نے بطور خاص زینب بیگم کو دیکھا جو پان بنا بنا کر سب کو رہی تھیں۔

''ہم یہ کہنا چاہتے ہیں بھائی صاحب، کہ ہم نورینہ کو لینا چاہتے ہیں مگر زینب متفق ہوتیں۔''

''بھئی واہ، کیا بات کی ہے ہماری ہمشیرہ نے۔ یعنی کہ آپ نورینہ کو گود لینا چاہتی کچھ دیر نہیں کر دی آپ نے اس مقصد کے لئے۔ یعنی کہ اگر آپ نورینہ بیٹی کو گود لیے تھیں تو پہلے کہتیں۔ اب اگر آپ ان کو گود لیں گی تو......'' نواب حشمت صاحب منہ رکھتے ہوئے مسکرا کر بولے تو زینت بیگم کچھ خفا سی ہوگئیں۔

''بھائی حشمت! آپ تو سدا کے یوں ہی رہے۔ ہم آپ کی موجودگی کا فائدہ چا چاہتے ہیں اور ہماری بات کو مزاح میں اڑائے جا رہے ہیں۔ دراصل ہم چاہتے ہیں کہ زینت مل بیٹھیں مگر ان کو اعتراض ہے۔''

''ہائیں اس میں اعتراض کی کیا بات ہے ہمشیرہ۔ آپ اُٹھئے اور ہمشیرہ زینب۔ بیٹھ جائیے۔ ان کو قطعی اعتراض نہیں ہوگا، ہم ضمانت دیتے ہیں۔'' زینب بیگم کی بات ہوئے بھی انہوں نے ازراہِ مذاق کہا تو وہ شکایتی نظروں سے بھائی صاحب کو دیکھنے لگیں۔

''نواب صاحب دراصل جوانی سے ہی بذلہ سنج مشہور ہیں۔ سب گیا، جوانی گئی مسخرہ پن نہ گیا۔ بہرحال ہمشیرہ آپ جو کہنا چاہتی ہیں ہم سمجھ رہے ہیں۔ نہایت بات ہے۔ بہنوں کو مل بیٹھنا چاہیے۔ زینب بیگم! آپ کو کیوں اعتراض ہے اس رشتے



زینت بیگم، قمر میاں کا رشتہ نورینہ سے کرنا چاہتی تھیں اور اپنی اس خواہش کا اظہار وہ نواب صاحب سے اس سے قبل بھی کر چکی تھیں مگر ہوتا یوں تھا کہ کبھی ایک بہن آتیں تو دوسری نہ ہوتی مگر اس بار جیسے ہی زینت بیگم کو اشارہ ملا کہ زینب بیگم اسلام آباد جانے کا قصد کر رہی ہیں تو انہوں نے بھی رخت سفر باندھا اور ان کے ساتھ آگئیں اور اب موقع پا کر زینت بیگم نے اپنی خواہش کا اظہار کر دیا۔

''بھائی صاحب! آپ خود دیکھیے، ایک تو عمروں میں کم از کم دس سال کا فرق ہے۔ اور پھر قمر میاں تو بالکل بھی نورینہ کے ساتھ کے نہیں۔ دیکھیے تو کہاں جوڑ بیٹھتا ہے۔'' زینب بیگم کو جو قباحتیں درپیش تھیں وہ انہوں نے کہہ دیں۔

''دیکھیے، زینب ہماری اولاد کی طرح ہیں اور ہمیں بہت عزیز بھی ہیں۔ مگر ہم آپ کو وہ باتیں سمجھانا چاہتے ہیں جن کی طرف یا تو آپ کا دھیان گیا ہی نہیں یا پھر بیٹی کی محبت میں وہ نظر انداز کر رہی ہیں۔ دیکھیے، آپ کی نظر میں قمر میاں عمر میں بھی زیادہ ہیں اور شاید...... خیر آپ کے پیش نظر کوئی بات بھی ہو، ہم یہ جانتے ہیں کہ اپنے پھر اپنے ہوتے ہیں۔ دوسرے لوگوں سے رشتے داری کریں گی تو ہوسکتا ہے وہ کئی باتوں پر اعتراض کریں، تب آپ کو زیادہ دُکھ ہوگا۔ قمر میاں بہت اچھے ہیں، سادہ لوح ہیں، فرمانبردار ہیں، ہمارے نزدیک تو نہایت مناسب رشتہ ہے نورینہ بیٹی کے لئے۔ کیوں نواب صاحب؟'' نواب صاحب نے اپنی بات کی تائید کے لئے نواب حشمت کو دیکھا تو ان کے ہونٹوں پر بھی شوخ سی مسکراہٹ اُبھر آئی۔

''کیا بات ہے نواب صاحب آپ کی۔ زندگی میں پہلی بار تو آپ نے درست بات کہی ہے۔ کیوں بھابی جان'' نواب حشمت نے ہمیشہ کی طرح اپنی بات کی تائید اپنی بھابی سے چاہی تو وہ ہنس پڑیں۔

''آپ کے دوست ہیں بھائی صاحب، جو چاہے کہئے مگر ہماری بہنوں کا معاملہ ضرور نمٹائیے۔'' انیسہ بیگم نے مسکرا کر زینت بیگم کو دیکھا جو ذرا دلبرداشتہ سی لگ رہی تھیں۔

''اپنوں میں کیا معاملہ بندی بھابی صاحبہ! بچی بھی اپنی، بچہ بھی اپنا۔ اور نواب صاحب نے بڑی معقول بات کہی کہ اپنے پھر اپنے ہوتے ہیں۔ کیوں زینب ہمشیرہ؟'' نواب حشمت نے حقے کی نال اپنی طرف کھینچی تو وہ جو کچھ راضی اور کچھ ناراضی کی کشمکش میں مبتلا تھیں، اپنے بڑوں کے خیالات سن کر فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں آگئیں۔

''ٹھیک ہے بھائی صاحب! جب آپ سب بڑے کہہ رہے ہیں تو ٹھیک ہے۔ اللہ تعالیٰ مبارک کرے۔''

''مبارک ہو بیٹی، تم نے ہمارا مان رکھا ہے۔ اللہ تمہیں بے شمار خوشیوں سے نوازے، بیٹی کی بھی، اپنی بھی۔'' نواب صاحب بہت خوش ہو گئے۔ انہوں نے بڑھ کر زینب بیگم کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''آپا بیگم! آج سے اللہ کے حکم سے ہماری بیٹی آپ کی ہوئی۔'' دونوں بہنیں گلے لگیں تو مبارک سلامت کا شور ہونے لگا۔

***

قمر میاں اور نورینہ اپنی زندگی کے اس فیصلے سے قطعی بے خبر تھے۔ نورینہ ڈرائی فروٹ پلیٹ تھامے پھلوں کے ساتھ انصاف کر رہی تھیں جبکہ نازک مزاج قمر میاں ایقہ کی تلاش میں لان میں چلے گئے جہاں عبدل پودوں کو پائپ سے پانی دے رہا تھا۔ قمر میاں چپکے سے آگے بڑھے۔

''ارے بھائی عبدل میاں!'' انہوں نے اپنے کام میں گم عبدل سے کہا تو وہ گھبرا کر مڑا، اسی طرح پائپ بھی گھوما تو قمر میاں پورے کے پورے پانی میں بھیگ گئے۔

''ناہنجار، بدتمیز!'' قمر میاں نے اپنے بھیگے لباس کو دیکھا۔

''شکر ہے خدا کا آپ گھلے نہیں۔'' عبدل بے ڈھنگے پن سے مسکرایا۔

''اچھا بس، بس...... ہم نمک سے نہیں بنے۔ ہم صرف یہ معلوم کرنے آئے ہیں کہ گھر میں ایک انتہائی خوبصورت، نازک انداز حسینہ ہیں، وہ کہاں تشریف رکھتی ہیں؟'' قمر میاں ایقہ کے بارے میں معلوم کر رہے تھے۔ عبدل بھی شرارتی تھا۔ ان کی بات کا مطلب سمجھ تھا مگر ستانے کی خاطر بولا۔

''وہ اس گھر کی مہمان ہیں اور اپنی چیزیں کہاں رکھتی ہیں، مجھے کیا پتا؟''

''اچھا ہم خود تلاش کر لیتے ہیں۔'' قمر میاں آگے بڑھ گئے۔

***

شفاعت اللہ جانے سے قبل بانو بیگم سے معذرت کرنا چاہتے تھے۔ اسی خیال کے تحت ان کو تلاش کرتے ہوئے آ گئے۔ ایقہ سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ وہ بھی جھجک گئے۔ ایقہ تو یوں کر گزری گویا جانتی ہی نہ ہو لیکن شفاعت اللہ کے دل پر بوجھ بڑھ گیا۔ وہ گہرا سا سانس لے کر آگے بڑھ گئے۔

''ہم اندر آ سکتے ہیں بھابی جان؟'' دروازے پر کھڑے کھڑے انہوں نے ندامت سے نظریں جھکائے پوچھا۔



''آیئے، آیئے شفاعت میاں! ہم آپ ہی کے بارے میں سوچ رہے تھے۔'' بانو اپنی جگہ شرمندہ تھیں۔

''زہے نصیب، آپ ہمارے بارے میں کیا سوچ رہی تھیں، کہئے ناں...... ویسے بھی ہم آپ سے کچھ کہنے ہی آئے ہیں۔''

''چلئے تو پہلے آپ کہہ دیجئے۔'' شفاعت اللہ نے ادب سے بازو پیچھے باندھ کر کہا۔

''نہیں پہلے آپ کہئے۔ آپ چھوٹے ہیں اور پہلے کہنے کا حق ہم آپ کو دیتے ہیں۔'' بانو اپنے اندر بات کرنے کا حوصلہ پیدا کرتے ہوئے اپنے طور پر کچھ مہلت چاہ رہی تھیں۔

''بھابی جان! آپ وہی نوابوں والی روایت مت دہرایئے گا کہ گاڑی چلی جائے۔ ہم آپ سے بخدا بے حد نادم اور شرمندہ ہیں کہ اس روز ہمارے اور ایقہ کے درمیان ایک بحث چل نکلی۔ قمر میاں اور نورینہ بھی موجود تھے مگر کھانے کی اطلاع پر وہ لوگ چلے گئے اور ہم اپنی بات کہنے کے لئے رک گئے اور ایقہ کو بھی روک لیا حالانکہ وہ قطعی ٹھہرنے کو تیار نہ تھیں اور آپ آ گئیں۔ ہم...... ہم آپ بے حد نادم ہیں بھابی جان، آپ ایقہ کو ہرگز غلط مت سمجھئے گا۔ اس میں ان کا قصور نہیں۔'' شفاعت اللہ کے لہجے میں اتنی سچائی اور خلوص تھا کہ بانو دیکھتی رہ گئی کہ وہ کیا سمجھ رہے ہیں اور وہ کس بات کی معذرت کرنا چاہ رہے ہیں۔

''اتفاق سے شفاعت میاں، ہم بھی آپ سے ایک معاملے میں معذرت ہی کرنا چاہتے ہیں۔'' مارے ندامت کے ان کی ہتھیلیوں میں نمی اتر آئی۔ دیور کے سامنے بہن کی اس نادانی پر معذرت کرتی ہوئی وہ پانی پانی ہو رہی تھیں۔ شفاعت اللہ حیران کن نظروں سے ان کو دیکھنے لگے۔

''کیوں گناہگار کرتی ہیں بھابی، آپ ایسی بات کیوں کر رہی ہیں۔ ایسی کیا بات ہے؟''

''شفاعت میاں! وہ...... وہ دراصل ہماری زبان ہمارا ساتھ نہیں دے رہی۔ ایقہ سے جو غلطی سرزد ہو گئی ہے، اس کا خمیازہ آپ کو بھگتنا پڑے گا اور...... وہ دراصل ہوا یہ کہ......'' بولتے بولتے بانو عرق آلود پیشانی کے ساتھ بیٹھ گئیں۔ وہ حیرت سے ان کی تمہید کے پیچھے بات تک باآسانی پہنچ گئے بس کنفرم کرنا چاہتے تھے۔

''کیا بات ہے بھابی جان، آپ کھل کر کہئے ناں۔'' انہوں نے بانو کے ہاتھ تھام لئے تو وہ مزید شرمندہ ہو گئیں۔

''وہ آپ کا اسٹار جو ایقہ سے گم ہو گیا ہے تو ہم دست بدست آپ سے معذرت کرتے ہیں اور درخواست کرتے ہیں کہ ابا جان اور امی جان اور اپنے بھائی صاحب کو مت بتایئے گا۔

کیا عزت رہ جائے گی ہماری اور انیقہ کی۔ وہ تو اس قدر نادم ہیں کہ مر جانا چاہتی بار آئیں اور ہمیں اور خود کو ندامت سے دوچار کر دیا۔ شفاعت میاں، آپ سے ہے کہ آپ......" وہ بھیگی آواز میں بولے جا رہی تھیں اور شفاعت اللہ ندامت سے گئے تھے۔

"تف ہے ہم پر کہ اپنی چھوٹی سی خواہش کی تکمیل کی خاطر ہم نے دو معزز پریشان ہونے اور آنسو بہانے پر مجبور کر دیا۔ تف ہے ہم پر۔" وہ سوچ رہے۔ ملامت کر رہے تھے اور بانو سمجھ رہی تھیں کہ وہ بھی پریشان ہو گئے ہیں۔

"شفاعت میاں! کیا سوچ رہے ہیں؟" انہوں نے آنسو صاف کرتے ہوئے ان

"ہم یہ سوچ رہے ہیں بھابی جان کہ آپ سے اپنی کس کس خطا کی معذرت کر وہ اسٹار جس کی خاطر آپ دونوں اس قدر پریشان ہیں، وہ ہمارے پاس موجود ہے نے اظہارِ ندامت کے طور پر سر جھکا لیا۔

"کیا کہہ رہے ہیں آپ! وہ گم نہیں ہوا اور آپ کے پاس ہے؟" بانو کی آوا اس وقت صرف اس اعزاز کے مل جانے کی خوشی تھی۔

"جی ہاں۔ اس روز جب آپ کے کمرے کی صفائی ہوئی تو اماں بی نے ہمیں دکھایا کہ ہماری ضرورت کا ہے کہ نہیں۔ ہم نے لے کر اپنے پاس رکھ لیا۔" وہ چو بولے جا رہے تھے۔ اب بانو ذرا خفا سی ہو گئیں۔

"اگر آپ کے پاس تھا تو آپ نے انیقہ کو بتایا کیوں نہیں؟ مارے پریشانی حال برا تھا۔ پر آپ نے اچھا نہیں کیا شفاعت میاں، اس وجہ سے ہم نے اپنی مہمان بہن کو بے حساب سنا ڈالیں۔" ایک تو انیقہ کے بدگمان ہو جانے کا اندیشہ بھابی خفا ہو گئیں تو وہ بوکھلا کر رہ گئے۔

"ہم...... ہم معذرت چاہتے ہیں بھابی جان! ہمیں ہرگز ایسا نہیں کرنا چاہیے ہم آپ کو کیا بتائیں کہ ہم نے ایسا کیوں کیا۔ اگر بتا دیں تو شاید آپ اس پر جائیں۔ بس اسے آپ ہماری شرارت سمجھ کر نظر انداز کر دیجئے۔" وہ پنجی لہجے میں کو باقاعدہ غصہ تو آیا مگر اب گزرنے والے لمحے کا کہاں تک ماتم کرتیں۔

"شفاعت میاں! آپ سے ایسی نا سمجھی کی توقع تو نہ تھی۔ ایسی بھی کیا شرارت پر بن آئے۔"

"بھابی جان! بھول ہو گئی۔ آئندہ ایسا نہ ہو گا۔ خدا کے لیے ہمیں معاف کر



امت بھرے لہجے میں گڑگڑائے تو بانو موم پڑ گئیں۔ ان کے جھکے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

"ٹھیک ہے، آئندہ احتیاط کیجئے گا۔" وہ دونوں اپنی باتوں میں مصروف تھے کہ انیقہ جو کسی ام سے آئی تھیں، دروازے پر ہی رُک گئیں۔ شفاعت اللہ کی باتیں سن کر ان کو شدید شاک وہ ضبط نہ کر سکیں۔ اتنے دنوں سے وہ جس اذیت سے گزر رہی تھیں، آج اس کا ڈرامائی ام ہوا تو گویا ساون بھادوں شروع ہو گیا۔ ان کی ہچکیوں پر دونوں نے پلٹ کر دیکھا مگر ایک جھٹکے سے مڑیں اور اپنے کمرے کی طرف دوڑ گئیں۔ شفاعت اللہ کو اسی بات کا ڈر وہ بانو کی طرف مڑے۔

"بھابی جان! اصل میں ہم انیقہ کے مجرم ہیں۔ ہم آپ سے اجازت چاہتے ہیں کہ ات خود ان سے معذرت کریں۔ پلیز، انکار نہ کیجئے گا ورنہ ہمارے دل پر بوجھ رہے گا۔" کے لہجے میں اتنی التجا تھی کہ بانو انکار نہ کر سکیں اور سر کی جنبش سے اجازت دے دی تو وہ ون ہوئے۔ انیقہ کے کمرے پر دستک دے کر آ گئے، وہ ان کو دیکھ کر مزید شدت سے لگیں۔ شفاعت اللہ کا بس چلتا تو خود کچھ کر لیتے۔ دو خواتین ان کی شرارت کی وجہ سے ں پریشان ہو گئیں۔

"انیقہ...... ہم...... ہم آپ سے بے حد نادم اور شرمندہ ہیں۔ بتا نہیں سکتے۔ پلیز، ہمیں عاف کر دیجئے۔ ہماری اس شرارت کو درگزر کر دیجئے پلیز، ورنہ ہم خود کو کبھی معاف نہیں کر یں گے۔" وہ ندامت سے گڑے جا رہے تھے۔

"اونہہ...... کسی کی جان گئی آپ کی ادا ٹھہری۔ ایسی بھی کیا شرارت کہ دوسرے کی جان پر ن جائے۔ آپ کو اندازہ نہیں کہ ہم آپ کی اس شرارت کی قیمت لمحہ لمحہ ادا کرتے رہے ں۔ لمحہ لمحہ مرتے اور جیتے رہے ہیں کہ بہن کی سسرال آ کر ہم سے یہ کیسی حرکت ہو گئی۔ ہم ں بہ لب رہے اور آپ محظوظ ہوتے رہے...... واہ......" انیقہ اسی شدت سے روتی گئیں س روانی سے وہ بول رہی تھیں۔

"انیقہ، آپ ہماری مہمان ہیں اور ہم آپ کے قصوروار۔ ہم آپ سے معافی مانگیں تو یہ پ کا حق ہے۔" ان کے لہجے کی ندامتوں نے انیقہ کو چونکا دیا۔ انہوں نے دیکھا وہ افسردہ لیے معذرتی طور پر نظریں جھکائے کھڑے تھے۔ انیقہ کا دل صاف ہو گیا۔

"ہم بھی کوئی اتنے کم ظرف نہیں کہ اپنے میزبان کو اس حد تک زچ کر دیں۔ جائیے، ہم معاف کر دیا۔" انیقہ نے انتہائی سادہ الفاظ میں معذرت قبول کر کے گویا ان کو خرید لیا۔

"ہم...... ہم آپ کے ہمیشہ احسان مند رہیں گے انیقہ، شکریہ، بہت شکریہ۔" وہ بہت

ممنون ہو رہے تھے۔

''شفاعت اللہ صاحب! اب آپ جائیے۔ مبادا کوئی آ جائے اور......'' انیقہ تو ہوئی تھیں۔ خود ہی جانے کو کہہ دیا اور شفاعت اللہ جو بہت کچھ سننا چاہتے تھے، رخصت پر چپ سے ہو گئے اور انیقہ کو دیکھتے ہوئے خدا حافظ کہہ کر باہر آ گئے۔

وہ تمام رات انہوں نے آنکھوں میں کاٹ دی۔ پرسوں ان کو جانا تھا اور وا بارے میں کوئی حتمی بات کر کے جانا چاہتے تھے۔ اس لئے صبح ناشتے کے بعد وہ کچھ بیگم کے شانے دبا رہے تھے۔ وہ یہ سمجھ رہی تھیں کہ گزشتہ واقعے کی ندامت ابھی باقی

''خیریت؟'' انہوں نے پیار سے خوبرو دیور کو دیکھا۔

''جی وہ...... دراصل بھابی جان، ہمیں آپ سے کچھ مانگنا ہے۔'' وہ بہت احتیاط رہے تھے۔

''ارے ایسا بھی کیا...... ہمارا سب کچھ آپ ہی کا تو ہے۔''

''ہمیں یہ نہیں، ہمیں وہ چاہئے جو آپ کے والدین کے پاس ہے۔'' ان کو عز طریقہ بھی نہیں آ رہا تھا۔

''ہم سمجھے نہیں شفاعت میاں؟'' وہ حیرت سے ان کو دیکھ رہی تھیں۔

''وہ...... وہ دراصل بھابی جان! ہم انتہائی معذرت کے ساتھ کہنا چاہتے ہیں کہ بے حد پسند آئی ہیں۔ ہم ان سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔'' انہوں نے آنکھیں بند دیا تو بانو کے دل میں ایک ٹیس سی اُبھری۔

''یہ کیا مانگ لیا آپ نے شفاعت میاں! انیقہ تو بچپن ہی سے اپنے چچا زاد منسوب ہیں۔''

☆☆☆

''بند کرو یہ دنگا فساد۔ سلیم! یہ جو بھی کہہ رہے ہیں، درست کہہ رہے ہیں۔ ہاں مجھے دولت کی ضرورت ہے۔ کیونکہ آج اگر میرے پاس دولت ہوتی تو میں ان گھٹیا لوگوں میں رہتی؟ ہاں چاہئے مجھے دولت اور تم لوگ آنا میرے پاس میرے راستے میں آ کر ملنا لیکن جیب بھر کر لانا اور یہ بھی یاد رکھنا، جیب میں میرے وزن نوٹ بھر کر لانا۔ ایسا نہ کر سکو تو چلو بھر پانی میں ڈوب مرنا، ڈوب مرنا۔'' نازو برداشت کرتی۔ وہ چلائے گئی۔ سب کو گویا سانپ سونگھ گیا۔

''نازو......'' اس آواز پر سب چونک کر مڑے۔



''نازو! کیا ہوا بیٹی، خیریت ہے ناں؟ یہ لوگوں کا ہجوم کس لئے لگا ہوا ہے؟'' نازو غلط آدمیوں میں گھری ہوئی ہے، یہ اطلاع محلے کی ایک لڑکی نے حمیدہ بیگم کو دی تو وہ سانس روکے سرپٹ بھاگتی ہوئی آ گئیں۔ نازو نے بڑھ کر ان کو ساتھ لگایا اور اطمینان سے سب کو دیکھنے لگی۔

''ارے امی! آپ کیوں گھبرا رہی ہیں۔ میں کوئی تنہا تو نہیں ہوں، میرا نگہبان تو اللہ ہے ناں۔ اور جس کا نگہبان اللہ ہوتا ہے اس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ رہی اس ہجوم کی بات تو امی! یہ وہ باغیرت مرد ہیں جو اپنے گھر کی عورت پر اٹھنے والی ہر غلط آنکھ پھوڑ دیتے ہیں مگر دوسرے کے گھر کی عزت کی یہ لوگ قیمت لگاتے ہیں اور میں نے بھی اپنی قیمت بتا دی ہے، اس کو ادا کر سکیں تو آ جائیں ورنہ ڈوب مریں چلو بھر پانی میں۔ چلیں آپ۔''

کئی مردوں کی موجودگی میں وہ بڑے اعتماد سے بولتی چلی گئی تو جیسے ان سب کو سانپ سونگھ گیا۔ نظریں آپ ہی جھکتی چلی گئیں۔ وہ امی کو ساتھ لگائے آگے بڑھنے لگی تو راستہ آپ ہی بن گیا۔

''یہ آپ کا پرس گر گیا ہے۔'' نازو نے نظر اٹھا کر دیکھا تو شیدا پرس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

''شکریہ بھائی!'' نازو نے آہستگی سے کہا اور پرس لے کر آگے بڑھ گئی۔

☆☆☆

''تو یہ معاملہ تھا۔ بدمعاش تمہارے کالج پہنچا ہوا تھا۔ سرراہ تم نے اس کی باتیں سنیں تو ان چھوٹے بدمعاشوں کی حوصلہ افزائی ہونی ہی تھی۔ تم نے کیوں اس کی بات سنی، ایک زوردار تھپڑ رسید کر دیا ہوتا تو یہ تماشا نہ لگتا۔ اب ان لوگوں کے حوصلے تو خود ہی بڑھیں گے۔ میں بھی کہوں کہ ایسی کیا قیامت آ گئی کہ......'' حمیدہ بیگم کو نازو نے آج کی کارروائی من وعن سنا ڈالی تھی۔ وہ ماں کو کسی بات سے بے خبر نہیں رکھتی تھی مگر امی کے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی۔ یہ بات سن کر وہ بے تکان بولے گئیں تو نازو نے بے چارگی سے ان کو دیکھا، اب وہ انہیں کس طرح قائل کرتی کہ سلیم بھی اس کی طرح کا ٹھکرایا ہوا ہے۔

''امی! جو کچھ ہوا، میں نے آپ کو بالکل سچ بتا دیا ہے۔ سلیم کو سب لوگ بہت بڑا بدمعاش اور لوفر کہتے ہیں مگر اندر سے وہ اتنا ہی معصوم اور شریف آدمی ہے، صاف نظر اور نیک ہے۔ وہ بنیادی طور پر ایک اچھا انسان ہے، اس کو وقت اور حالات نے ایسا کر دیا ہے امی۔ امی! اگر اس پر توجہ دی جائے تو وہ معاشرے کا شریف شہری بن سکتا ہے اور......''

''بکواس بند کرو۔ کون سا جادو کر دیا ہے اس نے کہ اتنی حمایتی بن گئی ہو، میں اس لوفر کا

نام بھی اب تمہاری زبان سے نہ سنوں۔ سمجھیں تم؟'' حمیدہ بیگم کا ہاتھ فضا میں لہرایا اور نازو کے رخسار پر نشان چھوڑ گیا۔ ایک تو ماں کی بدگمانی کا صدمہ اور دوسرے تھپڑ کی جلن، اس نے فرمانبرداری سے حکم مان لیا۔

''جی بہتر امی، آپ کی حکم عدولی نہیں کروں گی۔''

وہ روتی ہوئی اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی اور بستر پر گر کر اپنا تمام دُکھ نمکین پانی میں بہا کر تکیے میں جذب کر دیا۔ حمیدہ بیگم برآمدے میں گم صم سی پیڑھی پر بیٹھی رہ گئیں۔ ان کے ہاتھ کی جلن اور دُکھ ان کے دل کو اور افسردہ کر رہا تھا، زندگی میں پہلی بار انہوں نے اپنی دُکھی اور ہم راز بیٹی پر ہاتھ اٹھایا تھا جس نے سردی گرمی کے تمام موسموں میں فرمانبرداری سے ان کا ساتھ دیا تھا مگر وہ بھی تو اپنی جگہ درست تھیں، جہان بھر میں بدنام لڑکا اس کے گھر آ جائے اور اس سے بات کرے اور وہ سلیم کے حوالے سے اپنی شفاف پیشانی کو داغدار کرے، یہ تو وہ کبھی بھی برداشت کر ہی نہیں سکتی تھیں۔ وہ اتنی محنت کر کے گھر آئی تھی اور انہوں نے اس بھوکی اور پیاسی پر ہاتھ اٹھا دیا، اسی ملال کی دُھند میں چلتی وہ اندر آ گئیں۔

''مجھے معاف کر دو نازو، میری بیٹی! وقت اور حالات نے مجھے بھی اتنا سخت بنا دیا ہے کہ اپنی ہی بیٹی پر ہاتھ اٹھا بیٹھی ہوں، مجھے معاف کر دو بیٹی۔'' انہوں نے اس کی پیشانی پر ہونٹ رکھ دیئے۔

''امی! خدا کے لئے مجھے گناہ گار نہ کیجئے۔ خطا تو مجھ سے ہوئی ہے کہ آپ کے حکم کے بغیر سلیم سے بات کی۔ آپ مجھے معاف کر دیں، پلیز امی! آپ مجھے معاف کر دیں۔'' دونوں ماں بیٹی کتنی ہی دیر اپنی پشیمانی کا ذکر کر کے روتی رہیں۔

''اچھا چلو اٹھو، منہ ہاتھ دھولو، میں نے آج تمہارے لئے پلاؤ بنایا ہے۔ خالہ ہاجرہ آئی تھی مرغی تو میں نے خرید لی اور پلاؤ بنا لیا۔ چلو اٹھو۔''

''ارے واہ امی، پلاؤ کے ذکر پر تو بھوک بھی بانگیں دینے لگی ہے۔'' امی کو خوش دیکھ کر نازو بھی پُرسکون اور ہلکا پھلکا محسوس کرتی ہوئی باہر آ گئی۔ صحن میں لگے نل کے پاس آ کر منہ دھو کر تار پر لٹکتا تولیا لینے بڑھی تو نظر دروازے پر ٹھہر گئی، سفید رنگ کے لفافے نے اس کی بھوک پھر مٹا دی۔ اس نے خوفزدہ نظروں سے امی کے کمرے کی طرف دیکھا پھر باورچی خانے کی طرف اٹھ گئی۔ صحن میں کھلنے والی کچن کی چھوٹی سی کھڑکی سے باہر کا منظر نظر آتا تھا۔ وہ گھبرا رہی تھی کہ لفافہ اٹھائے یا نہ اٹھائے۔ اسے یقین تھا لفافہ سلیم کا ہے اور واقعی حمیدہ بیگم جو کھانا گرم کر کے برتنوں میں نکال رہی تھیں، ان کی نظر باہر کے منظر پر ٹھہر گئی۔ وہ اب اس بات کی منتظر تھیں کہ نازو کیا کرتی ہے۔ اس کے چہرے پر اُلجھن صاف دکھائی دے رہی تھی۔ پھر کچھ سوچ کر نازو آگے بڑھی، لفافہ اٹھایا اور پڑھے بغیر اسے لے کر کچن میں آ گئی تو حمیدہ بیگم اپنے کام میں مصروف ہو گئیں۔ نازو نے لفافہ ان کے حوالے کر دیا کہ کھول کر پڑھ لیں۔ انہوں نے ایک خاموش سی نظر اس پر ڈالی اور لفافہ چاک کر کے پڑھنے لگیں۔



''قابل احترام اور با کردار نازو السلام علیکم!

آج جو کچھ ہوا، وہ میری وجہ سے ہوا، مجھے اس بات کا بے حد دُکھ ہے۔ لیکن میں آئندہ کبھی تمہارے راستے میں نہیں آؤں گا اور نہ کوئی تمہیں میرے حوالے سے تنگ کرے گا۔ تم بہت نیک اور شریف لڑکی ہو اور میں کتنا ہی بڑا بدمعاش سہی تمہاری عزت کرتا ہوں اور میں کبھی تمہیں تنگ نہیں کروں گا، ہاں البتہ روشنی کے جس راستے پر تم نے مجھے ڈالا ہے میں اس کی منزل تک پہنچنے کی پوری کوشش کروں گا اور ایک شریف شہری کی طرح رہوں گا۔ خالہ سے کہنا تم سے کچھ نہ کہیں، ساری خطا میری ہے۔ ہو سکے تو مجھے معاف کر دیں، نہ کریں تو کوئی بات نہیں اس لئے کہ جس کو جنم دینے والی ٹھکرا دے، اسے دنیا والے ٹھکرا دیں تو کیا بڑی بات ہے۔ اجازت دو اللہ حافظ و السلام۔ فقط سلیم!''

''ہونہہ...... میں سب سمجھتی ہوں اس کی چالوں کو، نو سو چوہے کھا کر چلی ہے بلی حج کرنے......'' حمیدہ بیگم ذرا بھی تو اس کی تحریر سے متاثر نہیں ہوئی تھیں۔ انہوں نے ماتھے پر بل ڈال کر خط نازو کی طرف بڑھا دیا اور خود کھانا لے کر کمرے میں آ گئیں۔ نازو نے اس خیال سے دھڑکتے دل کے ساتھ جلدی جلدی نظر دوڑائی کہ کہیں کوئی غلط بات تو نہیں مگر پڑھ کر اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ ماں کے سامنے مزید شرمندہ ہونے سے بچ گئی۔ سکون کا گہرا سانس لے کر وہ بھی کمرے میں آ گئی۔ پھر دونوں نے خاموشی سے کھانا کھایا۔ حمیدہ بیگم دانستہ طور پر کوئی بات اس لئے نہیں کہہ رہی تھیں مبادا وہ کھانا ادھورا چھوڑ کر اٹھ جائے۔

''امی! میں نے خط پھاڑ کر پھینک دیا ہے۔'' اس نے امی کو خوش کرنے کے لئے اطلاع دی تو انہوں نے پانی پیتے ہوئے اسے دیکھا۔

''ہاں اچھا کیا۔ اب میں بھی دیکھوں گی وہ اپنی بات کا کہاں تک پاس کرتا ہے، اونہہ زمانے بھر کا بدمعاش آیا ہے میری نازو کو تحفہ دینے اور پسند کرنے۔ نجانے ایسے لوگ اپنی اوقات کیوں بھول جاتے ہیں۔'' وہ بولے جا رہی تھیں اور نازو ان کی باتوں کی سختی کو اندر اتارتے ہوئے برتن سمیٹ رہی تھی۔ وہ چائے بنا کر لے آئی تو حمیدہ بیگم کی غالباً آنکھ لگ

گئی تھی۔

''امی جان، سوگئی ہیں کیا؟'' اُس نے آہستگی سے ان کا ہاتھ چھوا تو وہ اٹھ کر بیٹھ گ

''ہاں، وہ ذرا آنکھ لگ گئی تھی۔ اور تم نے چائے بھی بنا لی۔ لاؤ۔'' وہ اُٹھ کر بیٹھ چائے پیتے ہوئے وہ نازو کے چہرے پر کچھ تلاش کرتی رہیں، شاید سلیم کے لئے کو ہو، کچھ ہو جو دل میں ہو اور چہرے پر آ جائے مگر انہوں نے اطمینان کا گہرا سانس لیا تپائی پر رکھ دیا۔

''خالہ ہاجرہ نے ایک رشتہ بتایا ہے۔'' حمیدہ بیگم نے رک کر اس کے چہرے کی تح جو خاصی ناگوار سی تھی۔

''خالہ ہاجرہ کو اور کام ہی کیا رشتوں کے جوڑ توڑ کے علاوہ۔''

''ایسی بات نہیں کرتے بیٹا، وہ تو ہر ایک کے آنسو پونچھتی ہے، دُکھ سکھ میں شریک ہے۔ بتا رہی تھی لڑکا کسی دفتر میں کام کرتا ہے، گھر بھی اپنا ہے، بس ذرا ذمہ داریاں ز تو کوئی بات نہیں، مل بانٹ کر کھانے میں ہی برکت ہوتی ہے۔ اور پھر......''

''گستاخی معاف امی، میں ابھی شادی کرنا نہیں چاہتی۔ میں اپنی تعلیم مکمل کر پاؤں پر کھڑی ہونا چاہتی ہوں۔ مجھے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اس کی ذمہ زیادہ ہیں یا افراد زیادہ ہیں۔ میں......'' وہ اُکتا کر کھڑی ہو گئی اور پچھلی کھڑکی کھول د ہوا کے جھونکے نے اس رشتے سے پیدا ہو جانے والی کلفت کو قدرے کم کر دیا۔

''تمہارے اس انداز کو میں کیا سمجھوں نازو؟'' حمیدہ بیگم نے کھوجتے لہجے میں پو پلٹ کر ان کو دیکھتی ہوئی ان کے قریب آ گئی۔ کچھ کچھ اس کو اندازہ ہو رہا تھا کہ ح شاید یہ سمجھ رہی تھیں کہ وہ سلیم کے چکر میں تو نہیں آ گئی۔ کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ خوبرو نوجوان ہے اور خالہ ہاجرہ بتا چکی تھیں، کئی پڑھی لکھی لڑکیاں بھی اس کے چکر میں ہیں مگر وہ خود ہی کسی لڑکی کو لفٹ نہیں دیتا۔ مگر نازو کا دل تو ابھی تک شفاف آئینہ تھا کوئی شبیہہ ابھی اُبھری نہیں تھی، وہ کیا جواب دیتی۔ چپ چاپ بیٹھی امی کی بات پر رہی۔ وہ جانتی تھی کہ اس کی شادی اس کی ماں کی نہ صرف خواہش ہے بلکہ ضرورت بھی

''امی جان! میں کیا چاہتی ہوں آپ اچھی طرح جانتی ہیں لیکن اگر آپ سمجھتی ہیں شادی ہی ہمارے تمام مسائل کا حل ہے تو آپ چھان بین کر کے اپنی تسلی کر لیجیے، مط جائیں تو ہاں کر دیں، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔'' ماں کے دُکھوں کا خیال کر کے تمام حقوق ان کو دے دیئے تو وہ خوش ہو گئیں۔



''خوش رہو میری بیٹی۔ جیسی تم فرمانبردار بیٹی ہو، خدا سب بچیوں کو اپنے والدین کا اتنا ہی فرمانبردار کرے۔ آمین......'' انہوں نے بڑھ کر نازو کو پیار دیتے ہوئے دل سے دعا دی تو نازو پُرسکون ہو گئی کہ ماں تو اس سے خوش ہے۔

⁂☆⁂

''چندا کہاں گزاری رات رے، یاد آئے تیری ہر بات رے چندا کہاں... چندا کہاں....''

سلیم بیزار سا ٹوٹی پھوٹی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آیا تو سامنے ہی اس کے کمرے کے سامنے زیبو ٹوٹی ہوئی چارپائی پر سیدھی لیٹی گنگنا رہی تھی۔ زیبو، سلیم کی ہم عمر تھی، اس کے چچا کی سب سے بڑی بیٹی تھی، من موجی سی۔ نٹ کھٹ سی۔ اپنے شہزادوں جیسے کزن سلیم کی سجن بننے کی بہتیری کوشش کرتی تھی مگر وہ اس کے قابو میں نہیں آ سکتا، اس بات کا اسے بھی یقین تھا مگر وہ بھی کیا کرتی، اس کی باتیں بھی سنتی رہتی مگر پھر بھی اس کا خیال رکھتی۔ اور اس وقت بھی وہ اس کے لئے کباب پراٹھا لئے انتظار کر رہی تھی اور انتظار گیت میں ڈھل گیا تھا، خود تو وہ معمولی سے نقوش والی سانولی مگر پُرکشش لڑکی تھی مگر آواز اللہ نے اسے بہت خوبصورت دی تھی اور سلیم کو اس کی آواز ہی بہت پسند تھی۔ وہ اکثر اس سے گانے سنا کرتا تھا اور جس دن وہ اس سے گانے کی فرمائش کر دیتا تھا، زیبو کی تو موجیں ہو جاتی تھیں۔ اپنے جذبات کو بھی وہ گیت کے بولوں میں ڈھال دیتی تھی۔ سلیم اس وقت بہت خراب موڈ میں تھا، وہ اس سے بات کرنا قطعی نہیں چاہتا تھا، اس لئے دبے پاؤں آگے بڑھا۔ قریب تھا کہ وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب بھی ہو جاتا مگر نجانے کس چیز سے ٹھوکر لگی تھی کہ خاموش آواز گونج اٹھی۔ سلیم نے بیزاری سے ماتھا پیٹ لیا۔ زیبو پھدک کر اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔

''چندا کہاں گزاری رات رے۔ کباب پراٹھا ہو گیا ٹھنڈا ٹھار......رے......''

''تمہیں کتنی بار منع کیا ہے کہ......''

''لو، میں یہاں گنتی کرتی رہتی ہوں کہ تم نے کتنی بار منع کیا ہے۔ کیا ہو گا ایک آدھ بار۔''

''میں یہ پوچھ رہا ہوں کہ تم یہاں کیا کر رہی ہو؟'' وہ دہاڑا۔

''واہ، جیسے تمہیں معلوم ہی نہیں میں یہاں کیا کر رہی ہوں، انتظار کر رہی تھی تمہارا۔'' وہ بھی خاصی ڈھیٹ واقع ہوئی تھی، اسی کے انداز میں بولے گئی تو وہ چڑ گیا۔

''کیوں...... کیوں کرتی ہو تم انتظار میرا۔ مت جلاؤ انتظار کے دیے۔ اگر یہ بجھ جائیں تو گھپ اندھیرا رگوں کو کاٹنے لگتا ہے اور...... تم بس میرا انتظار نہ کیا کرو۔ کیوں کرتی ہو تم میرا انتظار؟'' وہ بہت الجھا ہوا تھا، نازو کی وجہ سے اس کا دل بہت ویران سا تھا۔ زیبو اسے بغور

دیکھنے لگی۔

''مجھے بھی کوئی شوق نہیں تمہارے انتظار کا۔ مگر یہ جو دل ہے ناں......'' زیبو کی آواز دھیمی پڑ گئی تو وہ اسے دیکھنے لگا۔ وہ اس کے جذبوں کی شدتوں کو جانتا تھا، وہ تو اس سے اپنی محبت کا برملا اظہار کرتی تھی تو پھر پتا کیسے نہ چلتا۔ مگر وہ اس کے لئے دل میں ہمدردی ضرور رکھتا تھا۔ وہ فطرتاً اچھی لڑکی تھی، وہ اس کے لئے خود کوئی بہت اچھا لڑکا تلاش کرتا رہتا تھا مگر وہ تھی کہ صرف اسے ہی جانتی تھی، اسے ہی چاہتی تھی۔

''دل کی باتوں میں نہ آ زیبو، پچھتائے گی۔'' سلیم نے گہرا سانس لے کر اوپر دیکھا ہلکے سے بلب کی زرد روشنی میں وہ زیبو کو بہت اداس، ویران اور اکیلا لگا۔ وہ بھی اچھی طرح جانتی تھی کہ اس کے دل کا شہزادہ سلیم کسی اور انارکلی کی محبت میں ڈوبا ہوا ہے مگر وہ عجیب دیوانی لڑکی تھی کہ اسے نہ تو سلیم سے کوئی شکوہ ہوتا تھا نہ اس سے کچھ چاہتی تھی اور نہ ہی اسے نازو سے حسد ہوتا تھا۔ وہ جذبوں کی سفر پر منزل کی خواہش میں کب نکلی تھی، وہ تو سلیم کی محبت کے سفر میں چلتی رہنا چاہتی تھی۔

''لو مجھے کہتے ہو دل کی باتوں میں نہ آؤں اور خود جو آئے ہوئے ہو، اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟'' وہ کمر پر ہاتھ رکھ کر اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔

''میرا دل تو دیوانہ ہے زیبو۔'' سلیم نے اپنے کمرے کی طرف قدم بڑھائے۔

''دل تو سب پیار کرنے والوں کے دیوانے ہوتے ہیں شہزادے۔'' وہ جانتی تھی کہ ایسی باتوں سے اور اس انداز میں بات کرنے سے چڑتا ہے، وہ اسے چڑانے کے لئے بھی اسی کے انداز میں بولی۔

''تمہیں کتنی بار منع کیا ہے کہ مجھے شہزادہ نہ کہا کرو مگر تم......'' وہ غصے میں واپس پلٹا۔

''وہ بھی تو تمہیں منع کرتی ہے کہ اس کو شہزادی نہ کہا کرو۔''

''وہ تو ہے ہی میرے دل کی سلطنت کی شہزادی۔'' وہ ٹوٹی ہوئی چارپائی پر گر سا گیا۔

''تم بھی تو شہزادے ہو میرے دل کی سلطنت کے مگر مجال ہے جو مجھے اہمیت دیتے ہو۔ اچھا خیر ابھی سونا مرنا نہیں، ابھی تمہارے لئے کباب پراٹھا لے کر آتی ہوں۔'' اور پھر وہ اس کا انکاری جواب سنے بغیر ایک ساتھ کئی کئی سیڑھیاں کود کر نیچے آ گئی۔ سب گھوڑے بیچ کر سو رہے تھے۔ اس نے مٹی کے تیل کا چولہا جلا دیا اور پرچھتی پر رکھے برتنوں میں چھپا کر رکھے ہوئے کباب پراٹھے اتار کر گرم کرنے لگی۔

''کیا کر رہی ہو زیبو بیٹی؟'' اس نے تو بہت احتیاط برتی تھی مگر ابا جی پہنچ ہی گئے تھے



اُس نے جھٹ سب کچھ چھپا لیا اور کھڑی ہو گئی۔

''کچھ نہیں ابا جی، ذرا گلے میں تکلیف تھی۔ پانی گرم کر رہی ہوں غرارے کرنے کے لئے۔'' ایسے بے تکے جھوٹ بولنے میں تو وہ ماہر تھی۔ جھٹ جھوٹ بول دیا تو وہ کھانستے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

''ٹھیک ہے بیٹا، چولہا احتیاط سے بجھا دینا، بڑے حادثات ہو جاتے ہیں بے پروائی سے۔''

''جی اچھا جی۔'' زیبو نے ان کے چلے جانے پر خدا کا شکر ادا کیا۔ کیونکہ سلیم کے معاملے میں وہ اماں کو تو خاطر میں نہیں لاتی تھی البتہ ابا جی سے جھجک آتی تھی۔ اس خوف کے ساتھ کہ ابا جی کے خراٹے باقی سوئے ہوؤں کو نہ جگا دیں، وہ جلدی سے کباب پراٹھا لے کر آئی تو اس کا شہزادہ سلیم آنکھوں پر بازو رکھے شاید سو گیا تھا۔ زیبو نے پیار سے اسے دیکھا اور اس کے سامنے میز رکھ کر ٹرے سجا کر جگانے لگی۔

''تم تو ہر بات میں شہزادے ہو سلیم۔ اُٹھو، کھانا کھا لو۔'' اس نے اس کا بازو پکڑ کر اسے بٹھا دیا۔

''کھا کر آیا ہوں میں۔'' وہ اتنی اچھی نیند خراب ہونے پر اسے گھورنے لگا۔

''معلوم ہے، کھا کر آئے ہو بے شمار جوتے۔ مگر میں کھانے کی بات کر رہی ہوں۔ آ جاؤ، قسم سے بڑے مزے کے کباب بنائے ہیں۔ اور پراٹھا، واہ اُنگلیاں چاٹتے رہ جاؤ گے، جاؤ جلدی سے ہاتھ دھو آؤ۔'' بھوک تو سلیم کی بھی چمک گئی تھی گرم گرم کباب پراٹھا دیکھ کر مگر وہ اتراتا نہیں بھولتا تھا۔

''کہاں سے آیا یہ کباب پراٹھا؟'' وہ کھانے سے پہلے اس کی حقیقت جان لینا چاہتا تھا۔

''ظاہر ہے، دُکان سے آئے ہیں، ہوٹل سے۔''

''اور پیسے کہاں سے آئے؟'' وہ اس کو مشکوک نظروں سے دیکھنے لگا تو وہ بھی کھڑی ہو گئی۔

''بس شروع ہو جاؤ۔ بے چارے بال کی کھال اتارنا بہت بری بات ہے۔ چلو شاباش شروع ہو جاؤ۔ اب گرم کروں گی ناں تو اس کا سارا ذائقہ نوت ہو جائے گا۔''

''تو پھر گئی تھی نا کسی کے گھر گانا گانے۔ لے جا اٹھا کر اس کو یہاں سے۔ کتنی بار منع کیا ہے تمہیں مت جایا کرو گانا گانے لوگوں کے گھروں میں۔ چاچی کو بھی چسکا پڑ گیا ہے تیرے گانے کی کمائی کا۔ مگر میں اتنا بے غیرت نہیں ہوں کہ تیری اس قسم کی کمائی سے عیش کروں، کباب پراٹھے کھاتا پھروں۔ شرم نہیں آتی تمہیں، غیر لوگوں کے گھروں میں جا کر گانا گاتی ہو، پیسے لیتی ہو۔''

زیبو کو اللہ نے خوبصورت آواز دی تھی۔ وہ ایک بار بچپن میں کسی شادی پر گئی تھی کے ساتھ، وہیں گانے گائے۔ اس وقت اسے گانے کے اچھے خاصے پیسے مل گئے تھے، سے وہ ایسا ہی کرتی تھی۔ جہاں کہیں شادی ہوتی یا کوئی خوشی کا موقع ہوتا تو دور دور سے اسے ڈھولک اور گانوں کے لئے بلاتے اور اس فن میں وہ بہت مشہور تھی اور اس کے اس سے سلیم کو چڑ تھی۔

"تم میری آواز کی مشہوری سے کیوں جلتے ہو چن جی، یہ تو اللہ کی دین ہے، اس نے خوبی دی ہے تو اس خوبی سے اگر اپنا اور والدین کا تھوڑا بہت بھلا کر لیتی ہوں تو تمہیں برا لگتا ہے؟" وہ ہمیشہ اپنے اسی موقف پر اڑی ہوئی تھی مگر سلیم کو یہ سب کب گوارا تھا۔

"اپنا اور والدین کا بھلا کسی اور کام سے بھی کیا جا سکتا ہے۔" سلیم اس کی بات اتفاق بھی کر رہا تھا کہ درجن بھر بچوں کے چچا کی ڈھائی ہزار کی ماہانہ آمدنی انہیں کہاں سکتی تھی۔

"خدا تیرا بھلا کرے شہزادے، یہ کباب پراٹھا میں نے دوسرے کام سے ملنے وا پیسوں سے خریدا ہے۔ آج مجھے سلائی کے پیسے ملے تھے، میں نے اماں کو نہیں دیئے تیرے لئے کباب پراٹھا لے آئی۔ چپ اب تو کھا مر تاں۔" وہ خود بھی بیٹھ گئی اور اس کا پکڑ کر اسے بھی بٹھا لیا تو وہ اس عجیب سی لڑکی کو دیکھنے لگا۔

"بہت بدتمیز ہو تم، چاچی کو دینے تھے تاں سارے پیسے۔ کچھ دن سکون سے گزر جا"

"ہاں کچھ دن اچھے گزر جاتے اس موٹے ہاتھی کے۔ ذرا جو ماں کے ہاتھ پیسے ہیں، اس گینڈے کے لئے دودھ کے ڈبے منگوا لیتی ہے۔ نجانے اس ہاتھی سے اماں کو پیار کیوں ہے۔ خیر تم اب تو کھا لو ناں۔" زیبو نے ناگواری سے اپنے سب سے چھوٹے کا ذکر کیا تو سلیم مسکراتا ہوا کھانے لگا۔

☆☆☆

بانو بیگم سے ملنے والی اطلاع نے شفاعت اللہ کو حزن و ملال کے جنگل میں دھکیل دیا۔ کے ٹھکرائے جانے سے کہیں زیادہ ملال اس بھرم کا تھا جو عرضِ تمنا کے ریلے میں بہہ گیا ان کی پیشانی عرق آلود ہو گئی۔ انہوں نے چور سی نگاہ بھابی پر ڈالی، ان کی بھی کچھ ایسی کیفیت تھی کیونکہ شفاعت اللہ ان کو بہت پسند تھے۔ مگر مجبوری کے ہاتھوں وہ بھی بے تھیں۔

"بھابی جان! ہم آپ سے بے حد شرمندہ ہیں۔ بخدا ہمیں قطعی اندازہ نہیں تھا کہ ا



پہلے سے منسوب ہیں ورنہ ہم قطعی یہ الفاظ منہ سے نکالنے کی جسارت نہ کرتے۔ مگر ہم اپنے موقف سے قطعی نہیں پھریں گے کہ ہم انیقہ کو بے حد پسند کرتے ہیں اس لئے ان کو اپنانا چاہتے تھے۔ مگر آپ ہماری بڑی پیاری بھابی جان ہیں، ہماری اس گستاخی کو نظر انداز کر دیجئے گا، ہم بہت نادم ہیں آپ سے۔" ان کے منہ سے الفاظ بمشکل ادا ہوئے تو بانو بیگم نے ان کے شانے پر شفقت سے ہاتھ رکھ دیا۔

"کیسی باتیں کرتے ہیں شفاعت میاں..... آپ ہمارے بہت اچھے بھائی ہیں، آپ نے ہماری بہن کو پسند کیا اور شریک حیات بنانے کی خواہش کی۔ گو کہ یہ خواہش تکمیل کی منزل نہیں حاصل کر پائی مگر یہ ہمارے لئے اعزاز اور مسرت کا مقام ہے کہ آپ نے انیقہ کو پسند کیا۔ آپ قطعی نادم نہ ہوں، کاش کہ آپ کی یہ خواہش پوری ہو جاتی..... خیر آپ دل چھوٹا مت کیجئے، ہمارے بھیا کے لئے لڑکیوں کی کمی تو نہیں۔" بانو بیگم نے کچھ اتنے پیار سے ان کے ملال کو دور کیا کہ وہ بھی بہل گئے مگر نارسائی کی چبھن باقی رہی۔

"آپ درست کہہ رہی ہیں بھابی جان! لڑکیوں کی کمی نہیں ہوتی۔ لڑکی کی کمی رہ جاتی ہے زندگی میں۔ اور یہ کمی کسک بن کر ہمسفر ہو جاتی ہے۔ اجازت دیجئے۔"

شفاعت اللہ اس وقت بہت اداس اور تہی دامنی کا شکار تھے اور اس وقت وہ اپنا غم اپنی تنہائی سے شیئر کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے ذرا سا جھک کر اجازت چاہی تو بانو بیگم نے شانے پر ہاتھ پھیر کر خدا حافظ کہہ دیا۔ وہ چلے گئے تو وہ دیر تک سوچتی رہ گئیں کہ کاش شفاعت میاں کی خواہش پوری کر سکتیں۔

☆☆☆

انیقہ کمرے میں بوریت محسوس کر رہی تھیں اور کچھ موسم کا تقاضہ تھا کہ باہر نکل کر موسم کے رنگوں کو سمیٹا جائے۔ وہ لان میں آ گئیں۔ وسیع لان میں سرخ گلاب ان کی کمزوری تھے۔ وہ سیدھی گلاب کے پودوں کے قریب آن کھڑی ہوئیں۔ ایک گلاب توڑ کر انہوں نے ہونٹوں سے لگا لیا تو زبان سے بے ساختہ نکلا۔ "سبحان اللہ۔" یہ کہتے ہوئے انہوں نے آسمان کی طرف دیکھا، شفاف نیلے آسمان پر کہیں کہیں سفید بادلوں کے ٹکڑے بہت خوبصورت لگ رہے تھے۔ اترتی کرنوں کے ساتھ پرندے بھی اپنے اپنے گھروں کی طرف لوٹ رہے تھے۔ انیقہ نے یہ منظر بارہا دیکھا تھا مگر آج یہ سب اتنا اچھا کیوں لگ رہا تھا۔ وہ آج بہت دنوں بعد خود کو پُرسکون اور کسی انجانی، ان دیکھی سوچ کی قید سے رہائی سی محسوس کر رہی تھیں۔ وہ اس خوشی کی کیفیت سے نکلیں تو نگاہیں شفاعت اللہ کے کمرے پر جا کر ٹھہر

گئیں۔ آپ ہی ان کو جواب مل گیا۔ پچھلے دنوں وہ کتنی پریشان رہی تھیں ان کی
وجہ سے۔ کتنی ندامت کے ساتھ انہوں نے یہ دن گزارے تھے، یہ خدا جانتا تھا یا
تھیں۔ مگر نجانے کیا بات تھی، اتنی اذیت ناک شرارت پر ان کو شفاعت اللہ پر نہ تو
آیا تھا اور نہ ہی نفرت محسوس ہوئی تھی۔ اور جس احساس کا جھونکا شفاعت اللہ کا نام
کی دھڑکنوں کو چھو گیا تھا، اس کو وہ دانستہ طور پر نہ تو محسوس کرنا چاہتی تھیں نہ تسلیم
تھیں۔ اس سے پہلے تو ان کی نظریں خاموشی سے لوٹ آئی تھیں۔ وہ بے خبر سی
گلاب ہونٹوں سے لگائے خیالوں میں گم تھیں کہ اسی وقت قمر میاں گرتے پڑتے
انیقہ کو خود فراموشی کی کیفیت میں دیکھ کر بول اٹھے۔

"واہ، سبحان اللہ، ہمارے لئے تو انتخاب مشکل ہو گیا کہ گلاب کس کو کہیں۔"

"اوہ آپ...... آپ کب آئے؟" انیقہ اندر سے اپنے آپ کو کوسنے لگیں او
آنچل جھٹ سر پر جمانے لگیں۔

"اجی آنے کے بارے میں سوال مت کیجئے، ہم نے بتا دیا تو لوگوں کو ہماری ع
جائے گا۔"

"آپ بھی کمال کرتے ہیں۔" انیقہ کو ان کو یوں بلا آواز چلے آنا قطعی غیر مہذ
ان کی تیوریوں پر بل نمودار ہو گئے تھے مگر بھولے بھالے قمر میاں اس کا سبب کیا جا

"بس آپ کا حسن نظر ہے محترمہ انیقہ صاحبہ، ورنہ ہم اتنے تو با کمال اور حسین ہ
یوں گلاب لئے ہماری منتظر تو نہیں تھیں؟ ہمیں چھینک آئی تو ہم باہر کی طرف لپکے

"نواب قمر صاحب، آپ اگر ہماری ہمشیرہ کے سسرالی نہ ہوتے تو ہم آپ کو آ
کا مطلب سمجھا دیتے۔" انیقہ بمشکل اپنا غصہ ضبط کر کے بولیں تو قمر بھیا کچھ اور ن
نازک ڈال کی طرح لہرا گئے۔

"اجی ہم اتنے بھی کند ذہن نہیں کہ یہ نہ سمجھ پائیں کہ آپ گلاب لئے ہمارا ا
تھیں تو اس کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ جائیے ہم آپ سے نہیں بولتے شریر کہیں کی
قمر میاں نے سرخ گلاب انیقہ کے ہاتھ سے لے لیا تو ان کو شدید تاؤ آ گیا۔
دائیں بائیں نظر دوڑائی کہ کوئی دیکھ تو نہیں رہا۔ پھر گلاب ان کے ہاتھ سے کچھ ا
کہ بڑا سا کانٹا ان کے ہاتھ میں چبھو دیا۔ وہ بلبلا اٹھے۔

"شاید کانٹا چبھ گیا ہے۔" قمر میاں کے چہرے پر اذیت ناک سی مسکراہٹ ابھ

"شاید نہیں، آپ کو یقیناً کانٹا چبھ گیا ہے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ پھولوں



کانٹے بھی ہوتے ہیں۔" انیقہ نے اپنی مسکراہٹ دبا لی۔

"آپ جیسے کانٹے ہم جیسے پھول کا مقدر بن جائیں تو ہمیں اور کیا چاہئے۔" قمر میاں پھر
لہرا گئے۔ عین اسی وقت شفاعت اللہ جو کتنی ہی دیر سے حزن و ملال کی کیفیت میں پڑے
تھے، اٹھ کر کھڑکی کے پاس آ گئے اور پردہ کھسکا کر باہر دیکھنے لگے تو پہلی نظر ہی انیقہ اور قمر
میاں پر پڑی۔ اتنی دور سے بھی ان کو انیقہ کے چہرے پر بیزاری اور قمر میاں کی حرکتیں نظر آ
رہی تھیں۔ وہ اسی وقت بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے باہر آ گئے۔ شفاعت اللہ کو آتے دیکھ
کر انیقہ نے جھٹ آنچل سنبھالنا شروع کر دیا۔ انہوں نے ایک نگاہ انیقہ پر ڈالی۔ پربل لباس
میں وہ ان کے دل میں اتری جا رہی تھیں۔ مگر وہ کسی کی امانت ہیں، یہ خیال ہی بستی ویران
کرتا چلا گیا۔ وہ قمر میاں کی طرف بڑھے۔

"ارے قمر میاں، آپ یہاں ہیں اور......" شفاعت اللہ کا یہ کہنا تھا کہ قمر میاں پھدک کر
جو پیچھے ہٹے تو گلاب کے پودوں پر جا گرے اور پھر جو کانٹوں نے چھیڑ چھاڑ شروع کی تو
کوئی کمر میں اتر گیا، کسی نے بازو میں گدگدی کی تو کوئی دماغ کے اندر جھانک کر دیکھنا چاہ
رہا تھا کہ دماغ ہے کہ نہیں۔ وہ ہائے وائے کرنے لگے تو شفاعت اللہ نے ان کا ہاتھ پکڑتے
ہوئے چپکے سے انیقہ کو دیکھا۔ دھیمی سی مسکراہٹ کی کرنیں دھنک شام کو روشن کر گئیں۔

"ہم یہاں ہرگز نہیں ہیں۔ ہم آپ کی ریشہ دوانیوں کو بھی جانتے ہیں، ذرا جو ہم اُلفت
کی راہ پر نکلتے ہیں تو آپ ہماری راہ کا روڑا بن کر پاؤں تلے آ جاتے ہیں اور ہم منہ کے بل
گر پڑتے ہیں۔" قمر میاں کو اس وقت شفاعت اللہ رقیب روسیاہ کے روپ میں نظر آئے۔

"لائیے ہاتھ دیجئے قمر میاں اور خدا کا شکر ادا کیجئے کہ آپ منہ کے بل نہیں گرے
ورنہ......"

"ہرگز نہیں، ہم آپ کو ہاتھ ہرگز نہیں دیں گے۔ اے حسین خاتون! آپ ہمارا ہاتھ تھام
لیجئے۔" قمر میاں نے انیقہ کی طرف ہاتھ بڑھایا تو وہ جھجک کر پیچھے ہٹ گئیں۔ شفاعت اللہ کو
غصہ آ گیا۔ ان کے پیش نظر یہ خیال تھا کہ انیقہ اس گھر کی مہمان تھیں اور ان کے ساتھ ہی
ایسے واقعات ہو رہے تھے کہ پہلے انہوں نے ازراہ مذاق ہی سہی ان کو تنگ کیا اور اب قمر
میاں ایسی حرکتیں کر رہے تھے۔

"قمر میاں! ہاتھ دیتے ہیں یا ہم ہاتھ جمائیں۔" پھر انہوں نے قمر میاں کو زبردستی کھینچا۔

"جائیے، نورینہ آپ کو تلاش کر رہی ہیں۔"

"کیوں، کیوں...... وہ ہمیں کس خوشی میں تلاش کر رہی ہیں؟ ہم نے ان کے کون سے

کبوتر اڑائے ہیں؟''

''وہ خوشی میں نہیں، غصے میں آپ کو تلاش کر رہی ہیں۔ عبدل بتا رہا تھا کہ آپ کے منگوائے ہوئے میٹھے پان کھا لئے ہیں۔'' یہ خبر پرانی تھی اور رات ہی عبدل نے ان تھی مگر قمر میاں خوفزدہ ہو گئے۔ وہ شفاعت اللہ کی اوٹ میں چھپ گئے۔

''یہ خبر نورینہ تک کس نے پہنچائی؟'' انہوں نے خوفزدہ سے لہجے میں پوچھا۔

''بھئی مرحوم پان تو یہ شکایت کرنے سے رہے، اس کے لواحقین نے ہی بتایا نورینہ تو اس قدر جلال میں ہیں کہ کہہ رہی تھیں قمر میاں کے دانت اکھاڑ کر مرحوم پان کریں گی۔ کہہ رہی ہیں ڈرپوک چوہا کہاں چھپ گیا۔''

''ارے واہ خواہ مخواہ میں...... اندھیر نگری ہے کیا؟ ہم کوئی ان سے ڈرتے ہیں۔ کر پوچھتے ہیں کہ چوہے سے ہماری شباہت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہمیں چوہا ک جائے۔ آخر خود کو وہ جنگلی بلی کیوں نہیں سمجھتی ہیں۔''

قمر میاں کی غیرت پر ذرا سا کنکر اچھالنے کی دیر ہوتی تھی وہ طیش میں آ جاتے تھے وقت وہ غصے میں آگے بڑھ گئے تو وہ ایقہ کی طرف متوجہ ہو گئے جو گرا ہوا پھول اٹھا لئے جھکیں تو شفاعت اللہ نے جھٹ خود اٹھا کر ان کی طرف بڑھا دیا۔

''شکریہ!'' ایقہ نے آہستگی سے کہا۔

''ہم آپ سے نادم ہیں ایقہ، آپ بھی کیا خیال کریں گی کہ کیسے میزبان ہیں کوئی شرارت میں جان لینے کی حد کو چھو لیتا ہے تو کبھی قمر میاں کی صورت میں وقت ہے۔'' شفاعت اللہ کی نظریں ان کے چہرے پر گری پلکوں کے سائے کو دیکھ رہی تھیں پر عکس کی طرح لرز رہا تھا۔

''آپ بلاوجہ سنجیدہ ہو رہے ہیں۔ قمر میاں تو بہت معصوم انسان ہیں، ان سے شکوہ نہیں۔''

''اور ہم سے؟'' شفاعت اللہ کو یہ وہم دامن گیر تھا کہ شاید ایقہ نے ان کو مع کیا۔ ایقہ نے ان کے سوال پر گھنیری پلکوں کو اٹھایا اور اس وجیہہ سے شخص کو دیکھا کر سینے میں دل کی موجودگی کا احساس ہوا تھا مگر وہ تو نواب احتشام کی منگیتر تھیں، حقیقت بھلا کیسے بھلا دیتیں۔ اب وہ اتنی کمزور بھی نہیں تھیں کہ اپنے کسی احساس سے ہتھیار ڈال دیتیں۔

''کہتے ہیں کسی کی خطا اور معافی کے بعد اس کو دہرانا کم ظرفی ہے اور خلاف اخلا



مگر ہم جانتے ہیں کہ آپ کی شرارت نے ہماری جان لینے کی پوری کوشش کی۔ مگر آپ نے معذرت کر لی تو بات ختم ہو گئی۔ اب ہمیں آپ سے کوئی شکوہ نہیں، آپ اپنے دل پر بوجھ مت رکھیے۔'' ایقہ نے مناسب الفاظ میں ان کی تسلی کرنے کی کوشش کی۔

''شکریہ ایقہ! اب ہمارے دل پر کوئی بوجھ نہیں سوائے ایک ٹیس کے۔ ایک کسک جو عمر بھر ساتھ رہے گی۔'' شفاعت اللہ کا لہجہ گمبھیر ہو گیا تو ایقہ نے ایک نظر ان پر ڈالی۔

''جی، ہم کچھ سمجھے نہیں۔''

''سمجھ تو ہم بھی کچھ نہیں پائے کہ ہماری زندگی کے موڑ ہمارے ساتھ یہ کیسا کھیل کھیل گئے ہیں کہ اب نیا راستہ تلاش کرنے کے لئے ہمیں ایک عمر چاہئے۔ خیر یہ درد جو ہمیں ملا ہے جانے کیوں دینے والے سے زیادہ عزیز ہو گیا ہے۔ ہمیں تو آج ہی معلوم ہوا ہے کہ آپ اپنے چچا زاد نواب احتشام سے منسوب ہیں۔''

ایقہ نے اپنے بائیں ہاتھ میں ہیرے کی انگوٹھی کو دیکھا جو ان کو کبھی بھی اس احساس سے باہر نہیں آنے دیتی تھی کہ وہ احتشام کی منگیتر ہیں۔ شفاعت اللہ نے بڑی حسرت سے ان کی انگوٹھی کو دیکھا اور احتشام کی قسمت پر رشک آ گیا۔

''چلئے، آپ کو بہت مبارک ہو۔ اور خدا کرے کہ آپ احتشام کی ہمراہی میں زندگی کی تمام خوشیاں سمیٹیں۔ ایقہ، ہم آپ سے کچھ کہنا چاہتے ہیں، امید ہے آپ مائنڈ نہیں کریں گی۔ اجازت ہو تو کہہ دیں؟''

ان کی بات پر ایقہ کا دل زور سے دھڑکا، ان کو کچھ کچھ اندازہ تھا کہ وہ کیا کہنے جا رہے ہیں۔

''جی کہیے، مائنڈ کرنے والی کیا بات ہے۔ ہم پڑھے لکھے ہیں، بار بار آپ بھی شرارت کو نہیں دہرائیں گے اور نہ ہی اب ہم بے خبری میں فول بنیں گے، آپ کو جو کہنا ہے کہیے۔'' ایقہ نے آہستگی سے ان کو اجازت دے دی تو وہ کچھ دیر خلا میں گھورتے رہے پھر ان کو دیکھنے لگے۔

''دیکھئے ایقہ، ہم کوئی دروغ گوئی کرنا نہیں چاہتے، آپ کی فراخ دلی سے توقع رکھتے ہیں کہ اگر آپ کو ہماری بات ناگوار بھی گزرے تو آپ درگزر سے کام لیں گی۔ بات یہ ہے ایقہ کہ آپ ہمیں پہلی نظر میں پسند آ گئی تھیں اور دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر ہم نے وہ بچکانہ سی شرارت کر ڈالی تھی۔ ایقہ! ایک سے ایک حسین چہرہ نگاہوں سے ٹکرایا مگر ہم نے اپنی شریک حیات کے لئے جو ایک آئیڈیل بنا رکھا تھا اس پر صرف آپ پوری اتریں۔ آپ ہمارا آئیڈیل

ہیں ایقہ! ہم نے آپ کو دل کی تمام گہرائی کے ساتھ چاہا اور اپنانے کی خواہش کر
مگر بعد میں پتہ چلا کہ ہمارے مقدر کا ستارہ تو کسی اور کے آسمان پر روشن ہے تو
دیکھتے ہوئے سنسان راہوں پر چل پڑے ہیں۔" الفاظ قطرہ قطرہ ایقہ کے دل
رہے، دل کی زمین تر ہوگئی تو نمی آنکھوں کے گوشے بھگونے لگی۔

"ایقہ! آپ..... آپ کچھ تو کہیے۔ کوئی ایسا لفظ، جملہ جو ہماری تاریک راہ
کر جائے۔" یہ بات صرف وہ سوچ کر رہ گئے اور ایسی کمزور سوچ کو وہ لفظوں
دے سکے۔

"ایقہ! آپ ہمارے برملا اظہار سے خفا تو نہیں ہوئیں؟" شفاعت اللہ
سوچتی آنکھوں میں جھانکا۔

"نہیں شفاعت اللہ صاحب، میں تو یہ سوچ رہی ہوں، آپ جیسے لوگ خوش ق
ہیں جو کچھ کہہ تو سکتے ہیں لیکن کچھ لوگ اپنی خواہشوں، خوابوں کو خاموشی کی قبر مے
ہیں۔" ایقہ کی آواز گہرے ہوتے سایوں کے ساتھ گہری ہوتی چلی گئی اور اس گہر
ان کے چہرے پر اترنے والی رات کا بھرم رکھ لیا۔ شفاعت اللہ جو کچھ اور ہی سننا
ایک ٹھنڈا سانس لے کر رہ گئے۔

"او کے ایقہ، خوش رہیے۔ صبح میں بہت جلدی نکل جاؤں گا، اس وقت ت
احتشام صاحب کے خواب دیکھ رہی ہوں گی۔ پھر تو شاید ہی آپ سے ملاقات ہ
ایقہ! جب آپ احتشام صاحب کی دُلہن بنیے گا تو ایک بار پھر ضرور سوچیے گا کہ
کو بڑی تمنا سے چاہا تھا۔ خدا حافظ۔"

شفاعت اللہ شاید خود پر کنٹرول نہیں کر پائے تھے، مُردہ مگر تیز قدم اٹھاتے و
گئے تو ایقہ کے اندر شام کے سائے گہرے ہوتے چلے گئے۔

"کاش شفاعت اللہ، ہم آپ کو بتا سکتے کہ احتشام سے ہمارا تعلق کبھی بھی ہما
کو منتشر نہیں کر سکا بلکہ ناگوار احساس کی طرح ہمیں اداس کر گیا ان کے ساتھ ز
کا خیال۔ مگر آپ..... آپ کاش ہم آپ کو بتا سکتے کہ جذبوں کے اس سفر میں
ہیں، ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ کاش!" بستر پر گری ایقہ جانے کب تک روتی رہیں

☆☆☆

شفاعت اللہ کے چلے جانے سے ماحول میں ایک عجیب طرح کی افسردگی س
ان کی کمی کو سب گھر والوں نے محسوس کیا تھا۔ ایقہ دل کی اس ویرانی کا سبب



فاعت اللہ کا وجیہہ چہرہ نگاہوں میں آ کر ٹھہر گیا۔ وہ کروٹ بدل کر رہ گئیں۔

"یا اللہ، یہ ہمیں کیا ہو رہا ہے؟ ہماری دھڑکنیں، ہماری سوچیں کن انجانی راہوں پر چل
ی ہیں جن کی کوئی منزل نہیں۔ اور جو ہماری منزل ہے، اس کی کوئی راہ ہمارے دل کی دہلیز
نہیں آتی۔ کیوں ہوا یہ سب، ہم نے تو احتشام کو اپنا مقدر جان لیا تھا۔ پھر یہ کس موڑ پر
اعت اللہ ٹکرا گئے، ہمارے آئیڈیل کے روپ میں۔ یہ سپاہی ہمارے سکونِ قلب کی
حدوں تک کیوں آ گیا کہ ہم سب کچھ ہار گئے۔" ایقہ اب یہاں نہیں رہنا چاہتی تھیں، اس
انہوں نے جانے کا مطالبہ کر دیا۔

"جی بس چلیے ناں ابا جی۔" وہ بچوں کی طرح بسوریں تو نواب حشمت مسکرا کر ان کی
ف دیکھنے لگے۔

"بس پر نہیں بیٹی، میرا خیال ہے بس پر اتنا طویل سفر مناسب نہیں رہے گا۔"

"ابا جان، ہم مذاق نہیں کر رہے ہیں۔ اب ہمیں چلنا چاہیے۔ آپ خود ہی تو کہتے تھے
بیٹیوں کے گھر زیادہ دن نہیں ٹھہرنا چاہیے۔" ایقہ زچ سی ہو کر بیٹھ گئیں۔

"ایقہ بیٹی، ہم اپنی بات سے پھرے تو نہیں، ہم کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ ہم تو اپنی بیٹی
گھر ہر وقت حرکت میں رہتے ہیں، چلتے پھرتے رہتے ہیں تمام وقت۔" نواب حشمت
ب عادت مسکرائے۔

"ابا جان، آپ ایقہ کا مطلب نہیں سمجھے، یہ اب واپس جانا چاہتی ہیں۔ ان کو اپنی آپی کا
ر پسند نہیں آیا۔" بانو بیگم بھی آ کر بیٹھ گئیں تو ایقہ نے فرطِ محبت سے ان کے ہاتھ لبوں
لگا لیے۔

"ایسا مت کہیے آپی جان! آپ کا گھر اور اس گھر کے مکین تو ہمیں اس قدر پسند آئے
یں کہ..... کہ واپسی عذاب ہو رہی ہے اور آپ کہہ رہی ہیں۔" ایقہ کے چہرے پر دھندلی سی
شام اتر آئی تو بانو بیگم ان کو دیکھ کر رہ گئیں۔

"ایقہ کاش..... کاش، آپ احتشام سے منسوب نہ ہوتیں تو.....!" بانو بیگم کو نواب
تشام شروع ہی سے پسند نہیں تھے۔ وہ عمر میں ان کے برابر تھے مگر لاابالی، کھلنڈرے اور
ذمہ دار۔ غرض کہ ان کو بجا طور پر بگڑا ہوا نواب کہا جا سکتا تھا۔ جب ایقہ پیدا ہوئی تو چچا
ان نے جھٹ ان کو احتشام کے نام کی انگوٹھی پہنا دی تو روایتی ادب احترام اور مروت نے
ب کے منہ بند ہی رکھے۔ قدرے پستہ قد، فربہ جسامت پر بدمزاجی بھی تھی، جبکہ ایقہ
ماندان بھر میں سب سے حسین اور اعلیٰ تعلیم یافتہ تھیں۔ جب وہ ان کا مقدر بنا دی گئیں تو بانو

بیگم اور ان کی والدہ تڑپ تڑپ کر رو دیں جن کو بچپن ہی سے بتا دیا گیا تھا کہ ا کے جیون ساتھی ہیں تو انہوں نے صبر کی سل رکھ لی تھی اپنی خواہشوں پر، خواب اور احتشام کے بارے میں سوچتی بھی نہیں تھیں۔

ان کو بس یہ معلوم تھا، آخر کار ان کو اسی قید خانے میں بند ہونا ہے۔ تب ہی تو پرواز کی کبھی خواہش کی اور نہ کوشش۔ بس اپنی سوچ پر پہرے بٹھا رکھے تھے۔ مگر ا تھی کہ انہوں نے نہ چاہتے ہوئے بھی جو ایک خواب دیکھا تھا، اپنی خواہشوں میں پیکر تراشا تھا، وہ ان کو یہاں آ کر شفاعت اللہ کے روپ میں نظر آ گیا تو ان کا اٹھا اور بغاوت پر آمادہ ہونے لگا۔ مگر وہ اتنی طاقتور نہیں تھیں کہ اپنے دل کی والدین کی عزت کو داؤ پر لگا دیتیں۔ انہوں نے اپنی سوچوں پر ضبط کے پہرے تھے۔ قیامت تو اس وقت آ کر گزر گئی جب شفاعت اللہ بھی اس راستے پر ہم سفر تڑپ اٹھی تھیں، اب وہ ایک پل بھی یہاں رکنا نہیں چاہتی تھیں۔ ان کو فوج سے اس لئے پسند ہوا کرتے تھے کہ یہ لوگ کتنے عظیم ہوتے ہیں، سر پر کفن باندھے ما جان نثار کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔ مگر کوئی فوجی ان کے دل کی کر لے گا، یہ انہوں نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ نواب حشمت بھی اب روانگی کے گئے تھے۔

''بھائی صاحب، یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ ہم نورینہ بیٹی اور قمر میاں کی رسم ہیں اور آپ جا رہے ہیں، کچھ دن تو رک جائیے۔'' زینت بیگم نے پان بنا کر نوا دیا تو وہ آداب کرتے ہوئے بیٹھ گئے۔

''بھئی ہمشیرہ، بات یہ ہے کہ ہم ضرورت سے زیادہ یہاں رہ گئے ہیں حالانکہ گھر اتنا رکنا مناسب نہیں ہوتا۔ مگر چونکہ نواب امیر اللہ ہمارے عزیز دوست بھی ہم ان کے مہمان رہے۔ مگر اب ہم چلنا اس لئے چاہتے ہیں کہ انیقہ بیٹی کے پیغامات آ رہے ہیں شادی کے۔ گو کہ وہ ہمارے سگے بھائی ہیں مگر مزاج ذرا تلخ ہیں آپ۔ اس لئے ہم ان کو بات بنانے کا موقع فراہم کرنا نہیں چاہتے۔'' خود تو بھی دل سے خوش نہیں تھے اس رشتے پر مگر مجبوراً قید گوارا کر لی تھی۔

''برا مت مانئے گا بھائی صاحب، انیقہ بیٹی کے ساتھ آپ نے کچھ انصاف نہ وہ ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ، خوبصورت، سلیقہ مند بچی اور کہاں آپ نے احتشام کے جیون ڈور باندھ دی، بہت زیادتی کی ہے آپ نے بیٹی کے ساتھ بھی اور ہمارے۔



ہم اپنے شفاعت اللہ کے لئے انیقہ کا انتخاب کر چکے تھے مگر بہو بیگم نے اطلاع دی کہ انیقہ بچپن سے منسوب ہیں تو ہم مہر بہ لب ہو گئے، کیا کرتے۔''

بیگم نواب کو بھی اپنی بھڑاس نکالنے کا موقع مل گیا تو نواب حشمت دل مسوس کر رہ گئے۔ شفاعت اللہ ان کو بھی بے حد پسند آئے تھے مگر وہ بالکل بے بس تھے۔

''اگر ایسا ہو جاتا بھائی جان تو ہم خود کو دنیا کا خوش نصیب ترین باپ تصور کرتے۔ کیونکہ الحمد للہ ہماری بڑی بیٹی بھی اس گھر میں مہارانی بن کر راج کر رہی ہے، دوسری بھی اسی گھر کا چراغ بنتی تو ہم سا خوش نصیب کون ہوتا۔ مگر کیا کیجئے کہ لکھا ہوا کوئی مٹا نہیں سکتا۔ لہٰذا اب ہمیں رخصت دیجئے، کیونکہ انیقہ کے سسرال والے شادی کے لئے دباؤ ڈال رہے ہیں، خاندان کا معاملہ ہے، کوئی فضیحتہ کھڑا ہونے سے پہلے ہم چلے جانا چاہتے ہیں۔''

چنانچہ اگلے روز نواب حشمت اور انیقہ روانہ ہو گئے۔ گھر میں عجیب طرح کی بے رونقی نے ڈیرا جما لیا۔ ہر کوئی اداس اور ملول نظر آ رہا تھا، خاص کر قمر میاں تو بے حد افسردہ بیٹھے تھے۔ ان کا تو کسی کام میں دل نہیں لگ رہا تھا، خود ہی افسردہ شعر پڑھ پڑھ کر خود کو سنا رہے تھے اور خود کو داد بھی دے رہے تھے۔ اس وقت بھی وہ قالین پر گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے افسردہ سے بیٹھے شعر پڑھ رہے تھے، وہ بھی دوسروں کے۔

''آہ ملکہ حسن انیقہ جہاں صاحبہ، آپ کی فرقت تو ہم پر اشعار کی بارش کی صورت میں اتر رہی ہے۔ کیا شعر کہا ہے ہم نے کہ ان کے آ جانے سے جو آ جاتی ہے چہرے پہ رونق وہ سمجھتے ہیں کہ قمر کا احوال اچھا ہے...... واہ...... کیا طرح لگائی ہے میاں قمر واہ، خیال کی گہرائی تو ختم ہے آپ پر...... واہ...... واہ......''

وہ اپنی تعریف کرتے مرے جا رہے تھے۔ آداب...... آداب کرتے جو جھکے تو ناک قالین سے جا ٹکرائی، اس وقت عبدل آ گیا۔ اس نے ان کا شعر سن لیا تھا، چائے ان کے سامنے رکھ کر آداب...... آداب کرنے لگا۔

''مقرر...... مقرر ارشاد قمر بھیا مقرر ارشاد۔ اتنی بار ارشاد کیجئے کہ اصل مالک سن لے اور آپ کا سرمہ بنا دے۔''

''اچھا عبدل میاں، تم کو ہمارا شعر اس قدر پسند آیا ہے۔ خیر تمہاری تو اوقات ہی کیا ہے، بڑے بڑے شعراء ہمیں استاد مانتے ہیں۔'' قمر میاں اپنی معصومیت پر اترائے۔

''جی، جی...... مانتے ہوں گے استاد پاگل پن میں۔ میرا مطلب مقرر ارشاد'' عبدل کم عمر تھا مگر بڑا ذہین اور حاضر جواب قسم کا لڑکا تھا۔ قمر میاں نے معصومیت میں پھر وہی شعر

ارشاد کیا۔

''قمر بھیا! شعر میں تھوڑی سی تبدیلی کر لیتے ہیں، شعر یوں پڑھتے ہیں، ان کے جانے سے جو چھا گئی ہے چہرے پر نحوست، وہ سمجھتے ہیں کہ قمر چوہے کا سر ابھی کچا ہے
واہ...... واہ...... واہ آداب...... آداب۔''

عبدل خود بھی واہ واہ کرنے لگا تو قمر میاں پھر شروع ہو گئے۔

''ویسے عبدل میاں، یہ قمر چوہا صاحب کون ہیں؟'' قمر میاں انتہائی سادگی سے رہے تھے۔ عبدل ہنسی دبا کر رہ گیا۔

''ہیں، آپ کو نہیں پتا یہ قمر چوہا صاحب کون ہیں؟''

''قطعی نہیں جانتے۔ ملوا دو تو بڑی بات ہو گی۔''

''اچھا آپ یہیں تشریف رکھیے گا، میں ابھی آئینہ لے کر آتا ہوں۔'' عبدل مسکر بھاگ گیا اور سامنے سے آتی نورینہ سے ٹکراتے ٹکراتے بچا۔

''عبدل! تمہارے ساتھ کیا مسئلہ ہے، تمہاری ٹانگیں کہاں ہیں جو یوں سرپٹ بھا رہے ہو؟''

''جی...... جی نورینہ بی بی وہ قمر چوہا...... میرا مطلب ہے قمر بھیا چوہا۔'' وہ بات ا چھوڑ کر بھاگ گیا۔

''قمر میاں چوہا، ہاں ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہے۔ قمر بھیا کافی حد تک چوہا ہی ہیں۔ چو۔ بلی آئی، چوہے دوڑ بلی آئی۔'' وہ بچیوں کی طرح اُچھلتی ہوئی قمر میاں کے قریب آ گئیں خوفزدہ ہو کر صوفے کے پیچھے چھپنے لگے۔ نورینہ نے انہیں ایک ہاتھ سے اٹھا کر کھڑا کر

''آپ ہمارے دوپٹے کتر کر صوفے کے پیچھے نہیں چھپ سکتے۔ یہ بات تو ہمیں عبدل نے بتائی ہے کہ آپ میں کچھ خصوصیات چوہوں کی آ گئی ہیں۔'' نورینہ غصے کی تھیں، بات بعد میں کرتیں اور ہاتھ پہلے چلاتی تھیں۔ اس وقت بھی وہ گاہے بگاہے ق کے سر پر چپت لگاتی جا رہی تھیں۔

''آپ ہم پر بے بنیاد الزام لگا رہی ہیں۔ ہمیں اللہ تعالیٰ نے انسان بنایا ہے خ ہمیں فاختہ کہا تو۔''

''ہم جسامت کے موٹے ہیں، عقل کے موٹے نہیں کہ کوے کو فاختہ کہیں گے۔ آپ نے ہمارے دوپٹے کیوں کترے، کیوں کترے؟'' قمر میاں کے سر پر ابھی چپت سلسلہ جاری تھا کہ عبدل بھاگا بھاگا آ گیا۔



''قمر بھیا، قمر بھیا، آپ دونوں کے لئے ایک خبر ہے۔ سناؤں؟'' وہ اکھڑی سانسوں کے دوران بولا۔

''خبر اگر تمہاری شکل کی طرح بری ہے تو مت سناؤ۔'' قمر میاں آتی چپت کو دیکھ کر نیچے ہو گئے تو نورینہ کی چپت عبدل کے منہ پر جا لگی۔ وہ غصے میں آ گیا مگر وہ غصہ ایسے تھوڑی نکال سکتا تھا۔

''ارے نہیں قمر بھیا، خبر میری شکل کی طرح بری ہرگز بھی نہیں، آپ کی شکل کی طرح منحوس اور نورینہ بی بی کی طرح بہت زیادہ صحت مند ہے۔ سناؤں؟'' عبدل کو اپنا ادھار چکانا آتا تھا۔

''ہاں، ہاں...... سناؤ۔'' دونوں متوجہ ہو گئے تو عبدل دونوں کو دیکھنے لگا۔ نورینہ قد و قامت اور صحت میں قمر میاں سے بہت زیادہ تھیں اور ان کے برابر کھڑے قمر میاں دونوں جوان لگ رہے تھے۔

''خدا کی شان ہے، ہم کیا کر سکتے ہیں۔ آپ دونوں کے لئے خوشخبری ہے کہ آج رات آپ دونوں زندگی کی گاڑی کے پہیے بنا دیئے جائیں گے۔ یعنی کہ آج رات آپ دونوں کا نکاح ہو رہا ہے۔''

''ہائے اللہ۔'' نورینہ نے جھٹ شرما کر سر ڈھانپ لیا۔

''نہیں...... ایسا نہیں ہو سکتا۔'' قمر میاں وہیں بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

⁂☆⁂

زینت بیگم اور زینب بیگم نورینہ اور قمر میاں کے نکاح کے بعد واپس جا چکی تھیں۔ گھر کی ویرانی میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ اسی دوران انیقہ اور احتشام کی شادی کا کارڈ بھی آ گیا اور بانو بیگم کو جلدی آنے کی تاکید بھی کر دی گئی۔ وہ زادِ سفر باندھ رہی تھیں کہ شفاعت اللہ کسی کام سے آ گئے۔ ان کی پہلی نظر انیقہ کے کارڈ پر پڑی۔ ایک قیامت تھی جو دلِ حزیں پر گزر گئی۔ وہ کسی کی امانت ہے، یہ تو معلوم تھا ہی مگر پھر بھی آج ان کی شادی کا کارڈ دیکھ کر وہ بے قرار ہو گئے۔ وہ کتنی دیر ٹہلتے رہے پھر باہر آ گئے۔

''ارے شفاعت میاں! آپ جاگ رہے ہیں، میں نے اس خیال سے کہ آپ سو رہے ہیں، چائے پر بلوایا ہی نہیں۔ یوں بھی ہمیں آپ سے کام تھا۔'' بانو بیگم جو اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھیں، ان کو دیکھ کر ان کی طرف آ گئیں۔

''جی بس ذرا طبیعت بوجھل سی تھی، نیند ہی نہیں آئی۔ آپ کہیے آپ کو ہم سے کیا کام

تھا؟'' شفاعت اللہ کرسی نکال کر بیٹھ گئے تو بانو بیگم ان کو بغور دیکھنے لگیں۔ وہ پہلے سے کمزور اور افسردہ نظر آ رہے تھے، چہرے پر عجیب طرح کی ویرانی تھی جو دل کے سناٹوں کا پتہ دے رہی تھی۔

''کام کو چھوڑیئے شفاعت میاں، یہ بتایئے آپ کو کیا ہو گیا ہے، نہ پہلے سی صحت نہ شرارت، نہ مسکراہٹ میں نکھار اور نہ ہی ہنسی میں شوخی۔'' بانو بیگم شفقت سے ان کے قریب آ گئیں تو انہوں نے تھک کر صوفے سے ٹیک لگا لی۔ بانو کچھ کچھ تو سمجھ رہی تھیں کہ انہوں نے انیقہ کی شادی کا کارڈ تو نہیں دیکھ لیا۔

''ایک طوفان آیا تھا بھابی جان! سب کچھ اسی کے ساتھ رخصت ہو گیا۔'' ایک گہرا سانس لے کر وہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

''شفاعت میاں، بخدا ہمیں بے حد دکھ ہے کہ آپ نے زندگی میں ہم سے کچھ مانگا تو وہ جو ہم نہیں دے سکتے تھے۔ لیکن اتنا ضرور اقرار کرتے ہیں کہ کاش ایسا ہو جاتا جیسا آپ نے چاہا تھا۔''

''ارے بھابی جان، آپ افسردہ کیوں ہوتی ہیں۔ ہم نے طلب ہی اتنی انمول چیز کی کہ جس کے ہم لائق نہیں تھے۔ آپ ہمیں یہ بتایئے نواب احتشام ہیں کیسے؟ انیقہ کو پسند ہیں ناں؟'' شفاعت اللہ کے لہجے میں عجیب طرح کی حسرت تھی، کوئی انمول چیز کھو دینے کا احساس تھا۔ بانو بیگم ان کو دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھیں کہ ان کو کیا جواب دیں کہ احتشام کیسے ہیں اور انیقہ کی ان کے بارے میں کیا رائے ہے۔

''ہم کچھ نہیں کہہ سکتے شفاعت میاں۔ لیکن ہم صرف یہ جانتے ہیں کہ کاش ہماری انیقہ کی قسمت احتشام کے ساتھ نہ لکھی ہوتی یا انیقہ ان کو نفرت کی حد تک ناپسند نہ کر رہی ہوتی۔ ہماری مظلوم بہن صرف والدین کی عزت کی وجہ سے یہ ناپسندیدہ ڈھول گلے میں ڈال رہی ہے اور نہ چاہتے ہوئے ان کو یہ ڈھول بجانا پڑے گا۔''

انیقہ کے بارے میں بتاتے ہوئے بانو بیگم رو پڑیں تو شفاعت اللہ بے قرار ہو گئے۔

''کیوں، کیا مطلب ہے بھابی جان...... احتشام انیقہ کو پسند نہیں تو پھر...... پھر تو یہ زیادتی ہے انیقہ کے ساتھ کہ ان کو ناپسندیدہ شخص کے ساتھ زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا جائے، ان کی کوئی پسند تو ہو گی۔'' شفاعت اللہ نجانے کیا کہنا اور کیا پوچھنا چاہ رہے تھے۔ ان کی بات پر بانو بیگم نے حسرت سے ان کو دیکھا۔

''ہماری بہن بہت صابر ہیں شفاعت میاں، وہ اپنا درد تک سب سے چھپایا کرتی ہیں



وہ درد کہاں کسی سے کہیں گی۔ وہ گہرے سمندر کی طرح گہری ہیں، ان کے راز صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ آپ بتایئے، شادی پر چلیئے گا؟''

''کیوں نمک پاشی کرتی ہیں زخموں پر بھابی جان! ہم بہت کم ظرف ہیں، ہم میں اتنا حوصلہ نہیں کہ اپنی محبت کو کسی اور کے حوالے ہوتے ہوئے دیکھیں۔ ہم تو مثل مجنوں سکون کے لئے سرگرداں پھرا کرتے ہیں مگر قرار تو کمان سے نکلا ہوا تیر ہے۔'' شفاعت اللہ تو اب تک اپنی قسمت کی خرابی پر روتے رہتے تھے مگر انیقہ کے ساتھ تو اور ہی کھیل ہو رہا تھا۔ جس کو وہ ناپسند کرتی تھیں، اسی کے ساتھ ان کو زندگی گزارنی تھی، اس سے زیادہ اذیت ناک کیا ہو سکتی تھی۔ وہ اکثر زندگی میں آنے والے اس موڑ کے بارے میں سوچتے رہ جاتے جہاں انہوں نے سب کچھ گنوایا تھا۔

*☆*

انیقہ کی شادی ہو گئی تھی۔ نواب احتشام کے نزدیک ان کی حیثیت شطرنج کی جیتی ہوئی بازی سے زیادہ نہیں تھی، وہ اپنے سابق مشاغل میں اسی طرح مصروف تھے جیسے کہ شادی سے پہلے۔ جب کہ انیقہ اپنے والدین کی عزت کی خاطر سب کچھ برداشت کر رہی تھیں۔ دوسری طرف شفاعت اللہ ان کی یاد میں زندگی گزار دینا چاہتے تھے مگر منزہ جو کہ ان کے سی او کی بیٹی تھیں، ان کی زندگی میں خود ہی چلی آئیں بغیر اجازت کے۔ وہ منع ہی کرتے رہ گئے مگر کم عمر منزہ شفاعت اللہ کی شخصیت سے بہت متاثر ہو گئیں۔

''منزہ! ہم آپ کو بتا چکے ہیں ہماری زندگی میں اب کسی کی گنجائش نہیں ہے، آپ اپنا وقت برباد کر رہی ہیں۔'' وہ اپنے کمرے میں لیٹے تھے کہ بٹ مین نے فون کی اطلاع دی تو وہ سمجھ گئے کہ یہ منزہ ہی ہو سکتی ہیں۔ وہ حسب سابق ترش لہجے میں بولے تو وہ اپنے مخصوص انداز میں ہنس پڑی۔

''گنجائش ہوتی کہاں ہے میجر صاحب، گنجائش تو نکالی جاتی ہے۔ آپ کا دل ٹوٹا ہوا ہے۔''

''لیکن شاید آپ کو یہ معلوم نہیں کہ ٹوٹے آئینے میں چہرہ دیکھا جائے تو انتہائی بدنما اور بدصورت دکھائی دیتا ہے۔ آپ ماشاء اللہ خوبصورت ہیں، کسی شفاف آئینے میں دیکھئے جس میں آپ کا چہرہ مکمل اور خوبصورت ہی نظر آئے۔'' شفاعت اللہ نہیں چاہتے تھے کہ ایک لڑکی ان کی وجہ سے تباہ ہو اور وہ اس کو کچھ نہ دے سکیں۔

''کچھ لوگ ذرا مختلف ہوتے ہیں میجر صاحب، آپ کو الٹے سیدھے تجربات کرنے کا شوق ہوتا ہے۔ میں بھی ایسی ہی ہوں۔'' وہ لاابالی انداز میں ہنستے ہوئے بولی تو شفاعت اللہ

چڑ گئے۔

''ہو گا آپ کو تجربے کرنے کا شوق مس۔ مگر میں لیباٹریز بننا نہیں چاہتا۔ خا
شفاعت اللہ غصے میں ریسیور رکھ کر پھر کمرے میں آ گئے۔ وہ آ کر لیٹے ہی تھے کہ
پھر آن دھمکا۔

''اب کیا ہے؟'' انہوں نے غصے سے اسے گھورا تو بے چارا غریب آدمی ڈر گیا۔

''وہ صاحب، سی او صاحب کا فون آیا ہے۔ کہہ رہے ہیں ضروری بات ہے۔''
ڈرتے ڈرتے کہا۔

''او کے، تم جاؤ ہم آتے ہیں۔'' اسے بھیج کر وہ کھڑے ہو گئے اور ان باپ
بارے میں سوچتے ہوئے کوریڈور میں جہاں آفیسرز کے لئے فون رکھا ہوا تھا آ گئے۔

''السلام علیکم سر۔'' وہ قریب رکھی کرسی پر بیٹھ کر بولے۔

''وعلیکم السلام، کیسے ہو شفاعت میاں؟'' کرنل انوار نے محبت سے پوچھا۔

''جی الحمد للہ ٹھیک ہوں، بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ کیسے ہیں سر؟'' مروتاً ان کو بھ
معلوم کرنا پڑی۔

''اچھا، لیکن ہمیں تو اطلاع ملی ہے کہ تمہارا دماغ خراب ہے۔ ارے میاں، خفا
ہماری بیٹی کی رائے ہے یہ۔'' ساتھ ہی انوار صاحب کا جاندار قہقہہ گونج اٹھا تو شف
چپ سے ہو گئے۔ اب وہ ان کو یا ان کی خبطی بیٹی کو کیا کہتے۔ انہیں تو دونوں سر
لگتے تھے مگر دونوں ہی ان پر مہربان تھے۔

''جی سر، منزہ کا فون آیا تھا مگر میری ذرا طبیعت خراب ہے، زیادہ بات نہیں کر
لئے شاید وہ مائنڈ کر گئی ہیں۔'' انہوں نے صاف گوئی سے کہہ دیا۔

''میاں، مائنڈ پہلے تو نہیں کیا مگر اب اگر آپ اس کی برتھ ڈے پر نہیں آ۔
ضرور کرے گی۔ خیریت اسی میں ہے کہ روم میں جایئے، کوئی اچھا سا لباس...... ہار
آتی ہے کہ سفید شلوار سوٹ زیب تن کیجئے گا، ٹیبل پر سے گاڑی کی چابی اٹھایئے او
کسی گفٹ شاپ پر تشریف لے جایئے اور کوئی اچھا سا گفٹ پیک کروایئے اور ہما
تشریف لے آیئے ورنہ......''

''مگر سر!'' شفاعت اللہ کا اس وقت کہیں جانے کا موڈ نہیں تھا۔ وہ آج صرف
چاہتے تھے اور نجانے کیوں آج ان کو انیقہ کی یاد بھی کچھ زیادہ ہی آ رہی تھی اور وہ
سوچنا چاہتے تھے۔ مگر منزہ نے پہلے خود ان کو کہنا چاہا، جب یہ اس کے ہتھے نہیں چڑ



اپنے بابا کو آگے کر دیا۔

''میاں صاحب زادے، بات یہ ہے کہ یہ جو اگر مگر کی گاڑی ہے ناں، اس کو ہماری بیٹی
راستہ نہیں دیا کرتی، پکڑ لیتی ہے، لہٰذا اپنی نہیں تو ہماری خیریت نیک مطلوب ہے تو
لے آیئے ورنہ ہم بڈھے بڈھی کو یہ اکلوتی اولاد ناکوں چنے چبوا دے گی۔'' اور اس
پہلے کہ وہ مزید کوئی بہانہ تراشتے کرنل انوار نے خدا حافظ کہہ کر ریسیور رکھ دیا تو وہ
ور کو خالی نگاہوں سے گھورتے ہوئے اپنے کمرے میں آ گئے اور بد دلی سے تیار ہونے
انیقہ کے بعد تو وہ اپنے دل میں ایک خلا سا محسوس کرتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ اب دل
گلیوں میں کسی نازک حسینہ کا گزر نہیں ہو سکتا اسی لئے تو وہ دروازہ بند کر کے بے خبر ہو گئے
ان کو خواتین کی خریداری کا قطعی کوئی آئیڈیا نہیں تھا اسی لئے تو ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا
اس شوخ کھلنڈری لڑکی کے لئے کیا تحفہ خریدیں۔ بہت سوچ بچار کے بعد ان کی
وں میں منزہ کی خوبصورت نازک سی کلائیاں گھوم گئیں۔ انہوں نے بہت خوبصورت سا
سا گولڈ بریسلٹ خرید لیا تو شاپ کیپر نے چھوٹی سی ڈبیہ میں پیک کر کے دے دیا۔

''اتنی چھوٹی ڈبیہ؟'' وہ ڈبیہ کو ہاتھ میں لے کر دیکھنے لگے تو ان کو منزہ کی وہ بات یاد آ گئی
اس نے کہا تھا ''میں آپ کو اپنی برتھ ڈے پر بلاؤں گی تو بہت بڑا سا گفٹ لایئے گا۔
وہ چٹکی بھر گفٹ اٹھا کر لے آئیں۔''

''جی صاحب! چیز بھی تو چھوٹی ہے ناں، چھوٹی ڈبیہ میں ہی رکھی جاتی ہے۔'' بھولا
اندار کیا جانے کہ وہ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں، وہ بے چارے تو یقین سے گئے تھے۔ اب
اندار کو کیا جواب دیتے۔

''ہاں درست کہہ رہے ہیں آپ بھی۔ مگر وہ بچی ہیں ناں، ان کو بڑے بڑے گفٹ پسند
آپ ایسا کیجئے اسے کسی بڑے سے ڈبے میں پیک کر دیجئے۔ بچی ہے خوش ہو جائے
''پھر دکاندار نے بڑا سا ڈبہ تلاش کر کے اس میں وہ چھوٹی سی ڈبیہ رکھ دی تو شفاعت
ایک انجانی سی کوفت کے ساتھ ان کے بنگلے پر آ گئے۔ ان کا خیال تھا کہ دیگر افسران کی
کرنل انوار بھی کلب یا میس میں برتھ ڈے کا انتظام کریں گے مگر ان کی کوفت میں اس
مزید اضافہ ہو گیا جب دونوں مقامات پر ان کی تقریب نہیں ہو رہی تھی، آخر کار وہ گھر
آ گئے۔

''السلام علیکم سر۔'' انہوں نے بڑا سا گفٹ اٹھائے ہوئے انوار صاحب اور ان کی بیگم کو
دیا۔

"وعلیکم السلام بیٹے، اتنے بڑے تکلف کی بھلا کیا ضرورت تھی۔" انوار صاحب اندر کی بات کو کیا جانیں۔

"جی یہ بڑا تکلف تو نمائشی ہے، چھوٹا تکلف تو اندر ہے۔ کہاں ہیں منزہ رہیں۔" وہ ڈبہ میز پر رکھ کر صوفے کی طرف بڑھے تو اسی وقت منزہ بھی سفید لباس خوبصورت بال لہراتی آ گئی۔ شفاعت اللہ اس کی سفید لباس والی شرارت کو سمجھ میں اس نادان لڑکی کو ڈپٹ دیا۔

"السلام علیکم میجر! اتنے بڑے گفٹ کی کیا ضرورت تھی۔ کیا اندر پوری گفٹ کر لائے ہیں؟" وہ بے صبری سے گفٹ کھولنے لگی تو بیگم انوار نے روک دیا۔

"یہ کیا بات ہوئی، نہ کیک کاٹا، نہ شفاعت بیٹے کو کچھ کھانے کو دیا، بس گفٹ پڑیں۔ چلو کیک کاٹو۔"

"تمہاری مما درست کہہ رہی ہیں بیٹا، پہلے کیک پر چھری چلاؤ۔"

"بری بات ہے بابا، کسی پر چھری نہیں چلانا چاہئے۔ زبردست، کتنا خوبصورت ہے۔ تھینک یو میجر۔" وہ بریسلٹ دیکھ کر بری طرح خوش ہوگئی اور اسی وقت پہن ا

"اب ذرا اس کو لاک بھی کر دیں۔" منزہ بڑی بے تکلفی سے ان کی طرف بڑ کے قریب ہی بیٹھ کر اپنی کلائی ان کے سامنے کر دی تو وہ کسمسا کر قدرے پیچھے ہ ایک خفیف سی نگاہ انوار صاحب اور ان کی بیگم پر ڈالی جو محبت بھری نظروں سے رہے تھے۔ مگر شفاعت اللہ جس ماحول کے پروردہ تھے، اس میں عورتوں کو تو کیا م حیا کے ایک دائرے میں رکھا جاتا تھا۔ ان کے گھر اور خاندان کی خواتین تو سات رہتیں اور غیر مردوں کے سامنے آنے یا ان سے بے تکلفانہ بات کرنے کا تو سو نہیں ہوتا تھا۔ اپنے مردوں سے بھی ایک خاص حد میں رہ کر بات کی جاتی تھ معاملہ دوسرا تھا، وہ آزاد ماحول میں پلی بڑھی اکلوتی لڑکی تھی۔ ایک بھائی تھا چھوٹا گ اتنی تھی گویا اکلوتی اولاد ہو والدین کی۔

"میجر! کیا سوچ رہے ہیں، مجھ سے یہ لاک نہیں ہو رہا، آپ کر دیجئے ناں۔ ہے آپ کے ہاتھ نہیں گھسیں گے۔" منزہ نے اپنی بات دہرائی تو وہ چونک کر سید اور ہچکچاتے ہوئے بریسلٹ کا لاک لگا دیا۔

"تھینک یو، اب ہم آپ کو کیک کھلائیں گے۔" پھر منزہ کیک کاٹنے لگی تو شفا اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں اب وہ اپنے ہاتھوں سے ان کو کیک کھلانے نہ بیٹھ جائے۔



نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے پلیٹ میں رکھ کر ان کو کیک پیش کیا۔ وہ ان کے آنے سے بہت زیادہ خوش تھی، چہک رہی تھی۔ جبکہ سوبر سے شفاعت اللہ خاصے بور ہو رہے تھے۔ اس لئے جب منزہ منظر سے غائب ہوئی تو وہ جھٹ ان کے والدین سے اجازت لے کر باہر آ گئے۔ تیز قدم اٹھاتے ہوئے انہوں نے وسیع لان عبور کیا اور تیزی سے گاڑی کی طرف بڑھے۔

"ٹھہر جاؤ شفاعت اللہ!" وہ خوفزدہ ہو کر مڑے۔

***

اس واقعے کے بعد ایسا اللہ کا کرم ہوا تھا کہ محلے کے مردوں کو گویا سانپ سونگھ گیا
نازو جہاں سے گزرتی، نظریں جھک جاتیں۔ اب اللہ نے اسے بھی اتنی ہمت دے دی تھی
اس کی چال میں بھی اعتماد آ گیا تھا۔ وہ اپنے مخصوص انداز میں بڑے اعتماد کے ساتھ
اٹھانے لگی تھی۔ ورنہ پہلے تو یہ ہوتا تھا، بظاہر تو وہ پُر اعتماد ہوتی اندر سے دل خوف سے کا
رہا ہوتا تھا۔ مگر اب عجیب طرح کے اعتماد کے ساتھ سکون مل گیا تھا۔

''ہیں واقعی، تم نے اس طرح کہا تھا، یقین نہیں آ رہا۔ تم تو ان کا نام لیتے ہی خوف
کانپنے لگ جایا کرتی تھیں۔'' جب اس روز والی روداد اس نے راحیلہ کو سنائی تو اسے یق
نہیں آیا کہ ایسا ہو سکتا ہے۔

''ہاں راحیلہ، میں خود حیران ہوں کہ میں کس طرح بول گئی، مجھے پتہ ہے یہ سب کچھ
کی دین ہے ورنہ میں کیا چیز ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس روز مجھے اتنی ہمت دی کہ میں
اسٹاپ بولے گئی اور ان کو تو گویا سانپ سونگھ گیا۔ خدا کا شکر ہے، اس روز سے اتنا سکون
کہ حد نہیں۔ نہ کوئی کھنکارتا ہے، نہ کسی کو کھانسی کا دورہ پڑتا ہے، اور نہ کوئی گھٹیا شعر کہتا ہے۔
کا بے حد شکر اور احسان ہے کہ بہت سکون ہے۔'' اب نازو کے لہجے میں بھی اعتماد آ گیا
ایک خوف تھا جو اس روز خدا نے دور کر دیا تھا۔ راحیلہ کو بھی بہت خوشی ہوئی تھی یہ سب سن کر

''چلو خدا کا شکر ہے، تمہارا مسئلہ تو حل ہوا۔ اب تم اعتماد کے ساتھ جیو۔ دیکھو یہ از
کسی کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ بس اللہ تعالیٰ نگہبان ہوتا ہے۔ اچھا یہ بتاؤ، وہ تمہارے مج
شہزادے سلیم کا کیا حال ہے؟''

''اس روز کے بعد وہ بھی نظر نہیں آیا۔ یوں بھی اس نے کہہ دیا تھا کہ اب وہ کبھی م
راہوں میں نہیں آئے گا۔ دراصل امی اسے سخت ناپسند کرتی ہیں، جبکہ وہ بہت اچھا ہے، س
سے مختلف ہے، ہمارا دوست ہے۔ مگر امی کو وہ برا لگتا ہے۔ اس کے میرے حالات ایک
ہیں، دونوں ٹھکرائے ہوئے ہیں۔ مگر امی کو تو اس سے نفرت ہے گویا۔''

''چلو مانا کہ امی کو نفرت ہے اور تمہیں..... تمہیں کیا ہے اس سے؟'' راحیلہ نے شوخ ا



ے اسے کریدا۔

''دیکھو راحیلہ، محبت ایک فطری جذبہ ہے، خواہ کسی سے بھی ہو مگر شرط پاکیزگی ہے، مجھے
لم سے کسی جنونی عشق کا دعویٰ نہیں ہے، ہاں اتنا ضرور ہے کہ وہ سب میں مختلف لگا ہے
ھے۔ اس وقت بھی جب وہ دوسرے غلط لڑکوں کی طرح مجھ پر نظر ڈالتا تھا، کھانستا تھا، کبھی
قعے اچھال دیتا اور کبھی پھول برسا دیتا تھا تو وہ مجھے اچھا لگتا تھا۔ مگر اب میرا یہ خیال ہے کہ
ی ذرا سی توجہ اُسے معاشرے کا فعال کردار بنا سکتی ہے، وہ اچھا شہری بن سکتا ہے۔ مگر امی
اس کا نام تک سننا گوارا نہیں کرتیں اور میرے لئے سب کچھ میری ماں کا حکم ہی ہے۔ سلیم
اللہ تعالیٰ نے آگہی کے راستے پر ڈال دیا ہے، سیدھی راہ بھی وہی اس کو دکھا دے گا۔''

''انشاء اللہ۔ ہاں نازو، وہ تم بتا رہی تھیں کہ رات کو کوئی تم لوگوں کے ہاں آ کر پوچھتا
کہ یہ شہناز اور حمیدہ کا گھر ہے۔ اس کا کیا ہوا، کچھ پتہ چلا کون تھا وہ؟'' اٹھتے اٹھتے
راحیلہ کو ایک دم وہ یاد آ گیا۔

''ارے بھئی، وہ بھی انہی بدمعاشوں کی کارستانی ہو گی ہمیں ہراساں کرنے کے لئے۔
یکھ لو جس روز سے وہ واقعہ ہوا ہے مجال ہے کوئی آیا ہو، خدا کا شکر ہے راحیلہ، مجھے تو ایک
ت سمجھ میں آ گئی ہے کہ عورت کو اللہ تعالیٰ نے عقل و شعور دیا ہے، اسے مرد سے اتنا خوفزدہ
ہیں رہنا چاہئے۔ جتنا دب کر جیو گے تو لوگ تمہیں جینے کا حق ہرگز نہیں دیں گے۔ جتنا اکڑ
ر رعب سے رہو گے تو آگے پیچھے دُم ہلائیں گے۔''

اس واقعے کے بعد نازو کی سوچ اور بات کرنے کا انداز ہی بدل گیا تھا، وہ کافی حد تک
الد ہو گئی تھی۔ راحیلہ کو خوشی ہو رہی تھی، وہ ڈری سہمی دبو سی نازو اب بولڈ اور پُراعتماد نظر آ
ی تھی۔

''یہ ہوئی ناں بات۔ چلو کینٹین چلتے ہیں، کچھ کھاتے ہیں اور پھر گھر چلتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔ لیکن آج میری طرف سے۔ کیونکہ مجھے کل فیکٹری سے تنخواہ ملی ہے۔'' نازو
نے مسکرا کر کہا تو راحیلہ چپ ہو گئی۔ کیونکہ اس کو معلوم تھا کہ اسے کتنی تنخواہ ملی ہو گی مگر وہ اس
ی انا ہرٹ کرنا نہیں چاہتی تھی اس لئے چپ چاپ اس کے ساتھ کینٹین تک آ گئی۔ پھر کافی
ر وہ باتیں کرتی رہیں۔ گاڑی آ جانے کی اطلاع پر دونوں گیٹ سے باہر آ گئیں۔

''نازو! آج تو میرے ساتھ چلو، اب تو تمہیں وہ خطرہ نہیں رہا ناں۔'' راحیلہ کی بات پر
و کچھ دیر سوچتی رہی، پھر کوئی فیصلہ کر کے اس کے ساتھ آ گئی۔ گاڑی میں آج ڈرائیور کے
جائے کوئی خوبرو سا بندہ بیٹھا ہوا تھا جسے دیکھ کر راحیلہ خوش ہو گئی۔

''اوہو راشد، یہ آپ ہیں؟ آج آپ کو ہمارا خیال کیسے آ گیا؟'' راحیلہ تو کھل اسے دیکھ کر۔

''بس آج تمہاری یاد شدت سے آئی، ہم نے ڈرائیور کی چھٹی کر دی اور خود ڈرائیور بن کر آ گئے۔ آیئے تشریف لایئے۔'' راشد خاصا خوبرو اور اسمارٹ بندہ تھ کے بولنے اور دیکھنے کا انداز نازو کو غیر شریفانہ لگا۔ جبکہ اس کی نظر نازو پر جمی تھی او راحیلہ سے کر رہا تھا۔ نازو نے راحیلہ کے ساتھ جانے کا ارادہ ترک کر کے قدم پیچھے ہ

''ارے نازو آؤ ناں۔ راشد! یہ میری بیسٹ فرینڈ نازو ہیں اور آج میں ان ے رہی ہوں۔ آؤ ناں نازو۔'' راحیلہ اس کے لئے پچھلا دروازہ کھولے کھڑی تھی مگر اب نہیں جاہتی تھی۔

''نہیں راحیلہ، آج نہیں کل پھر کبھی سہی مگر آج نہیں۔'' وہ کترائی۔ راشد کی گہری نگاہیں اُسے اپنے آر پار ہوتی محسوس ہو رہی تھیں۔ وہ جانا نہیں چاہتی تھی اور راحیلہ !

''نازو صاحبہ، تشریف لے آیئے۔ کہاں تک ناز اٹھوایئے گا ہماری ہونے والی منگ آ جایئے ورنہ ہم آپ کو گاڑی میں بٹھا لیں گے، بعد میں شکایت مت کیجئے گا۔'' ر بے باکی سے کہا تو وہ سہم کر راحیلہ کو دیکھنے لگی جو اس کی بات پر ہنس رہی تھی۔ اس و راحیلہ بھی اچھی نہیں لگی۔

''آ جاؤ نازو، ان سے کوئی بعید نہیں، یہ ایسا کر بھی گزریں گے۔ آ جاؤ شاباش، خیریت ہے۔'' نازو کا دل قطعی تیار نہیں تھا مگر لا محالہ اسے بیٹھنا پڑا۔ اب وہ پیچھے ب راشد باتیں تو راحیلہ سے کر رہا تھا بڑا گہرا اور رومانٹک لہجہ بنا کر مگر مرر میں دیکھ وہ ن رہا تھا اور نازو تو تھی بھی دیکھنے والی چیز۔ معمولی نقوش والی راحیلہ بھلا اس کے حیثیت رکھتی تھی۔ نازو کو بہت غصہ آ رہا تھا خود پر کہ کیوں بیٹھ گئی۔

''بس یہیں روک دیجئے، آگے گلی بہت تنگ ہے۔'' اس نے روڈ پر ہی رکنے کو کہ نے راحیلہ کے اشارے پر گاڑی روک دی تو وہ جلدی سے اتر گئی اور راحیلہ کو خدا ح بغیر آگے بڑھنے لگی تو راشد کی آواز ٹکرائی۔

''راحیلہ! یہ تمہاری کیسی دوست ہیں کہ اپنے گھر تک آنے کی دعوت نہیں دی، بلاتا ہے، کوئی چائے شائے پلاتا ہے۔''

''جی وہ آیئے ناں آپ لوگ۔'' نازو نے کانپتی ہوئی آفر دی کیونکہ اسے معلوم تھ سخت خفا ہوں گی۔ راحیلہ سے تو وہ یوں بھی چڑتی تھیں، اوپر سے اس کے کزن کو بھ



لے جاتی تو بہت خفا ہوتیں۔

''لیجئے، اتنی مری ہوئی آفر پر کون آئے گا آپ کے گھر جناب.....'' قریب تھا کہ راشد کوئی بے باک جملہ اچھالتا، راحیلہ بیچ میں بول پڑی۔

''نہیں نازو، یہ تو مذاق کر رہے ہیں۔ میں انشاء اللہ پھر کسی روز آؤں گی، اچھا اللہ حافظ۔''

''او کے اللہ حافظ۔'' راشد نے بے باکی سے ہوائی بوسہ اس کی طرف اچھالا تو نازو کی رگیں پھٹنے لگیں غصے سے۔ جاہلوں سے تو وہ لڑ ہی رہی تھی، ان پڑھے لکھے جاہلوں کا کیا علاج کرتی۔ وہ واپسی کے لئے مڑی تو ایک دم خوفزدہ ہوگئی۔ سامنے ہی سلیم کھڑا تھا، اس نے ایک نظر نازو کو دیکھا اور ایک نظر جاتی ہوئی گاڑی کو دیکھا، پھر وہ کوئی بات کہے بغیر آگے بڑھ گیا۔ نازو کو عجیب سی پشیمانی ہونے لگی کہ نجانے سلیم نے اس بات سے کیا مطلب لیا ہو مگر سلیم نے کوئی تاثر نہیں دیا اور چلا گیا۔ وہ پریشان سی گھر آ گئی۔

⁂☆⁂

''نازو، میں جانتا ہوں کہ مجھے کوئی حق نہیں ہے روک ٹوک کرنے کا۔ مگر دیکھو آئندہ کسی کی گاڑی میں نہ آنا، کسی کی نیت کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا، یوں تو مجھے تم پر پورا اعتماد ہے گو کہ تمہیں میرے اعتماد کی ضرورت تو نہیں مگر پھر بھی ان گلی والوں کے دلوں کی وسعت، سوچ کی تنگ گلیوں کی تاریکی تو تم دیکھ ہی چکی ہو ناں۔ مگر یہ اجلے لباس اور بڑی گاڑی والے لوگوں سے بھی تم محتاط رہنا ورنہ پچھتاؤ گی۔ مانا کہ پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں مگر تم اس شخص کے ساتھ آئندہ گاڑی میں نہ بیٹھنا، اس قسم کے مرد اپنے گھر کی عورتوں کی عزت مشکل سے کرتے ہیں اور دوسری عورت کو لوٹ کا مال سمجھتے ہیں۔ مائنڈ نہ کرنا، اسے نصیحت نہ سمجھنا، ایک مخلص دوست کی درخواست سمجھنا۔ اللہ حافظ! سلیم۔''

یہ چند سطریں گھسیٹ کر سلیم یہ سوچ رہا تھا کہ اسے کس طرح نازو تک پہنچایا جائے۔ انہی سوچوں میں وہ باہر نکل رہا تھا کہ زیبو آ گئی۔

''کہاں کی تیاری ہے شہزادے؟'' زیبو اپنے مخصوص انداز میں بولی تو وہ جل کر مڑا۔

''جہنم کی۔'' وہ دہاڑا۔

''ہیں..... تب تو خدا حافظ۔ اور ہاں یہ خیریت کا خط..... ارے خط سے یاد آیا، تمہارا ایک خط آیا ہے۔'' وہ کچھ یاد کر کے بولی تو سلیم کو غصہ آ گیا۔ وہ ایسی حرکتیں کرتی جن سے سلیم کو سخت تاؤ آتا۔

''کہاں سے آیا ہے خط؟ کون بیٹھا ہے میرا رشتے دار جو مجھے خط لکھے گا؟'' وہ پہلے ہی

غصے میں تھا۔

''وہ شیدے کی بہن کا خط ہے۔ قسم اللہ کی بڑی منتیں کی ہیں اس نے اور پچاس رو
مجھے الگ دیئے ہیں۔ ان سے میں چوڑیاں پہنوں گی، میٹھے پان کھاؤں گی۔'' زیبو ذرا
چٹوری لڑکی تھی اور خواہشات کی فصل بھی اس کی بہت زرخیز تھی، ایک سے ایک خواہش تہ
ہوتی اور ایسی خواہشات کے لئے وہ اماں ابا کو قطعی تنگ نہیں کرتی تھی، اپنے ذرائع ـ
حاصل ہونے والی کمائی سے پورا کرتی تھی۔

''میں تیرا اور شیدے کی بہن کا سر توڑ دوں گا۔ شرم نہیں آتی ان کے محبت نامے مجھ تک
پہنچانے کی۔ رشوت لیتی ہے کمینی، جہنم میں جائے گی سیدھی۔'' اس نے زیبو کے سر پر ز
سے چپت لگائی اور شیدے کی بہن شمع کا خط پڑھے بغیر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

''بڑا ظالم ہے تو شہزادے، اُس بے چاری نے نجانے کیسے کہاں کہاں سے لفظ جوڑ
کر محبت نامہ لکھا ہوگا، مجھے دینے کے لئے پیسے جمع کیے ہوں گے اور تو نے پڑھے بغیر
پھاڑ دیا۔ تو ہے اکھڑ بادشاہ، بس ایک ہی پر مرتا ہے، اچھا ہے وہ جوتے کی نوک پر ر
ہے۔ ناشکرا کہیں کا۔ میرے مشورے پر عمل کر تو نام کا نہیں کام کا بھی شہزادہ بن جائے گا۔
تجھ پر تو نازو کا بھوت سوار ہے۔'' وہ منہ ٹیڑھا کر کے بولے گئی اور سلیم کا فشار خون بلند
گیا۔ اُس نے زیبو کو باہر دھکیل دیا۔

''زیبو، زیبو...... دفع ہو جا یہاں سے ورنہ میں تیرا خون پی جاؤں گا۔''

''پی جا، تیرا ہی بلڈ پریشر ہائی ہوگا، بڑا نمک ہے میرے خون میں اماں کہتی ہے۔''
چڑانے والے انداز میں ہنسی تو سلیم نے اسے باہر دھکیل کر دروازہ بند کر لیا تو وہ اس
کمرے کے سامنے ہی چھجے کے نیچے کبوتروں کے ساتھ کھیلتے ہوئے کوئی گیت گانے لگی۔
طیش میں اندر ٹہلتا رہا۔ باہر سے گیت کی آواز آ رہی تھی۔

''من جا...... من جا بالم من جا، نہ ٹھکرا میرا پیار ہو۔ نہ ٹھکرا میرا پیار......'' وہ بند درواز
کو دیکھتی گائے جا رہی تھی۔

''زیبو!'' وہ کسی خیال کے آتے ہی چلایا تو وہ بجلی کی سرعت سے اس کے پاس پہنچ گئی

''جی جن جی۔'' وہ بڑے دلار سے کہہ رہی تھی۔ وہ اسے دیکھنے لگا۔

''میں یہ سوچ رہا تھا زیبو کہ اگر تو مرد ہوتی تو میں تجھے کہیں ڈاکیا رکھوا دیتا، کیونکہ
پہنچانے کا کام تو بڑے اچھے طریقے سے کر لیتی ہے۔''

''یعنی؟'' وہ اُس کا مطلب سمجھ گئی۔ اس کا مطلب تو اس کی آنکھوں سے عیاں تھا۔



''یعنی یہ کہ نازو تک میرا خط پہنچا دے بس۔'' وہ ذرا نرم پڑ گیا تو وہ اکڑ گئی۔

''ارے واہ، اپنا مطلب ہوا تو حلوہ بن گئے ورنہ کڑوے بادام، جاؤ جاؤ ہوا کھاؤ۔ یہ
ہرگز نہیں ہوگا۔'' وہ کرسی پر بیٹھ کر اترانے لگی تو سلیم اس کے شانے دبانے لگا۔

''اچھی بہن۔'' سلیم کا یہ لفظ کرنٹ بن کر لگا زیبو کو۔ وہ تڑپ اٹھی۔

''کیا...... کیا، مجھے تم نے بہن کہا؟ ارے بہن ہو تمہاری ماں۔ تمہاری خالہ...... تمہاری
چچی، تمہاری شمع، بہنیں ہوں محلے بھر کی لڑکیاں، میں کیوں تمہاری بہن ہونے لگی؟'' وہ واویلا
مچانے لگی تو اس نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

''اچھا، اچھا...... میری خطا معاف کر دے میرے چاچے کی لڑکی، میری کزن، جا پلیز یہ
خط نازو کو دے آ، بہت ضروری بات ہے۔'' وہ منت بھرے انداز میں بولا تو وہ اسے دیکھ کر
مسکرانے لگی۔

''ہاں، یہ ہوئی ناں بات۔ ذرا انگریزی میں بات کیا کرو تو بات ہی اور ہو جاتی ہے۔ لا،
کیا یاد کرے گا تو بھی شہزادے۔'' وہ خط لے کر کھڑی ہو گئی۔ خط کو سونگھا۔

''ہائے نازو، کتنی خوش قسمت ہے ری تو بھی۔ ایک ہم ہیں کہ...... اچھا میری رشوت
دے۔ کیا دے گا؟'' وہ جاتے جاتے پلٹ کر پوچھ رہی تھی۔ وہ تاؤ میں آ گیا۔

''زہر دوں گا رشوت میں۔ دفع ہو جا۔''

''اچھا چل سجنا، تیرا دیا ہوا زہر بھی امرت سمجھ کر پی لوں گی راجو۔'' وہ فلمی انداز میں یوں
بولی کہ سلیم کو بھی ہنسی آ گئی۔ وہ ہنسنے لگا تو زیبو بڑے پیار سے اسے دیکھنے لگی۔

''ویسے شہزادے، ہنستا ہوا تو بالکل...... بالکل بھوت لگتا ہے۔'' اور قبل اس کے وہ اسے
مارنے کو دوڑتا، وہ بھاگ گئی۔

***

''سلام خالہ!'' دروازہ کھلا تھا اس لئے زیبو اندر آ گئی۔

''جیتی رہو، کیسے آئی ہو زیبو؟'' خالہ نے برتن دھوتے ہوئے اسے دیکھا۔

''غریب لوگ ہیں خالہ، جہاز تو ہمارے ہاں ہے نہیں، ٹانگوں پر چل کر ہی آئی ہوں۔ اور
کیسی ہو خالہ؟''

''اچھی ہوں بیٹی۔''

''ہاں، میرا بھی پہلے یہی خیال تھا۔'' زیبو نے برملا کہا تو حمیدہ اسے گھورنے لگی۔

''کیا مطلب؟''

''کچھ نہیں خالہ۔ وہ نازو کہاں ہے؟ اس کو کتنی بار کہا ہے تھوڑا بہت مجھے بھی پڑھا د۔ کم از کم بندہ لڑکوں کے محبت نامے ہی لکھ دیتا ہے۔'' یہ بات اس نے آہستگی سے کہی اور ا کر اندر آ گئی جہاں نازو اپنے کپڑے استری کر رہی تھی۔

''آؤ..... آؤ زیبو، بیٹھو کیسے آنا ہوا؟'' نازو استری بند کر کے اس کے قریب آ گئی۔

''آئی نہیں بھیجی گئی ہوں نازو۔ وہ تمہارے مجنوں نے یہ خط بھیجا ہے۔'' زیبو نے ب احتیاط سے اِدھر اُدھر دیکھ کر خط نازو کو دیا۔

''دیکھو زیبو، آج تو تم نے ایسی حرکت کی، آئندہ نہ کرنا۔ اور سلیم کو بھی منع کر دینا کہ خط نہ لکھا کرے۔'' نازو کو سلیم پر غصہ آ گیا، تاہم اس نے امی کے خوف سے خط پڑھ کر ز واپس دے دیا۔ جو بات اس نے لکھی تھی، وہ بالکل درست تھی اور اس نے خود بھی اس با احساس کیا تھا۔

''اچھا زیبو، اب تم جاؤ۔ امی کو شک ہو گیا تو اچھا نہیں ہو گا۔ اور سلیم سے کہنا تمہارا م اچھا ہے، میں انشاء اللہ اس پر عمل کرنے کی کوشش کروں گی لیکن یوں خط نہ بھیجا کر نازو کو امی سے خوف آ رہا تھا، ان کو پتہ چل گیا تو بہت برا ہو گا۔

''زیبو، یہ تم مجھے ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟'' نازو نے حیرت سے زیبو کو دیکھا جو ایک اسے دیکھے جا رہی تھی۔

''یہ دیکھ رہی ہوں نازو کہ اس میں بیچارے سلیم کا کیا قصور ہے کہ وہ تم پر مرتا ہے۔ میرا دل بھی تم پر مرنے کو چاہتا ہے۔''

''اچھا فضول باتیں نہیں کرو۔ اور جاؤ، کل سے پڑھائی شروع کراؤں گی۔ اب جا نازو نے امی کو آتے دیکھا تو اسے اشارہ کر دیا تو وہ اٹھ کر چلی گئی۔ وہ تو شکر ہوا کہ امی زیبو کے آنے کا مقصد نہیں پوچھا ورنہ وہ شاید جھوٹ نہ بول پاتی۔

تمام دن یوں ہی کاموں میں گزر گیا۔ رات بستر پر پڑی تو پتہ ہی نہ چلا کب نیند آ البتہ حمیدہ بیگم جاگ رہی تھیں۔ آج ان کے کان وہی دستک سننا چاہتے تھے جس کو سن خوفزدہ نہیں ہوتی تھیں، دل کو ایک عجیب طرح کا سکون ملتا تھا۔ ان کے انتظار میں نجا شدت تھی کہ ایک عرصے کے بعد پھر وہی دستک ہونے لگی۔ انہوں نے چونک کر نازو کو د وہ گہری نیند سو رہی تھی۔ دستک وقفے وقفے سے ہو رہی تھی۔ وہ چپکے سے ننگے پاؤں گئیں۔ دروازہ کھولنے لگیں تو ایک چیخ فضا میں بلند ہوئی۔

''امی..... امی.....!'' حمیدہ بیگم کی چیخ کی آواز سن کر نازو اندھا دھند باہر بھاگی تو



وہ دیوار سے ٹیک لگائے رو رہی تھیں۔ وہ تڑپ کر اُن کی طرف بڑھی۔

''امی..... آپ یہاں، کون آیا تھا؟ کون آیا تھا؟ اور یہ آپ کیوں رو رہی ہیں، خیریت ہے نا؟ کیا ہوا ہے امی! کون تھا؟'' نازو کو بے چینی ہونے لگی تھی۔ اس نے اپنے آنچل سے ن کا تر چہرہ صاف کیا۔

''وہ..... وہ آج پھر آیا تھا نازو..... وہ آیا تھا۔ میں نے اسے پکڑنا چاہا تو..... تو دامن کر دیوار کود گیا نازو۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑا تو وہ..... وہ بھاگ گیا۔ اس کی گھڑی..... یکھو اس کی گھڑی میرے ہاتھ میں رہ گئی ہے۔'' حمیدہ روتے ہوئے اس اجنبی مرد کی کلائی کرنے والی گھڑی اسے دکھا رہی تھیں۔ اس نے مردانہ گھڑی کو دیکھا جس کی چین کھل نے سے گھڑی گری تھی۔ ''امی جان! کیا ہو گیا ہے آپ کو، آپ کیوں وہم اور سراب کے بھاگ رہی ہیں۔ کس امید کی تلاش کو آپ نے منزل بنا لیا ہے، آپ کیا سمجھ رہی ہیں؟ ن ہے وہ جو آتا ہے۔ اتنے عرصے سے یہاں رہ رہی ہیں، یہاں کے لوگوں کو اچھی طرح تی ہیں پھر بھی کیوں امی، آپ نے ایک وہم کو منزل بنا لیا ہے کہ.....''

''وہم، وہ میرا وہم نہیں ہے نازو، یہ دیکھو اس کی گھڑی.....'' حمیدہ بیگم نے گھڑی اس سامنے کر دی تو وہ ممتا کی ماری اپنی ماں کو دیکھنے لگی۔ اس نے امی کو بیٹوں کی یاد میں ی ساری رات روتے دیکھا۔ یاد تو وہ اسے بھی آتے تھے مگر کیا کر سکتی تھی۔ اور حمیدہ بیگم کو نے کیوں یہ وہم ہو گیا تھا کہ دستک دینے والا اجنبی ان کا کوئی بیٹا ہے۔

''امی جان، اس طرح مت کریں۔ گھڑی میں ان لوگوں کی تصویریں نظر آ رہی ہیں آپ جانے کون بدمعاش ہے اور کون نہیں۔ آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ ابو اپنی نئی دُلہن ھائیوں کو لے کر دوسرے کسی ملک چلے گئے تھے اور اب نجانے کہاں ہوں گے۔ ان کو کیا ہم کہاں ہیں اور ایسے لوگوں میں رہتے ہوئے آپ ایک اجنبی دستک دینے والے کو بیٹا ہی ہیں۔'' وہ گھڑی ان کے ہاتھ سے لئے ان کو سمجھا رہی تھی۔

''بات تو تمہاری بھی درست ہے بیٹی! مگر میرا دل کیوں اس دستک پر بے چین ہو جاتا میرے کان کیوں اس دستک کو ترستے رہتے ہیں، زبان پر یہ دُعائیں کیوں رواں رہتی ''

''اس لئے امی کہ آپ ہر وقت ایسی ہی دستک کی منتظر رہتی ہیں اور اپنی خواہش کو آپ پ میں دیکھتی بھی ہیں۔ انسان بہت کمزور واقع ہوا ہے امی، اپنی خواہشات کو اسی طرح ہے کہ جیسے..... اچھا اٹھئے اب، کمرے میں چلئے، ٹھنڈ ہو رہی ہے۔ نجانے وہ کون ہے،

کس چکر میں ہے۔ اگر آپ کا وہم تھوڑی دیر کے لئے درست مان بھی لیا جا۔ ذرا کہ جو اتنی تگ و دو کے بعد یہاں پہنچتا ہے تو اسے بھی اگر یہ یقین ہے کہ ہم ا تو سامنے کیوں نہیں آتا؟ کیوں چوروں کی طرح رات کی تاریکی میں آتا ہ اُجالے میں آئے، مجھ پہ بھائی بن کر چادر اوڑھا دیتا، آپ کے قدم چوم لیتا۔ بتا۔ وہ آپ کا بیٹا ہوتا تو کیا اپنی ماں بہن سے دور رہ سکتا تھا؟ میں تو خوفزدہ ہوں اس جو نجانے کون ہے اور ہم سے کیا چاہتا ہے۔" نازو کے دلائل میں اتنی جان تھی کہ کسی حد تک متفق ہو گئیں کہ واقعی اگر وہ ان کا بیٹا ہوتا تو ان تک رسائی حاصل باوجود سامنے کیوں نہیں آ جاتا۔ وہ نازو کا ہاتھ تھامے گھڑی مضبوطی سے پکڑے ان

⁕☆⁕

"کہاں رہ گئی تھیں تم؟ ٹانگیں سن ہو گئی ہیں میری تمہارے انتظار میں یہاں سلیم نے زیبو کو نازو کے گھر بھیجا ہوا تھا اور اب اپنے خط کے جواب کے انتظار میں سے ٹہل رہا تھا اور باتونی زیبو نے کچھ تو وہاں دیر لگائی تھی اور کچھ راستے میں کئی آئی تھی۔ کسی کو جھک کر سلام کیا تھا تو کسی کو ڈھیروں گالیاں اور صلواتیں سنائی تھیں

"ہیں واقعی میرے انتظار میں تیری ٹانگیں ٹہل ٹہل کر سو گئی ہیں؟ اچھا ٹھہر ہوں۔" پھر زیبو نے اپنے بالوں سے پن اتاری اور زور سے سلیم کی ٹانگ میں چلا اٹھا۔

"زیبو کی بچی۔" وہ درد سے چلایا۔

"چل جھوٹا، تیری ٹانگ تو جاگ رہی ہے، سو رہی ہوتی تو پتا ہی نہ چلتا کہ....

"زیبو، میں تیرا سر توڑ دوں گا کمینی، زخمی کر دیا ہے۔ اتنی دیر سے تیرے انتظ تھا اور......"

"ہائے میں صدقے، ویسے شہزادے! ٹہلنے کے بجائے تجھے اس ہیرو کی طرح اِک بار چلے آؤ صورت تو دکھا جاؤ، اک بار چلے آؤ۔" وہ اسے مستقل تنگ کر رہی

"اچھا فضول بکواس بند کر اور لا دے۔" سلیم اُس کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہوا مطلب سمجھتے ہوئے مسخرے پن سے مسکرائی۔

"کیا دوں، ہاتھ یا لات؟" وہ اپنے پراندے کو لہراتی ہوئی بولی تو سلیم نے زور سے اس کی چوٹی کھینچ کر اسے گھما ڈالا۔

"کسی دن میں تیری اتنی مار لگاؤں گا ناں کہ نانی یاد آ جائے گی۔ مجال۔



کام کی بات کر جائے، نکمی کہیں کی۔ میں یہ تیرا ہاتھ اور لات دونوں توڑ دوں گا کسی روز۔" سلیم جو اس وقت نازو کی تحریر دیکھنے اور پڑھنے کے موڈ میں تھا، زیبو کی باتوں سے سخت موڈ آف ہو گیا تھا اس کا۔

"کسی روز پر اپنی خواہش کیوں ٹالتا ہے اے شہزادے، لے آج ہی توڑ ڈال، یہ سر یہ لات یہ ہاتھ۔" زیبو نے فلمی انداز میں اور کچھ شرارت میں ہاتھ اس کی طرف بڑھایا تو اس کی ناک پر جا لگا اور ایک ساتھ آنے والی کئی چھینکوں نے سلیم کا پارہ مزید ہائی کر دیا۔ مگر اس وقت چونکہ اس کو اس سے مطلب تھا اس لئے مزید بات بگاڑنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ بھی خاصی ضدی تھی، کیا پتا ضد میں آ جاتی۔

"دیکھ زیبو مجھے تنگ نہ کر۔ تو اچھی طرح جانتی ہے میں تجھ سے جواب مانگ رہا ہوں۔"

"ہیں، مجھ سے جواب مانگ رہا ہے تو..... تو جانتا ہے کہ میرا جواب ہاں..... ہے..... ہاں ہے..... ہاں ہے۔" وہ سب کچھ سمجھتے ہوئے دوپٹہ دانتوں تلے دبا کر شرم سے دہری ہو گئی تو وہ پھر دانت پیس کر رہ گیا۔

"زیبو..... زیبو، میں تیرے نہیں، نازو کے جواب کی بات کر رہا ہوں۔ تیرا جواب تو مجھے پتا ہے۔" وہ مصلحت کو سمجھتے ہوئے غصہ دبا کر دانت پیس کر بولا تو وہ اسے دیکھے گئی۔ کاش وہ اس کے جواب کے لئے اتنا بے قرار ہوتا۔ اندر کہیں سے یہ خواہش اُبھری اور دم توڑ گئی۔

"اور جیسے اس کا جواب تو تجھے پتا ہی نہیں۔ آ گیا وہاں سے ننھا کاکا..... نازو کا جواب تو وہ اماں کا سانڈ بیٹا ہے، اس کو بھی پتا ہو گا ناں۔" اب اس کا موڈ خراب ہو رہا تھا۔ سلیم کو رویہ بدلنا پڑا۔

"دیکھ زیبو، تو سمجھ نہیں رہی۔" وہ منت پر اتر آیا۔

"ہاں، ہاں..... میں کیوں سمجھوں گی۔ ارے میں تو کاکی ہوں۔"

"زیبو، زبو! میں تجھ سے صرف اس بات کا جواب چاہتا ہوں کہ میں نے جو خط نازو کو لکھا تھا اس کا اس نے کیا جواب دیا؟" وہ انتہائی نرمی سے کہہ رہا تھا تو زیبو کو اس پر ترس آ گیا۔

"اچھا لے، اتنی سی بات تیری سمجھ میں نہیں آتی، لے پڑھ لے۔" اس نے پھر شرارت سے اس کا لکھا ہوا خط اسے دے دیا۔

"او جیتی رہ زیبو۔" وہ خوشی میں اپنا ہی خط نازو کا جواب سمجھ کر باہر بھاگا کہ اسے معلوم تھا کہ اس نے نصیحت ہی کی ہو گی۔ خط نہ لکھنے کی تاکید کی ہو گی۔ مگر ہو گی تو اسی کے ہاتھوں کی تحریر۔ یہ سوچ اسے شاداں کر رہی تھی۔ اس نے باہر جا کر جلدی جلدی تحریر پر نظر ڈالی تو

بھنا اٹھا۔

''زیبو......'' وہ باہر سے چلایا تو زیبو نے خوفزدہ ہوکر آنکھیں میچ لیں۔

''سر سنبھال زیبو۔'' وہ اسی طرح آنکھیں موندے سلیم کے کمرے سے باہر نکلی
وہیں کھڑا تھا، وہ منہ ہی منہ میں کچھ پڑھ رہی تھی۔ وہ اس سے ٹکرا گئی تو وہ سمجھی کہ
وہ اس سے لپٹ گئی۔ ''اماں...... میری پیاری اماں، مجھے جنم دینے والی اماں، مجھے
ورنہ...... ورنہ وہ مجھے مار ڈالے گا۔ اماں تیری حسین بیٹی کو مار ڈالے گا۔ اماں......
وہ آنکھیں بند کیے بولے جا رہی تھی۔

''زیبو......'' سلیم غصے سے دھاڑا تو اس نے جھٹ آنکھیں کھول دیں اور پیچھے ہ

''ہائیں اماں تم...... تم سلیم کیسے بن گئیں؟ تمہیں بھی بڑا شوق ہے سلیم بننے کا مگر

''زیبو، تو کبھی نہیں سدھر سکتی۔'' سلیم نے غصے سے اس کے سر پر مکا مارا،
آنکھیں بھینگی کر لیں۔

''ہائیں اماں تم سلیم...... نہیں یہ تو سلیم ہے۔ شہزادہ سلیم۔ ایک سے چار عدد ہو گ
ہوگئیں۔ اب ایک میں لوں گی، ایک نازو لے گی، ایک میں شمع کے ہاتھ بیچ د
روپے میں، ایک رئیسہ کو دوں گی، نہیں بیچوں گی سو روپے میں، نہیں سو پیسے میں......
طرح آنکھیں بھینگی کر کے بولے جا رہی تھی اور مسلسل بولے جا رہی تھی۔

''زیبو......'' سلیم نے پھر دھاڑتے ہوئے اُس کے سر پر مکا مارا تو اس نے رک
دیکھا، کچھ دیر دیکھتی رہی۔

''ابا جی......'' وہ پھر اس سے لپٹ گئی تو وہ اسے دھوپ میں چارپائی پر پھینکۂ
جانے لگا تو اس نے شرارت سے اس کی شرٹ پیچھے سے زور سے اس طرح کھینچ
کہ وہ سیدھا دیوار سے جا ٹکرایا اور خود اس کے حملے سے پہلے نیچے بھاگ گئی۔

*☆*

''نہیں تو نازو، تمہاری امی کو یہ وہم کیوں ہو گیا ہے کہ اجنبی دستک والا ان
ہے؟'' نازو راحیلہ سے کوئی بات بھی چھپا نہیں سکتی تھی، اسی لئے اب وہ پھر اجنبی دستک
والے کی رات آمد کے بارے میں بتا رہی تھی۔ راحیلہ اور وہ اس پر بہت بحث کرتی

''معلوم نہیں راحیلہ! امی کو یہ وہم کیوں ہو گیا ہے، وہ یہی کہتی ہیں کہ مجھے اس
آتی ہے، اس کی دستک سے دل عجیب انداز میں دھڑکتا ہے۔ پتا نہیں کیوں ان کو و

''ویسے نازو، تمہاری امی کا یہ وہم یا قیاس کہہ لو، بعید از امکان بھی نہیں۔''



''کیا مطلب بعید از امکان نہیں۔'' نازو کچھ نہ سمجھتے ہوئے اسے دیکھنے لگی۔

''بھئی یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ تمہارے بھائیوں کو بڑے ہونے پر پتا چلا ہو تو وہ تم لوگوں
کی تلاش میں نکلے ہوں اور کسی نہ کسی طرح رسائی حاصل کر لی ہو۔'' راحیلہ نے بھی حمیدہ بیگم
والی بات کہی تو نازو چڑ سی گئی۔

''تم بھی امی والی بات کر رہی ہو راحیلہ۔ اگر ایسی ہی بات تھی تو جو بندہ اتنی مشکلات
کے بعد منزل تک پہنچے تو سامنے آنے سے اسے کیا گریز ہے؟ کیوں تڑپا رہا ہے وہ پھر؟
ہمارے سامنے کیوں نہیں آتا؟ ہمارا سائبان کیوں نہیں بن جاتا؟ کیوں چھپا ہوا ہے؟ نہیں،
میں تمہاری یا امی کی بات نہیں مان سکتی کہ......'' وہ جذباتی ہوگئی۔ قریب تھا کہ یہ بحث مزید
پھیلتی گاڑی کی اطلاع پر دونوں کھڑی ہوگئیں۔ نازو نے گیٹ سے نکلتے وقت اپنی چادر اپنے
گرد لپیٹ لی اور راحیلہ کے ساتھ ہی باہر آ گئی۔ وہ چوکیدار بابا کو سلام کر کے پلٹی تو راشد سے
ٹکراتے ٹکراتے بچی۔

''ہیلو، کیسی ہیں آپ؟'' وہ راحیلہ کے برابر کھڑا اسے گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ ایک
ناگوار سا احساس نازو کے رگ و پے میں اتر گیا۔ اس نے اسے اگنور کیا اور راحیلہ کو خدا حافظ
کہہ کر آگے بڑھی۔

''اچھا راحیلہ، خدا حافظ! ہوسکتا ہے میں کل کالج نہ آؤں۔'' اس نے راحیلہ کو خدا حافظ
کہتے ہوئے اطلاع دی۔

''کیسی خاتون ہیں محترمہ آپ کہ سلام کا جواب بھی نہیں دیا؟'' وہ براہ راست نازو سے
مخاطب تھا۔

''آپ نے سلام نہیں کیا تھا۔ کرتے تو جواب دیتی۔'' وہ راحیلہ کی وجہ سے اس کا لحاظ
رکھ لیتی۔

''اچھا چلئے جناب، اب سلام کئے دیتے ہیں۔ السلام علیکم۔'' وہ راحیلہ کو اگنور کئے اسے
ہی دیکھے جا رہا تھا۔ نجانے کیسا آدمی تھا کہ کسی بات کا خیال ہی نہیں کہ اگلی لڑکی پریشان ہو
رہی ہے یا منگیتر ناراض ہو جائے گی۔''

''وعلیکم السلام۔'' اس نے بہت ناگواری سے جواب دیا۔ وہ اس کے گلابی رخساروں کو
دیکھے جا رہا تھا۔

''یہ آپ سلام کا جواب دے رہی ہیں کہ لٹھ مار رہی ہیں۔ یار کیسی ہے تمہاری یہ
دوست؟'' اب وہ راحیلہ سے مخاطب تھا جو اپنے منگیتر کو دلبرانہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی، اس

کی بات پر مسکرا دی۔

''ارے راشد، آپ نہیں جانتے یہ کیسی لڑکی ہے۔ ہم سے پوچھئے یہ کیا چیز ہے۔''

''خیر ہمیں آپ کی گواہی کی ضرورت نہیں، ہم جانتے ہیں کہ آپ کی دوست کیا چیز تبھی تو ہم......'' وہ کس لہجے میں بات کر رہا تھا، راحیلہ تو شاید اسے نہیں سمجھ پائی تھی البتہ خوب اچھی طرح سمجھ گئی تھی۔

''اوکے راحیلہ، میں چلتی ہوں۔'' وہ آگے بڑھنے لگی تو راشد باقاعدہ اس کے سا کھڑا ہوا۔

''کہاں چلتی ہیں جناب! ہم سب چلتے ہیں۔ آیئے گاڑی میں تشریف رکھئے۔ ڈرائیو گاڑی حاضر ہے۔'' اس نے بے تکلفی کی تمام حدوں کو توڑا تو نازو سلگ اٹھی مگر پھر راح خیال کر کے ضبط کر گئی۔

''جی نہیں، میں بس پر جانے کی عادی ہوں اور اپنی عادتیں بگاڑا نہیں کرتی۔ تھینکس'' اس نے پھر الوداعی نظر راحیلہ پر ڈالی اور آگے بڑھنے لگی۔

''یار راحیلہ، کیسی دوست ہو تم کہ تمہاری دوست بس پر جا رہی ہے اور تم اتنی قیمتی گا میں۔ آفر کرو یار!'' نازو نے محسوس کر لیا تھا کہ راشد کی موجودگی میں راحیلہ بھی اس کو اَ کرتی تھی مگر راشد اسے دیکھتے ہی پھیل جاتا تھا۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ راشد اچھا آدمی نہ ہے، جبکہ راحیلہ آئیڈیل لڑکی اور بہترین دوست تھی اور اسے بہت چاہتی تھی۔

''ہاں نازو! راشد درست کہہ رہے ہیں، تم بھی آ جاؤ نا، کیا حرج ہے اس میں، ہمارا بگڑے گا، تمہیں ڈراپ کر کے آگے نکل جائیں گے۔ آؤ شاباش۔'' راحیلہ کا اصرار بھی معم اور بے جان سا تھا۔

''نہیں جی، ہم ان کو ڈراپ کر کے آگے نہیں نکل جائیں گے بلکہ ان کے گھر جائیں اور اس روز والی چائے پی کر گھر جائیں گے۔ کیا خیال ہے محترمہ، آیئے۔'' وہ ذرا سا جھک گاڑی کی طرف اشارہ کر کے بولا تو اب نازو نے لحاظ کو ایک طرف کرنے کا فیصلہ کیا اور گر ہوئی چادر کو درست کیا۔

''آپ کے حکم کی تعمیل کرنا راحیلہ کی مجبوری ہو سکتی ہے میری نہیں۔'' اس نے سخت سپاٹ لہجے میں کہا۔

''اور راحیلہ کا حکم ماننا آپ کی مجبوری تو ہو سکتی ہے ناں۔ کیوں راحیلہ، یہ تمہارا حکم ما ہیں ناں؟'' دونوں لڑکیوں کی ناگواری کے باوجود وہ کمبل ہوا جا رہا تھا۔ راحیلہ کا پاس تھا،



نازو یا تو راشد کو ہاتھ جما چکی ہوتی یا جواب دیئے بغیر جا چکی ہوتی۔ مگر اب وہ راحیلہ کی وجہ سے مجبور تھی۔ اگر راحیلہ کا بھائی ہوتا، تب بھی وہ کوئی خاص پرواہ نہ کرتی مگر یہ اس کا منگیتر تھا اور وہ نہیں چاہتی تھی اس کی وجہ سے اس کا معاملہ گڑبڑ ہو۔ اب راشد نے ساری ذمہ داری راحیلہ پر ڈال دی تھی۔

''نہیں راشد، ہم ایک دوسرے کو حکم نہیں دیتے، ایک دوسرے کی خواہش کا احترام کرتے ہیں۔'' راحیلہ نے مناسب الفاظ میں اپنی اور نازو کی جان چھڑانی چاہی۔ مگر راشد نے بھی نازو کے انکار کو ضد بنا لیا تھا۔ اسے راحیلہ کے احساسات مجروح ہونے کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔

''تو راحیلہ، کیا تمہاری خواہش نہیں کہ تمہاری دوست ہمارے ساتھ گاڑی میں جائے اور ہم ان کے گھر جا کر چائے پی کر آئیں۔ بولو ہے ناں یہ تمہاری خواہش؟'' وہ اپنی خواہش کو اس کی خواہش بنا کر دونوں پر مسلط کر رہا تھا، دونوں ہی بے بس ہو گئی تھیں۔

''ہاں، ہاں... کیوں نہیں۔'' راحیلہ نے بے دلی سے کہا تو وہ ایک دم نازو کی طرف گھوما۔

''دیکھ لیجئے، یہ آپ کی دوست کی خواہش ہے کہ آپ اس کی گاڑی میں جائیں۔ آ جایئے، بخدا اتنی منتیں میں نے آج تک کسی مہ جبیں کی نہیں کیں۔'' وہ لہجے میں بے چارگی پیدا کر کے بولا۔

''ہاں نازو، یہ درست کہہ رہے ہیں، اتنی منتیں تو انہوں نے کسی کی نہیں کیں، میری بھی منتیں نہیں کیں تو......''

''ارے، آپ کی منتیں کیا کریں گے، آپ تو ہوتی ہی ہماری جیب میں ہیں۔'' راحیلہ کے لہجے میں ہلکے سے طنز کی تلخی تھی۔ راشد نے پلٹ کر اس کے اس بھرم کو بھی توڑ دیا۔ اتنی دیر میں نازو بھی فیصلہ کر چکی تھی۔

''چلیئے، جیسے آپ دونوں کی خوشی۔ یہاں تماشا لگانا بھی مناسب نہیں۔ چلیئے۔'' اور یوں دونوں لڑکیاں بے دلی سے گاڑی میں بیٹھ گئیں۔ وہ دونوں ہی چپ تھیں۔ ارشد چہک رہا تھا۔ اس کی نظر روڈ پر کم اور نازو پر زیادہ تھی اور اس کی پیشانی پر اپنے لئے ناپسندیدگی کی جھلک بھی دیکھ چکا تھا مگر وہ تو اسے بہت پسند آئی تھی۔ نازو کی گلی آئی تو راشد نے گاڑی روک دی۔

''آیئے ناں راشد بھائی۔'' نازو نے خاصے اعتماد سے اسے بھائی کہا تو وہ برا سا منہ بنا کر باہر آ گیا۔ ساتھ ہی راحیلہ بھی نیچے اتر آئی۔

''یار میری یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ تم لڑکیاں ہر کسی کو بھائی کیوں بنا لیتی ہو۔ مجھے یہ قطعی پسند نہیں کہ کوئی حسین لڑکی مجھے بھائی کہے اور خاص طور پر تم۔'' وہ نازو کی طرف اتنا جھکا کہ

اسے پرے ہٹنا پڑا۔

''اور مجھے بھی یہ قطعی پسند نہیں کہ کوئی مجھے ''تم'' کہے خاص طور پر آپ۔ رہی بات بھ والی تو یہ ایک سعادت ہے، ایک اعزاز ہے جو غالباً آپ جیسے مردوں کے لئے نہیں۔ آ صاحب۔ راحیلہ آؤ ناں، آج تو جو دال چٹنی بنی ہوگی ہمارے ساتھ کھا کر ہی جانا۔''

نازو کے اندر ایک عجیب سا اعتماد آ گیا تھا۔ وہ ان دونوں کے ساتھ جب اندرونی گلی : داخل ہوئی تو سامنے سے سلیم آ رہا تھا۔ نازو کے ساتھ راشد کو دیکھ کر سلیم کو تاؤ آ گیا مگر اجنبی بن کر قریب سے گزر گیا۔ نازو سمجھ گئی تھی کہ اسے یہ بات پسند نہیں آئی۔ اسے یہی لوگ پسند تھے جن کو اس کی عزت پیاری تھی۔ وہ اسے دیکھ کر اندر ہی اندر مسکرا دی۔ اچھا لگا تھا ا کا یہ انداز بھی۔

*☆*

نواب امیر اللہ کے انتقال کے بعد گھر میں خاصی بے رونقی ہوگئی تھی۔ جبکہ بیگم امیر ا بھی اب بیمار رہنے لگی تھیں۔ گھر میں عجیب طرح کا سناٹا تھا۔ بانو بیگم تو بولائی بولائی کرتیں گھر میں۔

''ہمارا دل بہت گھبرا رہا ہے۔ آج کل اگر امی جان کی طبیعت بہتر ہوتی تو ہم چند کے لئے امی جان کے پاس چلے جاتے۔ ابا جان کے انتقال پر وہاں بھی سناٹا ہو گیا۔ ہماری تو بھابی جان بھی کوئی خاص خیال نہیں رکھتیں امی جان کا۔'' نواب امیر اللہ کے انتق کے کچھ عرصے بعد ہی نواب حشمت بھی خدا کو پیارے ہو گئے تھے۔

''ہم آپ کا دکھ سمجھتے ہیں بیگم۔ مگر ہم بھی امی جان کی وجہ سے چپ ہیں ورنہ آپ کو وہاں چھوڑ آتے۔ مگر......'' نواب شجاعت اللہ بھی بیگم کا دکھ سمجھتے تھے مگر وہ بھی مجبور تھے۔

''نواب صاحب، آپ شفاعت میاں کو مجبور کیوں نہیں کرتے کہ وہ اب شادی کر ل تاکہ کچھ تو گھر میں تبدیلی آئے، رونق ہو۔''

''ارے بیگم صاحبہ، آپ کو شفاعت میاں کی شادی کا کیا فائدہ ہوگا۔ ان کی بیگم تو کے ساتھ ہی رہیں گی ناں۔'' نواب صاحب مسکرائے تو وہ بھی متفق ہوگئیں۔

''بات تو آپ کی درست ہے۔ مگر نواب صاحب ایک تو یہ کہ شادی تو بہرحال ان کو لینا ہی چاہئے، خاصی عمر ہوگئی ہے ان کی۔ اور دوسرے یہ کہ ان کی شادی سے کچھ دن تو ر اور خوشی میں گزرا کریں گے۔ ایک تو ہم آپ سے خفا ہیں، آپ نے ہمارے دونو صاحبزادوں کو اکیڈمی بھیج دیا ہے، ہمارا دل ان کے بغیر بالکل بھی نہیں لگتا۔'' بانو بیگم ا



ان حسن اور احسن کے لئے پریشان اور اداس ہو رہی تھیں۔

''بھئی بانو بیگم، آج تو آپ بالکل روایتی خاتون نظر آ رہی ہیں، ہم نے آپ کو اتنا کمزور بھی نہیں دیکھا۔ بچوں کے بہتر مستقبل کے لئے کبھی کبھی ان کی جدائی بھی برداشت کرنی تی ہے۔ اور پھر وہ زیادہ دور تو نہیں ہیں۔ چلئے ویک اینڈ پر ان سے مل آتے ہیں، یہ تو مری ہے.....''

''لیکن امی جان۔۔۔'' شجاعت اللہ صاحب بیگم کو اداس دیکھ کر فیصلہ کر چکے تھے کہ ان کو بچوں سے ملوانے کے لئے مری لے جائیں گے۔ مگر امی جان کا خیال کر کے خاموش ہو گئے۔

''امی جان کا خیال ہے ورنہ ہم ہر ویک اینڈ پر اپنے بچوں سے مل کر آئیں۔ احسن تو پھر ی بڑے سمجھدار ہیں۔ حسن تو بہت چھوٹے ہیں۔ پچھلی بار جب آئے تھے تو کہہ رہے تھے ن کا جانے کو جی نہیں چاہتا۔'' یہ کہتے ہوئے بانو بیگم کے آنسو گرنے لگے۔ وہ آج کچھ زیادہ حساس ہو رہی تھیں، شاید اس کی ایک وجہ رات کو آنے والا انیقہ کا فون بھی تھا۔ گو کہ ہوں نے اپنی حالت زار کے لئے الفاظ کا استعمال نہیں کیا تھا مگر ان کی خاموشی بھی ان کو ت کچھ سمجھا گئی تھی کہ وہ کانٹوں پر چل رہی تھیں۔

''ویسے بیگم، ہم نے آپ کی تنہائی کا ایک علاج سوچا تو ہے، امید ہے آپ کو بھی پسند ئے گی ہماری تجویز۔ کہئے تو عرض کریں؟'' شجاعت اللہ صاحب کو آج واقعی بیگم سے بہت مدردی ہو رہی تھی، ان کی باتوں پر بانو بیگم نے ٹشو سے چہرہ صاف کیا اور ان کو دیکھنے لگیں۔

''جی کہیے؟''

''ہماری تجویز ہے بیگم صاحبہ کہ اپنے قمر میاں کے لئے پھوپھی جان خاصی پریشان ہیں۔''

''کیوں خیریت؟ اب تو وہ صاحب اولاد بھی ہو گئے ہیں۔ پھر پھوپھی جان کیوں یشان ہیں؟''

''بات یہ ہے بیگم کہ قابل اولاد بچپن سے بڑھاپے تک اپنے والدین کے لئے سکون کا عث ہوتی ہے۔ جبکہ نااہل اولاد کبھی بھی اپنی ذات سے اپنے والدین کو کوئی خوشی اور سکون ہیں دیتی۔ قمر میاں کے بارے میں تو آپ جانتی ہیں، روایتی نوابوں والے انداز ہیں۔ کچھ رتے کراتے تو ہیں نہیں اس لئے شادی کے بعد اور خصوصاً بچے کے بعد تو وہ معاشی طور پر یشان رہتے ہیں۔ دوسرے بھائی کو خاص توجہ نہیں دیتے جس کی وجہ سے پھوپھی جان یشان رہتی ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ ہم قمر میاں اور نورینہ کو اپنے پاس بلا لیتے ہیں، اس رح کچھ مسائل ان کے کم ہوں گے اور کچھ ہمارے۔ کیا خیال ہے آپ کا؟'' شجاعت اللہ احب نے حقے کا پائپ اپنی طرف گھسیٹا تو بانو بیگم خوش ہوگئیں۔ اچھے اور کھلے دل کی

مالک بانو بیگم کبھی کسی مہمان کی آمد سے نہیں گھبراتی تھیں۔

''نہایت معقول اور خوش کن خیال پیش کیا ہے آپ نے نواب صاحب۔ ہمیں ا
مسرت ہو رہی ہے۔ اگر قمر میاں اور نورینہ آ جائیں گے تو ہماری پریشانی بھی خدا کے ف
سے رخصت ہو جائے گی۔''

''چلئے تو پھر ہم آج ہی قمر میاں کو فون کئے دیتے ہیں کہ وہ آ جائیں۔''

⁕☆⁕

''چابی کے بغیر آپ گاڑی یقیناً نہیں چلا سکتے آفیسر۔'' منزہ فضا میں چابی لہرا رہی تھیں

''او تھینک یو منزہ۔'' شفاعت اللہ نے ممنون سی نگاہ اس پر ڈالی اور چابی کے لئے
بڑھائے۔

''اونہوں، ایسے چابی نہیں ملے گی۔'' منزہ نے چابی پیچھے کھسکا لی تو وہ سوالیہ نگاہوں
اسے دیکھنے لگے۔

''پھر کیسے ملے گی؟ لایئے جلدی دیجئے، ہمیں آج گھر فون بھی کرنا ہے لایئے۔'' ا
نے پھر ہاتھ بڑھایا۔

''فون تو ہمارے ہاں بھی ہے شفاعت اللہ۔ یہیں سے کرلیں ناں۔''

شفاعت اللہ نے تکلف کی ایک اور دیوار گرتی دیکھی تو برا سا منہ بنایا۔ ایک تو وہ ان
آدھی عمر کی تھی، دوسرے وہ روایت پرست خاندان کے فرد تھے اور حو بھی کسی حد تک رو
پرست ہی تھے اور خواتین کے معاملے میں وہ کسی حد تک تنگ نظر بھی تھے۔ ان کے خا
جیسی خواتین ہی ان کا آئیڈیل تھیں۔

''منزہ! ہم آپ سے سنجیدگی سے کہنا چاہتے ہیں کہ آپ ہم سے بہت جونیئر ہیں۔''

''شفاعت اللہ! میں نے تو تمہیں اپنے گھر سے فون کرنے کو کہا ہے، بزرگ ہو۔
دعویٰ تو نہیں کیا۔'' وہ پھر اسی انداز میں بولی تو ان کو غصہ آ گیا مگر وہ بہت برداشت وا
تھے، جلدی اپنا غصہ ظاہر نہیں کرتے تھے۔ مگر اس میں منزہ کا بھی خاص قصور نہیں تھا۔
نے آزاد ماحول میں آنکھ کھولی تھی۔ مگر منزہ کچھ زیادہ ہی شوخ اور کسی حد تک بے باک
بہت سادہ، صاف گو اور مخلص لڑکی جس کی وجہ سے وہ اس سے بات کرلیا کرتے تھے۔

''ہم آپ سے فضول بحث میں اُلجھنا نہیں چاہتے، لایئے چابی دیجئے۔'' وہ چاہتے ہ
بھی ترش ہو گئے۔

''اور اگر ہم نہ دیں تو؟'' وہ اٹھلائی۔ مگر وہ طیش میں آ گئے۔ بولے بغیر انہوں نے



کھی اور چلے گئے۔ وہ دیکھتی رہ گئی۔

⁕☆⁕

''آپی جان! ہم نے اپنے آپ کو مار کر نواب احتشام کو خوش رکھنے کی کوشش کی ہے۔
لیکن اگر ان پانچ سالوں میں ہمارے ہاں اولاد نہیں ہوئی تو یہ اللہ لاشریک کا حکم ہے، فیصلہ
ہے۔ ہم کیا کر سکتے ہیں۔ وہ ہمیں ہماری بے گناہی کی سزا دینا چاہتے ہیں۔ ایک عرصے تک
ہمیں پڑھی لکھی جاہل ہونے کا طعنہ ملتا رہا، اس سے چھٹکارا ملا تو بے اولاد ہونے کا طعنہ ملنے
لگا۔ ہم کیا کریں، کہاں جائیں آپی جان۔ اب تو ہماری برداشت بھی جواب دے گئی ہے۔ ہم
کیا کریں، ہم آپ سے شرمندہ ہیں، ہر دوسرے روز آپ کو پریشان کر دیتے ہیں۔ مگر آپی
جان! پھر ہم اپنا دکھ کس سے کہیں۔ امی جان تو بیمار رہتی ہیں، دوسرے بے بس ہیں، کچھ کر تو
سکتی نہیں۔ ہمارے دکھ پر رو رو کر مزید بیمار ہو جاتی ہیں۔ بس آپ ہی رہ جاتی ہیں تو......''
ایقہ فون پر رو رہی تھیں، وہ جب تنہا ہوتیں، دکھی ہوتیں تو بانو بیگم کا نمبر آپ ہی ملا دیتیں۔

''ایقہ، ہماری جان! آپ ایسی باتیں مت سوچا کریں، جب بھی دل چاہے ہمیں فون کر
لیا کریں۔ آخر بہنیں بھی ایک دوسرے کا دکھ نہ سنیں تو کون سنے گا۔ صبر اور نماز سے مدد لیجئے،
اللہ آپ کی مدد فرمائے۔ ہم تو ہر وقت دعائیں کرتے رہتے ہیں آپ کے لئے۔ احتشام میاں
کو خوش رکھنے کی کوشش کیجئے، حالات کو بگڑنے نہ دیجئے گا۔ وہ تو کچھ بھی کر سکتے ہیں، آپ
برداشت کرتی جایئے، اللہ دیکھ رہا ہے ناں، وہ بندے کی برداشت سے زیادہ آزمائش نہیں
لیتا۔ خدا سے مدد مانگتی رہا کیجئے۔ ہم تو بہت دعا کرتے ہیں ایقہ جان کہ ان کے مزاج برہم
نہ ہوں، اب آپ کو انہی کے ساتھ زندگی بسر کرنی ہے۔ کوشش کیجئے گا کہ احتشام میاں آپ
سے ناخوش نہ ہوں۔'' بہن کے دکھ سن کر وہ بہن کو تاکید کر رہی تھیں۔

''سوائے برداشت کے میرے پاس چارہ ہی کون سا ہے آپی جان۔ بس اللہ تعالیٰ مجھے
مزید ضبط اور صبر کی توفیق عطا فرمائے، جب ہمارے نصیب ہی میں یہ سب لکھا ہے تو پھر۔''
ایقہ ہچکیاں دباتے ہوئے بولیں۔

''ایقہ، ہو سکے تو چند روز کے لئے یہاں آ جایئے ناں۔'' بانو بیگم کا دل بہت چاہ رہا تھا
کہ وہ آئیں۔

''ہم اور آپ کے ہاں آئیں، ہم اتنے خوش نصیب ہوتے تو ہم یہاں نہ ہوتے آپی
جان۔'' بانو کی بات پر ایقہ کے زخم پھر سے ہرے ہو گئے تھے۔ شفاعت اللہ کا سراپا نگاہوں
میں گھوم گیا تھا۔ پھر وہ زیادہ بات بھی نہ کر سکیں اور ریسیور رکھ دیا۔

''خدا حافظ میری گڑیا، خدا آپ کو سکون دے۔ آمین۔'' بانو بیگم کتنی ہی دیر روتی رہیں، حالانکہ
اتیقہ گھر میں چھوٹی تھیں۔ کتنے ناز و نعم میں ان کی پرورش ہوئی تھی، اتنی ہی اب وہ دُکھی تھیں۔

''دلہن! آپ نے بلایا تھا کیا مجھے؟ یہ کمبخت عبدل تو کوئی بات ڈھنگ سے کر
نہیں۔'' اماں بوا ہانپتی ہوئی آ گئیں۔ پیچھے ہی عبدل بھی آ گیا۔

''اماں بی ذرا ٹھہریو۔'' عبدل نے شرارت میں کہا تو اماں بی جھکی کی جھکی رہ گئیں
قالین کے اوپر نیچے کچھ تلاش کرنے لگا اور اماں کو یوں ہی جھکائے رکھا۔

''ارے کیا ڈھونڈ رہا ہے کمبخت میری کمر اکڑ گئی ہے۔''

''بس اماں بی، میں یہ دیکھ رہا تھا کہ کوئی چیونٹی تو تمہارے نیچے نہیں آ رہی۔ دراصل
چیونٹیوں سے خاص قسم کی ہمدردی ہے۔'' عبدل کی بات پر اماں سلگ اٹھیں۔

''ہاں کیوں نہ ہو چیونٹیوں سے خاص ہمدردی۔ خالہ کی بیٹیاں ہیں ناں۔ دفع ہو جا
بکرانہ ہو تو۔'' اماں بی نے زور سے اسے دھکا دیا تو وہ ہنستا ہوا بانو بیگم کے قدموں میں جا

''دیکھ لیجئے بیگم صاحبہ پھر آپ کہتی ہیں اماں کی عزت کیا کرو، یہ تمہاری پڑنانی کی
ہیں۔'' وہ اماں بی کو چڑانے کے لئے بولا تو بانو بیگم مسکرا دیں۔

''عبدل میاں! تم ہو ہی اسی لائق کہ اماں بی پٹائی کریں۔ اب ہم نے یہ کب کہا
اماں تمہاری پڑنانی کی عمر کی ہیں۔ اماں بی آپ ہم سے متنفر ہرگز نہ ہوئیے گا۔ یہ......''

''ارے دلہن بیگم، ہم اس کی شرارتیں خوب سمجھتے ہیں۔ آپ بتائیے کیسے یاد کیا آپ

''ہاں اماں بی، ہم نے اس لئے بلایا ہے کہ قمر میاں اور نورینہ بی بی اپنے بیٹے کے
آ رہے ہیں تو ان کے لئے اوپر والے پورشن میں کوئی مناسب کمرہ تیار کر دیجئے گا۔''

''ہو جائے گا دلہن بیگم، ہو جائے گا۔ آپ مطمئن رہئے۔''

''ہو تو جائے گا مگر بیگم صاحبہ، قمر میاں کا جو بیٹا ہے، وہ سائز میں کس پر پڑا ہے
مطلب ہے کہ اگر ننھے میاں والدہ محترمہ پر گئے ہیں تو ہمیں بڑا ہال کمرہ تیار کرنا پڑے
اور اگر والد محترم پر پڑے ہیں خدانخواستہ تو......تو......''

''عبدل! بری بات ہے۔ اس طرح نہیں کہتے۔ جاؤ کمرہ تیار کرنے میں اماں بی
کرو۔'' اماں بی اور عبدل لڑتے ہوئے چلے گئے۔ بانو بیگم مسکراتی ہوئی اٹھ گئیں۔ تھوڑی
بعد عبدل پھر بھاگتا ہوا آیا۔

''بیگم صاحب! وہ اماں بوا تھیں ناں۔''

''تھیں...... کیا مطلب ہے تمہارا؟'' بانو بیگم پریشان ہو گئیں۔



''جی وہ مبلغ چار سیڑھیوں سے گر کر چار شانوں پر سوار ہونے کے لئے تیار ہیں۔''

''عبدل......'' بانو بیگم نے ذرا غصے سے کہا تو وہ ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔

''جی وہ مرحومہ اماں بی سیڑھیاں چڑھ رہی تھیں کہ کسی سیڑھی کو شرارت سوجھی اور اماں
پاؤں کے تلوے میں گدگدی کر ڈالی تو اماں بی توازن برقرار نہ رکھ سکیں اور سر کے بل
سیڑھیاں اترتے ہوئے......''

''اور یہ سارا تماشا تم دیکھتے رہے، اماں بی کی مدد نہیں کی؟''

''جی نہیں۔ کیونکہ آپ نے کمرہ تیار کرنے کے سلسلے میں اماں کی مدد کرنے کو کہا تھا، گرنے
بچنے میں مدد کے لئے نہیں کہا تھا۔'' عبدل نے برملا کہا تو بانو بیگم سر تھام کر رہ گئیں۔

''عبدل...... عبدل، تم بہت بدتمیز ہو۔ چلو دیکھیں اماں کو۔'' وہ خود اٹھ کر اماں کے پاس
گئیں۔ وہ گری ہوئی ہائے ہائے کر رہی تھیں۔

''عبدل، پکڑو اماں کو۔'' بانو بیگم نے ایک طرف سے پکڑا اور دوسری طرف عبدل کو کہا۔

''بیگم صاحب، آپ نے دیکھنے کو کہا تھا، پکڑنے کو تو نہیں کہا تھا۔ خیر آؤ اماں بی، قبرستان
تک ذرا چھوڑ آؤں... ذرا ٹپ کر دوں۔'' عبدل اماں کو اٹھاتے ہوئے بولا تو بانو بیگم مسکرا دیں۔

☼☆☼

''صاحب نیچے آپ کے مہمان آئے ہیں۔'' شفاعت اللہ نماز کے بعد بیٹھے ہی تھے کہ
بٹ مین نے آ کر اطلاع دی تو وہ کتاب بند کر کے مہمان کے بارے میں سوچنے لگے۔

''کوئی خاتون ہیں۔'' انہوں نے اسے دیکھا تو بٹ مین کے ہونٹوں پر معنی خیز سی
مسکراہٹ تھی جو صاحب کے خوف سے دم توڑ گئی۔

''کیا کرنل انوار کی بیٹی ہیں؟'' ان کو کسی حد تک آئیڈیا تو تھا مگر پھر بھی انہوں نے پوچھ
منزہ کی آمد کی یقین دہانی کے بعد ایک ناگواری اُلجھن ہوئی مگر وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

''ہوں ٹھیک ہے، ان کو کچھ پیش کرو، ہم ابھی آتے ہیں۔''

شفاعت اللہ آج منزہ سے حساب بے باق کرنا چاہتے تھے، ان کو یہ قطعی پسند نہیں تھا کہ
اس طرح ان کے پاس آئیں، دوسرے لوگ کیا خیال کرتے ہوں گے۔ انہوں نے بالوں
میں ہاتھ مارا اور نیچے آ گئے۔ وہ باہر لان ہی میں بیٹھی تھی، سیاہ جینز اور ڈھیلے سے کرتے میں
کھلے ہوئے بالوں کو لہراتی وہ بہت اسمارٹ اور خوبصورت لگ رہی تھی مگر اس کے اس روپ
سے شفاعت اللہ نہ متاثر تھے اور نہ ہی ان کو یہ اطوار پسند تھے۔

''کوئی اس طرح خفا ہوتا ہے شفاعت اللہ کہ پلٹ کر دیکھتا بھی نہیں۔'' بغیر سلام دعا کئے

وہ شکوہ کر رہی تھی۔ شفاعت اللہ نے ایک نگاہ اس پر ڈالی، وہ ان سے آدھی عمر کی
سمجھتے تھے کہ وہ کچی عمر کے خوابوں کے جال میں الجھ گئی ہے مگر وہ اسے جھوٹی آس سے
پر ڈالنا نہیں چاہتے تھے۔

''آپ..... آپ ہم سے کیا چاہتی ہیں منزہ؟'' انہوں نے دائیں بائیں دیکھا اور
آواز میں پوچھا۔

''میں آپ سے کچھ نہیں چاہتی آفیسر، میں صرف تمہیں چاہتی ہوں۔'' منزہ نے
اور سادہ الفاظ میں اپنی محبت کا اظہار کر دیا تو شفاعت اللہ تلملا کر رہ گئے۔ گو کہ وہ
جذبوں کے اس جزیرے سے گزر چکے تھے مگر نجانے انسان تجربات کی بھٹی سے گزر
باوجود دوسرے کی تکلیف کو محسوس کیوں نہیں کرتا۔

''منزہ ڈونٹ بی سلی۔ آپ کو معلوم ہے میری اور آپ کی عمر میں کتنا فرق ہے۔''

''تو ہوا کرے میجر، یہ جو جذبے ہوتے ہیں ناں، یہ آزاد پنچھی ہوتے ہیں۔ یہ کو
کوئی پابندی قبول نہیں کرتے۔ آپ جذبوں کو عمر کے فرق کی قید میں مقید نہیں کر سکتے
میرے اور آپ کے بیچ آدھی عمر کا فرق مگر میں اس کو تسلیم نہیں کرتی، اس لئے کہ آئی ا
وہ سورج کی سرخی مائل ڈوبتی کرنوں کے سامنے کھڑی اپنی محبتوں کا اظہار کر رہی
بے بسی سے اسے دیکھے گئے۔ کتنی معصوم اور سادہ تھی وہ..... اس وقت جذباتی ہو کر
طرف بڑھ رہی تھی، کل کو جب اپنی غلطی کا احساس ہوگا تو شاید واپسی ممکن نہ ہو۔ تر
ناہموار ہو جاتی ہے۔

''منزہ! ہم آپ کے لئے اپنے دل میں کوئی ایسی کسک محسوس نہیں کرتے، ہما
سوچ آپ کے نام نہیں، ہماری نظر کے کسی زاویے میں آپ کی تصویر نہیں ہوتی، ہ
قدم بھی خوشی سے آپ کی طرف نہیں بڑھا، سو بات کی ایک بات منزہ آپ ہمارا آئیڈ
نہیں۔'' وہ اس وقت اپنی نیچر کے خلاف بہت سخت لہجے میں بول رہے تھے، اپنی طر
وہ اسے مایوس کر دینا چاہتے تھے، اسی لئے تو اتنی سفاکی سے اس کے جذبوں کی ناز
کو کٹھور پن سے مسلتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے اور وہ جو ان سے محبت کرتی تھی،
اندر ڈھے گئی تھی۔ کسی بھی چاہنے والے کے لئے اس سے بڑھ کر اور تذلیل کیا ہو سکتی
محبوب اتنی سفاکی سے شیشہ دل چور کر ڈالے۔

''اور آپ کا آئیڈیل کیسا ہے شفاعت اللہ؟'' منزہ کی آواز نہ صرف دھیمی تھی بلکہ
تھی۔ انہوں نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا، پر بہار چہرے پر خزاں آ گئی تھی۔ خزاؤں کی



نے اس لڑکی کو دھندلا سا دیا تو ان کو ملال ہونے لگا۔ مگر وہ مضبوط رہے۔

''ہم معذرت کے ساتھ آپ پر یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ ہمارا آئیڈیل آپ نہیں۔
جب بھی شادی کریں گے، اپنی ہم عمر خاتون سے کریں گے جو پختہ عمر کے ساتھ پختہ سوچ
کی حامل ہوگی۔''

''میں نے آپ سے صرف یہ پوچھا ہے میجر کہ آپ کا آئیڈیل کیسا ہے؟'' وہ ان کی
کو نظر انداز کر کے سپاٹ سے لہجے میں اپنی بات دہرا رہی تھی۔ وہ اسے دیکھ کر جز بز ہو
ٹھیک ہے کہ ان کا آئیڈیل تھا جو ان کو انیقہ کے روپ میں نظر تو آیا مگر ملا نہیں تھا۔ منزہ
بات تو انہوں نے جان چھڑانے کے لئے کی تھی کہ وہ آئیڈیل لڑکی سے شادی کریں گے۔

''ہمارا آئیڈیل حیا کے لبادے میں لپٹی احتیاط سے کانچ جیسے گھر میں رہتی روایات کی
اس قسم کی لڑکی ہے جو اتنی سمجھدار ہو کہ اپنے الفاظ کا زیاں نہ کرتی ہو، مختصر اور جامع بات
کرتی ہو، بزرگوں کا حکم مانتی ہو نہ کہ ان پر اپنی بات مسلط کرتی ہو اور.....'' وہ جان بوجھ کر وہ
کر رہے تھے جو اس کے اندر نہیں تھیں۔ ابھی ان کی بات جاری تھی کہ وہ اپنا پرس اور
کی چابیاں اٹھا کر کھڑی ہوگئی۔

''اوکے میجر، خدا حافظ!'' اس نے عام سے لہجے میں کہا اور چپ چاپ چلی گئی اور وہ
اس کی پشت پر لہراتے بال دیکھتے ہوئے اس کے اس طرح اٹھ کر چلے جانے سے کچھ بھی
اندازہ نہ کر سکے۔ وہ ناراض ہو کر گئی تھی، متاثر ہو کر گئی تھی یا وہ ان سے متفق نہیں ہوئی تھی، وہ
کچھ اندازہ نہیں لگا سکے تھے۔ کچھ بوجھل سے احساس کے ساتھ واپس اپنے کمرے میں آ
نجانے کیوں منزہ ان کو بہت مختلف لڑکی لگی تھی۔ آخری وقت اس کے چہرے پر چھا
والی سنجیدگی کی دھند بے معنی نہیں تھی، وہ چنچل لا ابالی سی کھلنڈری لڑکی نجانے اس بات
کا اثر لے۔ وہ یہ سوچ سوچ کر کچھ پریشان سے تھے اور اس روز کے بعد منزہ نے نہ تو
فون کیا اور نہ ہی خود آئی۔ کرنل انوار سے ان کی روز ہی ملاقات ہوتی۔ نہ ہی انہوں
نے غیر معمولی رویئے کا اظہار کیا اور نہ ان سے کچھ پوچھا جیسے ان کو خبر ہی نہ تھی۔
شفاعت اللہ کو عجیب سی گھٹن ہونے لگی تھی اس گمبھیر ماحول سے۔ اس روز خود فون کرنے
والے تھے کہ ان کو گھر سے فون آ گیا اور وہ گھر روانہ ہو گئے۔

☆☆☆

''ڈاکٹر کیا کہتے ہیں؟ امی جان تو بہت کمزور ہو گئی ہیں۔'' وہ والدہ کی علالت کی خبر سنتے ہی
آئے اور نیم بے ہوش بیگم نواب کے قریب بیٹھے ان کو پریشانی سے دیکھ کر پوچھ رہے تھے۔

"ڈاکٹرز کا کیا کہنا ہے میاں، ایک تو بڑھاپا سو بیماریوں کی ایک بیماری ہے، د
وقت رہنے والے بخار نے تو ان کو نڈھال کر دیا ہے۔" اور پھر شجاعت اللہ نے ان
بیماری اور علاج کی ڈیٹیل بتائی تو وہ محبت سے ماں کے پاؤں چھو کر باہر آ گئے۔

"شفاعت میاں، امی جان کی ایک خواہش آپ کی ذات سے بھی وابستہ ہے، ا
دیجیے تو خوش ہو جائیں گی۔" بانو بیگم ان کو قریب آتا دیکھ کر اپنے مقصد پر آ گئیں
مطلب سمجھ کر ان کے قریب بیٹھ گئے۔

"انسان بہت بے بس، بے اختیار مخلوق ہے بھابی جان! اس کی ناچیز سی
وابستہ کوئی بھی خواہش وہ ہرگز پوری نہیں کر سکتا جب تک اللہ کی ذات واحد نہ چا
کی مراد اگر ہماری شادی سے ہے تو جب خدا کا حکم ہوگا ہو جائے گی اور ہمیں ان
ہوگا۔" وہ گاؤ تکیے سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہو گئے۔

"اللہ نے کوشش کا تو حکم دیا ہے ناں۔"

"کی تھی، کوشش بھی کی تھی بھابی جان! کوشش بھی وہی کامیاب ہوتی ہے جس
اپنی رضا شامل ہوتی ہے، یوں بھی طبیعت اس طرف مائل ہوتی ہی نہیں ہے۔" ش
افسردہ ہو گئے تھے۔ یہ بات کرتے ہوئے پہلے انیقہ کا سراپا نگاہوں میں گھوما، دا
سی ابھری پھر منزہ کا مسکراتا ہوا چہرہ ابھرا اور ڈوب گیا۔ بانو بیگم جب بھی ان کو
ہو جاتیں۔ کتنا چاہتے تھے یہ انیقہ کو۔ اگر وہ ان کی ہو جاتی تو دونوں کتنی خوش اور
گزارتے۔ مگر قسمت کے اس چکر کو کون سمجھ سکتا تھا۔

"شفاعت میاں! اب آپ کی عمر زیادہ ہو رہی ہے۔"

"کہاں زیادہ ہو رہی ہے بھابی جان۔ ابھی تو ہمارے ہنسنے کھیلنے کے دن
اکتیس برس کے ہوئے ہیں اور آپ ہیں کہ ہمیں پختہ عمر کا بڈھا بنا رہی ہیں۔" انہو
کر ان کی بات کی سنجیدگی کو ختم کر دیا۔

"کچھ بھی ہو مگر اب ہم آپ کی شادی کرنا چاہتے ہیں۔ خود ہی کوئی لڑکی بتا دی
پسند کی لڑکی تلاش کر کے آپ کی بات ٹھہرا دیتے ہیں۔" پان بناتے ہوئے انہو
کیا تو شفاعت اللہ ایک بار پھر سنجیدہ ہو گئے۔ ایک سایہ سا ان کے چہرے پر سے

"پسند کی لڑکی آپ کو بتائی تو تھی بھابی جان۔" ان کا ویران لہجہ رو سا دیا۔
تڑپ اٹھیں۔

"بھول جائیے شفاعت میاں اس لڑکی کو۔" بانو بیگم نے بمشکل اپنے آنسو



"ہوں، خود فراموشی کا اچھا مشورہ دیا آپ نے بھابی جان۔" وہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔
ند قدم آگے بڑھے پھر پلٹے۔ "وہ اپنے گھر خوش تو ہیں ناں بھابی جان؟" ان کے سوال پر
انو بیگم نے چہرہ دوسری جانب کر لیا۔ ان کا جی چاہا ان سے لپٹ کر خوب روئیں اور انیقہ کی
آسودہ اور دکھی زندگی کے اوراق ان کے سامنے رکھ دیں۔

"لڑکیوں کی اپنی اپنی قسمت ہوتی ہے شفاعت میاں۔ کچھ لڑکیاں اپنی زندگی کی تمام
وشیاں، سکون و اطمینان والدین کی دہلیز پر ہی بھول جاتی ہیں پھر تمام عمر ان کی تلاش میں
گزار دیتی ہیں۔ ہماری انیقہ بھی ایسی لڑکیوں میں شامل ہیں..... اور..... اور....." بانو بیگم
سے ضبط نہ ہو سکا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ شفاعت اللہ مچل مچل گئے۔ وہ بھابی
جان کے آنسوؤں ہی سے انیقہ کی داستان سمجھ گئے تھے۔

"بھابی جان..... بھابی جان! خدارا ہمیں انیقہ کے بارے میں سب کچھ بتا دیجیے۔ انیقہ
ے دکھ، ان کی خوشیاں ہمیں انہی کی طرح عزیز اور پیاری ہیں۔ پلیز ہمیں سب کچھ بتائیے،
کیا بات ہے جو آپ یوں حوصلہ چھوڑ بیٹھی ہیں؟" انہوں نے بھابی جان کے ہاتھ تھام لئے تو
ہوں نے ساری بات نہ چاہتے ہوئے بھی ان کو بتا دی۔

"ہماری کلیوں سی نازک بہن انگاروں میں جینے پر مجبور ہے شفاعت میاں! کیا یہ صدمہ
ارے لئے کم ہے؟" انیقہ کی بے سکون زندگی کی داستان شفاعت اللہ کو بھی تڑپا گئی۔

"کیوں بھابی، آپ لوگوں نے انیقہ کے لئے ایسے شخص کا انتخاب کیا جو ان کی قدر نہ کر
ا اب بھی کئی راستے ہیں۔ اب بھی تو وہ قید سے رہائی پا سکتی ہے۔" وہ جس قدر بے قرار ہو
ے تھے ان کے اختیار میں ہوتا تو انیقہ کو اس شخص کی قید سے چھڑا لاتے مگر وہ بے بس تھے۔

"جس راستے کی آپ بات کر رہے ہیں شفاعت میاں، وہ آزادی کا نہیں مزید قید اور
ی کا راستہ ہے۔ ہمارے خاندان میں ایسا کبھی نہیں ہوا، اب جیسا بھی ہے انیقہ کو وہیں
ا اور مرنا ہے۔ آپ دعا کیجیے کہ احتشام میاں سدھر جائیں اور انیقہ بھی زندگی کی خوشیاں دیکھ
کیں۔" بانو بیگم کو آج دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع ملا تو وہ اپنے ہمدرد کے سامنے روئے گئیں۔

"کیا ستم ہے کہ ہم تمنا کر کے بھی محروم ٹھہرے اور احتشام ہماری زندگی کی متاع عزیز کی
نہ کر سکے۔ بھابی جان، کہہ دیجیے نواب احتشام سے کہ ہماری متاع عزیز کی قدر کریں یا
لوٹا دیں..... لوٹا دیں ہمیں۔" جذبات کی رو میں بہہ کر ان کو اندازہ ہی نہیں ہوا کہ ان کو
ی بات کہنی چاہیے اور کون سی نہیں۔ البتہ بانو بیگم طیش میں ضرور آ گئیں۔

"شفاعت میاں، اپنی بہن کے دکھ ہم نے آپ سے اس لئے نہیں کہے کہ آپ بددعا

دے دیں۔ احتشام جیسے بھی ہیں، سہاگ ہیں ہماری بہن کا۔ خدا ان کو سلامت ر
ہماری بہن سہاگن رہیں۔"

اپنے سسرال آنے کے بعد بانو بیگم پہلی بار غصے میں آئی تھیں۔ شفاعت اللہ بڑ
پریشان ہو گئے۔

"بھابی جان! آپ..... آپ خفا ہو گئیں، بخدا ہمارا کوئی ایسا ویسا مطلب ہرگز نہ
چونکہ ہم انیقہ کو بہت عزیز رکھتے ہیں، اسی لئے ان کے دکھ سن کر ہم ذرا جذباتی ہو گ
اگر آپ کو برا لگا تو ہم اس کی معذرت چاہتے ہیں۔ بہت زیادہ معذرت چاہتے ہی
تعالیٰ ان کو اپنے گھر کا سکھ نصیب فرمائے، آمین۔"

پھر شفاعت اللہ ان کا جواب سنے بغیر وہاں سے تیزی سے چلے گئے۔ بانو بیگم ا
کی دھند میں اتری کچھ پشیمان سی سوچتی رہ گئیں کہ وہ اتنا ریش کیوں ہو گئی تھیں۔ شفا
تو ان کو بے حد اچھے لگتے تھے اور ان کی سعادت مندی کی وجہ سے ہی یہ ان کو زیادہ ا
تھیں۔ آج تک کوئی بدمزگی نہیں ہوئی تھی۔ مگر آج جانے کیا ہوا، انیقہ کی وجہ سے ا
تھیں کہ اس قدر چاہنے والے دیور کا دل بھی دکھا بیٹھیں۔ وہ افسردہ سی وہاں سے اٹھ

☼☆☼

قمر میاں اور نورینہ کے آ جانے سے گھر میں خاصی رونق ہو گئی تھی اس لئے کس
دل بہل جاتا تھا۔ شفاعت اللہ کی طبیعت بہت مضطرب سی تھی۔ سونا چاہتے تھے مگر
رہی تھی اس لئے نیچے آ گئے تو قمر میاں ان کی طرف لپکے۔

"السلام علیکم شفاعت بھیا! دو روز قبل آپ کی آمد کی خبر ملی تھی مگر نظر آج آر
آپ کہاں تھے؟" قمر میاں ان سے ہاتھ ملا کر گلے ملنے لگے۔

"وعلیکم السلام قمر میاں، ہم تو یہیں ہیں، آپ ہی اپنی بیگم اور بیٹے میں مگن رہتے
کسی اور کا خیال ہی نہیں رہتا۔ کہاں ہیں ہمارے بھتیجے صاحب؟ کس پر گئے ہیں؟"

"جی وہ گاڑی پر گئے ہیں نورینہ بی بی کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس۔" عبدل ۔
عادت درمیان سے فقرہ اچک لیا تھا۔

"ہماری بیگم صاحبہ کو ہرگز عقل نہیں آ سکتی، کبھی نہیں، ناممکن۔ یعنی کہ لاحول ولا
کہ ہمیں لئے بغیر چلی گئیں۔" قمر میاں سخت خفا ہو رہے تھے اور ٹہل کر غصے کا اظہا
تھے۔ عبدل بھی ساتھ ساتھ ٹہل رہا تھا۔

"ارے بھئی قمر بھیا، آپ ناحق غصہ کر رہے ہیں، بیٹھ جائیے سکون سے۔"



"جی ہاں، ان کو غصہ کرنا ہی نہیں چاہئے۔ معلوم ہے زیادہ غصے سے نازک پسلیاں تڑخ
جاتی ہیں۔ ان جیسے لوگوں کی سانس کی نالی میں غصہ پھنس جائے تو بندہ ٹھاہ۔" ساتھ ہی عبدل
کرسی سے جا ٹکرایا۔ کچھ دیر آنکھیں بھینگی کئے بیٹھا رہا۔

"انتہائی نامعقولیت کا ثبوت دیا ہے، یعنی کہ آپ کی پھوپھی زاد ہے۔ حد ہو گئی ہمارے
بیٹے کو لے گئیں اور ہمیں لے کر نہیں گئی، چھوڑیں گے نہیں ہم بھی۔ امی جان کو آج ہی شکایت
بھرا فون کریں گے۔"

"ہماری تو سمجھ میں نہیں آ رہا کہ آپ اتنا غدر کیوں مچا رہے ہیں قمر میاں! کوئی بات نہیں اگر
نورینہ آپ کی بجائے بیٹے کو ڈاکٹر کے پاس لے گئی ہیں تو اتنا خفا ہونے والی کیا بات ہے؟"

"نہیں، نہیں..... خفا ہونے والی تو کوئی بات نہیں، ہماری جگہ دوا بھی ہمارے بیٹے پی لیں
گے تو کوئی بات نہیں، ہماری جگہ انجکشن بھی انہی کو ٹھونک دیا جائے گا تو کوئی بات نہیں۔"

"جی کیا مطلب آپ کا قمر میاں؟" قمر میاں کی بات پر شفاعت اللہ حیرت سے ان کو
دیکھنے لگے۔

"جی بھیا، بات صرف اتنی سی ہے کہ ہماری طبیعت ناساز ہے، نورینہ ہمیں لے کر جا رہی
تھیں ڈاکٹر کے پاس اور ہمیں ہی بھول گئیں۔"

"اُف خدایا، قمر میاں، آپ دونوں کی زندگی کی گاڑی کیونکر چلے گی؟" شفاعت اللہ
مسکراتے ہوئے وہاں سے اٹھ گئے۔ امی جان سے مل کر کچھ دیر ان کے پاس بیٹھ کر وہ بھابی
جان کی تلاش میں باہر آئے۔ صبح ان کو جانا تھا، اس لئے وہ ان سے معذرت کر کے جانا چاہتے
تھے ورنہ ملال کے بوجھ سے دل بوجھل رہتا۔ ان کی یہ تلاش کچن میں ختم ہو گئی۔ آج ایک
عرصے کے بعد وہ کچن میں داخل ہوئے تو ایک بھولی بھٹکی یاد ٹیس بن کر ابھری اور دم توڑ گئی۔

"ارے شفاعت میاں آپ! آئیے، آئیے..... کوئی خاص بات ہے کیا؟" بانو بیگم کو بھی
وہ بات یاد تھی۔

"وہ بات جو آپ کی ناراضگی کا سبب بنے، آپ کی دل آزاری کا سبب بنے اس سے
زیادہ خاص بات کیا ہو گی بھابی جان۔ ہم آپ سے بہت شرمندہ ہیں اور آپ سے معذرت
چاہتے ہیں کہ ہماری بات سے آپ کا دل دکھا، آپ ہمیں معاف کر دیجئے۔ آئندہ ہم خیال
رکھیں گے کہ ایسی کوئی بات نہ ہو۔" وہ نادم انداز میں کہہ رہے تھے۔ بانو بیگم نے ان کے
ہاتھ تھام لئے ان کو پھر رونا آ رہا تھا۔

"نہیں شفاعت میاں، بخدا ایسی بات نہیں، ہم آپ سے قطعی خفا نہیں ہیں۔ آپ نے تو

ایسی کوئی بات نہیں کی تھی۔ دراصل ہم ہی آج کل بہت حساس اور جذباتی ہو رہے ہیں آپ نے تو کوئی ایسی بات نہیں کی تھی کہ اس پر طیش میں آیا جاتا۔ مگر ہمیں وقتی طور گیا تھا لیکن اسی وقت غصہ ختم ہو گیا تھا، آپ کوئی ملال نہیں کیجئے۔ ہمیں آپ کی مندی سے کوئی شکایت نہیں۔'' انہوں نے محبت سے ان کے شانے پر ہاتھ پھیرا۔

''سچ کہہ رہی ہیں بھابی جان، آپ ہم سے خفا نہیں؟'' وہ بے یقین سے انداز میں بو

''ارے بھیا، آپ اتنے سنجیدہ کیوں ہو رہے ہیں؟ بس ذرا وقت کی بات ہوتی۔ وقت انسان پریشان ہوتا ہے تو ایسی بات کہہ جاتا ہے جو اس کو کہنی نہیں چاہئے۔ چلئے باتیں جانے دیجئے اور ہماری طرف سے دل صاف کر کے جایئے گا۔''

''اچھا تو ذرا آنچل دیجئے۔'' شفاعت اللہ نے ان کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

''وہ کس لئے؟'' وہ حیرت سے ان کو دیکھنے لگیں۔

''خود ہی تو کہہ رہی ہیں، دل صاف کر کے جایئے گا۔'' وہ بولے تو وہ مسکرانے لگیں

''شریر ہو گئے ہیں آپ۔ اچھا آپ چلئے آج ہم نے آپ کی پسند کا کھانا بنایا ہے۔

''بہت بہتر۔'' وہ جانے لگے تو ان کو لگا جیسے انیقہ بانو بیگم کے ساتھ کھڑی ہوں، سانس لے کر وہاں سے آ گئے۔

☀☆☀

''بس بیٹا، یہ ہمارا غریب خانہ ہے، جہاں ہم خدا کے فضل سے عزت کے ساتھ گزار رہے ہیں، غریب آدمی کے پاس عزت سے بڑھ کر کیا ہوتا ہے۔ میں نے تو ناز کہہ دیا تھا کہ اپنے سے اونچے لوگوں کے ساتھ دوستی نہ کرو مگر راحیلہ بی بی، یہ تو تمہارا میں سب کچھ بھول گئی تھیں۔'' حمیدہ بیگم کو گو کہ راحیلہ کے ساتھ نازو کی دوستی پسند نہیں اب ان دونوں کی آمد پر بہت محبت سے پیش آئی تھیں۔

''ارے آنٹی آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں، دوستی تو دوستی ہوتی ہے، اس میں اونچ نی ہوتی، محبت ہوتی ہے بس جو کہ ہم دونوں کو آپس میں ہے۔''

''جی آنٹی، راحیلہ درست کہہ رہی ہیں۔ اصل چیز تو محبت ہے جو سارے فرق م ہے۔ اب دیکھئے یہ محبت ہمیں کہاں لے کر جاتی ہے، فی الحال تو یہاں لائی ہے۔'' راشد کی نگاہیں مسلسل نازو کا پیچھا کر رہی تھیں۔ وہ جہاں جاتی اس کی نگاہیں نازو کو اپنے آر پار ہو رہی تھیں مگر وہ برداشت کرنے پر مجبور تھی، اسی دوران اس نے ایک فیصلہ بھی کر لیا تھا

''بس بیٹا، اپنی اپنی سوچ کی بات ہوتی ہے ناں۔ ورنہ آج کل پیسے سے کھیلنے



جذبوں کی سچائیوں کو کیا جانیں۔ اچھا بیٹا، شادی کا کب تک ارادہ ہے؟'' نازو نے حیرت سے حمیدہ بیگم کو دیکھا، اتنی پرسنل باتیں کر رہی تھیں۔

''جی میں تو شادی کے لئے اس وقت بھی تیار ہوں مگر ساری پس و پیش تو ادھر ہے۔''

راشد نے مکاری سے نازو کی طرف دیکھا۔ اسی وقت نازو نے بھی دیکھا تو وہ بے باکی سے مسکرا دیا۔ نازو کی رگیں پھٹ جانے کی حد تک تن گئیں، اب وہ مہمان تھے، کچھ کہہ بھی نہیں سکتی تھی ورنہ جی چاہ رہا تھا کہ چھری اتار دے اس کے سینے میں۔ ان پڑھ جاہل جعلی عاشقوں سے تو وہ لڑ ہی رہی تھی، اس پڑھے لکھے بدمعاش کو کیا کہتی، جبکہ بیچ میں اس کی بہترین دوست، ہمدرد ساتھی تھی۔ اس کی خاطر اسے یہ زہر بھی نگلنا پڑا۔

☀☆☀

سلیم جب سے راشد اور راحیلہ کو نازو کے ساتھ جاتا دیکھ کر آیا تھا ایک عجیب طرح کی بے قراری تھی جو اسے سکون سے رہنے نہیں دے رہی تھی۔ وہ خود تو جا نہیں سکتا تھا، اس قسم کے کاموں کے لئے زیبو خاصی کارآمد ہوتی تھی مگر ایک تو وہ اس سے خفا تھی، دوسرے وہ سو رہی تھی۔ ڈرتے ڈرتے چھوٹے سے کمرے میں آیا، دوپہر کا وقت تھا۔ چاچی نے سارے پردے ڈال کر اندھیرا کر دیا تھا کہ چند لمحے ان کو بھی سکون کے میسر آ جائیں۔ وہ ڈرتا ہوا پاؤں بچا بچا کر رکھتا زیبو تک پہنچنا چاہتا تھا جو دیوار کے ساتھ چھپکلی کی طرح چپکی ہوئی تھی۔

''ہائے..... ہائے، اماں جی مار ڈالا کمبخت میرے گلے پر پاؤں رکھ دیا۔'' یہ منو تھا اول درجے کا جھوٹا اور فراڈی۔ ذرا سی بات پر زمین آسمان ایک کر دیتا تھا۔ سلیم کا پاؤں اس کے ہاتھ پر پڑا تھا اور وہ چلانے لگا کہ گلا دبا دیا۔ سلیم کا جی چاہا سچ مچ ہی گلا دبا دے۔ وہ پھر احتیاط سے آگے بڑھا اور زیبو کا پاؤں ہلانے لگا۔

''زیبو..... اے زیبو، اٹھتی کیوں نہیں میں بلا رہا ہوں..... زیبو..... ارے زیبو! اٹھتی کیوں نہیں۔'' سلیم نے زیبو کو پکڑ کر کھینچا تو منو تڑپ اٹھا۔

''میں اگر زیبو ہوتا تو اٹھ جاتا، یہ میں ہوں منو۔ ابھی نیند آئی تھی کہ پکڑ کر اٹھا دیا۔''

''اچھا چپ کر۔ سارے محلے کو جگائے گا کیا۔ زیبو جہاں کہیں ہے، میری آواز سن رہی ہے تو سامنے آ جا ورنہ پھر کسی پر پاؤں پڑ جائے گا۔'' سلیم اسی خوف سے کہ کسی کی ٹانگ یا بازو پاؤں تلے نہ آ جائے جہاں تھا کھڑا رہا۔

''کیا آفت ٹوٹ پڑی ہے تجھ پر کہ میرے باپ کی قوم کو مارنے پر تل گیا ہے، کیا ہے، میں یہاں ہوں۔'' سلیم نے دیکھا، اس کی ٹانگوں کے قریب ہی چھوٹے سے میز کے نیچے

سے آواز آئی۔ اس نے جھک کر دیکھا تو زیبو گول گیند بنی نیچے دبی ہوئی تھی۔

''باہر آنا زیبو، میں یہاں بات نہیں کرسکتا۔'' جو بات سلیم نے کرنی تھی وہ یہاں نہیں کر سکتا تھا۔

''کیوں، یہاں کرفیو لگا ہوا ہے کہ بات نہیں کرسکتا۔'' یہ کہتے ہوئے وہ بمشکل باہر آئی۔ سلیم بھی اپنے کمرے میں آچکا تھا۔ وہ بھی اس کے پیچھے آگئی۔ لاکھ اس سے خفا رہتی مگر اس کی بات وہ نہیں ٹال سکتی تھی۔

''ہاں بک.....'' وہ اپنے انداز میں کمر پر ہاتھ رکھ کر جماہی لیتی ہوئی بولی تو وہ دیکھنے لگا۔

''دیکھ زیبو.....'' وہ اس کے موڈ سے واقف تھا اس لئے اس وقت مسکا بہت ضروری تھا۔

''دکھا.....'' وہ سخت خفا تھی، اکھڑپن سے بولی۔

''دیکھ تو، تو بہت اچھی ہے نا۔'' اس کی بات پر زیبو نے اسے گھورا۔

''کام بتا کام، میں جتنی اچھی ہوں، لوگ بتاتے رہتے ہیں مجھے۔'' وہ جانتی تھی سلیم اس کے ساتھ اسی وقت اس انداز میں بات کرتا ہے جب اسے نازو سے کوئی کام ہوتا ہے۔''

''وہ بات یہ ہے زیبو تو ذرا نازو کے ہاں چلی جا۔'' وہ لجاجت سے بولا۔

''کیوں، نازو کا نکاح ہو رہا ہے یا اس کی ماں کا سوئم ہے؟'' زیبو نے ایک طرف صراحی سے پانی گلاس میں انڈیلا، منہ میں بھرا پھر بڑی سی کلی باہر اچھالی۔ سلیم کو اس کی حرکتیں زہر لگ رہی تھیں مگر کم از کم اس وقت برداشت کرنا اس کی مجبوری تھی۔

''نہیں، ایسی کوئی بات نہیں، وہ نازو کے گھر ایک لڑکی اور ایک آدمی آئے ہیں۔''

''اچھا، اٹھانا کس کو ہے؟ لڑکی کو یا آدمی کو؟''

''زیبو.....'' اُس کے مستقل ایک ہی موڈ نے سلیم کو بھی غصہ دلا دیا۔ وہ دہاڑا تو وہ جانے لگی۔

''زیبو، زیبو..... میری دوست، میری سہیلی ناراض نہ ہو وہ دیکھ ناں۔'' وہ اس کی منتیں کرنے لگا تو اسے ترس آ گیا۔

''اچھا اب کھی کھی نہ کر، جلدی سے بتا کیا کرنا ہے؟'' اور پھر سلیم نے اس کو ساری بات بتا دی تو وہ اسے گھورتی ہوئی آگئی نازو کے گھر۔ حمیدہ بیگم کے اصرار پر راحیلہ اور راشد چاول کھانے بیٹھ گئے تھے۔

''سلام خالہ!'' زیبو کھلے دروازے پر دستک دیئے بغیر اندر آگئی۔ نیچے سب دسترخوان پر بیٹھے تھے۔



''وعلیکم السلام، آؤ زیبو بیٹھو۔'' خالہ نے اپنے ساتھ ہی زیبو کے لئے جگہ بنائی۔

''ارے واہ خالہ، مجھے تو تم نے بتایا ہی نہیں کہ آج یہاں غریب غربا کو کھانا کھلایا جا رہا ہے۔ میں بھی دو چار روپے چندہ ڈال جاتی۔'' زیبو نے غور سے راشد اور راحیلہ کو دیکھا۔ اس کی بات پر نازو نے شرمندہ سی نگاہ راحیلہ پر ڈالی جس کے چہرے پر کوئی خاص تاثرات نہیں تھے البتہ راشد زیبو کو بغور دیکھ رہا تھا۔ نازو کو یہ اچھا نہیں لگا کہ وہ اس معصوم سی لڑکی پر غلط نظر ڈالے۔

''زیبو، کھانا کھا کر آئی ہو؟'' نازو نے راشد کا دھیان بٹانے کے لئے زیبو کو کہا۔

''ہاں نازو، ہمارے ہاں کھانا کیا بنتا ہے۔ بھنڈیاں اور روٹی بنائی تھی اماں نے۔ وہی کھائی ہے۔'' زیبو نے اپنے سادہ سے انداز میں کہا تو راحیلہ اور راشد مسکرا دیئے۔

''یہ ہمارے پڑوس کی لڑکی ہے۔'' حمیدہ بیگم نے اس کا تعارف کرانا چاہا تو وہ جھٹ بولی۔

''پڑوس کی نہیں خالہ، میں اپنے ابا اور اماں کی بیٹی ہوں۔'' زیبو نے غور سے راشد کو دیکھا جس نے پانی پیتے ہوئے اس معصوم سی لڑکی کو دیکھا اور کچھ سوچ کر مسکرانے لگا۔

''بھئی نازو، آپ کے اردگرد کے لوگ تو بہت انوسینٹ ہیں۔''

''ارے میاں، کیا بول گئے ہو انگریزی میں نہ نازو ایسی ہے نہ ہی اس کے آس پاس کے لوگ برے ہیں۔ جو کچھ کہا ہے، وہ تیرے گھر والے ہوں گے۔ اب گالی دی تو یہ پیتل کا گلاس مار کر تھوبڑا ایسا سجاؤں گی کہ منہ چھپاتے پھرو گے۔'' زیبو اپنے انداز میں آستین چڑھا کر گلاس پکڑ کر کھڑی ہوگئی تو راحیلہ کو برا لگ گیا البتہ راشد دلچسپی سے دیکھتا رہا۔

''نازو کون ہے یہ، سمجھاؤ اسے۔'' راحیلہ ہاتھ صاف کر کے کھڑی ہوگئی۔

''ارے راحیلہ، تم اس کی بات کا برا مان رہی ہو۔ یہ بڑی سادہ سی معصوم لڑکی ہے، اسے کیا پتہ کہ انوسینٹ کا کیا مطلب ہے۔ زیبو، چلو تم یہ برتن اٹھاؤ اور باورچی خانے میں رکھ کر آؤ۔'' کچھ بھی تھا، وہ دونوں نازو کے مہمان تھے۔ گو کہ وہ زیبو سے زیادہ اس راشد کی بے عزتی کرنا چاہتی تھی۔ نازو کے کہنے پر زیبو نے جھٹ پٹ سارے برتن وہاں سے ہٹا دیئے۔ اس کے بعد جب وہ دسترخوان اٹھانے کے لئے جھکی تو اس کا آنچل ڈھلک گیا۔ فرش پر گر گیا تو نازو نے دیکھا، راشد نے جان بوجھ کر اس پر پاؤں رکھ دیا۔ ایک کونہ زیبو کے گلے میں رہ گیا۔ وہ گرتے گرتے بچی اور پلٹ کر اس نے خونخوار نظروں سے راشد کو گھورا تو کچھ دیر کے لئے وہ لرزہ ہوا۔

''اوہو، تمہارا دوپٹہ میرے پیروں تلے آ گیا۔'' وہ کھسیانے انداز میں ہنسا تو وہ اس کی طرف بڑھی۔

''جس پاؤں کے نیچے میرا دوپٹہ آتا ہے ناں میں اس پاؤں کو کاٹ دیا کرتی ہوں۔''
اور پھر زیبو نے اتنے زور سے راشد کے پاؤں پر پاؤں مارا کہ کچھ دیر کے لئے تارے نظر آ گئے۔ راحیلہ کو بہت غصہ آ گیا۔ وہ جانے کے لئے تیار ہو گئی۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے نازو، ذرا تمیز نہیں اس لڑکی کو۔ چلو راشد۔''

''تو تم مجھ سے بات کرو ناں، مجھ سے لڑو، میں نے تمہارے بھائی کو مارا ہے۔'' ز
آگے بڑھ کر راحیلہ سے کہا۔

''شٹ اپ...... بدتمیز لڑکی۔''

''کول ڈاؤن راحیلہ، اس طرح ناراض نہیں ہوتے۔ یہ لڑکی بڑی سادہ سی ہے۔ ا
پتہ کہ......'' نازو نے راحیلہ کو بٹھانا چاہا۔ گو کہ اندر سے وہ زیبو کی اس حرکت سے خوش
تھی۔ حمیدہ بیگم غصے میں آ گئیں اور زیبو کو ڈانٹنے لگیں۔

''زیبو تو اتنی بدتمیز تو کبھی نہیں تھی۔''

''کبھی کبھی میں اس سے زیادہ بدتمیز ہو جاتی ہوں خالہ، سر بھی توڑ دیا کرتی ہوں۔''
اپنے اسی خونخوار انداز میں بولی تو راشد ڈھٹائی سے ہنس دیا۔

''ہوں، تو اس کا مطلب ہے ہمیں یہاں ہیلمٹ پہن کر آنا پڑے گا۔ کیونکہ اب تو رہے گا ہی۔'' میز پر سے چابی لیتے ہوئے قریب کھڑی نازو کو خاص طور سے اس۔ تو وہ کھسک کر راحیلہ کے قریب ہو گئی۔

''کیوں آنا جانا رہے گا، تم یہاں پان کا کھوکھا کھول رہے ہو؟'' زیبو تو بھنائی بیٹھ
پھر بولی۔

''بری بات ہے زیبو، یہ کوئی معمولی لوگ نہیں ہیں، بہت معزز اور امیر لوگ ہیں
لوگوں کو ایسا نہیں کہتے۔ راحیلہ دیکھو، یہاں آنے کا فیصلہ تم لوگوں کا اپنا تھا اس لئے تم
کرنا، ہاں ہم لوگ تو بس ایسے ہی ہیں، تم جیسے امیر لوگوں کی بھی قدر نہیں کر سکتے۔
بہت سادہ ہے، تم اس کو معاف کر دو۔'' نازو تو اس خیال سے بولی کہ راحیلہ اس کی
دوست تھی اور اس وقت اس کی مہمان تھی۔ اس نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھام کر
راحیلہ بھی ٹھنڈی پڑ گئی۔ ایک تو وہ ویسے ہی اچھی لڑکی تھی، دوسرے واقعی نازو کا اس
قصور نہیں تھا۔

''او کے نازو، جو ہوا سو ہوا۔ لیکن اس بدمزگی سے اتنا اچھا ماحول خراب ہو گیا۔''

''چلو تو کوئی بات نہیں، ہم پھر آ جائیں گے۔ اب تو ہمیں آنا ہی ہے، سر کے



ہے۔'' وہ جان بوجھ کر نازو کو کندھا مارتا ہوا اس کے انتہائی قریب سے گزرا تو کچھ دیر کے لئے
نازو کا بھی جی چاہا کہ سب کچھ بھلا کر گلاس اس کے سر پر توڑ ڈالے مگر وہ زیبو نہیں تھی جسے
جاہل اور ان پڑھ لڑکی سمجھ کر معاف کر دیا جاتا۔ وہ پڑھی لکھی بہت سمجھدار لڑکی تھی۔ وہ تو ایسا
کچھ نہیں کر سکتی تھی سوائے ضبط کے، سو وہ کر گئی۔

''راحیلہ تم خفا تو نہیں ہو ناں۔'' وہ راحیلہ کے قریب ہو گئی۔

''ہاں نہیں، غصہ ضرور آیا تھا۔ مگر خیر چلو پھر چکر لگے گا۔ اچھا آنٹی، خدا حافظ۔''

''آنٹی آپ کے ہاتھ کا کھانا بہت لذیذ تھا۔ میں پھر کبھی کھانے آؤں گا۔ او کے کیوٹ
گرلز خدا حافظ۔'' راشد نے پھر پلٹ کر نازو کو دیکھا مگر زیبو نے زبان نکال کر اتنا برا منہ بنایا
کہ وہ بدمزہ ہو گیا۔

''نازو بیٹی، تمہیں منع بھی کیا تھا کہ راحیلہ کی دوستی کو کالج تک ہی رکھو۔'' ان کے جاتے
ہی حمیدہ بیگم پھٹ پڑیں۔ زیبو ان کے پاؤں دبانے لگی۔

''اب تو میں کالج تک بھی نہیں رکھنا چاہتی۔ میرا مطلب ہے کہ میں نے تو بہت منع کیا
تھا مگر دونوں کمبل ہی ہو گئے۔ اب میں اپنے گھر آنے سے کیسے روک سکتی تھی۔ خیر کوشش
کروں گی کہ آئندہ وہ گھر نہ آئیں۔''

''ویسے نازو، تیری ان لوگوں کے ساتھ دوستی مجھے پسند نہیں آئی۔''

''کیوں اتنے تو اچھے ہیں، دولت مند ہیں۔ اور امیروں کی تو باتیں ہی نرالی ہوتی ہیں۔''
اس طرح کی بات کر کے وہ اپنے اندر کھولتے خون کو ٹھنڈا کر رہی تھی، بہت ضبط کر رہی تھی۔

''بس تو نے ان کی دولت ہی دیکھی ہے۔'' زیبو کے لہجے میں نجانے کیا تھا۔ ایک طرح
کی مایوسی تھی یا اس اعتماد کے ٹوٹنے کا خوف جو اسے اور سلیم کو نازو پر تھا۔

''ہاں تو اور کیا دیکھنا پڑتا ہے۔'' نازو ذہنی طور پر بہت تھکی ہوئی تھی، اس کی بات کا مختصر
سا جواب دے کر دوسری چارپائی پر لیٹ گئی تو زیبو اسے دیکھنے لگی۔ نازو کو خبر ہی نہیں تھی کہ
معصوم سی لڑکی اسے بدگمان نظروں سے دیکھ رہی ہے۔ زیبو اٹھی اور اس کے قریب جا کر
کھڑی ہو گئی۔

''بندے کی دولت نہیں، شرافت دیکھنی چاہیے۔ شرافت تو اس الو کے پٹھے کو چھو کر نہیں
گزری۔ خبیث اور بے غیرت تھا وہ اول درجے کا اور...... اور وہ چوہیا کو دیکھا تھا، امیر لگ
رہی تھی؟ یوں لگ رہا تھا سالوں بعد کھانا نصیب ہوا ہو۔'' اب وہ ان کی عدم موجودگی میں سنا
رہی تھی۔ نازو اس کی بات سمجھے بغیر ہنسے گئی۔

''اور تم نے کون سا کم کیا ہے۔ اتنا تو ذلیل کیا ہے بیچاروں کو۔ خاص کر اس راشد کو۔ زور سے تم نے پاؤں مارا کہ میں نے تو خوف سے آنکھیں ہی بند کر لی تھیں کہ کہیں پاؤں نہ گیا ہو۔''

''ارے شکر کرو میرے ہاتھ میں چاقو نہیں تھا۔ ورنہ پاؤں اتار کر ہاتھ میں پکڑا دیتا۔ بدمعاش نے جان بوجھ کر میرا دوپٹہ پاؤں تلے دبایا تھا۔ گندی نالی کا گندا کیڑا۔'' وہ ن اسٹاپ بولے گئی۔

''کتنی بار تمہیں کہا ہے گالیاں دینا بری بات ہوتی ہے۔'' نازو نے ٹوکا۔

''ارے ان جیسے لفنگوں کو گالیاں دینا بری بات نہیں ہوتی جو بری نیت کے ہوں، گندی نظر کے ہوں۔ خیر اب میں چلتی ہوں۔ اچھا خالہ سلام۔'' وہ کچھ خفا خفا سی بولتی ہوئی نکل گئی۔

''کیا ہوا، اتنی دیر لگا دی تم نے؟'' سلیم اس کے انتظار میں ٹہل رہا تھا، اسے دیکھتے لپکا۔

''اے دفع ہو جا، میری نظروں سے دور ہو جا۔ بے عزت کرا کر رکھ دیا۔''

''کیوں، آخر ہوا کیا ہے، بتا ناں۔ نازو نے کچھ نہیں کہا؟'' سلیم نے دھیمے سے لہجے پوچھا تو وہ پھٹ پڑی اور اپنے انداز میں ساری بات بتا دی۔ سلیم کا خون کھول اٹھا۔

''اور نازو نے کچھ نہیں کہا؟'' سلیم کو اب ساری دلچسپی نازو کے بیان سے تھی۔

''ہاں کہا تھا، امیر لوگ ہیں، ان کے یہی انداز ہوتے ہیں۔ نازو تو ان کی دولت سے متاثر ہو رہی تھی۔'' زیبو کو نازو کی بس یہی بات ناگوار گزری تھی اور اسی بات نے سلیم کو دلایا تھا۔

''نازو نے یہ کہا؟ تو...... تو سچ کہہ رہی ہے ناں؟'' اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

''نہیں جھوٹ کہہ رہی ہوں۔ میں سچی اور کھری بات کرتی ہوں، چاہے کسی کے کلیجے چیر ڈالے، جانتا ہے تو۔''

''اچھا ٹھیک ہے۔'' وہ گہرا سا سانس لے کر باہر نکل گیا۔

***



منزہ کی چپ پر شفاعت اللہ کچھ پریشان سے ہو گئے تھے۔ بڑا خاموش اور مبہم سا رویہ تھا۔ نہ تو اس نے خود ان سے رابطہ کیا تھا اور نہ ہی کرنل انوار نے کسی قسم کی انوکھی بات کا اظہار کیا تھا اور یہ خاموشی ہی ان کو عجیب طرح کی خلش میں مبتلا کیے ہوئے تھی۔ یہ انسان بھی عجیب چیز ہے۔ کوئی ہم پر اپنی محبت، اپنی توجہ پوری عزت کے ساتھ ہمارے نام کر رہا ہوتا ہے تو ہم ناشکرے بن جاتے ہیں، اس کی قدر نہیں کرتے۔ اور جب وہ چیز یا نعمت ہم سے چھن جاتی ہے تو کھوجتے رہتے ہیں۔ وہ روز ملتی تھی، ہر وقت تنگ کرتی تھی تو اس سے جان چھڑانے کے بہانے ڈھونڈتے تھے۔ اور اب اس کے یوں لاتعلق ہو جانے پر پریشان تھے۔ آگے بڑھنا وہ مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ دوسرا انہوں نے خود کو یہ کہہ کر تسلی دے لی تھی کہ لا ابالی کچی عمر کی لڑکی ہے، ان کے رویئے سے عشق کا بھوت اتر گیا ہو گا اور اچھا ہی ہے کہ وہ ان سے بدل دل ہو کر کہیں اور متوجہ ہو جائے، اپنی عمر کی کلاس میں داخل ہو جائے۔ یہ سوچ کر ہی وہ مطمئن ہو گئے تھے۔

وہ جاگنگ کر کے آئے تو پتہ چلا کہ کرنل انوار کا فون آیا تھا۔ پہلے تو سوچا کہ خود فون کر کے بات معلوم کر لیں کہ کیا بات ہے، مگر منزہ سے خوفزدہ ہو کر انہوں نے اپنا ارادہ ترک کر دیا اور لیٹ گئے۔ کچھ دیر بعد پھر بلاوا آ گیا تو وہ اٹھ کر فون سننے آ گئے۔

''کل شام تمہارا کیا پروگرام ہے میجر؟'' کرنل انوار بھی بیٹی کے انداز میں ان کو زیادہ تر ہائی رینک ہی بلاتے تھے۔

''کچھ نہیں، میری شامیں تو سب جانتے ہیں، فارغ ہی ہوتی ہیں۔ کسی کے نام نہیں ہوتی ہیں۔'' وہ ہنسے۔

''رائٹ۔ تو کل کی شام ہمارے بیٹے سعید کے نام کر دو۔''

''خیریت سر؟ سعید میاں ابھی شادی کے لائق تو ہوئے نہیں۔ پھر......''

''بھئی انہوں نے میٹرک بہت اچھے نمبروں سے پاس کیا ہے تو ان کی والدہ نے اس خوشی میں چھوٹی سی پارٹی رکھی ہے۔ لہٰذا آپ ضرور تشریف لائیے گا، دیکھئے انکار کی گنجائش

نشتا۔'' کرنل انوار نے طارق عزیز کے انداز میں کہا تو وہ مسکرا پڑے۔

''رائٹ سر، انشاء اللہ ہم پوری کوشش کریں گے کہ آ جائیں۔'' اور پھر کتنی دیر بات رہی مگر منزہ کا کہیں ذکر نہیں آیا۔ یہ بات شفاعت اللہ کو حیران کر گئی تھی۔ ورنہ تو پہلے یہ تھا کہ گفتگو ایک پل کی ہوتی یا گھنٹوں پر محیط ہوتی، کرنل انوار کی بات منزہ سے شروع منزہ پر ختم ہوتی۔ ان کو اپنی بیٹی سے بہت محبت تھی مگر آج انہوں نے اس کا ذکر بھی نہیں تھا۔ یہ بات ان کے لئے بہت حیران اور پریشان کن تھی اسی لئے تو اگلی شام وہ دانستہ طو سفید لباس میں جانے کو تیار تھے۔ وہ صرف وجہ جاننا چاہتے تھے۔ اپنی اس روز والی با اثر نٹ کھٹ لڑکی پر دیکھنا چاہتے تھے کہ اس نے ان کی بات کو کس انداز میں لیا ہے۔ مثبہ منفی انداز میں۔

پارٹی میں بہت سے لوگ تھے۔ خوب شور ہنگامہ تھا۔ شفاعت اللہ کو یہ سب پسند نہیں وہ باہر لان میں جا بیٹھے تھے مگر وہ حیران تھے کہ اتنی دیر میں منزہ کی جھلک تک نظر نہیں تھی، نہ ہی کسی نے اس کا ذکر کیا تھا اور نہ ہی انہوں نے پوچھا تھا۔ یہاں فضا میں خنکی تھ اس وقت بہت اچھی لگ رہی تھی۔ انہوں نے گہرا سانس لے کر پھولوں کی خوشبو کو اندر ا تو اس وقت ایک اور لطیف سی مہک ان کے اندر اتر گئی۔ انہوں نے آنکھیں کھول کر دیکھ کوئی محترمہ سفید رنگ کے سلکن شرارے میں بڑے سے دوپٹے میں لپٹی قدرے ہٹ کھڑی تھیں۔ وہ احتراماً کھڑے ہو گئے۔

''آپ چائے لیجئے گا یا کافی؟'' انتہائی ادب اور سلیقے سے پوچھا گیا تو وہ کچھ شرمندہ ہو گئے۔''

''جی بہت شکریہ۔ اس وقت ہم نہ چائے لیتے ہیں نہ کافی۔ معذرت چاہتے ہیں کہ آپ یہ پوچھنے کے لئے لان تک آنا پڑا۔'' وہ واقعی بہت نادم ہو رہے تھے۔

''آپ قطعاً ملال نہ کیجئے۔ مہمان کی خدمت تو میزبان کا فرض ہوتا ہے۔ آپ کو کچھ درکار ہو تو بتا دیجئے۔''

''جی قطعی نہیں، آپ کا بہت شکریہ..... البتہ آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتے ہیں۔'' منزہ کے بارے میں پوچھنا چاہتے تھے۔

''جی ضرور، ہم ہمہ تن گوش ہیں۔''

''ہمارا مطلب ہے کہ آپ.....'' شفاعت اللہ بری طرح الجھ گئے تھے۔ ان کو منزہ متعلق پوچھنا اچھا بھی نہیں لگ رہا تھا اور شاید وہ ایسا کرتے بھی نہیں۔ اگر اس جیسی ا۔



ماحول میں ڈھلی خاتون نظر نہ آ جاتی جو ان کی طرف پشت کئے کھڑی تھی۔

''اس کا مطلب ہے کہ ہم اپنی کوشش میں کامیاب رہے ہیں۔ آپ نے ہمیں نہیں پہچانا شفاعت اللہ صاحب۔ میں منزہ ہوں۔''

وہ ان کی طرف گھومی تو اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔ کچھ دیر کو وہ پلک جھپکانا ہی بھول گئے۔ وہ شوخ، نٹ کھٹ ہمیشہ جینز اور الٹے سیدھے لباس میں رہنے والی لڑکی بالکل ان کے ماحول میں ڈھلی ہوئی تھی۔

''یہ... یہ آپ ہیں منزہ؟'' حیرت سے ان کی آنکھیں پھیل گئیں۔ ان کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ کوئی بھی انسان اپنے آپ کو اتنی جلدی بدل سکتا ہے۔ وہ ہلکے سے میک اپ کے ساتھ اس کے خوبصورت چہرے کو دیکھ رہے تھے۔ بے باکی سے مٹکتی آنکھوں کے بجائے آنکھوں میں حیا کی سرخی تھی۔ خوبصورت ہونٹوں پر شوخ کھنکتے قہقہوں کی بجائے خاموش سی بے نام سی مسکراہٹ تھی۔ کتنی مختلف تھی یہ منزہ اس منزہ سے۔ ایک خوش کن خیال ان کی سوچوں کو چھو گیا۔

''آپ تو سر سے پیر تک بدل گئی ہیں منزہ۔'' وہ حیرت سے اسے دیکھے گئے۔

''اس تبدیلی کے ذمہ دار آپ ہیں۔ اس روز آپ کی باتوں نے میری زندگی کو بدل کر رکھ دیا۔ آپ تو وہ روشنی ثابت ہوئے جس نے درست راستے کی طرف میری رہنمائی کی اور اس راستے پر میری منزل ہے کہ نہیں، یہ صرف خدا ہی جانتا ہے اور کوئی نہیں جانتا۔'' دھیمے دھیمے انداز میں بہت مختصر اور جامع الفاظ میں اس نے اپنی بات کہہ دی تو وہ اس کی بات کا مطلب سمجھتے ہوئے اس کو دیکھنے لگے۔ وہ ان کے آئیڈیل میں ڈھلی سامنے کھڑی تھی۔ وہ پھر کچھ دیر بیٹھے رہے تو منزہ کھڑی ہو گئی۔

''آپ مجھے تھوڑی دیر کے لئے معاف کریں گے، دراصل نماز کا وقت ہو گیا ہے ناں۔''

''نماز اور آپ.....؟'' شفاعت اللہ اسی خوشگوار حیرت میں اسے دیکھتے رہ گئے۔

''جی کیا ہم مسلمان نہیں؟ الحمد للہ ہم بھی مسلمان ہیں۔ نماز تو پہلے بھی پڑھتے تھے مگر اب پابندی سے پڑھتے ہیں، اجازت۔'' وہ دھیرے سے اجازت مانگ رہی تھی۔ حیرت کے سمندر میں غوطہ زن وہ کھڑے ہو گئے۔

''ضرور، ضرور..... کیوں نہیں۔ بلکہ ہمیں بھی چلنا چاہئے۔ ہمیں بھی نماز پڑھنی ہے۔''

✵☆✵

منزہ کی زندگی میں آنے والی تبدیلی نے شفاعت اللہ کو اس کے بارے میں سوچنے پر مجبور کر دیا تھا، وہ تو سر سے پیر تک ان کے آئیڈیل میں ڈھل چکی تھی مگر نجانے کیا بات تھی کہ

جب بھی وہ منزہ کے بارے میں سوچتے، انیقہ تمام تر کسک کے ساتھ ان کے سامنے موجود ہوتی تو وہ الجھ جاتے۔ اور جس دن انیقہ کی یاد آ جاتی، وہ سارا دن انہی کے بارے سوچتے گزر جاتا۔ ان کی یاد تو ایک تڑپا دینے والی کسک میں بدل چکی تھی۔ اگر وہ اپنے میں خوش وخرم ہوتیں تو شاید وہ بھی ان کو بھول جاتے مگر جب پتہ چلا تھا کہ وہ اپنے گھر خوش نہیں ہیں تو وہ بے تاب سے ہو گئے تھے اور منزہ کو خود سے متنفر کرنے کی ایک وجہ یہ تھی کہ وہ انیقہ کی جگہ کسی کو دینا نہیں چاہتے تھے۔ مگر منزہ نے ان کو پھر اپنی طرف متوجہ ک تھا۔ مگر انہوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ منزہ کو دوبارہ خود سے متنفر کر دیں گے، کیا خبر انیقہ لوٹ ہی آئیں۔ وہ ایسی خود غرض سوچ پر خود کو ملامت بھی کرتے مگر انیقہ کے حالات ہی ا تھے۔ منزہ بدل گئی تھی۔ ایک روز انہوں نے اس کا عندیہ لینے کے لئے شادی کا موضوع دیا تھا۔

"اس روز کرنل صاحب آپ کی شادی کا ذکر کر رہے تھے۔ آپ کا کیا خیال ہے منزہ" ان کی بات پر اس نے ان کو دیکھا، آنکھیں دھندلا گئیں۔ مگر اب اس کو ضبط کرنا آ گیا تھا وہ شخص تھا جس کو دیکھ کر اس کا دل پہلی بار دھڑکا تھا اور اس کی خاطر وہ سر سے پیر تک با گئی تھی مگر وہ آج بھی اتنا ہی اجنبی اور غیر تھا۔

"تو کوئی بات نہیں میجر۔ اب اللہ تعالیٰ نے مجھے سیدھا راستہ دکھا دیا ہے۔ امی ابو جہ کہیں گے سعادت مند بیٹیوں کی طرح سر جھکا دوں گی۔ یوں بھی ضروری نہیں کہ جسے جائے اسے پا بھی لیا جائے۔ شادی ہی محبت کی منزل تو نہیں ہوتی۔" بولتے بولتے اس آواز رندھ گئی مگر وہ جس ضبط کا مظاہرہ کر رہی تھی، وہ شفاعت اللہ کو متاثر کر گیا۔ ان دنوں سنجیدگی سے کسی فیصلے پر پہنچنا چاہتے تھے۔ انیقہ کو وہ کھو چکے تھے مگر منزہ کو وہ اب خود مایوس کرنا نہیں چاہتے تھے۔ ان کو معلوم تھا کہ یہ لڑکی ان کو ٹوٹ کر چاہتی تھی اور شاید وہ ک دوسرے کو وہ خوشی اور اطمینان نہ دے سکتی تھی جس کا وہ حقدار ہوتا۔ دوسرے والدہ کی علالہ کی وجہ سے وہ جلد ہی کسی فیصلے پر پہنچنا چاہتے تھے اور بہت سوچ سمجھ کر انہوں نے فیصلہ منز کے حق میں دیا تو وہ خود اپنے ہی فیصلے سے لپٹ کر رو دیئے۔ انہوں نے انیقہ کو ٹوٹ کر چ تھا اور اب خود کو منزہ کی چاہتوں کی منزل بنانے کا فیصلہ ان کو تڑپا گیا تھا۔ انہوں نے منزہ ابھی کچھ نہیں بتایا تھا، وہ پہلے اپنے گھر میں ذکر کرنا چاہتے تھے۔ تب وہ اچانک ہی گھر آ گئے

"ارے انیقہ آپ......" اندر آ کر جس پہلی ہستی پر نظر پڑی تھی، وہ اجڑے روپ ٹ انیقہ ہی تھیں۔ وہ ان کو دیکھتے ہی وہاں سے تقریباً بھاگ گئیں۔ اسی وقت بانو بیگم آ گئیں۔



"السلام علیکم بھابی جان۔" وہ بوکھلائے ہوئے سے اس جانب دیکھ رہے تھے جدھر انیقہ گئی تھیں۔

"وعلیکم السلام، جیتے رہئے۔" انہوں نے ان کے سر پہ پیار سے ہاتھ پھیرے۔

"یہ...... یہ انیقہ ہی تھیں ناں بھابی جان؟" انہوں نے بے قراری سے بے یقینی کے انداز میں پوچھا۔

"ہاں، یہ ہماری بدنصیب بہن انیقہ ہی ہیں جن کو ان کے شوہر نے طلاق دے دی ہے۔"

"جی......؟" شفاعت اللہ ڈھے سے گئے۔

⁎☆⁎

راحیلہ دو روز سے نہیں آ رہی تھی۔ اسی وجہ سے نازو کو خاصی بوریت بھی ہو رہی تھی۔ مگر ایک اطمینان بھی تھا کہ اس منحوس آدمی سے سامنا نہیں ہو رہا تھا۔ اس روز وہ چھٹی پر گھر جانے کے لئے گیٹ سے باہر نکلی تو پیچھے سے آنے والی آواز نے قدم روک لئے۔

"نازو......"

نازو نے اس آواز پر پلٹ کر دیکھا تو خوف کی ایک لہر اس کے اندر تک اتر گئی۔ ایک طرف گاڑی روکے راشد اسے بلا رہا تھا۔ وہ گھبرا کر دوسری جانب ہو کر کھڑی ہو گئی جہاں سے راشد اس کو نہ دیکھ سکے۔ اسی وقت ایک کلاس فیلو گاڑی لے کر گزری۔ اس نے اشارے سے اسے روکا۔

"ایکسکیوزمی! شمسہ، مجھے ذرا اسٹاپ تک چھوڑ دو گی؟ میرے پاؤں میں تکلیف ہے۔"

"وائے ناٹ! بھئی آج تو گرمی بھی قیامت خیز ہے۔ آؤ بیٹھو، کہو تو گھر تک چھوڑ دوں؟" شمسہ نے خلوص سے دعوت دی۔

"نن...... نہیں شمسہ، تھینک یو، بس اسٹاپ تک چھوڑ دو۔" نازو نے گھبرا کر گاڑی سے باہر دیکھا، راشد پیچھے ہی آ رہا تھا۔ نازو بری طرح گھبرا رہی تھی۔ وہ شمسہ کو ساری بات بتا بھی نہیں سکتی تھی کیونکہ شمسہ اس کی کلاس فیلو تھی، کوئی خاص دوستی نہیں تھی۔

"شمسہ، اگر تمہیں دقت نہ ہو تو میرے گھر کی مین روڈ تک چھوڑ دو، ایک تو آج گرمی بہت ہے اور دوسرے پاؤں کی تکلیف نے چلنا دشوار کر دیا ہے۔ دیکھو اصرار نہیں ہے، درخواست ہے اگر زحمت نہ ہو تو......" نازو نے ملتجی سے لہجے میں اپنی انا کا بھرم رکھتے ہوئے کہا تو شمسہ نے اپنے گلاسز کی اوٹ سے اس حسین لڑکی کو دیکھا۔

"ارے نازو! تم تو اچھی خاصی گھبرائی ہوئی لگتی ہو، کیوں کیا بات ہے؟ رہی بات

چھوڑنے کی تو میں تمہیں گھر تک چھوڑ دوں گی۔ ایک منٹ......"

شمسہ کی بات ابھی جاری ہی تھی کہ ڈیش بورڈ پر رکھا اس کا موبائل چیخ اٹھا، اس کر کان سے لگایا۔ "ہیلو، اوہ جی بھائی، میں بس کر رہی ہوں۔ کہاں؟ ٹھیک ہے، میں پک کرلوں گی۔ جی نہیں، آج ڈرائیور نہیں آیا، میں گاڑی خود ہی لائی ہوں۔ ڈونٹ میں آپ کو ابھی پک کر لیتی ہوں۔ میرے ساتھ ایک دوست ہے میری، اس کو پہلے ڈ دوں یا...... اوکے...... اوکے پہلے آپ کو پک کرلیتی ہوں، رائٹ آپ نیچے اتریئے رہی ہوں۔ اوکے اللہ حافظ۔"

شمسہ اپنے بھائی سے بات کرتی رہی اور نازو چہرے پر اعتماد بحال کرتے ہو۔ پلٹ کر دیکھتی رہی۔ راشد ابھی تک آ رہا تھا۔ نازو کا گھبراہٹ کے مارے برا حال تھا، آیا کہ شمسہ کو اصل بات بتا دے مگر پھر اس خیال سے اظہار نہ کرسکی کہ جانے وہ کر میں لے۔ غریب لوگوں کے مسائل کو یہ لوگ کسی اور ہی انداز میں لیتے ہیں۔ پھر یہی وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتی رہی۔

"ایزی ہو کر بیٹھو نازو، تم کچھ گھبرائی ہوئی لگ رہی ہو، کوئی پریشانی ہے کیا......" نے گیئر بدلتے ہوئے اسے دیکھا۔

"نن...... نہیں، تم کس سے بات کر رہی تھیں؟" نازو نے پلٹ کر دیکھا، راشد سگن جانے کی وجہ سے وہیں رُکا رہ گیا تھا اور یہ لوگ سگنل کراس کر آئی تھیں۔ نازو نے خدا کا شکر ادا کیا۔

"ہاں وہ میرے بڑے بھائی ہیں، اپنے آفس میں ان کی ذرا طبیعت خراب ہو گئ لئے کہہ رہے تھے کہ آ کر لے جاؤ۔" گاڑی انجان راستوں پر تھی۔ نازو تو بس اتنا تھی کہ کون سی بس گھر اور گھر سے کالج تک آتی ہے، اس کے علاوہ ٹریفک روٹ ۔ میں وہ کچھ نہیں جانتی تھی۔ وہ یہیں کہیں اتر کر بس سے گھر چلی جاتی۔ اب تو لامحالہ ا کے ساتھ ہی رہنا تھا۔ البتہ اب یہ اطمینان ضرور ہو گیا تھا کہ اب راشد کہیں دور رہ گ نہیں آ رہا تھا۔ اب وہ سکون اور اعتماد سے بیٹھی تھی۔ پھر کچھ ادھر اُدھر کی باتوں کے کے بھائی کا آفس آ گیا تو ایک نوجوان جو شمسہ کا بڑا بھائی تھا، نڈھال سا آ گیا۔

"ارے نہیں بھئی بیٹھو، میں پیچھے بیٹھ جاتا ہوں۔" نازو اس کے لئے فرنٹ کرنے لگی تو اس کے بھائی نے منع کر دیا اور خود پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

"ہوں نازو، اب تم مجھے اپنے راستے کی طرف گائیڈ کرو۔"



اور پھر نازو اسے بتاتی رہی اور شمسہ گاڑی چلاتی رہی۔ مین روڈ پر نازو نے روک دیا۔

"بس...... یہیں روک دو شمسہ۔" اس نے کہا تو شمسہ اسے دیکھنے لگی۔

"شیور کہ تم نے یہیں اترنا ہے، کہیں بھائی کی وجہ سے تکلف میں تو نہیں اتر رہیں؟ ایسا ہے تو......"

"نہیں، تھینک یو شمسہ، میں روز یہیں اترتی ہوں۔ تھینک یو سو مچ کہ تم نے......" اس نے منونیت سے کہا۔

"ارے بھئی اس میں اتنا احسان مند ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ اتنے چھوٹے سے کام ں بھی اگر بندہ دوسرے انسان کے کام نہ آئے تو...... اوکے خدا حافظ۔" شمسہ نے خلوص ے کہا اور آگے بڑھ گئی۔ نازو نے شکرانے کا ایک گہرا سانس لیا اور گھر کی طرف چل پڑی۔ ہ خوفزدہ تھی کہ کوئی محلے والا نہ دیکھ لے۔

"واہ بھئی واہ۔ لوگ تو گاڑیاں اور بندے کپڑوں کی طرح بدل رہے ہیں۔ کل اور تھا ج اور ہے۔ ہائے کاش ہمارے پاس بھی گاڑی ہوتی، جیب بھری ہوتی تو ہمارے خوابوں کی نی ہمارے ساتھ گھوم پھر کر آ رہی ہوتی۔"

بعض اوقات ہمارے خدشے حقیقت کا روپ دھار کر ہمارے سامنے آن کھڑے ہوتے ں تو ہمارے قدم اُکھڑنے لگتے ہیں۔ یہی حال اس وقت نازو کا تھا۔ وہ اندر تک لرز گئی تھی ے کو دیکھ کر جو نجانے کہاں سے آوارہ گردی کر کے لوٹا تھا۔ قسمت بری کہ اس وقت ب وہ گاڑی سے اتر رہی تھی تو یہ آ گیا۔ اس نے پلٹ کر جواب دینا مناسب نہیں سمجھا، وہی سیدھی بکواس کرتا ہوا آگے بڑھ گیا مگر یہی بات اس نے سلیم کو مرچ مسالے لگا کر بتائی تو لک اٹھا۔

"تو گھوما کرے وہ ہر روز کسی نئے گاڑی والے کے ساتھ، مجھے کیوں بتاتا ہے، میری کیا ق ہے وہ؟" سلیم کو معلوم تھا کہ اگر وہ بھڑک اٹھا، نازو کی طرف داری کی تو اس کے لئے ل ہو جائے گی۔

"اچھا کچھ نہیں لگتی وہ تیری؟ تو سچ کہہ رہا ہے ناں؟ تو پھر ہم کنڈا ڈالیں؟" شیدے نے ں آنکھ دبا کر کہا تو سلیم نے اس کا گریبان پکڑ لیا۔

"میں تیرے گندے خون سے ہاتھ رنگنا نہیں چاہتا ورنہ ابھی زمین پر پڑا تڑپ رہا ہوتا۔ جا، کنڈا ڈالنے والا شوق بھی پورا کر لے، گھاس مل جائے تو مجھے بھی بتا دینا۔" سلیم نے ے کے ساتھ اسے چھوڑ دیا اور آگے بڑھنے لگا۔ مگر شیدے کی تپا دینے والی ہنسی دور تک اس

کا پیچھا کرتی رہی۔ اس کے دل و دماغ میں جنگ چھڑی ہوئی تھی۔

"نہیں، نازو ایسی لڑکی نہیں ہوسکتی۔ وہ بہت اچھی، نیک اور شریف لڑکی ہے۔" تھا جو نادان دل کو ہمیشہ اچھے اور مفید مشورے دیتا۔ مگر پاگل دل کی باتیں سمجھ میں آ نا ں۔

"ٹھیک ہے، میں مانتا ہوں وہ اچھی ہے۔ مگر وہ کیوں غیر مردوں کے ساتھ گا آتی ہے؟ بسیں چلنا بند ہوگئی ہیں یا اسے نئے نئے ماڈل کی گاڑیوں سے دلچسپی ہے؟ کیوں بیٹھتی ہے وہ غیر مردوں کے ساتھ گاڑی میں؟" وہ دلائل کی اس لڑائی میں نکڑ تک پہنچ گیا۔ نازو تیز تیز قدم اٹھاتی آگے بڑھ رہی تھی۔ وہ خود اسی بات پر غور کر کہ اسے یوں نئی نئی گاڑیوں میں نہیں آنا چاہئے۔ گاڑی سے اترنا تو سب دیکھ لیتے اس کے پیچھے کیا مجبوری ہے وہ کوئی نہیں جانتا۔ وہ راشد جیسے بھیڑیے سے بچنے شمسہ کی گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔ اب اسے کیا خبر تھی کہ اس کا بھائی بھی آ جائے گا۔ سلیم قدم تیز کر دیئے۔ اتفاق سے اس وقت گلی بھی خالی اور سنسان تھی۔

"نازو!" اُس نے سرگوشی کے انداز میں آواز دی تو اس نے پلٹ کر دیکھا۔ اسے کچھ دیر کے لئے وہ سن سی ہوگئی۔ نجانے کیا بات تھی کہ سلیم کے سامنے وہ کچھ بے بس ہو جاتی۔ اس میں جانے کیا بات تھی کہ وہ اسے اپنا اپنا سا لگتا تھا۔ دل چاہتا تھا سار پریشانیاں اسے سونپ کر اس کی پناہ میں چلی جائے۔ مگر بہت سی مجبوریوں کے پہاڑ سر کرنا اس کے اختیار سے باہر تھا، اس لئے وہ اب اس سے بھی سرد مہری برتنے لگی تھ

"کیا بات ہے؟" انتہائی سرد اور خشک لہجہ۔ سلیم کچھ دیر کے لئے چپ سا رہ گیا۔

"نازو دیکھو، میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ میں تم سے سرراہ کوئی بات نہیں کرو وہ شیدا بکواس کر رہا تھا تو مجھے تاؤ آ گیا اور میں نے اس کا گریبان پکڑ لیا۔ آج تھوڑی خلافی ہوگئی معاف کر دینا۔" سلیم کہنا تو بہت کچھ چاہتا تھا مگر اس کی ہمت ہی نہیں ہو

"اچھا پھر؟" پہلے سے زیادہ خشک اور سخت لہجے میں پوچھا گیا تو سلیم کا دماغ بھ لگا مگر ضبط کر گیا۔

"پھر کیا نازو، تم اچھی طرح جانتی ہو کہ یہاں کا کیا ماحول ہے۔ مجھے تم پر پورا نازو مگر تم کسی کی گاڑی میں نہ آیا کرو، چھوٹے ذہنوں کے لوگ ایسے ایسے افسانے گھڑ ایسی ایسی باتیں کرتے ہیں، تمہارے کردار کی شفاف چادر پر کیچڑ اچھالتے ہیں تو میر میں خون کھولنے لگتا ہے، کسی روز کسی کے خون سے ہاتھ رنگ بیٹھا تو گلہ نہ کرنا کہ میر



"کیوں..... کیوں تم ایسا کرو گے؟ کیا لگتے ہو تم میرے؟ کچھ بھی نہیں۔ کہتا رہے، میرے کردار کی دھجیاں اڑائے یا کیچڑ اچھالے، تمہیں اس کی فکر نہیں ہونی چاہئے، میں کچھ بھی کرتی پھروں، گاڑیاں بدلوں یا بندے بدلوں، تمہیں کیا تکلیف ہے؟ تم اپنے کام سے کام رکھو سمجھے۔ میرے نزدیک تم میں اور شیدے میں کوئی فرق نہیں۔"

یہ انداز، یہ الفاظ، یہ لہجہ نازو ہی کا تھا۔ سلیم کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ تو بہت بلندی سے گرا تھا۔ غصہ تو اتنا آیا تھا کہ وہ نازو کا گلا دبا دینا چاہتا تھا مگر ضبط کر گیا۔

"ٹھیک ہے نازو، تمہارے نزدیک مجھ میں اور شیدے میں کوئی فرق نہیں ہے ناں مگر میرے لئے تم کیا ہو، یہ تم نہیں جانتیں۔ محبت ہے مجھے تم سے، عزت کرتا ہوں تمہاری۔ اور تمہاری عزت کی طرف اٹھنے والا ہاتھ کاٹ دوں گا۔ مجھے تم سے کچھ نہیں چاہئے نازو، میری محبت بے غرض ہے۔ تم روز گاڑیاں بدلو یا بندے بدلو، میری محبت میرے اعتماد کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔" سلیم نے مضبوط لہجے میں کہا اور تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ نازو اس کی پشت کو دیکھتی رہی۔ یہ نوجوان جو اس کے سامنے ایک بدمعاش اور اوباش کے روپ میں آیا تھا اور پھر ہیرو بن کر چھا گیا تھا، واقعی افسانوی انداز میں نازو کے خوفزدہ دل میں نرم گوشہ بنا گیا تھا۔ وہ کیا جانے کہ بھیڑیوں کے جنگل میں اس کی بے لوث محبت اور اعتماد کے سائبان کے تلے آنا چاہتی ہے۔ اس نے تو اسے خود سے اس لئے بدظن کیا تھا کہ کہیں وہ جذبات میں آ کر بلاوجہ کسی کو قتل کر بیٹھا تو ایک انسانی جان جائے گی اور خود وہ بھی نہ رہے گا۔ بدنامی کا طوق اس کے گلے میں پڑے گا جو اسے نہ جینے دے گا اور نہ مرنے دے گا۔

"مجھے معاف کر دینا سلیم، میں نے جو کہا ہے اس میں کوئی سچائی نہیں، تم میں اور شیدے میں اتنا ہی فرق ہے جتنا رات اور دن میں۔ کہاں تم اور کہاں شیدا اور راشد جیسے بھیڑیئے۔ مجھے معاف کر دینا، میری ماں کو بھی تم پسند نہیں ہو، تو پھر سلیم میں تمہیں خوابوں کے سنہرے جال میں کیوں الجھاؤں؟ یہ راشد خبیث تو جان کو آ گیا ہے۔ پروردگار، میں کیا کروں، باپ اور بھائیوں کے ہوتے ہوئے میں اس قدر بے اماں اور بے سائبان ہوں کہ کوئی بھی مجھ جیسی لڑکی کو کچھ بھی کہہ سکتا ہے، اپنا حق جتا سکتا ہے۔ اے خدا میری حفاظت فرما۔"

نازو سجدے میں گری کتنی ہی دیر روتی رہی۔ آج کے تمام واقعات اس نے خلاف توقع امی سے چھپا لئے تھے اور بتانے کا فائدہ بھی کیا تھا۔ وہ بھی پریشان ہوتیں۔ وہ بس اللہ ہی سے مدد چاہتی تھی جس کے دائرہ اختیار میں سب کچھ ہے۔

☆☆☆

"زیبو! اے زیبو، کہاں مر گئی ہے کمبخت؟" اماں کی آواز باورچی خانے سے ہو
اس کے قریب آ گئی تھی۔ اس نے ساری آوازیں سنی تھیں مگر آنکھیں موندے ڈھٹا
پڑی تھی۔

"کمبخت تو یہاں پڑی ہے، ستر آوازیں دی ہیں میں نے تجھے۔ سنتی کیوں نہیں؟"
کے زبردست دوہتھڑ بھی کارگر ثابت نہ ہوئے۔ وہ آنکھیں بند کیے پڑی رہی۔

"دیکھو اس کمبخت نگوڑ ماری کو، اثر ہو رہا ہے؟ آنکھیں بند کیے پڑی ہے، مجال ہے کہ
میری بات۔" اس حملے پر وہ چارپائی پر چوکڑی مار کر بیٹھ گئی اور ماں کی گود سے چھوٹا
لے لیا۔

"آ جا میرے سانڈ بھائی، کیا کھائے گا؟ ہاں ہاتھی کا گوشت؟ نہیں دودھ پئے گا
گینڈا۔ ہاں، ہاں..... کیوں نہیں، اپنے بل بتوڑے بھیا کے لئے میں نے بھینسوں کو
کھول لیا ہے۔ بچ جا بھینسا کہیں کا۔" وہ مسلسل چھوٹے بھائی کے بال نوچ کر پیار کر
ہوئے کہہ رہی تھی۔ اماں کو تاؤ آ گیا۔

"ارے دفع دور، کیسے نظر لگا رہی ہے میرے معصوم بچے کو، الٹی سیدھی بکواس کر رہی
اور جو میں کہہ رہی ہوں وہ سنائی نہیں دے رہا۔ پھر آنکھیں بند کر کے پڑ گئی ہے۔ سنتی
کہ....."

"اماں اتنی عمر ہو گئی ہے، پھر بھی تمہیں یہ سمجھ نہ آئی کہ زیبو آنکھ سے نہیں کان سے
ہے۔" وہ ڈھیٹ بنی رہی۔

"واہ کیا کمال کرتی ہے زیبو، کان سے سن، وہ لال کوٹھی والوں کے ہاں بارہ سال
خوشی آئی ہے۔" اس اطلاع پر وہ پھر اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"ہائیں..... کس ٹرین سے آ رہی تھی کہ بارہ سال بعد پہنچی ہے یہ خوشی؟ ویسے اماں، خ
ہے کیا چیز؟"

"زیادہ بک بک نہ کر، وہ اکرم صاحب کے ہاں بارہ سال بعد پوتا ہوا ہے اور انہوں
تیرے لئے پیغام بھیجا ہے۔ جلدی کر۔" اماں نے اطلاع دی تو وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔

"ہائے میں مر گئی اماں، دیکھا تو نے کتنی قدر ہے میری۔ لوگ کتنا چاہتے ہیں مجھے۔ ا
پوتا ہوا آج انہوں نے میرے لئے پیغام ڈال دیا۔ ہائے ہائے ماں، میں لاج سے مر ہی
جاؤں، کہاں چھپوں۔" وہ اچھل کر کبھی کہیں چھپتی کبھی چارپائی کے نیچے چھپ جاتی۔

"اماں، میں تیرے اس گینڈے بیٹے کے پیٹ میں چھپ جاتی ہوں بلکہ تو بھی آ جا، بڑ



لا ہے ماشاءاللہ میرے سنڈے بھائی کے پیٹ میں، دو چار تو آسانی سے چھپ سکتے ہیں۔"

"دفع ہو جا، ہر وقت بچے کو کوستی رہتی ہے۔ کلموہی کی ایسی نظر لگی ہے کہ سوکھ کر کانٹا ہو گیا
ہے میرا بچہ۔"

"خدا کا خوف کرو اماں، اس جیسے ہاتھی سائز کے دو چار ہو گئے تو....."

"تیرے منہ میں خاک منحوس، جا، جا کر تیار ہو۔ انہوں نے کہا ہے کہ ہم پوتے کی خوشی
میں کوئی پروگرام کر رہے ہیں، زیبو کو بھیج دو۔ اور سن اچھے اچھے گیت گائیو۔ پچھلی بار کی طرح
شکایت آئی نا تیری، اور سن اپنے ریٹ بھی بڑھا دے، اتنے امیر لوگ ہیں، خزانے خالی نہیں
ہو جائیں گے۔" اماں کہہ رہی تھیں مگر وہ جا چکی تھی۔ اماں نے پلٹ کر دیکھا تو چپ ہو گئیں۔

"چھلاوا ہے کمبخت نظر کی طرح، یہ تھی اور وہ گئی۔" اماں اٹھ کر پھر باورچی خانے کی
طرف چلی گئیں۔ زیبو نے ٹرنک اتار کر اپنا سرخ چوڑی دار پائجامہ نکالا، سبز اور سرخ گھیر دار
فراک نکالی۔ یہ لباس اس نے پیسے جمع کر کے ایسے ہی موقعوں کے لئے بنوایا تھا اور جس روز
اس نے یہ لباس پہنا تھا، زندگی میں پہلی بار سلیم نے بے ساختہ اس کی تعریف کی تھی۔

"آج تو، تو بہت اچھی لگ رہی ہے۔"

وہ خوشی سے پاگل ہی تو ہو گئی تھی۔ اس وقت بھی وہ گنگناتے ہوئے تیار ہو رہی تھی۔
میرون رنگ کی لپ اسٹک اچھی طرح لگا کر وہ چھوٹے سے آئینے میں اپنا آپ دیکھ رہی تھی
کہ پیچھے سے سلیم کی صورت نظر آئی۔ اس کا چہرہ اترا ہوا تھا۔

"اوئے شہزادے، کیا ہوا؟" وہ پوری کی پوری اس کی طرف گھوم گئی۔

"لڑکا ہوا ہے، جا دفع ہو" وہ انتہائی اکھڑ پن سے بولا۔

"ہاں پتہ ہے، اسی کی خوشی میں جا رہی ہوں۔ پر تجھے کیا ہوا ہے؟" زیبو سمجھ رہی تھی کہ
بات کوئی غیر معمولی ہے۔ سلیم کے چہرے کی اُلجھی تحریر بھی وہ پڑھ لیا کرتی تھی۔

"زیبو جا اپنا کام کر۔ میرے منہ نہ لگ۔ اس قت میں بہت غصے میں ہوں" وہ درشتی
سے بولا۔

"ہائے جالم تو غصے میں تو اور بھی شہزادہ لگے ہے۔" زیبو نے بڑی گہری رومانٹک آہ بھری
تو وہ کھا جانے والے انداز میں پلٹ کر اسے گھورنے لگا۔

"میں نہیں، وہ شیدے کی بہن کہہ رہی تھی۔ بڑی کمینی ہے۔ اور بھی بہت کچھ کہتی ہے پر
میں دھیان کب دیتی ہوں، الٹا ڈانٹ دیتی ہوں۔ وہ تو یہ بھی کہہ رہی تھی کہ....."

"کیا..... کیا کہہ رہی تھی وہ؟ ذرا میں بھی تو سنوں۔" سلیم نے اس کی چوٹی پکڑ لی۔

"یہی کہ تیری میری جوڑی چاند سورج کی جوڑی لگتی ہے مگر......"

"دفع ہو جا ورنہ خون پی جاؤں گا۔ اور خبردار جو آئندہ شیدے کا یا اس کی بہن کا کبھی تو۔ اس شیدے نے تو......" سلیم غصے میں کچھ کہتے کہتے رُک گیا تو زیبو چونک ضرور کوئی بات ہے۔

"سلیم بتا، کیا بات ہے؟ آج جتنا تو کبھی پریشان نظر نہیں آیا۔ بتا، میری سہیلی ہی ہو۔" وہ سنجیدہ ہوگئی تو سلیم نے ساری بات اسے بتا دی تو وہ کمر پر ہاتھ رکھ کر گھورنے لگی۔

"لعنت ہے تیری شکل پر...... بس تو صرف نازو کو ہی چاہتا ہے مگر جانتا نہیں ہے ا"

"جانتا ہوں، بہت اچھی طرح جانتا ہوں میں نازو کو۔ مگر وہ...... وہ مجھے نہیں جانے کیوں کیسں میرے ساتھ ایسی باتیں۔ آخر وہ خود کو سمجھتی کیا ہے۔ نہیں بات کرے مر جاؤں گا، ہرگز نہیں۔" سلیم اس کی بات سے بہت ہرٹ ہوا تھا اور شدید غصے میں؟

"اب کی ناں پتے کی بات میرے بھائی نے...... آئے ہائے، اس کمبخت ماری کیا کروں، اللہ توبہ، اللہ توبہ میں نے تجھے بھائی کہہ دیا۔ کاٹ دوں میں اس زبان کو بھائی کہے۔"

زیبو کی زبان سے بے دھیانی میں جو بھائی نکل گیا تو اس نے واقعی زبان کو دانت دبا کر سزا دی کہ آئندہ سلیم کو بھائی نہیں کہنا۔

"خیر تو فکر نہ کر، میں ہوں ناں، دیکھ لیتی ہوں۔ مہارانی نازو بیگم کی بھی ایسی خبر کہ تیرے پاؤں نہ چھوئے تو کہنا۔ وہ کون ہوتی ہے تجھے کہنے والی۔" زیبو کو واقعی سلیم عزتی کا دکھ پہنچا تھا۔

"نہیں زیبو، ایسی کوئی حرکت نہ کرنا، اس کی عزت، اس کی انا مجھے اپنی محبت پیاری ہے۔" وہ جانتا تھا کہ وہ اس کی بے عزتی کا بدلہ کسی بھی انداز میں لے لے گی

"تو چپکا بیٹھا رہ، مجھے کیا کرنا ہے، کیا نہیں، یہ تیرے پیٹ کا مروڑ نہیں کہ علاج تڑپے۔ آرام سے سو جا۔ اور سن وہ کبوتروں کے ڈربے میں...... تیرے لئے میں نے کبوتروں کی وہ جمع کر کے رکھے ہیں کھا لینا یاد سے......" کبوتروں کی وہ سے مراد ا تھا، اسے چڑانے کے لئے وہ ایسی ہی باتیں کرتی تھی۔ سلیم جوتا لے کر اٹھا مگر وہ پھلانگ چکی تھی۔ باہر آئی تو سامنے سے شیدے کو آتا دیکھا تو آنکھیں مٹکانے لگی اور الہڑ ہوگئی۔ وہ پیچھے لگ گیا۔ اس نے اترانا شروع کر دیا۔



"عشقے بھی عشقے، یہ آج کہاں بجلیاں گرانے جا رہی ہے کوئلے کی کان۔" شیدے نے سامنے آ کر آنکھ دبائی تو وہ اندر تک کھول اٹھی۔ اس نے بدلہ لینے کا ارادہ کر کے ادائیں دکھانی شروع کر دیں۔

"تو کہہ کر تو دیکھ، تیرے اوپر ہی یہ بجلی نہ گرے تو کہنا۔" اس نے ہونٹ دبایا۔

"ہائے ہائے...... ظالم ہے تو کلو۔ بڑا نمک ہے تیرے خون میں۔" شیدا قریب آ گیا۔

"ہیں واقعی، چکھا ہے تو نے؟" اس نے لجا کر دوپٹہ دانتوں تلے دبایا۔

"ویسے زیبو، تو واقعی بڑی خوبصورت ہے۔" اس کی مسکراہٹ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شیدا اور قریب آ گیا۔ وہ بالکل نہیں جانتا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔

"ہیں...... ہائے شیدے، تو پہلا جھوٹا ہے جس نے اتنی جرأت سے یہ جھوٹ بولا ہے۔ ویسے خود تو نے کبھی شیشہ دیکھا ہے؟"

"تیری آنکھوں میں دیکھنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ وہ تیرے بھائی سلیم سے ڈر جو لگتا ہے۔ سالا دھنائی کر کے دیوار پر لٹکا دیتا ہے سوکھنے کے لئے...... ورنہ تو آج تک محلے کے سارے لڑکے تجھ سے عشق لڑا چکے ہوتے۔" شیدا پکا بدمعاش تھا اور لڑکیوں کو پھانسنے کا ہر گر اس کو آتا تھا۔ وہ زیبو کو شاید جانتا نہیں تھا اور زیبو کے اندر کی آگ پر تو اس کے لفظ "سلیم بھائی" نے تیل کا کام کیا تھا۔ وہ منہ میں دبے پان کو زور زور سے چبانے لگی جیسے شیدے کو دانتوں تلے چبا رہی ہو۔

"سارے محلے کے لڑکوں کو بھاڑ میں ڈالو، میں تو پیدائش سے پہلے کی تم پر مرتی ہوں۔" اس کا انداز اتنا دلبرانہ تھا کہ کچھ دیر کے لئے اوباش شیدا بھی بے وقوف بن گیا۔

"ہیں واقعی، مجھے یقین نہیں آ رہا۔" شیدے نے اپنی آنکھیں جھپکائیں۔

"اچھا تو آنکھیں بند کر، میں یقین دلاتی ہوں ابھی۔" زیبو نے دلبرانہ انداز میں کہا تو اس نے جھٹ آنکھیں بند کرلیں۔ زیبو نے منہ میں بھری ہوئی پان کی پیک اُس کے منہ پر پچکاری بنا کر ماری اور بھاگ گئی۔ ساری گلی کے لڑکے قہقہے لگا رہے تھے، آوازے کس رہے تھے۔

"ہائے، ہائے...... کلو رانی، آج کہاں بجلی گرا گئی۔" ایک نے کہا۔

"ارے یار بجلی نہیں پچکاری۔" دوسرے نے کہا۔

"وہ بھی شیدے کے منہ پر۔" وہ آنکھیں بند کر کے کھڑا تھا اور پچکاری کپڑوں پر پھیل رہی تھی اور لڑکوں کے قہقہوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔

*☆*

''ہمارے خاندان میں آج تک کسی لڑکی کو طلاق نہیں ہوئی۔ نجانے ہم لوگوں سے کون سی خطا سرزد ہوئی ہے کہ ہماری سب سے اچھی اعلیٰ تعلیم یافتہ بہن کو احتشام میاں یوں الگ کر کے پھینکا گویا وہ کوئی فالتو چیز ہوں۔ ہم تو خاندان بھر میں کسی کو منہ دکھانے قابل نہیں رہے، لاکھ لوگ لڑکی کو بے گناہ گردانیں مگر گھوم پھر کر ان کے خیالوں اور سو کے راستے لڑکی پر تنقید کی کڑی دھوپ بن کر چھا جاتے ہیں کہ آخر لڑکی میں کوئی تو خرابی گی۔ ارے ہم کیسے لوگوں کو یقین دلائیں کہ ہماری گڑیا جیسی بہن نے یہ چار سال کانٹوں برہنہ پا چلتے ہوئے گزارے ہیں ایک شرابی کبابی انسان کے ساتھ جس نے ان کی حیثیت کبھی قبول ہی نہیں کیا تھا، نہ کرتے، وہ ہماری بہن کی حیثیت سے قبول، بحیثیت ملازمہ ہی پر پڑا رہنے دیتے۔ آج وہ طلاق کا ٹیکا ماتھے پر سجائے دنیا سے نگاہیں تو نہ چرا رہی ہوتیں۔ شفاعت میاں، ہم نہیں جانتے تھے کہ دُکھ کیا چیز ہے مگر ہماری بہن کی ادھوری زندگی ہمیں آشنائے غم کر دیا ہے۔ ہم بہت دُکھی ہو گئے ہیں۔''

بانو بیگم جانتی تھیں کہ شفاعت اللہ انیقہ کے طلبگار تھے اور ہیں اور ان کے دوست ہمدرد بھی ہیں۔ اسی لئے آج انہوں نے اپنا دل ان کے سامنے کھول کر رکھ دیا۔ مگر وہ رہے تھے کہ وہ اپنا دل کس کے سامنے کھول کر رکھیں۔ وہ تو اُلجھ کر رہ گئے تھے۔ کیا ستم تھا وہ انجانے میں انیقہ کے منتظر تھے۔ نجانے کون سی ایسی آس کی جڑیں تھیں جو پھیلی ہوئی تھ کہ انیقہ لوٹ آئیں گی۔ بارہا وہ اپنی اس سوچ پر خود کو ملامت بھی کرتے کہ ایک شادی شد لڑکی کے لئے اس انداز میں سوچنا غلط ہے مگر پھر بھی ایک انجانا سا انتظار تھا اور جب انتظار ختم ہوا تو وہ انیقہ کو انتظار کے لامتناہی راستے پر ڈال کر دوسری جانب چل پڑے تھے وہ بری طرح اُلجھ کر رہ گئے تھے کیونکہ ابھی ہی تو انہوں نے منزہ کو اپنانے کا فیصلہ کیا تھا اور فیصلہ خود تک ہوتا تو بھی فرار کے کئی راستے تھے جو سیدھے انیقہ تک جاتے تھے۔

''منزہ، ہم آپ کو ایک شوخ، نٹ کھٹ اور جذباتی لڑکی سمجھتے تھے مگر آپ نے ہمار محبت میں خود کو سر سے پیر تک ہمارے آئیڈیل میں ڈھال کر ہماری فرار کی راہیں مسدود کر دی ہیں۔ ہم نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ ہم یوں آپ سے متاثر ہو کر گھر والوں سے آپ کے لئے بات کرنے جائیں گے۔ تیار ہو جائیے اپنی عمر سے دوگنی عمر کے ہمسفر کے ساتھ زندگی کے سفر پر جانے کے لئے۔'' شفاعت اللہ نے بڑی اپنائیت اور لگاوٹ سے اسے ساتھ چلنے کی نوید اسے سنائی تو خوشی کی بے شمار کرنیں حیا کے رنگوں میں ڈھلی اس کے رخساروں پر اتر آئی تھیں۔ شفاعت اللہ کو پہلی بار احساس ہوا کہ منزہ کتنی خوبصورت لڑکی ہے



''آپ کی ہمسفری کی میں نے اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگی تھی، اُس کی پاک ذات نے مجھے یہ خوشی بخشی ہے، میں اللہ کا شکرانہ ادا نہیں کر سکتی اور آپ کی مشکور ہوں کہ آپ نے......'' وہ مزید کچھ کہتی کہ ان کی نگاہوں کی حسرت نے نگاہیں جھکانے پر مجبور کر دیا۔

وہ گزشتہ ایک گھنٹے سے لان میں چہل قدمی کر رہے تھے۔ کبھی دل بغاوت پر آمادہ ہو جاتا کہ منزہ کو ساری بات بتا کر اس سے انیقہ کی خوشیاں مانگ لیں۔ وہ تو نوجوان تھی، حسین تھی، اسے کوئی بھی ان جیسا یا ان سے اچھا آدمی مل جاتا۔ مگر شاید انیقہ کی اُجڑی مانگ سونی ہی رہتی۔ مگر پھر سوچتے کہ وہ اتنے خودغرض کیسے ہو سکتے ہیں کہ محض اپنی خوشی کے لئے ایک معصوم لڑکی کا دل توڑیں۔ وہ شدید قسم کے ذہنی خلفشار کا شکار تھے۔ اگر انیقہ کی جانب دیکھتے تو منزہ کی آنکھوں میں پانی بھر جاتا، منزہ کا ہاتھ تھامتے تو خود دل بغاوت پر آمادہ ہو جاتا۔

''میرے خدا، میری رہنمائی فرما۔'' انہوں نے ایک گہرا سانس لیا اور واپسی کے لئے مڑے ہی تھے کہ سامنے سے انیقہ آتی نظر آئیں۔ اپنے دھیان میں ان کو ان کی موجودگی کا احساس نہیں ہوا۔ ان کو دیکھتے ہی انہوں نے واپسی کے لئے قدم اٹھائے تو شفاعت اللہ تیزی سے ان کی طرف بڑھے مگر انیقہ تیز تیز چلتی کمرے میں آ گئیں۔ وہ بھی پیچھے آ گئے۔

''انیقہ آپ.... آپ کہاں ہیں، ہم تین روز سے آئے ہوئے ہیں مگر آپ نظر ہی نہیں آ رہیں۔ کیوں..... یہ اجتناب کیوں؟ ہم تو وہی ہیں انیقہ اور وہیں کھڑے ہیں جہاں سے آپ آگے بڑھ گئی تھیں۔''

دل کی ساری بے قراریاں لفظوں میں ڈھل کر بے قرار لہجے میں اتر آئیں تو انیقہ نے بھیگی پلکوں سے انہیں دیکھا۔ خوبرو سا یہ شخص جس کو دیکھ کر پہلی بار سینے میں دل کی موجودگی کا احساس ہوا تھا اور پہلی بار ہی احتشام سے نسبت پر دُکھ بھی ہوا تھا۔ مگر اب تو سب کچھ ختم ہو چکا تھا، وقت نے ان کو کبھی بھی یہ حق نہیں دیا تھا کہ وہ اپنی خوشی اور مرضی سے سانس لے سکیں۔

''کسی کے آگے بڑھ جانے سے راستے ختم نہیں ہو جاتے شفاعت اللہ صاحب! ہر موڑ پر راستے بھی ہوتے ہیں۔ آپ کسی دوسرے راستے پر چلے جاتے بلکہ چلے جائیے۔ ہم تو وہ نااہل ہیں کہ اپنے شوہر کو بھی خوش نہ رکھ سکے اور انہوں نے ہمیں اپنی زندگی سے نکال باہر کیا۔ ہم تو راستے کی دھول سے زیادہ بے وقعت ہیں کہ....'' انیقہ ان کے سامنے کمزور پڑنا نہیں چاہتی تھیں اس لئے جب لفظ حلق میں پھنسنے لگے تو وہ خاموش ہو کر باہر دیکھنے لگیں۔

''آپ ایسی باتیں نہ کیجئے انیقہ۔ اگر جوہری نااہل ہو، ہیرے کی قدر و قیمت کا اندازہ نہ

لگا سکتا ہو تو اس سے ہیرے کی اہمیت اور قیمت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اور آپ تو وہ نایاب ہیں کہ......'' شفاعت اللہ کی بات ابھی جاری ہی تھی کہ انیقہ سسک پڑیں۔

''پلیز شفاعت اللہ صاحب! خدا کے لئے ہمیں اتنی عزت نہ دیجئے۔ ہم تو بے وقعت ذرہ ہیں، راہوں کی دھول تو اس کا مقدر ہو سکتی ہے مگر شوہر کے تاج میں جڑنے والا ہیرا ہو سکتی۔'' ضبط کے باوجود بے شمار آنسو ان کے آنچل میں جذب ہو گئے۔ یہ شخص کتنا قر کتنا عزیز تھا کہ دل چاہتا تھا کہ اپنے سارے غم ان سے کہہ دیں۔

''کیا ستم ظریفی ہے انیقہ کہ ایک ہستی جو کسی کو اپنی جان سے زیادہ عزیز ہو، متاع د ہو، جس کے ہجر میں کسی نے راتیں فضاؤں میں کچھ تلاش کرتے ہوئے گزاری ہوں، وہ دوسرے کے لئے اتنی غیر ضروری، غیر اہم ہو کہ کسی ناکارہ شے کی طرح اٹھا کر پھینک د کیا ستم ہے یہ۔ انیقہ، ہم آپ کو بتا نہیں سکتے کہ ہم نے کتنے ارمانوں سے آپ کو چاہا تھا جی جان سے آپ کے طلب گار ہوئے تھے اور ہم پر کس طرح یہ خبر بجلی بن کر گری تھی کہ آ کسی اور سے منسوب ہیں۔ ہم...... ہم......'' اس وقت شفاعت اللہ سب کچھ بھولے ہو تھے۔ یاد تھا تو صرف اتنا کہ ان کے سامنے ان کی پہلی محبت لٹی ہوئی کھڑی تھی اور وہ صر اس کے آنسو اپنی پلکوں میں اتار لینا چاہتے تھے۔

''ہم اللہ تعالیٰ کے شکر گزار ہیں کہ آپ ہماری قدر کرتے ہیں اور اب بھی ہمارے اچھا سوچتے ہیں مگر......'' انیقہ کے پیش نظر ہمیشہ یہ بات رہی تھی کہ یہ ان کی آپی کا سسر ہے اور کوئی بات ایسی نہ ہو جائے جو ان کے لئے طعنہ بن کر ان کے سامنے آ جائے۔ ا لئے وہ بہت محتاط رہتیں اور الفاظ کا انتخاب بھی بہت سوچ سمجھ کر کرتیں۔

''انیقہ آپ...... آپ جانتی ہی نہیں کہ آپ کی ہماری زندگی میں کیا اہمیت ہے۔ بس اتنا آپ ہماری پہلی محبت کا پہلا احساس ہیں، ہم آپ کے طلب گار تھے اور طلب گار ہیں شدت سے ہم آپ کے طلب گار رہیں گے۔'' شفاعت اللہ جذباتی ہو رہے تھے۔ آج انہو نے کھل کر اپنے جذبوں کو زبان دے دی تھی اور ان کے لئے اپنی طلب کا کشکول کھڑے تھے۔ انیقہ کے اندر عجیب سے احساسات اور جذبات کی لہریں کنارہ دل سے ٹکرا کر پلٹ رہی تھیں۔ وہ کس موڑ پر کھڑی تھیں کہ خواہش کے باوجود نہ ہاں کر سکتی تھیں اور ہی ناں کرنے کے لئے دل تیار تھا۔ اسی اُلجھن میں مبتلا تھیں کہ فون کی گھنٹی چیخ اٹھی۔ انہو نے گھبرا کر خود ہی فون ریسیو کر لیا۔

''ہیلو۔'' ان کی آواز کہیں دور سے آتی محسوس ہوئی۔ دوسری طرف منزہ تھیں۔



''السلام علیکم۔ آپ بانو بھابی بات کر رہی ہیں؟''

''وعلیکم السلام، ہم بانو آپی نہیں ان کی ہمشیرہ ہیں۔ کہئے تو ان کو بلوا دیں؟'' انیقہ نے خود قابو پا لیا تھا۔

''ارے نہیں، ابھی ہمیں بھابی سے نہیں، ان کے دیور صاحب سے بات کرنی ہے۔ میجر شفاعت اللہ ہوں گے گھر پر؟'' منزہ کی آواز کی کھنک، لہجے کا اعتماد، شفاعت اللہ کا نام لیتے ہوئے لہجے میں اتر آنے والا ترنم انیقہ کو سب کچھ سمجھا گیا۔ انہوں نے پلٹ کر شفاعت اللہ کو دیکھا جو اندازہ لگانے کی کوشش کر رہے تھے کہ کس کا فون ہے۔

''جی بالکل ہیں۔ لیجئے بات کیجئے۔ آپ کا اسم گرامی؟''

''جی میں منزہ ہوں۔ منزہ انوار۔ مگر ان کے لئے صرف منزہ ہی کافی ہے۔ وہ کون سی ایسی ساری منزاؤں کو جانتے ہیں کہ پہچان دُشوار ہو گی۔ کہیں قریب ہی ہیں؟'' منزہ بڑے شوخ انداز میں بات کر رہی تھی۔ انیقہ نے چند قدم کے فاصلے پر کھڑے شفاعت اللہ کو دیکھا کچھ دیر قبل تو واقعی اپنے تھے، قریب تھے مگر اب بہت دور محسوس ہو رہے تھے۔

''ہر چند کہ قریب ہیں پر...... پر نہیں۔ لیجئے، بات کیجئے۔'' ایک گہرا سانس دُکھ کا احساس دیتا ہوا فضا میں بکھر گیا۔ انہوں نے ریسیور شفاعت اللہ کی طرف بڑھایا۔

''یہ کوئی منزہ انوار، مگر نہیں صرف منزہ کا فون ہے۔ آپ سے بات کرنا چاہتی ہیں۔'' چند الفاظ پر مشتمل یہ جملہ شفاعت اللہ کو ایک دم حقیقت کی دنیا میں لے آیا، وہ یوں چونکے جیسے خواب دیکھ رہے ہوں۔

''اوہ......'' انہوں نے معذرتی نگاہ انیقہ پر ڈالی اور ہارے ہوئے انداز میں ریسیور تھام لیا اور پھر منزہ کتنی ہی دیر ان سے بات کرتی رہی مگر وہ کھوئے کھوئے سے جواب دیتے رہے۔

''آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا میجر؟'' منزہ نے جانے کیا پوچھا تھا۔ انہوں نے تو سنا ہی نہیں تھا تو جواب کیا دیتے۔

''ہوں، ہاں کہا، اچھا تو آپ نے......'' وہ خواب کی سی آواز میں بولے تو وہ کچھ خفا سی ہو گئی۔

''آپ کہاں ہیں، میں نے اتنی باتیں کر ڈالی ہیں اور آپ نے ہوں ہاں کے سوا کوئی جواب ہی نہیں دیا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ ہوتے ہوئے بھی نہیں ہیں ورنہ میں آپ کو بیزار کرنے کے لئے ہرگز فون نہیں کرتی۔'' منزہ تو ان سے واقعی روٹھ گئی تھی۔ یہ سوچ کر وہ پشیمان ہو گئے بھلا ان کو کیا حق پہنچتا تھا کہ ایک معصوم لڑکی کے جذبات سے کھیلیں، اس کو

اپنی سوچوں کا تابع کریں۔ جھٹ سیدھے ہو گئے۔

''ارے منزہ، آپ تو واقعی خفا ہو رہی ہیں۔ بخدا ہم اپنی والدہ کی طرف سے پریشان ہیں، دھیان ہر وقت انہی کی طرف لگا رہتا ہے۔ شاید اس وقت بھی ہم انہی کے بارے سوچ رہے تھے کہ آپ کی بات پر توجہ نہ دے سکے۔ معذرت چاہتے ہیں۔'' اُن کے لہجے میں معذرت کا اظہار ایسا تھا کہ منزہ فوراً مان گئی۔

''اوہ..... تو میں بھی تو یہی پوچھنا چاہ رہی تھی کہ والدہ کی عیادت کے لئے ہم لوگ آنا چاہتے ہیں، آ جائیں؟ بابا اور مما کہہ رہے تھے کہ ہمیں آپ کی والدہ کی عیادت کرنی چاہئے، جائیں کہ نہیں۔ میں نے روک دیا کہ اجازت لے کر جائیں۔

''ارے اور عیادت کے لئے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں ہوتی ہے اور نہ دعوت نامے کی۔ آپ نے ان سے یہ بات کیوں کہی کہ پہلے اجازت لے لوں، ہم سب کے منتظر رہیں گے۔''

''سب کے؟'' منزہ کے لئے اس چھوٹے سے جملے میں کیا سوچ تھی، کیا خواہش تھی، طلب تھی، شفاعت اللہ کو جب یہ بات سمجھ میں آئی تو وہ منزہ کی کیفیت کو سمجھنے لگے کہ خود ایسی کیفیات سے گزر چکے تھے کہ انسان جس کو چاہتا ہے، جس کو خود سب سے اہمیت اور توجہ دیتا ہے، جواباً اسی توجہ اور محبت کا طلبگار بھی ہوتا ہے۔

''آپ کو یہ پوچھنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی۔ ہمارے دل میں آپ اپنے لئے پہچانتی نہیں ہیں کیا؟'' اب وہ اتنے بھی کمزور نہیں تھے کہ معصوم لڑکی کو آس کی ڈور تھما کر کھو جاتے۔ وہ تو ذرا جذباتی ہو گئے تھے انیقہ کو دیکھ کر خود کو بھی فراموش کر بیٹھے تھے کہاں یہ درہتی۔ ان کی بات پر منزہ کا دل دھڑک اٹھا۔

''میں جانتی ہوں، سمجھتی ہوں میجر، مگر جانے کیوں بار بار اعتراف چاہتی ہوں، لینا چاہتی ہوں کہ.....''

''یقین لفظوں کا محتاج نہیں، یقین ایک احساس ہے اور اس احساس کو آپ اپنے دل میں بسا لیجئے۔ یہ بتائیے کہ آپ لوگ ہمیں کب شرف میزبانی بخش رہے ہیں؟'' شفاعت اللہ بات کرتے کرتے راہ بدل گئے تھے اور منزہ جو کچھ اور سننا چاہتی تھی ذرا بے مزا سی ہو گئی۔ خوشی کیا کم تھی کہ اسے اپنی محبت کی توجہ حاصل تھی۔

''اوکے پھر خدا حافظ۔''

''یہ منزہ دراصل کرنل انوار کی بیٹی ہے انیقہ اور.....'' وہ بات کرتے کرتے مڑے



وہ ان کی منتظر ہوں گی مگر وہ تو اسی وقت چلی گئی تھیں۔ شفاعت اللہ نے گہرا سانس لے کر صوفے کی پشت سے ٹیک لگا لیا۔

⁂☆⁂

بانو بیگم مستقل کمرے میں چکر لگا رہی تھیں اور کتاب پڑھتے ہوئے نواب شجاعت اللہ ان کی بے قراری کو پڑھنے کی کوشش کر رہے تھے اور منتظر تھے کہ کب بیگم کی بے قراری الفاظ کا روپ دھار کر سامنے آ کھڑی ہوتی۔

''نواب صاحب، ہم آپ سے کچھ کہنا چاہتے ہیں مگر نہ ہمارے پاس الفاظ ہیں اور نہ ہی ہماری زبان ہمارا ساتھ دے رہی ہے اور مجبور ہم اس قدر ہیں کہ بات کئے بغیر رہ بھی نہیں سکتے۔'' بانو بیگم نے بات کی ابتدا کی تو انہوں نے بھی کتاب بند کی، شیلف میں رکھی اور پوری توجہ سے اپنی بیگم کو دیکھنے لگے۔

''آپ کچھ کہنا چاہتی ہیں اور کہہ نہیں پا رہی ہیں، آپ کی یہ کیفیت تو ہم سمجھ رہے ہیں مگر کیا کہنا چاہتی ہیں یہ تو آپ ہی بتا سکتی ہیں۔ ایسی کیا بات ہے کہ الفاظ کے ذخیرے میں کمی واقع ہو رہی ہے؟''

''نواب صاحب، کچھ مسائل ایسے ہوتے ہیں کہ لبوں پہ طلب تو ہوتی ہے مگر طلب کے لئے الفاظ نہیں ہوتے۔ ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ..... کہ اب شفاعت میاں کو شادی کر لینی چاہئے۔ دیکھئے تو کتنی عمر ہو گئی ہے اور وہ ہر بار ٹال جاتے ہیں۔ اماں جان تو بس ان کے سر پہ سہرا دیکھنا چاہتی ہیں، ان کو اب دیر نہیں کرنی چاہئے۔'' طلب لبوں تک آتے آتے راستہ بدل گئی مگر وہ جس مقصد کے لئے یہ بات کہنا چاہتی تھیں، اس میں کامیاب ہو گئی تھیں۔

''بیگم، دیکھئے شادی ہر بندے کا ذاتی مسئلہ ہوتی ہے، اب ہم نے تو جتنا ان کو کہنا تھا کہہ دیا ہے..... ویسے آپ کی نظر میں کوئی لڑکی ہے تو بتائیے تا کہ ان کو مجبور کیا جا سکے۔'' نواب شجاعت اللہ نے ان کی طرف دیکھا تو وہ چور سی بن گئیں، پیشانی عرق آلود ہو گئی، گویا چوری کرتے رنگے ہاتھوں پکڑی گئی ہوں۔

''جی..... لڑکی..... جی..... جی نہیں لڑکی تو ہماری نظر میں کوئی نہیں.....'' وہ ہکلا کر رہ گئیں۔ انیقہ ان کو بے حد عزیز تھیں اگر ان کے ساتھ طلاق والا حادثہ نہ ہو چکا ہوتا تو شاید وہ انیقہ کی بات کرنے میں اتنی دشواری محسوس نہ کرتیں، اب تو معاملہ ہی اور تھا۔

''لیکن ہماری نظر میں ایک لڑکی ہے۔ یہ لڑکی ہمیں بہت پسند ہے۔ لیکن شاید آپ اس معاملے میں ہماری ہم خیال ہوتی ہیں کہ نہیں یہ تو نہیں کہہ سکتا، خدا ہی جانتا ہے کہ وہ لڑکی

آپ کو اس حیثیت سے پسند آتی ہے کہ نہیں۔ بانو بیگم، ہمارا اشارہ انیقہ کی جانب ہے
انیقہ بہت پسند ہے۔'' شفاعت اللہ نے کہا تو بانو بیگم چونک سی گئیں کہ جیسے انہوں
کے دل کی بات سمجھ لی ہو۔

''ان...... ان...... انیقہ......'' انہوں نے گھبراہٹ میں بمشکل انیقہ کہا تو نواب شجاعت
ان کو بغور دیکھنے لگے۔ وہ بلاوجہ ہی دل کے چور کی وجہ سے گھبرا رہی تھیں ورنہ شجاعت
ان کے دل کی بات اور خواہش نہیں جانتے تھے کہ وہ کوئی ایسی خواہش رکھتی ہیں۔

''ہاں...... کیوں، آپ اس بات پر تیار نہیں کہ انیقہ بھی اس گھر میں آئیں؟ یا
اللہ آپ کو بہنوئی کی حیثیت سے پسند نہیں؟'' نواب شجاعت اللہ نے کہا تو وہ بے چین
کھڑی ہو گئیں۔

''نواب صاحب، یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ بخدا شفاعت میاں تو ہمیں اپنی
طرح عزیز ہیں۔ ہماری تو دیرینہ خواہش تھی کہ ہماری انیقہ شفاعت میاں کی شریک
بنیں مگر خدا کو یہ منظور نہ تھا، ہم کیا کر سکتے تھے۔ مگر اب...... اب تو......''

''کیوں اب کیا ہو گیا ہے، انیقہ بھی وہی ہیں، شفاعت میاں بھی وہی ہیں، پھر یہ
تب کی کہانی کہاں سے آ گئی۔''

''اب اور تب کی کہانی شفاعت میاں کی محبت سے شروع ہوتی ہے نواب صاحب
ہماری حرماں نصیب بہن انیقہ کی طلاق پر ختم ہوتی ہے۔ زمین آسمان کا فرق تو ہے اب
تب میں کہ ہم چاہتے ہوئے بھی ایسا نہیں سوچ سکتے۔ انیقہ کی شفاف پیشانی پر طلاق
داغ لگ چکا ہے اور شفاعت میاں......'' بانو بیگم بری طرح رونے لگیں۔ ان کی یہ خو
ضرور تھی کہ انیقہ اور شفاعت اللہ کی شادی ہو جائے مگر طلاق کی وجہ سے ڈرتی تھیں۔

''واہ بانو بیگم واہ، کیا بات کی ہے آپ نے...... اتنے برسوں کی رفاقت میں آپ
نہیں سمجھ پائی ہیں تو یہ ہماری کم نصیبی ہے۔ انیقہ کے ساتھ اگر بدقسمتی سے یہ حادثہ ہو گ
اس کا یہ مطلب کہاں سے نکلتا ہے کہ ہم ان کو کاٹ کر الگ کر دیں یا زندگی اور ز
خوشیوں پر ان کا حق باقی نہیں رہا۔ انیقہ بہت اچھی بچی ہیں، اماں جان کو بھی اس پر ا
نہیں، ہماری رات ہی بات ہوئی ہے۔ آپ کو معلوم تو ہے انیقہ ہم سب کی اولین پس
اب کس کو اعتراض ہوگا۔''

''اچھا آپ نے اماں جان سے بات کر لی ہے؟'' بانو بیگم خوش ہو گئیں۔

''لیکن شفاعت میاں شاید اب......'' خوشی کے دیے میں اس خیال سے لو کم ہونے



''ہمیں امید ہے کہ ان کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ بہرحال یہ ذمہ داری آپ ہم پر
چھوڑ دیجئے، ہم خود ان سے بات کر لیتے ہیں۔''

''آ...... آپ یہ بات دل سے کہہ رہے ہیں ناں؟'' خوشی سے بانو بیگم کی آواز لرز گئی۔

''ہم دل سے کون بات کرتا ہے، ہم زبان سے کہہ رہے ہیں۔'' نواب صاحب ازراہ
مذاق مسکرائے تو بانو بیگم نے مشکور ہو کر ان کے ہاتھ تھام لئے۔ نواب صاحب ان کی محبت
پر مسکرا دیئے۔

''چلئے، اسی بہانے آپ نے ہمارا ہاتھ تو تھاما۔ ورنہ تو......'' انہوں نے ہنس کر کہا تو وہ لجا
کر پیچھے ہٹ گئیں۔

***

''آپی جان، آپ کا آستانہ شفقت ہی ہماری آخری پناہ گاہ ہے۔ خدا کے لئے اس کو ہم
سے نہ چھینئے، ہماری خوشیوں کے لئے آپ دست سوال دراز کریں یہ ہمیں قطعی گوارا نہیں۔
اگر آپ نے کسی سے کچھ کہا تو ہم یہاں سے کہیں بھی چلے جائیں گے، خدا کی زمین پر کہیں
نہ کہیں پناہ مل ہی جائے گی۔'' انیقہ نے پوری بات بھی نہیں سنی تھی اور رونے لگیں۔

''انیقہ! ہماری یہ اولین خواہش تھی کہ آپ کی شادی شفاعت میاں سے ہو جائے۔''

''کبھی ہماری بھی یہی خواہش تھی آپی جان۔ مگر اب نہیں۔ پلیز آپ ہماری شادی کا خیال
دل سے نکال دیجئے۔'' منزہ کی آواز انیقہ اب بھی اپنے کانوں میں محسوس کر رہی تھیں اور جس
انداز سے منزہ نے شفاعت اللہ کا نام لیا تھا اس سے وہ سب کچھ سمجھ گئی تھیں، اسی لئے وہ
انہوں کی بھیک نہیں چاہتی تھیں، ان کے جذبے ان کا مان تھے، اعزاز تھے۔ اگر وہ بھی
اعزاز سمجھ کر قبول کرتے تو وہ ان کے ساتھ کو اپنی خوش بختی سمجھتیں۔

''انیقہ ہماری جان، آپ ہم سے بدظن نہ ہوں، ہم نے بات کرنا چاہی تھی مگر کر نہیں
سکے۔ پھر شجاعت اللہ نے خود ہی آپ کا نام لے لیا تو ہم نے بھی اپنی خوشی کا اظہار کر دیا۔
بس اتنی سی بات ہے۔''

''ٹھیک ہے آپی جان، ہم مان لیتے ہیں کہ ایسا ہی ہوا ہوگا۔ مگر آپ بھائی صاحب کو منع
کر دیجئے کہ وہ شفاعت اللہ صاحب سے ہرگز بات نہ کریں۔ اگر ایسا ہوا تو ہم دن دیکھیں
گے اور نہ رات رخت سفر باندھ لیں گے۔'' انیقہ نے خشک مگر اٹل لہجے میں کہا تو بانو بیگم
بوجھل سی اٹھ گئیں۔

''ہمیں مر جانا گوارا ہے مگر ڈش میں سج کر شفاعت اللہ کے سامنے پیش ہونا گوارا نہیں۔''

انیقہ نے تواتر سے بہتے اشکوں کو سختی سے رگڑا اور واش روم میں جا کر پانی کے چھینٹے ان کا نشان بھی مٹا دیا۔

☼☆☼

کرنل انوار اپنی فیملی کے ساتھ آئے ہوئے تھے۔ وہ لوگ ان لوگوں سے مل کر بہ تھے۔ منزہ اس گھر کے روایتی ماحول میں ڈھلی ہوئی تھی، سب کو بہت پسند آئی تھی۔ بارے میں شفاعت اللہ کیا فیصلہ کر چکے ہیں، کوئی نہیں جانتا تھا۔

''یہ انیقہ ہیں، بھابی جان کی ہمشیرہ۔'' شفاعت اللہ نے سوگوار سی انیقہ کا تعارف کرایا تو دونوں نے خوش دلی سے ایک دوسرے سے ہاتھ ملایا۔

''اور انیقہ، یہ ہیں منزہ۔'' شفاعت اللہ نے منزہ کا تعارف کرانا چاہا مگر انیقہ نے ہی میں روک دیا۔

''ان کے تعارف کی ضرورت نہیں شفاعت اللہ صاحب۔ بہار تو اپنا تعارف آ ہے۔'' انیقہ نے پیار سے منزہ کو دیکھا۔

''ارے یہ آپ نے مبالغہ آرائی سے کام لیا انیقہ، یہ جملہ تو مجھے آپ کے لئے تھا۔ آپ تو سراپا بہار ہیں، بہاروں کا تمام حسن آپ نے اپنے اندر سمیٹا ہوا ہے۔ انیقہ بہت پسند آئی تھیں۔

''اور شگفتگی آپ نے۔'' انیقہ نے کمسن سی منزہ کو دیکھا جس کے چہرے پہ شفا قرب رنگوں کی برسات بن کر اترا ہوا تھا۔ ان کی بات پر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''خدا کرے منزہ، آپ ہمیشہ یونہی ہنستی مسکراتی رہیں۔'' انیقہ نے صدق دل۔ مسکراہٹ کو دعا دی تو منزہ مسکرا کر شفاعت اللہ کو دیکھنے لگی جن نظروں میں انیقہ روپ اترا جا رہا تھا۔

''آمین۔ آپ بھی کہئے آمین۔'' منزہ نے مسکرا کر شفاعت اللہ کا ہاتھ دبا کر چونک کر سیدھے ہو گئے۔ بات کیا ہو رہی تھی ان کی سمجھ میں نہیں آئی تھی بس بے سی مسکراہٹ ضرور ہونٹوں پر آ گئی تھی۔

''انیقہ! آپ اتنی پیاری ہیں، اتنی اسمارٹ ہیں، مگر شفاعت اللہ نے کبھی آپ کیا۔'' منزہ کی بات پر ایک تکلیف دہ سانس سینے کی قید سے رہائی پاتا ہوا باہر نکلا ایک نظر ان کو دیکھا، نظریں ملیں، دل حزیں پر ایک قیامت خیز آندھی چلی اور سب ساتھ لے گئی۔ نظریں ملیں اور جھک گئیں۔



''ہم کوئی ایسی قابل ذکر چیز ہیں بھی نہیں کہ ذکر کرتے۔ قابل ذکر تو آپ ہیں کہ جن سے مل کر زندگی سے پیار ہونے لگتا ہے۔''

''میں درست کہہ رہی ہوں نا شفاعت اللہ صاحب؟'' اپنے خیال کی گواہی کے لئے انیقہ نے شفاعت اللہ کو دیکھا تو ایک ٹیس سی ان کے دل میں اٹھی۔ کیا ستم تھا کہ کشتی دل کنارے پر آ کر ڈوب گئی تھی۔

''جی نہیں انیقہ، ہم آپ کے خیال سے قطعی متفق نہیں۔ بعض اوقات ذاکر کے پاس وہ الفاظ ہی نہیں ہوتے کہ وہ نا قابل ذکر چیز کا ذکر بھی کر سکے۔ آپ بہت اچھی ہیں انیقہ جو بات آپ نے منزہ کے لئے کی ہے، وہی ہم آپ کے لئے کہہ رہے ہیں۔ آپ سے مل کر ہی ہمیں زندگی سے پیار ہو گیا تھا۔'' دل کا درد ان کے لہجے میں ڈھل گیا۔ ان کی آنکھوں میں اپنا عکس دیکھ کر انیقہ لڑکھڑا سی گئیں۔ منزہ کے برابر کھڑا یہ شخص اب بھی اسی کا تھا، وہ معصوم سی لڑکی اس کے برابر کھڑی ہونے پر ہی کتنی خوش، کتنی نازاں تھی اپنی قسمت پر کہ بار بار ان کو دیکھ رہی تھی۔ انیقہ کو بے ساختہ منزہ پر پیار آ گیا۔

''زندگی سے پیار ہو گیا تھا یا نہیں، ہو گیا ہے پیار آپ کو..... زندگی تو آپ کے برابر کھڑی ہے۔''

''کون کہہ سکتا ہے کہ زندگی برابر کھڑی ہے یا سامنے.....'' شفاعت اللہ نے گمبھیر لہجے میں کہا اور آگے بڑھ گئے۔ منزہ خوشی سے ان کی پشت کو دیکھ رہی تھی۔ دور ہوتا شخص وہ اپنے قریب محسوس کر رہی تھی اور انیقہ آنکھوں میں اُترتی دُھند میں گم ہوتے شفاعت اللہ کو ڈھونڈتی رہیں۔

☼☆☼

''عبدل میاں، ہم نئی اچکن میں کیسے لگ رہے ہیں؟'' قمر میاں کو معلوم تھا کہ گھر میں مہمان آئے ہوئے ہیں اور ساتھ میں ایک عدد دوشیزہ بھی ہیں، بس اسی وقت نئی اچکن نکالی اور زیب تن کر لی۔ اب رائے کس سے لیں، نورینہ کی رائے یوں بھی مستند نہیں ہوتی تھی کہ ان کے خیال میں ان کی طرح ان کی عقل بھی موٹی ہے لہٰذا رائے بھی ویسی ہی ہو گی۔

''ارے میاں، ہم آپ سے پوچھ رہے ہیں کہ اس نئی اچکن میں ہم کیسے لگ رہے ہیں۔''

''جیسے بندر نئی ٹائی میں لگتا ہے۔'' عبدل نے ان کو سر سے پیر تک دیکھ کر کہا تو وہ چڑ گئے شاید رائے سے مطمئن نہیں تھے۔

''ارے بھیا، ہم نے ٹائی کہاں لگائی ہے، اچکن زیب تن کی ہے۔ تم بھی بس..... اچھا

بتایئے، ہم پر اٹھ رہی ہے ناں اچکن؟'' قمر میاں منزہ کے سامنے جانے سے پہلے اپنے
لینا چاہتے تھے کہ وہ کیسے لگ رہے ہیں۔''

''جی...... جی اٹھ تو اتنی رہی ہے کہ خطرہ ہے کہ کہیں آپ ہی نہ اٹھ جائیں۔''

''اچھا، اچھا...... رہنے دو، ہم آئینے سے رائے لے لیں گے۔''

''جی ضرور۔ آئینے سے ضرور رائے لے لیجئے گا مگر چیخ ذرا زور سے ماریئے گا
ہوتے وقت تاکہ آپ کے باقی کے کام نمٹا لئے جائیں۔''

''ہو گا وَدی۔ یہ بتاؤ وہ خاتون ہیں کیسی؟'' قمر میاں منزہ سے ملنے کے اشتیاق میں
جا رہے تھے۔

''جی قد تو پانچ فٹ ہو گا، وزن بارہ من سے تو کیا کم ہو گا، ایک عدد بچے کی والدہ بھی

''ہم نے مہمان خاتون کے بارے میں پوچھا ہے، نورینہ کے بارے میں نہیں۔

''قمر بھیا، آپ تو عقلمند ہو گئے ہیں۔ اب کیا ہو گا، اللہ میاں جی ہمیں معاف کر

''سنیے عبدل میاں۔'' عبدل جانے لگا تو قمر میاں نے آواز لگائی۔ عبدل برا سا
پلٹا۔

''قمر میاں! آج شعر سننے کو میرا دل نہیں چاہ رہا، میرا شعری ذوق بگاڑ کر
آپ نے تو۔''

''میاں، آج ہم خود سنانے کے موڈ میں نہیں، آج تو ہم کسی پر شعر کہنے جا رہے
ہیں۔ سنو مہمان خاتون کو ہرگز علم نہیں ہونا چاہئے کہ ہم شادی شدہ ہیں۔ شادی
خواتین لفٹ ہی نہیں دیتیں۔''

''چلئے ٹھیک ہے، ہم نہیں بتائیں گے کہ آپ شادی شدہ ہیں بلکہ ہم ان کے
اعلان کریں گے کہ قمر میاں گمشدہ ہیں، دماغی توازن درست نہیں اگر بدبختی سے کسی
تو تو ان کو ایسی جگہ گم کریں کہ پھر کبھی نہ مل سکیں۔'' عبدل یہ کہتا ہوا باہر نکل گیا۔

''اوہو عبدل، ہمارا موڈ خراب نہ کرو۔ نورینہ کو خبر نہیں ہونی چاہئے کہ ہم
سے ملنے جا رہے ہیں۔'' قمر میاں نے پرفیوم میں نہاتے ہوئے کہا تو عبدل چلا گیا
نے اپنے سراپا پر نگاہ ڈالی، خود کو بہت حسین اور اسمارٹ سمجھتے تھے، معائنے سے
بعد جیسے ہی اکڑتے ہوئے باہر نکلنے لگے تو نجانے کس شے نے شرارت کی اور
گھسیٹا۔ وہ تیورا کر دیوار سے جا ٹکرائے تو فارغ البال کشادہ پیشانی پر فوری
ابھر آیا۔ ان کو وہم ہی نہیں یقین ہو گیا تھا کہ ان کو نظر لگ گئی ہے عبدل کی۔



''اول درجے کے نظر باز ہیں یہ عبدل میاں۔ نظر لگا کر ہی دم لیا ہماری وجاہت کو......
خیر چلئے قمر میاں ایسا نہ ہو کہ مہمان خاتون رخصت ہو جائیں اور ان کے لئے کہے جانے
والے شعر ہمارے پیٹ میں اُچھل کود مچاتے رہیں۔'' خود کلامی کرتے قمر میاں ڈرائنگ روم
پہنچ ہی گئے۔ ان کا خیال تھا کہ ان کی وجاہت سے متاثر ہو کر دونوں خواتین کھڑی ہو جائیں
گی مگر ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب دونوں محو گفتگو رہیں۔

''السلام علیکم حسین خواتین۔'' انہوں نے آگے بڑھ کر سلام کیا تو دونوں متوجہ ہو گئیں۔

''وعلیکم السلام قمر بھیا۔'' ایقہ نے ان کو دیکھ کر سلام کا جواب دیا تو وہ چونک گئے۔

''یہ ہمیں بھیا کس نے کہا، آپ نے مہمان خاتون؟'' قمر میاں نے منزہ کو دیکھا۔

''جی میں آپ کو بھیا کیوں کہنے لگی انکل۔ آیئے بیٹھئے ناں۔'' منزہ نے مسکرا کر کہا تو
انہوں نے اپنا ماتھا پیٹ لیا۔ ہاتھ سیدھا گومڑ پر جا کر لگا۔

''اُف توبہ...... بخدا آپ...... آپ نے ہمیں انکل کہہ کر اچھا نہیں کیا۔''

''ٹھیک ہے۔ مگر اب آپ کی اتنی زیادہ عمر بھی نہیں کہ آپ کو دادا یا نانا کہا جائے۔ ہے
ناں ایقہ۔''

''محترمہ، قتل کرنے کے لئے آپ کے ابروئے تیر کمان ہی کافی ہیں۔ جملوں کے تیر
برسانے کی کیا ضرورت ہے؟ ہم تو آپ پر شعر کہنے آئے تھے۔ آپ نے ہمیں ایذا پہنچانی
شروع کر دی۔''

''ارے قمر بھیا، دل پر نہ لیجئے، ایک تو یہ کمسن ہیں، دوسرے مہمان ہیں۔ آپ ان کو غلط
شعروں کی مار ماریئے، آئندہ آپ کو کچھ نہیں کہیں گی لیکن بیٹھ جایئے پلیز۔'' قمر میاں اچک
اچک کر باتیں کر رہے تھے۔ منزہ کو بہت ہنسی آ رہی تھی جو اس نے بمشکل ضبط کی ہوئی تھی۔

''ٹھیک ہے، آپ کہتی ہیں تو ہم بیٹھ جاتے ہیں ورنہ ہم بہت کبیدہ خاطر ہوئے ہیں۔''
بات کرتے کرتے قمر میاں اپنی طرف سے تو صوفے پر بیٹھ رہے تھے مگر صوفے کے بازو پر
جو اٹکے تو قالین میں جوتا پھنس گیا، وہ پہلے سائیڈ ٹیبل پر گرے تو ٹیبل نے بدلہ اتارا پھر وہ
ان پر جا گری اور اس پر رکھی ایش ٹرے ان کے گومڑ کو چھیڑتی ہوئی نتھنوں میں راکھ ڈالتی
ہوئی دور جا کر بیٹھ گئی اور وہ ہائے وائے کرتے ہوئے سمجھ نہیں پا رہے تھے کہ چوٹ کہاں لگی
ہے۔ جبکہ دوسری طرف عبدل اپنا کام دکھا رہا تھا۔

''لیجئے نورینہ بی بی، آپ یہاں آرام کر رہی ہیں اور قمر بھیا، وہاں سارے گھر میں آپ
کو اور ننھے میاں کو تلاش کر رہے ہیں۔ چلئے اٹھئے، کہیں ان کو کچھ ہو نہ جائے آپ کی جدائی

میں۔"

"ارے بھیا، ابھی تو ہم اتنی مشکل سے آ کر لیٹے ہیں۔ ویسے وہ ہیں کہاں؟" نور
اطلاع پر جتنی مشکل سے بیٹھی تھیں، اتنی ہی مشکل سے کھڑی ہو گئیں۔

"اس وقت تو وہ ڈرائنگ روم میں انیقہ بی بی کی کسی مہمان خاتون کے پاس بیٹھے
دراصل وہ آپ کو ان سے ملوانا چاہتے ہیں۔ آپ چلیے، ننھے میاں کو میں لے کر آتا ہو
عبدل کو دراصل قمر میاں دو روز سے مسلسل شعر سنا رہے تھے وہ بھی غلط۔ اب غریب آد
اور بدلہ لینے کی راہ نہ سوجھی، یہ ترکیب اچھی لگی تھی کہ اچھا ہے بیگم کے ہاتھوں پٹ جائیں

"قمر بھیا! آپ شادی شدہ نہیں ہیں؟" ان کے سفید جھوٹ پر انیقہ چلائیں۔

"جی وہ کیا بتاؤں کہ رشتے تو بہت آتے ہیں مگر ہم کسی مہ جبیں کے منتظر ہیں۔
ہماری کشادہ پیشانی پر مت جائیے گا۔ پیدائشی کم بال ہیں۔" انہوں نے سر پر ہاتھ پھ
ہوئے کہا۔

"جی، جی..... عقل کی طرح۔ ویسے قمر بھیا، آپ شادی کب کر رہے ہیں پھر؟" اپنا
نورینہ کو آتے دیکھ کر شوخی سے پوچھا۔ قمر میاں کی پشت بھی اترانے لگی۔

"بس دیکھیے اب ہمیں لڑکی پسند آ گئی ہے، اب ہم رشتہ ڈال دیں گے۔ ہمارے
میں لڑکی کو تو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"نہیں نہیں نواب صاحب، لڑکی کو کیوں اعتراض ہونے لگا۔ آپ جیسے خوبرو نو
نواب کو کون لڑکی ناپسند کر سکتی ہے۔ ارے قسمت تو پھوٹی تھی ہماری جو آپ کے پلے
دیئے گئے ورنہ....."

"ارے..... بے..... بیگم آپ..... ہم تو ننھے میاں کی شادی کی بات کر
تھے، دیکھیے تو تین سال کے ہو گئے ہیں، جوان ہو رہے ہیں تو ہم نے سوچا۔ خیر
خاتون! یہ ہماری بیگم اور آپ کی بھا..... نہیں آنٹی ہیں نورینہ..... عبدل میاں، ہمیں
یہاں سے بھاگ جائیے۔" قمر میاں کے تو ہوش ہی اڑ گئے تھے نورینہ کو دیکھ کر۔ انہوں
میز پر چڑھ کر عبدل کی گود میں چھلانگ لگائی اور بھاگ جانے کو کہا۔ انیقہ اور منزہ مس
لگیں۔ نورینہ بیگم ان کو صلواتیں سناتی پیچھے چل دیں۔

"ارے قسمت پھوٹی ہماری۔ کام کے نہ کاج کے مفت کی روٹیاں اڑاتے ہیں او
بگھارتے ہیں، نجانے کیوں یہ ننھی سی جان بوجھ ہے۔"

⁂☆⁂



دو روز سے کرنل انوار آئے ہوئے تھے مگر بانو بیگم نجانے کیوں چاہتی تھیں کہ وہ یہاں سے جلد از جلد چلے جائیں یا وہ لاشعوری طور پر منزہ سے خائف تھیں۔ گو کہ شفاعت اللہ نے ابھی ان سے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی مگر پھر بھی ان کی چھٹی حس کچھ کہہ رہی تھی اور وہ شفاعت اللہ کو اب کھونا نہیں چاہتی تھیں۔ ان کو معلوم تھا کہ وہ انیقہ کو اصرار کر کے منا لیں گی۔ وہ اپنی عزیز از جان بہن کے لئے کچھ بھی کر گزر سکتی تھیں۔

"شفاعت میاں، مہمانوں کا قیام کب تک رہے گا؟" چاہنے کے باوجود مہمانوں سے مخالفت وہ چھپا نہ سکیں۔ ان کی تیوریوں پر بل تھے ناپسندیدگی کے جو شفاعت اللہ نے پہلی بار دیکھے تھے۔

"ہم محسوس کر رہے ہیں بھابی جان، آپ ان مہمانوں سے کچھ بیزار سی ہیں ورنہ تو ہم نے کبھی کسی مہمان کی آمد اور قیام پر آپ کی پیشانی پر بل نہیں دیکھے۔ کیا آپ کو یہ لوگ پسند نہیں آئے؟" وہ ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔ وہ کچھ شرمندہ سی ہو گئیں اور نظریں چرا لیں۔

"نہیں شفاعت میاں، ایسی تو کوئی بات نہیں، بس یوں ہی پوچھا تھا کہ اگر ان لوگوں کا قیام طویل ہو تو مزید کوئی انتظام....."

"جی نہیں، یہ تو شاید آج ہی چلے جائیں۔ ان کی بیٹی اور بیٹا پڑھتے ہیں۔ وہ تو اماں جان کی علالت کی خبر سنی تھی تو عیادت کے لئے آ گئے۔ آپ قطعی فکرمند نہ ہوں۔" شفاعت اللہ بات کر کے تیزی سے باہر نکلے تو سامنے آتی انیقہ سے ٹکرا گئے۔

"ہم معذرت چاہتے ہیں کہ آپ کو دیکھا نہیں۔ دراصل ہم آپ ہی کی تلاش میں آئے تھے، وہ منزہ آپ کو بلا رہی ہیں۔" انیقہ ان کی بولتی گہری نگاہوں سے گھبرا گئی تھیں اور جلدی جلدی بول رہی تھیں۔

"جی ہمیں معلوم ہے کہ منزہ کی تلاش پر آپ ہمیں تلاش کر رہی ہیں ورنہ ہم اس قابل کہاں کہ آپ ہماری کھوج کے لئے نکلیں، آئیے چلتے ہیں۔" شفاعت اللہ کے لہجے کا درد، احساس محرومی میں ڈھلے لفظ انیقہ کے دل میں اتر گئے مگر انیقہ ان کے فیصلے کی راہ میں حائل ہونا نہیں چاہتی تھیں اور ایک معصوم سی لڑکی منزہ کی آنکھوں میں وہ شفاعت اللہ کا عکس دیکھ چکی تھیں۔ ان دونوں کو ساتھ چلتے دیکھ کر بانو بیگم نے دل سے دعا کی۔

"انیقہ جی! آپ ان کے ساتھ چلتی ہوئی کتنی زبردست لگ رہی ہیں کہ اگر آپ میری ماں ہوتیں تو مجھے آپ پر بالکل بھی غصہ نہیں آتا۔" منزہ کم عمر تھی، صاف گو اور صاف دل کی

مالک تھی۔ وہ کھلے دل سے ایقہ کی تعریف کر رہی تھی۔ شفاعت اللہ کے دل میں ایک ٹیس اٹھی۔ انہوں نے ایک زخمی سی نظر ایقہ پر ڈالی جو منزہ کی بات پر فوراً الگ ہو گئیں۔

''ارے یہ کیا، آپ کھڑی ہوں ناں۔ میں کچھ یادگار تصویریں بنانا چاہتی ہوں'' منزہ نے کیمرا سیٹ کرتے ہوئے کہا اور ایقہ کو پھر شفاعت اللہ کے ساتھ کھڑا کر دیا۔ ایقہ نے کیمرہ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

''ایسا ہی ہے تو آپ کھڑی ہوں ناں شفاعت اللہ کے ساتھ۔ ہم آپ کی یادیں اتارتے ہیں۔''

''ارے بھئی ایقہ، یادگار تصویر تو آپ کے ساتھ ہو گی۔ ہمارے ساتھ تو یہ کھڑے رہیں گے، ہے ناں شفاعت اللہ۔'' منزہ نے مسکرا کر شفاعت اللہ کو دیکھا۔ انہیں منزہ کی یہ بات اچھی نہیں لگی تھی تاہم ضبط کر گئے کیونکہ وہ جانتے تھے اس نے یہ بات کسی مقصد کے تحت نہیں کی تھی۔ بات کا مفہوم کچھ بھی تھا، ایقہ کے اندر شام کر گیا تھا۔

''اوہ یہ بات ہے۔ خدا کرے کہ آپ ہمیشہ ہنستی مسکراتی ان کے ساتھ رہیں۔ بنایئے ہماری تصویر۔'' ایقہ شفاعت اللہ سے ذرا ہٹ کر کھڑی ہو گئیں مگر وہ ان سے ... گئے۔ دونوں کے دل ایک ساتھ ایک کرب کے ہمسفر ہو گئے۔

''چلئے اب آپ لوگ باتیں کیجئے، میں نورینہ اور ان کے بڑے اور چھوٹے ننھے کی تصویریں بنا لوں۔'' منزہ کیمرہ لے کر دوسری طرف چلی گئیں تو یہ دونوں گھاس پر کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

''یہ لڑکی جتنی شوخ نظر آتی ہے، اس سے کہیں زیادہ اندر سے معصوم اور صاف ہے۔ آپ اس کی بات کو مائنڈ نہ کیجئے گا۔'' شفاعت اللہ نے منزہ کے جاتے ہی ... مسکرانے لگیں۔

''آپ کو یہ وہم کیوں گزرا کہ ہمیں اس لڑکی کی کوئی بات ناگوار گزری ہے ... ہے، شوخ ہے۔ اگر کچھ کہہ دے تو...... اس میں مائنڈ کرنے والی کیا بات ہے۔'' ... چہرہ اوپر کر کے آسمان پر اڑتے ہوئے پرندوں کو دیکھا۔

''یہ لڑکی دیوانی بھی ہے۔ میری اور ان کی عمروں میں آدھوں آدھ کا فرق ہے ... کی حد تک ہم سے محبت کرتی ہے اور ان کی ہر بات سے، ہر انداز سے اظہار بھی ... وہ دھیمے سے لہجے میں بتا رہے تھے۔ ایقہ کھڑی ہو گئیں تو شفاعت اللہ بھی کھڑے ...

''دیوانگی کا اظہار ضروری تو نہیں۔ کچھ لوگوں کی دیوانگی ان کا اعزاز ہوتی ہے



... رکھتے ہیں تاکہ کسی کو خبر نہ ہو کہ......'' قریب تھا کہ ایقہ کی بات مکمل ہوتی، منزہ پھر آ گئی تو دونوں اپنے اپنے ضبط کی گلی میں مڑ گئے۔

⁂☆⁂

کرنل انوار بڑی خوشگوار یادیں دے کر اور لے کر روانہ ہو چکے تھے۔ اب گھر میں ایک معنی خیز سی خاموشی تھی، سب کی آنکھوں میں ایک ہی سوال تھا کہ کرنل انوار کی آمد اور بیٹی منزہ کا انداز۔ چنانچہ اس کی تفصیل کے لئے شفاعت اللہ، نواب شجاعت اللہ کے کمرے میں موجود تھے اور سر جھکائے کھڑے تھے۔

''بہتر ہوتا شفاعت میاں کہ آپ ہمیں اپنی پسند سے آگاہ کر دیتے، ہم تو اپنی پسند سے ایقہ کو پسند کر چکے تھے۔''

''بھائی صاحب! ایقہ آپ کی پسند تو آج بنی ہیں مگر ہم تو پہلی نظر سے انہیں چاہتے ہیں، وہ ہماری دست طلب میں پہلے تھیں، ہم تو ان کو اپنا جیون ساتھی بنانے میں آج بھی وہی خوشی اور مسرت محسوس کرتے۔ مگر کیا کریں کہ ایقہ ایک بار پھر ہماری دسترس سے دور ہو گئی ہیں۔ اس کا جتنا دکھ ہمیں ہے شاید ہی کسی کو ہو مگر اب ہم مجبور ہیں۔ جس طرح ہم ایقہ کو چاہتے ہیں، اسی طرح منزہ ہمیں چاہتی ہیں، ہماری خاطر اس لڑکی نے اپنا ڈھنگ ہی بدل ڈالا ہے، اپنا بچپنا ختم کر ڈالا مگر ہم تو پھر بھی ان کو ٹالتے رہے۔ ایقہ جب کسی اور کی ہو گئیں تو...... تو بھی ہم نے منزہ کی حوصلہ افزائی نہیں کی۔ مگر جب منزہ نے خود کو ہمارے آئیڈیل کے سانچے میں ڈھال دیا اپنی سوچ اپنی ذات کی نفی کر کے تو پھر ہم کو بھی خدا سے ڈر لگا کہ ایک لڑکی جب اتنا کچھ کر رہی ہے تو ہمیں اب انکار نہیں کرنا چاہئے اور اس بار جب ہم ان سے اقرار کر کے آئے تو پتہ چلا کہ ایقہ کے ساتھ یہ حادثہ ہو چکا ہے۔ جو قیامت ہم پر گزری ہے بھائی صاحب، لفظوں میں اس کی وضاحت ممکن نہیں۔ بس ہم سے ایقہ ایک بار پھر چھن گئیں۔ یہ ہماری بدبختی ہے کہ نہیں۔''

شفاعت اللہ بہت دکھی ہو رہے تھے، انہوں نے اپنا مجبور اور دکھی دل بھائی کے سامنے کھول کر رکھ دیا تو ایقہ جو کسی کام سے شجاعت اللہ کے پاس آئی تھیں، اپنا نام سن کر مجبوراً رکی ہو گئیں۔ اپنے لئے شفاعت اللہ کے دل میں اپنی عزت اور محبت سن کر گویا خوشی سے ... ہیں اور یہ خوشی جو ان کو ان کی محبت کے اقرار سے حاصل ہوئی تھی، سنبھالے اپنے کمرے میں آ گئیں۔ وہ تو یہ سمجھ رہی تھیں کہ اب وہ ان سے صرف ہمدردی رکھتے ہیں مگر آج بھی وہ ان کو اسی طرح چاہتے تھے اور کھو جانے کا دکھ تھا ان کو تو اس سے بڑھ کر ان کے لئے اور کیا

اعزاز ہو سکتا تھا۔

''ٹھیک ہے شفاعت میاں، خاندان تو ہمیں بھی پسند آیا ہے اور لڑکی خاصی کم عمر بہت سلجھی ہوئی اور فرمانبردار ہے، ہماری خاندانی روایات میں ڈھل جائے گی، آپ اپ جان سے کہیں، بسم اللہ کریں اور رشتہ ڈال دیں۔ اماں جان کی حالت ٹھیک نہیں، اب جو کرنا ہے جلدی کرنا ہے۔'' شجاعت اللہ کچھ خوش کچھ افسردہ سے لیٹ گئے۔ ان کو م کہ بانو بیگم خوش نہیں ہوں گی کیونکہ وہ انیقہ والی بات پر بہت خوش تھیں۔ مگر مجبوری تھی سکتا تھا۔ شفاعت اللہ کے لئے بانو بیگم سے بات ایک مرحلہ تھی۔

''بھابی جان ہم..... ہم آپ سے کچھ کہنا چاہتے ہیں۔'' ان کے یہ الفاظ بانو بیگم میں پھلجھڑیاں چھوڑ گئے۔ وہ کباب بناتے بناتے ان کی طرف مڑیں۔

''جی، جی..... کہئے، ہم سننے کو بے تاب بیٹھے ہیں۔'' ان کو یقین تھا کہ شفاعت ا کا ہاتھ ہی مانگیں گے اور وہ ذرا تنگ کرنے کے بعد ہاں کہہ دیں گی۔

''بھابی جان! آپ کو یہ لڑکی منزہ کیسی لگی ہے؟'' ایک دم سے کچھ جلنے کی بو آئی، ا ٹوٹ گیا، ساری خوشی جلتے ہوئے کباب کی بدبو میں مل گئی۔ وہ اندر ہی اندر ڈھے سی گ

''ہوں..... ہاں، بہت اچھی تھیں۔'' ان کی آواز جیسے گہرے کنوئیں سے آئی۔

''تو پھر نکال لیجئے اپنے ارمان جو آپ نے ہماری شادی کے لئے رکھے ہو۔ خواہشوں کی اس منڈی میں کوئی تو دامن بھر کر جائے۔'' اور پھر شفاعت اللہ تو باہر نکل بانو بیگم سے پھر وہاں کھڑا نہ رہا گیا۔ وہ اپنے کمرے میں آ کر شدتوں سے رو دیں۔

اور پھر اماں جان کی حالت کے پیشِ نظر چٹ منگنی اور پٹ بیاہ والا معاملہ کیا گیا اور شفاعت اللہ کی شادی کی تاریخ مقرر ہو گئی تو انیقہ نے رخت سفر باندھ لیا تو شفاع ان کے سامنے آن کھڑے ہوئے۔

''ہماری شادی ہے اور آپ جا رہی ہیں، آپ کی اس ادا کو ہم کیا نام دیں انیقہ؟''

''آپ اسے کوئی بھی نام دیں مگر ہم کتنے بھی مضبوط اور اعلیٰ ظرف کیوں نہ ہوں، اتنا حوصلہ پھر بھی نہیں کہ اپنی آنکھوں کے سامنے اپنی متاعِ عزیز کو کسی اور کا ہوتے دیکھیں۔ خدا حافظ۔'' بھیگے لہجے میں آنسوؤں کی لڑی میں پرویا محبت کا یہ اظہار جس شفاعت اللہ تڑپ گئے، انیقہ بڑی سادگی سے یہ امانت لوٹا کر چلی گئیں تو وہ دل بستر پر گر سے گئے۔

☆☆☆



''دیکھو زیبو، یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ تمہیں یا سلیم کو اس میں کودنے کی کوئی ضرورت نہیں۔''

''ارے ہے..... ہے..... آ گئی کہاں سے ذاتی معاملے کی مامی۔ تو ان بدمعاشوں کو نہیں جانتی، کسی روز پھانس لیا نا تو یاد کرے گی پھر سلیم ہی کو۔''

''زیبو! خدا نے مجھے آنکھیں بھی دی ہیں اور سمجھ بھی دی ہے۔ جب میں اپنا معاملہ خود نپٹ سکتی ہوں، سنبھال سکتی ہوں تو سلیم کو کیا پڑی ہے کہ میری خاطر دوسروں کے گریبان پھاڑتا پھرے یا خون کرتا پھرے۔'' نازو کا اصل مقصد یہی تھا کہ وہ اس کی ایسی باتوں سے بدظن ہو کر کوئی ایسا قدم نہ اٹھا بیٹھے کہ خود ساری عمر جیل میں سڑے اور وہ خود احساسِ ندامت کی قیدی بن کر زندگی بسر کرے۔

''ارے اسے محبت کی مار پڑی ہے۔ مرتا ہے وہ کمبخت تجھ پر۔ اور تیری خاطر اس نے ایک آدھ خون کر بھی دیا، جیل بھی چلا گیا تو کیا فرق پڑتا ہے۔ ارے پگلی، یہ محبت تو دیوانی ہوتی ہے۔ اسے لڑنے مرنے میں بڑا سکون ملتا ہے۔'' نازو حیرت سے اسے دیکھے گئی۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہے، نظر لگائے گی؟''

''زیبو، تیری حرکتیں بہت بری ہیں۔'' نازو نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے قریب بٹھا لیا۔

''اچھا.....'' زیبو نے اسے ایک خبر کے طور پر سنا۔

''ویسے زیبو ایک بات بتاؤ۔ تم یہ چاہتی ہو کہ سلیم میری خاطر کچھ بھی کر گزرے؟ تم بھی سلیم کو بہت چاہتی ہو۔''

''ارے صرف چاہتی نہیں، مرتی ہوں اس بے وقوف پر۔ مگر وہ ہے ناقدرا ہرجائی۔''

''تو پھر تم کیوں چاہتی ہو کہ وہ میری خاطر کچھ بھی کر گزرے، خواہ قتل ہی کیوں نہ ہو۔''

''ارے چھوڑ پڑھتی ہے کالج میں، لگتا ہے بڑی نالائق ہے پڑھائی میں۔ دیکھو اگر محبوب خوش تو ہم خوش۔ وہ اگر تیری خاطر جان دے کر خوش ہوتا ہے تو ہم بھی خوش ہیں۔ اچھا اب چلتی ہوں۔ اماں یہ سمجھ رہی ہو گی کہ میں لال کوٹھی میں گا کر، لڈی ڈال کر نوٹ سمیٹ رہی

ہوں گی اور آتے ہی اس کے سانڈ بیٹے کے دودھ کے لئے پیسے دے دوں گی۔'' زیبو کی زبا قینچی کی طرح چلتی تھی۔ اس نے اپنا جوتا نکالا اور چلی۔ پھر رک گئی اور حمیدہ بیگم کو دیکھا۔

*☆*

اس روز شام کے سائے ابھی اتنے گہرے نہیں ہوئے تھے۔ ابھی نازو اور حمیدہ چائے پی کر بیٹھی ہی تھیں کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ نازو آنے والے کے بارے میں سو ہوئی دروازے تک آ گئی۔ کنڈی کھولی تو آنکھیں اور منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔

''ارے راشد صاحب آپ؟'' راشد کو یوں اچانک سامنے دیکھ کر نازو اندر تک کانپ گئ

''ایسے حیرت سے کیا دیکھ رہی ہیں نازو، میں ہوں راشد۔ کیا اندر آنے کو نہیں کہو دروازے ہی سے لوٹا دیتی ہو سائل کو؟'' راشد بڑی گہری آواز میں بڑے دلبرانہ انداز بات کر رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔

''نازو بیٹی کون ہے؟'' حمیدہ بیگم نے بھی پریشان ہو کر آواز دی تو راشد دروازے پر ہوا نازو کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر راستہ بناتا ہوا اندر آ گیا۔

''میں ہوں راشد۔ آنٹی السلام علیکم، کیسی ہیں آپ؟'' راشد نے مضبوطی سے نازو کا، پکڑے رکھا۔

''وعلیکم السلام میاں، اس وقت کیسے آنا ہوا؟'' حمیدہ کو بھی اس کا آنا اچھا نہیں لگا تھا۔

''اس وقت سے کیا مراد ہے آنٹی، آپ نے بیٹا کہا تھا تو بیٹا تو ماں کے گھر کسی وقت آ سکتا ہے ناں۔''

''آپ نے میری ماں کو ماں کہنا ہے ناں بھائی تو میرا ہاتھ چھوڑ دیجئے۔'' نازو نے دا پیس کر کہا اور اپنا ہاتھ اس کی مضبوط گرفت سے آزاد کرا لیا تو وہ کھسیانی ہنسی ہنستا ہوا بیٹھ گ

''داماد بھی تو بیٹے ہی ہوتے ہیں۔'' کرسی پر بیٹھتے ہوئے وہ نازو کے کان میں سرگو گیا تو وہ اچھل کر پیچھے ہٹ کر نفرت سے اسے دیکھنے لگی۔ وہ ایک بدمعاش آدمی تھا ا جانتی تھی کہ ان جیسوں کے ساتھ منہ ماری مہنگی پڑ سکتی ہے۔ اس لئے وہ ضبط کئے بیٹھی راحیلہ کا حال احوال پوچھتی رہی اور وہ شرافت کا پیکر بننے کی ناکام کوشش کرتا ہوا بلاو حمیدہ بیگم کا دردمند بیٹا بنتا جا رہا تھا۔ وہ اس وقت نشے میں تھا۔ نازو بری طرح گھبرا ر اگر کوئی گڑبڑ ہو گئی تو کون ان کی پارسائی پر یقین کرے گا۔

''یا اللہ، عزت تیرے ہاتھ میں ہے۔ تو ہی کوئی وسیلہ بنا دے یا پروردگار، یا اس شر یہاں سے لے جا۔'' وہ دعائیں کرتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ خود حمیدہ بیگم بھی بہت پ



تھیں۔ سائے بڑھتے جا رہے تھے، شام گہری ہو گئی تھی اور یہ غیر آدمی نیم نشے میں موجود تھا۔ کوئی مسئلہ ہو جاتا تو وہ اپنی اور اپنی نیک بیٹی کی پارسائی کا کیا ثبوت پیش کرتیں۔

''آپ چائے تو پئیں گے نا؟'' نازو بہانے سے وہاں سے اٹھ رہی تھی بلکہ حمیدہ بیگم نے تو آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے زیبو کے گھر جانے کو کہہ دیا تھا مگر وہ ماں کو اکیلی چھوڑ کر کہاں جا سکتی تھی۔

''ارے آپ تو راحیلہ کی دوست ہیں، ہمیں زہر بھی پلا دیں گی تو ہنس کر پی لیں گے۔ کیوں آنٹی!'' راشد نے بہکی سی آواز میں کہا اور دور تک نازو کو دیکھتا رہا۔ حمیدہ بیگم پریشانی سے اٹھیں اور صحن کی لائٹ آن کر دی۔

''نازو بیٹی، پکوڑے بھی بنا لو ساتھ...... اور اچھی طرح چائے بنا کر پکوڑے بھی ساتھ لے کر آنا۔'' حمیدہ کے کہنے کا انداز ایسا تھا کہ جیسے کہہ رہی ہوں کہ جتنی دیر لگا سکتی ہو لگا کر آؤ اور نازو بھی اس اشارے کو سمجھ گئی تھی۔ اس نے اسٹول رکھا اور باہر کی طرف کھلنے والے روشن دان سے باہر دیکھنے لگی اور اس وقت اُس کی خوشی کی انتہا نہ رہی کہ وہ جس کو اس وقت مدد کے لئے بلانا چاہ رہی تھی وہ خود کسی پہریدار کی طرح ٹہل رہا تھا دروازے کے آس پاس۔

''سلیم!'' نازو نے گھٹی گھٹی سی آواز دی تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے کی تحریر تو وہ آسانی سے پڑھ لیا کرتا تھا۔

''سلیم وہ......'' نازو نے کچھ کہنا چاہا مگر سلیم نے ہاتھ سے روک دیا۔

''کچھ کہنے کی ضرورت نہیں نازو، میں تمہاری محبت سے تو دستبردار ہو سکتا ہوں، تمہاری عزت سے نہیں۔ وہ تو خدا کا شکر ہے کہ میں نے اس خبیث کو آتے دیکھ لیا تھا۔ تم فکر نہ کرو، اب میں سنبھال لیتا ہوں خدا کی مدد سے۔''

نازو خدا کا شکر ادا کرنے لگی کہ وسیلہ بھی ایسا بنایا کہ جو نہ طعنہ دیتا تھا اور نہ صلہ مانگتا تھا۔ وہ ابھی اندر ہی تھی کہ دروازے پر زور زور سے دستک ہونے لگی۔

''امی! آپ ذرا باہر دیکھ لیجئے، شاید سلیم آیا ہو گا زیبو کا پیغام لے کر۔'' نازو نے جلانے والے انداز میں کہا تو وہ بھی سمجھ گئیں اور جلدی سے اٹھ کر دروازہ کھولنے لگیں۔

''آؤ، آؤ سلیم بیٹا، کیسے آنا ہوا؟ تم تو کبھی آتے ہی نہیں ہو، آج کیا بات ہوئی؟'' حمیدہ سلیم کو سخت ناپسند کرتی تھیں مگر اس وقت وہ ان کو رحمت کا فرشتہ لگا۔

''کوئی کام نہیں ہے خالہ، آپ کے گھر کوئی مہمان آئے ہیں، ان کی یہ بڑی سی گاڑی نے گلی کا راستہ بند کر دیا ہے اور آنے جانے میں لوگوں کو بڑی دشواری ہو رہی ہے، ذرا ان سے

کہہ دیں کہ گاڑی کو ہٹالیں۔'' سلیم نے خاصی بلند آواز میں کہا تا کہ راشد بھی سن لے۔

''آ جاؤں ناں تم، اندر آ جاؤ بیٹا، خود کہہ دو ان سے، یہ ہمارے مہمان ہیں اور راحیا منگیتر ہیں۔ آؤ، اندر آ جاؤ۔'' حمیدہ بیگم سلیم کو خود اندر لے کر آ گئیں تو وہ باورچی خا دیکھتا ہوا آ گیا جہاں نازو ابھی تک بند تھی۔

''معافی چاہتا ہوں صاحب، آپ کی گاڑی نے راستہ روکا ہوا ہے، ذرا اسے راستے ہٹا دیں، محلے والے پریشان ہیں۔'' سلیم نے اس سے ہاتھ ملا کر کہا تو وہ اسے بغور د کھڑا ہو گیا۔ خوبرو مگر غریب نوجوان اسے اپنے مقابلے کا نہ لگا، اس نے میز پر سے اٹھائی اور سلیم کے ہاتھ پر رکھتا ہوا بولا۔

''لو میاں، گاڑی کو وہاں سے ہٹا دو۔ ڈرائیونگ تو آتی ہو گی تمہیں۔ لو چابی، گاڑ دو...... ہٹا سکتے ہو ناں؟'' وہ عجیب بہکے بہکے سے انداز میں بات کر رہا تھا۔ سلیم کو شدی تاؤ آ گیا۔ جی تو یہی چاہ رہا تھا کہ اٹھا کر باہر پھینک دے، مگر اسے نازو اور خالہ کی پیاری تھی اس لئے ضبط کر گیا اور چابی اس کے ہاتھ پر رکھ دی۔

''گاڑی چلا تو کیا اڑا بھی سکتا ہوں لیکن اگر آپ اندر بیٹھے ہوں تو...... یوں بھی کی گاڑی چلانے اور ہٹانے کا کوئی شوق نہیں، کوئی نقصان ہو گیا تو کون پورا کر صاحب۔ چلئے آپ خود ہی ہٹا دیجئے گاڑی، بے بھاؤ کی پڑ رہی ہے آپ پر۔ عورتیں بڑی بڑی سنا رہی ہیں، جلدی کیجیے۔''

''عجیب منطق ہے تمہاری، اچھا آنٹی میں ابھی گاڑی ہٹا کر آتا ہوں۔ کن جاہل کے علاقے میں آ گیا ہوں۔'' بکتا جھکتا راشد کھڑا ہو گیا اور دوبارہ آنے کی نوید بھی سنا

''ارے راشد میاں آپ دوبارہ زحمت نہ کریں تو بہتر ہے کیونکہ میں اور نازو تو ا رہے ہیں۔ ایک جگہ منگنی میں شرکت کے لئے جانا ہے۔'' حمیدہ بیگم نے سلیم کو دیکھتے جھوٹ بولا تو اس نے تائید کر دی۔

''اور نہیں تو کیا خالہ وقت پر پہنچ جانا، میری چاچی بھی تیار ہو رہی ہے۔ جلدی کر سے بھی کہہ دیں وہ بھی تیار ہو جائے۔'' کچن کی جالی سے لگی نازو باہر کا منظر آسانی بھی رہی تھی اور سن بھی رہی تھی۔

''ارے پھر تو جلدی سے تیار ہو جائیے، میں آپ لوگوں کو ڈراپ کر دوں گا۔ را بیٹھنے لگا مگر سلیم نے پھر کھڑا کر دیا۔

''ارے کیسی باتیں کرتے ہیں صاحب، یہ غریب بستی ہے، یہاں گاڑیوں کے



ہے اور نہ ہی گاڑی والوں کے لئے۔ میرا مطلب ہے کہ ان لوگوں نے دوسری گلی میں تو جانا ہے اور وہ گلی اس گلی سے بھی زیادہ تنگ ہے، آپ کی جہاز جتنی گاڑی کہاں جا سکے گی۔ فی الحال تو بس آپ اپنی گاڑی گلی کے سامنے سے ہٹا لیں گے تو آپ کی مہربانی ہو گی۔''

''اچھا تو پھر آنٹی، میں چلتا ہوں۔ یہ نازو کہاں ہے؟ وہ تو چائے بنانے گئی ہے، میں اس سے تو مل لوں۔'' وہ باورچی خانے کی طرف بڑھا تو سلیم اس کے سامنے آ گیا اور ہاتھ پکڑ کر باہر کی طرف گھسیٹا۔

''آپ نازو کو سمجھتے کیا ہیں، اول درجے کی بدتمیز اور بد دماغ لڑکی ہے، غصہ آ جائے تو جو چیز ہاتھ لگے، دے مارتی ہے۔ ویسے آپ کے پاس سر تو ایک ہی ہے نا۔'' سلیم راشد سے پوچھ رہا تھا، نازو کو ہنسی آ گئی۔

''ہاں، ہاں...... ایک ہی ہے۔'' راشد نے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھاما جیسے ابھی کوئی لے لے گا۔''

''تو صاحب، اس کو سنبھالئے اور نکل جائیے، ایک اکلوتا سر ہے، کچھ بھی لگ کر ٹوٹ گیا تو کیا فائدہ۔ گردن پر سر نہ ہو تو بندہ کچھ عجیب سا ہی لگتا ہے۔ سر کٹا بھوت۔'' سلیم نے کچھ اس طرح سے کہا کہ وہ جو خاصا شاطر اور عیار تھا مگر اس وقت کسی حد تک نشے میں تھا، چپ چاپ نکل گیا۔ نازو بھی باہر آ گئی۔

''سلیم بیٹے! آج تو خدا نے تمہیں رحمت کا فرشتہ بنا کر بھیج دیا۔ میں تو تمہاری احسان مند ہوں، بڑی ڈھارس بندھ گئی ہے۔ بہت بہت مہربانی تمہاری، خدا تمہیں خوش رکھے۔'' دعائیں دیتی حمیدہ نے پلٹ کر دیکھا تو وہ جا چکا تھا۔

''امی! سلیم بہت اچھا انسان ہے، آپ ہی شاید اسے اچھا نہیں سمجھتیں۔'' نازو نے آہستگی سے کہا۔

''ہاں شاید۔ آج اگر وہ نہ ہوتا تو......'' ابھی ان کی بات جاری ہی تھی کہ پھر دھڑ دھڑ دروازہ بجنے لگا۔ دونوں کے دل پھر راشد کے خوف سے دھڑک اٹھے۔

''تم اندر جاؤ نازو، میں دیکھتی ہوں۔ اگر وہی خبیث ہوا تو ہرگز باہر نہ آنا۔ میں خود ہی نمٹ لوں گی، اللہ مالک ہے۔'' دروازہ اسی ٹون میں دھڑا دھڑ بج رہا تھا۔ نازو کو اندر بھیج کر حمیدہ بیگم دھڑکتے دل کے ساتھ دروازہ کھولنے آ گئیں۔ غصہ تو ان کو اس قدر آ رہا تھا کہ جی چاہتا تھا کہ کوئی بھاری شے اس کے سر پر دے ماریں۔

''ارے، یہ تو ہے زیبو۔ ستیا ناس جائے تیرا، اتنے زور زور سے دھڑ دھڑایا کہ میرے

کلیجے میں درد ہونے لگا۔" زیبو کو دیکھ کر جہاں حمیدہ بیگم نے شکر ادا کیا وہاں اسے ڈانٹے
تو وہ کچر کچر پان چباتی ان کو دیکھتی اندر آ گئی۔

"اے لو خالہ، تمہارا کلیجہ دروازے میں کب سے لگ گیا کہ درد ہونے لگا دھ
سے..... خیر یہ بتاؤ دفع ہو گیا خبیث شیطان کا بچہ؟..... مجھے تو سلیم نے بتایا ہے کہ وہ
پٹھا آیا تھا..... کچھ کہا تو نہیں اس نے؟..... خیر تمہیں کیا کہے گا خالہ بوڑھی پھونس کو۔
نازو کہاں ہے؟"

زیبو تیز تیز بولتی دروازہ چھوڑ کر اندر بھاگ گئی۔ دروازہ چھوٹ کر حمیدہ بیگم کی ناک
تو وہ چھینکیں مارتی ہوئی اندر آنے لگیں۔

"ایک ہنگامہ ہے یہ لڑکی بھی۔ کمبخت آندھی طوفان کی طرح آتی ہے۔" حمیدہ بیگم
درپے چھینکیں آتی گئیں تو وہ اُلجھ کر رہ گئیں اور باورچی خانے میں چلی گئیں۔ چولہے پ
کا پانی رکھتے ہوئے وہ مسلسل راشد کی آمد پر ان کے مقاصد کے بارے میں سوچتی رہ

"خدا جانے کمبخت کیا چاہتا ہے..... نیک نیت ہوتا، شریف ہوتا تو سوچتی بھی کہ
کی آئندہ زندگی تو سکون سے گزرے گی۔ آہ میری مظلوم بچی جسے باپ نے دھتکا
اسے کون قبول کرے گا؟" حمیدہ بیگم کو ہر وقت نازو کی فکر لگی رہتی تھی۔ وہ اس کی شا
اچھے شریف دولت مند آدمی سے کرنا چاہتی تھیں اور خالہ حاجرہ سے انہوں نے کبھی
مگر فقیروں کی اس بستی میں اگر کوئی دولت مند آتا بھی تو بد نیتی سے آتا اور وہ کسی
دولت مند کے سپرد نہیں کرنا چاہتی تھیں اپنی بیٹی کو۔ "میرے پروردگار، تو ہی ہے ہم غ
محافظ، آج راشد نشے میں آ گیا، کل نجانے کیا ہو، ہماری حفاظت فرما مولا، میں گناہگا
عورت کیا کر سکتی ہوں، ہماری مدد فرما۔" پیالیوں میں چائے ڈالتے ہوئے وہ سوچ
تھیں جبکہ زیبو نازو سے اُلجھ رہی تھی۔

"دیکھ نازو، منع کر دے اس لوفر کو کہ یہاں نہ آیا کرے ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہو"

"تمہارا کیا خیال ہے زیبو، میں نے اسے دعوت نامہ بھیجا ہے؟ وہ ہے ہی خبیث
آدمی۔" نازو ابھی تک راشد کے خوف سے باہر نہیں آئی تھی۔

"لو ضروری تو نہیں کہ تم اسے دعوت نامہ دو، تمہیں جو خدا نے اتنی حسین صورت
ہے، وہ سب سے بڑی دعوت ہے۔"

"نہیں زیبو، اسے جرأت صرف میری کمزوری اور غریبی نے دی ہے۔ اگر میر
کے اسٹینڈرڈ کی ہوتی تو وہ آج بد نیتی سے نشے میں دھت میرے گھر آنے ک



عزت طریقے سے اپنے والدین کو لے کر میرے گھر آتا، انکار ہونے پر بھی کوئی بات نہیں،
لے کر چلا جاتا..... یہ ہماری غربت ہی ہے جو نہ تو برائی کے قدم روک سکتی ہے اور نہ ہی
ے آدمی کو۔" نازو افسردہ ہو گئی۔

"کچھ بھی ہے نازو، اس مست جھینگر کو بول دینا کہ یہاں آیا تو ضائع ہو جائے گا، سلیم
ے ہاتھوں اس کا کام تمام ہو جائے گا جبکہ ہمارا کام بڑھ جائے گا۔ اور شہزادہ سلیم لٹک رہا ہو
گا زبان اور ڈیلے نکالے۔" زیبو نے باقاعدہ گلے میں دوپٹہ باندھ کر زبان باہر نکالی اور
آنکھیں پھیلا دیں۔

"ارے زیبو، کیا کرتب دکھا رہی ہے۔" اسی وقت حمیدہ بیگم اندر آ گئیں۔

"لو اور سنو، یہاں لڑکا لٹک رہا ہے اور خالہ بی کو کرتب نظر آتے ہیں۔"

"کیسی باتیں کرتی ہو زیبو تم بھی، یہ لو چائے پیو۔" حمیدہ کو زیبو پر غصہ آ رہا تھا، اسی لئے
نازو نے پیالی پکڑ کر زیبو کو دی تو اس نے جھٹ بڑا سا گھونٹ بھر لیا۔

"ہائے اُف..... سارا منہ جھلس گیا۔ خدا تمہیں جنت نصیب کرے خالہ، اتنی اُبلتی ہوئی
چائے کیوں بنائی ہے۔ کچھ خیال نہیں تمہیں مہمانوں کا، بندہ گرم چائے پیش کرتا ہے تو تھوڑی
سی برف ہی ڈال دیتا ہے۔ ہائے اماں میرا منہ جل گیا۔ ہائے کل تو مجھے ایک جگہ عقیقے پر جانا
ہے۔ ارے کیسے گاؤں گی، کیسے ناچوں گی۔ پانی..... نازو پانی۔" زیبو حمیدہ بیگم کے گرد ہی
چکر لگانے لگی۔ نازو جلدی سے پانی لے آئی تو وہ اسے پھونکیں مار مار کر پینے لگی اور پھر باقی
بچا پانی میں چائے انڈیلی اور چڑھا گئی۔ حمیدہ بیگم کو ایسی باتوں سے بڑی گھن آتی تھی۔
انہوں نے منہ بنا کر چہرہ دوسری طرف کر لیا۔

"شکر الحمد للہ، چائے پانی تو ہضم ہوا۔" اُس نے ایک بڑی سی ڈکار لی۔ "اچھا خالہ، میں
جاؤں اب۔" زیبو نے منہ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تو حمیدہ نے چائے واپس رکھ دی۔

"جا دفع ہو جا کمبخت۔ اور یہ بھینسوں کی طرح ڈکارنا ضروری ہوتا ہے کیا، توبہ ہے۔"
حمیدہ بیگم نے چہرہ صاف کیا اور ناک بند کرتے ہوئے کہا تو زیبو پھر پلٹی۔

"لو خالہ، نظر نہ لگا دینا، معدہ کھانا پینا ہضم کرنے کا اعلان کرتا ہے تو اس میں برا تھوڑی
لگ جاتا ہے۔"

"اچھا جا دفعہ ہو جا اب۔ اور آئندہ یہ اعلان میرے کانوں میں ہرگز ہرگز کرنے کی
ضرورت نہیں۔" حمیدہ بیگم بہت زیادہ بدمزہ ہوئی تھیں اس کی اس حرکت سے۔ نازو بھی زیبو
گھورتے ہوئے سوچنے لگی کہ سلیم کہاں اس کو برداشت کر سکتا ہے، اس کی حرکتیں ہی ناقابل

برداشت ہیں۔

''ارے نکل جا یہاں سے بدذات، کمبخت نے کھایا پیا باہر نکال کر ہی دم لیا۔'' حمیدہ ا
دھکیلتی ہوئی دروازے تک لے آئیں۔ وہ ڈھیٹ بنی ہنستی ہوئی باہر نکل گئی۔ اسی طرح
ہوئی وہ بے پروائی سے جا رہی تھی کہ شیدے کی بہن شمع پر نظر پڑی۔

''باپ رے، اب یہ پیسوں کا حساب مانگے گی اور وہ گدھا اگر تجھے گھاس نہیں ڈا
میں کیا کروں؟'' اس نے دوپٹے کی بڑی سی بکل ماری اور تنگ گلی سے بوڑھی عورت کی
گزرنے لگی۔ جانے کس چیز سے ٹکرائی کہ گرنے لگی تب شمع نے ازراہ ہمدردی اسے تھام

''اماں بی، دیکھ کر چلو۔''

''ارے تیرا کیا خیال ہے، میں سونگھ کر چل رہی ہوں، کمبخت نگوڑ ماروں نے گھر
بنائے ہیں میری راہوں میں۔ ارے غیرت حیا مر گئی ہے، دیدوں کا پانی ڈھل گیا ہے۔
تو کون ہے اور کس کو ڈرانے جا رہی ہے یوں سترسنگھار کر کے؟'' زیبو نے منہ ڈھانپ
آنکھ سے شمع کو دیکھا جو خوب سج سنور کے یہاں صرف سلیم کے لئے کھڑی تھی۔

''ہاں اماں بی، بات یہ ہے کہ میں اپنے محبوب سلیم کے انتظار میں کھڑی ہوں۔''
شرما گئی۔

''اے مجھے تو ایسے بتا رہی ہے جیسے میں جانتی نہیں۔''

''ارے اماں، تم تو پہنچی ہوئی عورت لگتی ہو میرے لئے دعا کرو ناں۔'' شمع جھٹ
پیر مان گئی۔

ہاں، تم سے بچ گئی تو گھر بھی پہنچ جاؤں گی۔ ''اے ہاں بچی، تو فکر نہ کر، تیرے
سلیم کا بیاہ اس کی چاچا کی لڑکی سے ہو جائے یہی چاہتی ہے ناں تو؟'' زیبو نے جان کر
شمع کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

''خدا نہ کرے بڑھیا کہ سلیم کی شادی اس کے چچا کی لڑکی سے ہو، اس چپ کھ
نے بہت پیسے ہتھیا لئے ہیں مجھ سے سلیم سے میری دوستی کرانے کے۔ لیکن کمینی نے
تک میرا کام نہیں کیا۔ وہ کمبخت اسی طرح نفرت کرتا ہے مجھ سے۔'' شمع نے گلی میں
اماں بی سے اپنا دکھڑا کہہ سنایا تو اماں بی ہنسنے لگی۔

''اماں بی! تم ہنس کیوں رہی ہو؟''

''لے، ہنسی تیری بے وقوفی پر آ رہی ہے لڑکی۔ پچاس روپے نکال اور یہ تصویر اپ
رکھ۔ خود چل کر تیرے پاس نہ آئے اور شادی کا نہ کہے تو جو تیری سزا وہ میری سزا۔ ا



پاس کا پتا۔''

''پچاس...... وہ اماں بی بات یہ ہے کہ ابھی میرے پاس پچاس تو نہیں سو کا پتا ہے۔'' شمع
ال ہول رہا تھا۔ سو کا نوٹ اس نے مٹھی میں دبا لیا۔

''اچھا نہیں تو نہ سہی، میں تو لاکھوں کے دولہا کی بات کر رہی ہوں اور یہ سو کا نوٹ نہیں
ے رہی۔ ارے ایک ہمارا وقت تھا کہ جان دے دی تھی ایک بار میں نے اپنے محبوب کے
'' بولتے بولتے آواز بدل جاتی تو وہ جھٹ سنبھل جاتی۔

''اچھا لو اماں بی، جان تو نہیں، سو روپے تو دے ہی سکتے ہیں ہم اپنے شہزادے کے
'' شمع نے دل کڑا کر کے سو روپے اس کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ اسی وقت سامنے سے
م آ گیا اور ان کو دیکھ کر ادھر ہی آ گیا۔

''ارے زیبو، تو یہاں ہے اور وہاں چاچی پریشان ہو رہی ہے۔'' اب بے چارے سلیم
اور کے ڈرامے کی کیا خبر، اس نے تو جھٹ پہچان لیا تھا زیبو کو۔ وہ پیسے مٹھی میں دبا چکی
ی اور دوپٹہ بھی سرک چکا تھا۔ شمع قریب تھا کہ اس کے بالوں تک پہنچتی، وہ ہنستی ہوئی
گے بڑھ گئی۔

''زیبو کمینی، ذلیل، میں تیرا قیمہ بنا دوں گی۔ اتنے پیسے کھا گئی ہے میرے۔'' وہ سلیم سے
ات کرنا چاہتی تھی مگر وہ ''اونہہ'' کرتا گھورتا آگے بڑھ گیا۔

⁂☆⁂

فاعت اللہ اور منزہ کی شادی کے چند ہفتوں بعد ہی اماں جان اللہ کو پیاری ہو گئیں جس
ہ سے وہ لوگ ہنی مون کے لئے بھی نہ جا سکے۔ منزہ کے لئے یہ ماحول بہت مختلف تھا
اس نے شفاعت اللہ کو چاہا تو ان کے ساتھ وابستہ ہر چیز اور شخص کو چاہا، ان کی عزت کی
کہاں وہ لاابالی کھلنڈری سی کم عمر لڑکی جس نے خود کو بالکل بدل ڈالا تھا۔ وہ ہر کام بانو
سیکھ رہی تھی۔ گو کہ بانو بیگم کو اس بات کا بے حد دکھ تھا کہ یہ لڑکی ان کی بہن کی جگہ آ
مگر وہ دل کی بہت اچھی تھیں، منزہ کی حیثیت کو انہوں نے دل سے قبول کیا تھا، اسے
ا تھا۔ منزہ کے آ جانے سے ان کے بہت سے کام کم ہو گئے تھے۔ اب ان کو آرام کا
مل جاتا تھا۔ اس وقت وہ کچن میں کرسی پر بیٹھی تھیں اور منزہ کام کر رہی تھی۔ وہ اس
دیکھ کر خوش ہو رہی تھیں۔

''بھابی جان، کباب کا مسالہ وغیرہ سب تیار ہے، اب بتائیے ہمیں اور کیا کرنا
منزہ کے ہاتھوں پر کئی چھوٹے چھوٹے کٹ آئے تھے جن میں مرچ مسالہ خوب لگ

رہا تھا مگر وہ ضبط کر رہی تھی اور ضبط کی اسی کوشش میں وہ سرخ ہو رہی تھی۔ بانو بیگم نے اس کے ہاتھ تھام لئے اور پیار کر لیا۔

''اب آپ کچھ نہیں کریں گی بلکہ جا کر آرام کریں گی، ہم تو آپ سے خود یہ سب کرانا چاہتے مگر آپ کے شوق اور ضد کو پورا کرنا بھی ہمارا فرض ہے اس لئے خاموش ہو جاتے ہیں ورنہ ہم اپنی پیاری سی دیورانی سے کام ہرگز نہ لیں۔''

''بھابی جان! جب میں نے شفاعت اللہ کو چاہا تو یقین جانئے ہماری محبت ہماری ہو گئی تھی اور میں نے سوچ لیا تھا کہ ان کے رنگ میں رنگ جاؤں گی۔ عورت جب کسی کو دل کی گہرائیوں اور سچائیوں کے ساتھ چاہتی ہے تو اس کے پیاروں اور گھر والوں کو اس سے وابستہ ہر چیز کو چاہتی ہے۔ اسی لئے میں نے اس گھر کے ماحول کی چادر کو اپنے گرد لپیٹ لیا ہے اور جان سے گزر کر بھی یہ کوشش کروں گی کہ اس پر کوئی دھبہ نہ لگے۔ تم چلتے کہیں میرے پائے استقامت میں لغزش محسوس کریں تو آپ کو اختیار ہے جو چاہے سزا دیں اور سمجھائیں۔ پھر جو آپ کی مرضی ہو گی، جو سزا بھی دیں گی ہمیں قبول ہو گی''، وہ سعادت مندی سے سر جھکائے کہہ رہی تھی تو بانو بیگم کو اس پر بے ساختہ پیار آ گیا۔ انہوں نے اس کو ساتھ لگا لیا۔

''منزہ! آپ رشتے میں ہماری دیورانی ضرور ہیں لیکن ہم آپ کو اپنی بیٹی کی طرح سمجھتی ہیں، پیار کرتے ہیں، آپ کی یہ فرمانبرداری اور سعادت مندی آپ کے والدین کی تربیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ہمارا دل آپ سے بہت خوش ہے اور شفاعت میاں کی پسند ہمیں بہت پسند آئی ہے۔'' انہوں نے پیار سے اس کی پیشانی چوم لی۔

''میں ان کی پسند نہیں بھابی جان بلکہ وہ ہماری پسند ہیں۔ ان کی پسند تو نجانے کون ہو، مجھے اس سے غرض بھی نہیں، انہوں نے ہمیں اپنی عزت بنا لیا ہے تو اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا۔'' منزہ کی بات پر بانو کچھ افسردہ سی ہو گئیں۔ شفاعت اللہ کو پسند تو اپنی ہی کی بہن، مگر خدا کو ہی جب منظور نہیں تھا تو کوئی کیا کر سکتا تھا۔

''ارے واہ، یہ آپ نے کیسے جانا کہ شفاعت میاں آپ کو پسند نہیں کرتے؟ ہم سے تو کر آپ کا ذکر خوب کیا کرتے تھے اور اتنی تعریف کرتے تھے کہ ہمیں آپ سے ملنے کا اشتیاق تھا۔ آپ کیسے کہہ سکتی ہیں کہ وہ آپ کو پسند نہیں کرتے۔ شفاعت میاں ہمارے بیٹے کی طرح ہیں، ہم اچھی طرح جانتے ہیں وہ جب تک کسی کو پسند نہیں کرتے، اس کی کرتے، تعریف کیا کریں گے۔ لہٰذا آپ ان سے ہرگز بدگمان مت ہوں۔'' بانو بیگم



کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر پیار سے کہا تو منزہ خوش ہو گئی۔

''آپ سچ کہہ رہی ہیں بھابی جان؟'' منزہ کا بے یقین لہجہ ڈول سا گیا۔ شفاعت اللہ کا رویہ اس کے ساتھ ایسا ہی رہا تھا کہ وہ کبھی خوش فہمیوں کے جھولے میں نہیں جھولی تھی۔

''آپ کا کیا خیال ہے، ہم آپ سے غلط بیانی سے کام لیں گے؟''

''خدا نہ کرے بھابی جان جو ہم آپ کو غلط سمجھیں۔'' منزہ نے معذرتی انداز میں ان کے ہاتھ تھام لئے۔ اسی وقت شفاعت اور شجاعت اللہ آ گئے۔ وہ دونوں کو دیکھ کر پھر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

''بھابی جان، چوہے بیچارے ناچ ناچ کر بے دم ہو کر چپ چاپ پڑ گئے ہیں اور ہم ان کو کھانے کا دلاسا دے دے کر تھک گئے ہیں۔ یہاں تو کھانے کا کوئی سین ہی نہیں لگ رہا۔'' شفاعت اللہ آ کر بیٹھ گئے۔

''ارے واہ میاں، بہت خوب، یعنی آپ اپنی بیگم سے تو باز پرس کر نہیں رہے، ہماری بیگم کی شکایت کر رہے ہیں۔'' شجاعت اللہ شوخی سے مسکراتے ہوئے آ کر ان کے پاس بیٹھ گئے۔

''بھائی صاحب، ہم تو اپنی بھابی جان سے کھانا مانگ رہے ہیں، آپ اپنی بھابی سے پوچھ لیجئے۔ کس نے منع کیا ہے۔'' دونوں بھائی آج خاصے موڈ میں تھے، وہ دونوں مسکرا رہی تھیں۔

''جی نہیں، ہماری بھابی تو ابھی نئی نویلی دلہن ہیں اور یوں بھی کم عمر ہیں، گھر گرہستی کا ان کو تجربہ نہیں، ہم ان سے کوئی باز پرس کرنے کی بجائے آپ کی بھابی جان پر فردِ جرم عائد کرتے ہیں، مجرم کو حاضر عدالت کیا جائے۔'' شفاعت اللہ باقاعدہ منصف کی مسند پر براجمان ہو کر بولے تو بانو بیگم ذرا سا جھک کر آگے بڑھیں۔

''خادمہ حاضر ہے عادل بادشاہ اور اپنے جرم کا اعتراف کرتی ہے کہ اتنے لوگوں کو محض گپ بازی میں بھوکا رکھا۔ مگر آپ کی رحمدلی کے چرچوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہم بھی آپ سے رحم کی اپیل کرتے ہیں اور اتنی مہلت مانگتے ہیں کہ ہم کھانا بنا کر آپ لوگوں کے روبرو پیش کر دیں۔''

''جی، تا کہ آپ کا کھانا کھاتے ہی ہم فوت ہو جائیں اور آپ لوگ سزا سے بچ جائیں، ہم ایسا رسک ہرگز نہیں لیں گے۔ آپ کو سزا ضرور ملے گی۔''

''عادل بادشاہ! اگر سزا پر ہی بات ختم ہوتی ہے تو ہم اپنی بھابی جان کو سزا ہرگز نہیں لینے دیں گے۔ اس لئے کہ کھانے میں تاخیر کی وجہ ہم ہیں۔ ہم نے ہی ان کو باتوں میں

الجھا لیا جس کی وجہ سے کھانا نہ بن سکا۔" منزہ بھی اسی انداز میں آگے بڑھی۔
"آپ کیا فرماتے ہیں برادر حقیقی؟" شجاعت اللہ نے مسکرا کر شفاعت اللہ کو د
منزہ ہی کو دیکھ رہے تھے۔

"ہمارے خیال میں سزا انہی کو ملنی چاہئے صاحب عقل و دانش، ان کو ہی سز
جنہوں نے ہماری اتنی پیاری، اتنی اچھی بھابی جان کی چلتی ہوئی صلاحیتوں اور کار کر
گاڑی کو بلاوجہ روکا اور آگے نہ بڑھنے دیا جس کی وجہ سے آپ کی قوم کو بھوکا رہنا پڑا۔

"برادر عزیز، ہمیں افسوس ہے کہ ہمیں آپ کا مشورہ قطعی پسند نہیں آیا کیونکہ آپ
ناانصافی پر مشتمل ہے۔ لہٰذا اسے رد کیا جاتا ہے اور منزہ بیگم کو اس الزام سے بری
ہے۔" عدالت کی یہ کارروائی ابھی جاری رہتی کہ عبدل بھاگا بھاگا آیا اور اطلاع دی۔

"صاحب، وہ عمر میاں اور سکندر میاں آپس میں گتھم گتھا ہو رہے ہیں۔"

"ہائیں، گتھم گتھا ہیں تو وجہ گتھم گتھا کیا ہوئی میاں، ہمارا مطلب ہے کہ عام طو
گتھا ہونے کی تین موجوہات ہوا کرتی ہیں یعنی کہ زر، زمین اور زن۔ جہاں تک ہما
کام کرتی ہے عمر میاں اور سکندر میاں کی عمریں ان جھگڑوں کی نہیں ہیں پھر؟"

"بڑے صاحب، آپ کی عقل تو زن، زر اور زمین تک ہی کام کرتی ہے مگر وہاں
کٹی پتنگ کا ہے۔ ہمارا مطلب ہے کہ وجۂ تصادم ایک عدد کٹی پتنگ ہے۔" عبدل
بھی اکثر [illegible] سے اتر جاتی تھی اور کچھ اس گھر کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے درگزر
عطا کر رکھا تھا جس کی وجہ سے اس کی زبان کی لرزش کبھی اس کی نوکری میں حائل نہیں

"اچھا چلئے، ہم موقع واردات پر چل کر دیکھتے ہیں۔" دونوں بھائی مسکراتے ہو
آگئے۔

"ہم کہتے ہیں یہ پتنگ ہماری ہے، چھوڑ دیجئے ورنہ ہم اپنے ابا جان کو بلا لائیں
عمر میاں نے اپنے ابا جان قمر میاں کی دھمکی دی تو سکندر جو کہ تھے تو عمر کے ہم عمر
کاٹھ اور ڈیل ڈول میں ان سے بڑے ہی لگتے تھے۔

"ارے جائیے، بلا لائیے ہم ان کو بھی پھونک سے اڑا دیں گے۔" سکندر نے اا
دے کر پرے گرایا۔

"ارے واہ، واہ..... کیا خوب بات کی ہے آپ نے بھی۔ ہمارے ابا جان کوئی
کہ اڑا دیں گے؟" عمر نے احتجاج کیا۔

"جی نہیں، وہ مکھی نہیں مچھر تو ہیں ناں۔" سکندر میاں نے کہا تو عمر میاں سلگ ا



"آپ نے ہمارے ابا جان کو مچھر کہا۔ ہم..... ہم....." عمر میاں اپنے والد کی طرح
ان پان سے تھے اور ساری شخصیت انہی کی فٹ ہوگئی تھی ان کے اندر بھی، وہ جوش میں
اری پر کھڑے ہونے لگے۔ پاؤں پھسلا تو سین یوں ہوا کہ وہ نیچے اور کرسی اوپر
مان ہوگئی۔ سکندر میاں ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہوگئے۔

"ہم نے کب کہا ہے، یہ تو نورینہ چچی کہتی ہیں۔ وہ تو اور بھی بہت کچھ کہتی ہیں اب۔"

"سکندر میاں، یہ کیا ہو رہا ہے؟ جھگڑنا بری بات ہے، آپ کو کتنی بار سمجھایا ہے۔ یہ پتنگ
س ہے؟" شفاعت اللہ نے آگے بڑھ کر بیچ بچاؤ کراتے ہوئے کہا۔

"کاغذ کی ہے۔" سکندر نے جھٹ مچل کر کہا تو وہ دونوں بھائی ایک دوسرے کو دیکھ کر
نے لگے۔ سکندر ان کی ساری اولاد میں بہت مختلف طبیعت کے مالک تھے۔ بہت اکھڑ
ائی حد تک خودسر اور بدتمیز بھی جس کی وجہ سے ان پر خاص توجہ بھی دی جاتی تھی۔ مگر جو
سکندر کے منہ سے نکل جاتی، اس کا پلٹ جانا نکلے ہوئے تیر کی مانند ہوتا تھا اور سیدھی
کا جواب بھی ایسا دیتے کہ بات کرنے والا اپنا سا منہ لے کر رہ جاتا۔

"یہ تو ہم بھی جانتے ہیں کہ یہ کاغذ سے بنی ہے مگر یہ ہے کس کی؟ ہمارا مطلب ہے کس
ملیت ہے؟"

"چیز اسی کی ہوتی ہے چچا جان جس کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور پتنگ ہمارے ہاتھ میں
" سکندر نے بڑے اعتماد سے پتنگ پر اپنا حق جتایا تو عمر میاں چلا اٹھے۔

"جی نہیں چچا جان، یہ پتنگ ہماری ہے، ہم نے عبدل سے منگوائی تھی۔ پہلے تو سکندر نے
دیکھا پھر لے کر کہنے لگے کہ یہ ہم لیں گے۔ جب ہم نے ان سے پتنگ لینا چاہی تو
ں نے دو ٹکڑے کر دیئے۔" عمر میاں رو دینے کو تھے۔

"صرف دو ہی نہیں، ہم چار ٹکڑے بھی کر سکتے ہیں۔" سکندر نے اکھڑ پن سے کہا اور
چھین کر چار ٹکڑوں میں تقسیم کر دی۔ عمر میاں نے زار و قطار رونا شروع کر دیا۔ شجاعت
لیش میں آگئے۔

"سکندر، یہاں آیئے ہماری بات سنئے۔" انہوں نے تیز آواز میں کہا۔ سکندر نے کچھ دیر
ان کو دیکھا اور آگے بڑھ گئے۔

"کیا کر رہے ہیں بھائی جان، سکندر میاں ابھی بہت چھوٹے ہیں، ان کو پیار سے سمجھانے
رورت ہے۔" شفاعت اللہ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر روکا اور عمر کو تسلیاں دینے لگے۔

"عمر میاں! آپ خفا نہ ہوں، ہم آپ کو اس سے اچھی پتنگ دلا دیں گے۔ اس وقت

چپ ہو جایئے ورنہ آپ کے ابا جان ہمیں ماریں گے تو آپ کو اچھا لگے گا؟'' شف
نے خوفزدہ سی صورت بنائی تو عمر نے نفی میں گردن ہلائی۔

''چچا جان، سکندر بھیا نے تو ہماری گڑیا کو بھی لنگڑا کر دیا، اب وہ بے چاری
نہیں ہو سکتی، آپ ہمیں دوسری گڑیا دلا دیں گے نا؟'' سائرہ اپنی لنگڑی گڑیا لے
پاس آ گئی تو انہوں نے اس کو گود میں بٹھا لیا۔

''بالکل، ہم اپنی بیٹی کو گڑیا ضرور لے کر دیں گے۔''

''دیکھ لیا ناں آپ نے شفاعت، صاحبزادے بہت نڈر اور خود سر ہیں اور کا
گستاخ بھی۔ ہر ایک کی چیز پر غاصبانہ قبضہ تو گویا اپنا استحقاق سمجھتے ہیں۔ موصوف ا
کے پہلے فرزند ہیں ہمارے خاندان کے۔'' نواب شجاعت اللہ کو سکندر پر بہت غ
کیونکہ وہ بہت بدتمیز اور خود سر تھے اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ خاندان میں کوئی ایسا
سامنے آئے جو برائی کی علامت بن جائے۔

''دیکھ لئے ناں شفاعت میاں آپ نے ان کے کرتوت۔ پڑھائی میں یہ نالائ
دو روز بعد چھٹی کئے بیٹھے ہوتے ہیں گھر میں۔ جو استاد آتے ہیں ان کو یہ تنگ کر
گھر کے ملازمین کے ساتھ ان کا رویہ ناروا ہوتا ہے۔ بہن بھائیوں کے ساتھ یہ بد
پیش آتے ہیں۔ ہم تو خوفزدہ ہیں ان کے آنے والے کل سے۔'' شجاعت اللہ تک
کے کارناموں کی خبریں پہنچا کرتی تھیں تو وہ کھول کر رہ جاتے تھے، کئی بار سخت
تنبیہہ کر چکے تھے مگر سکندر خاصے چکنے گھڑے تھے، کسی بات کا اثر نہیں لیتے تھے۔

''بھائی جان، آپ کی پریشانی بجا ہے۔ مگر ایسی بات بھی نہیں کہ مایوس ہوا جا
میاں کی ابھی عمر ہی کیا ہے۔ سدھر جائیں گے، انشاء اللہ بہت اچھے ہو جائیں گے۔''
اللہ مسکراتے ہوئے سمجھا رہے تھے۔

''آپ اسے کچھ بھی کہیں، مگر ہم فکرمند ہیں ان کی حرکتوں سے۔ آپ ان کو
بلکہ ہماری تو خواہش ہے کہ یہ آپ کی طرح سپاہی بن کر ملک وقوم کی خدمت ک
چاہتے ہیں آپ ان کا برین واش کر کے ان کو مجاہد بنائیں۔ ان کی سوچ عام روایتی ج
قسم کی ہے جو کوئی اچھی بات نہیں ہمارے نزدیک۔'' شجاعت اللہ فکرمند سے چل
شفاعت اللہ بچوں میں گھرے ان کی شکایات سنتے رہے۔ ہر ایک کی شکایت کا ر
میاں کی طرف جاتا تھا اور وہ دل ہی دل میں سکندر کو سمجھانے کا سوچ رہے تھے۔

☆



...ہ بہت مختلف ماحول کی پروردہ تھی مگر جس سمجھداری سے اس نے اس گھر کے ماحول کو
...ب اس کے گرویدہ تو ہوئے ہی تھے خود شفاعت اللہ بھی خوشی اور حیرت سے دیکھتے
...اس کم عمر سی لڑکی نے جو باتیں کی تھیں، انہیں پورا کر رہی تھی۔

''آپ تو بالکل بدل گئی ہیں منزہ، ہمیں بہت حیرت ہوتی ہے آپ کو دیکھ کر۔ کہاں آپ
ماحول کی پروردہ تھیں، ہر بات، ہر انداز مختلف تھا اور کہاں یہ حال ہے کہ آپ بالکل
گئی ہیں۔ حیرت ہے۔'' شفاعت اللہ نے منزہ کو دیکھا جو بھاری بھر کم غرارے میں بڑا سا
...ے گھونگھٹ کے ساتھ سنبھالے رہتیں۔ ہر قدم میں احتیاط اور محبت بندھی تھی۔ ان کی
...وہ ان کے پاس آ کر بیٹھ گئیں۔

''اس میں حیرت کی کیا بات ہے شفاعت اللہ صاحب، محبت میں حیرت کی گنجائش ہی
...ہوتی ہے۔ محبت تو بس محبت ہوتی ہے اور محبت کے سمندر میں سب کچھ ڈوب جاتا
...میں تو اتنا جانتی ہوں کہ اگر کوئی شریف خاندانی عورت شوہر سے محبت کرتی ہے تو اس
وابستہ ہر چیز، ہر شخص سے محبت کرتی ہے اور ہم تو خدائے بزرگ و برتر کے شکرگزار ہیں
...آپ سے وابستہ سب کچھ اتنا اچھا، اتنا پاکیزہ ہے کہ ہمیں اپناتے ہوئے فخر محسوس ہوتا
...'' وہ ان کے ہاتھ تھامے اپنی محبتوں کی روشنی میں کھڑی اور بھی پیاری لگ رہی تھی۔ وہ
...دیکھے گئے۔

''منزہ، ہم کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ آپ ہمارے دل میں اتنی جگہ بنا لیں گی کہ
...ے بغیر ایک پل بھی رہنا دشوار ہو جائے گا۔'' شفاعت اللہ واقعی ان سے بہت خوش اور
...تھے اور یہی منزہ کی محنت کا حاصل تھا کہ وہ شوہر کی محبت اور اعتماد جیت لے۔

''ہم خدائے لاشریک کا جتنا شکرانہ ادا کریں کم ہے۔ کیونکہ جس عورت کو اپنے شوہر کے
...ں جگہ پروردگار عطا کر دے اس سے بڑھ کر عورت کی کیا خوش بختی ہو سکتی ہے۔ میں تو
...ی نہیں سکتی تھی کہ اللہ تعالیٰ مجھے خوابوں خیالوں والی پریوں کے دیس والی زندگی عطا
...گا۔ جہاں خوشیاں ہی خوشیاں ہمراہ ہوں گی۔ سچ، میں تو ہر وقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا
...تی ہوں۔'' منزہ کا رواں رواں خدا کے حضور سجدہ ریز شکرانہ ادا کر رہا تھا۔

''اچھا تو اب جلدی سے تیار ہو جایئے، کرنل جاوید کے ہاں جانا ہے، ان کے صاحبزادے
...ہ ہے۔ بہت اصرار کیا ہے انہوں نے۔'' شفاعت اللہ مطمئن سے اٹھے اور تیار
...لئے جانے لگے تو منزہ کچھ پریشان سی ہو گئی۔

...'' اس نے دھیرے سے کہا تو شفاعت اللہ انہی قدموں پر پلٹے۔

"سنایئے جی۔ اب تو ہم آپ کی ہر بات، گیت، غزل اور گالیاں سننے کو بھی تیا
شفاعت اللہ رومانٹک ہونے لگے۔

"خدا نہ کرے جی کہ ہم ایسی گستاخی کریں۔ مگر کہنا ہمیں یہ تھا کہ آج تو بھابی
شاپنگ کا پروگرام بنایا تھا اور آپ برتھ ڈے کا کہہ رہے ہیں، ان کو کیا جواب دوں گی

"آپ ملال نہ کریں، ہم خود ان سے بات کر لیں گے۔ ہماری بھابی جان بہ
ہیں، قطعی مائنڈ نہ کریں گی۔"

☆☆☆

"آیئے، آیئے منشی صاحب۔ بڑے دنوں میں چکر لگایا ہے۔ خیریت ہے، طبیعت
ہے ناں؟"

"نواب صاحب، کیا آنا اور کیا جانا، آپ نواب لوگ ہیں، بات کتنی ہی بگڑ جا
لوگ توجہ نہیں فرماتے۔" منشی فضل دین کچھ خفا خفا سے تھے، آہستگی سے شجاعت
سامنے رک گئے تو وہ مسکرانے لگے۔

"تو گویا آپ طنز فرما رہے ہیں۔ اجی منشی صاحب، ہم کہاں نواب ہیں، ہم تو
ہیں، اللہ کے گناہگار بندے ہیں۔ تھے کبھی نواب بھی، صاحب عزت و مقام بھی۔
کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ اب اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں عزت کی دو وقت کی روٹی
رہے۔" شجاعت اللہ صاحب نے انکساری سے کہا تو منشی فضل دین نے ان کو دیکھا۔

"گستاخی کی معافی چاہتا ہوں نواب صاحب، بندے کو خدا کی نعمتوں کی
چاہئے۔ اللہ نے آپ کو ایک بار پھر جاگیر عطا کی مگر آپ کی بے پروائی سے وہ بھی
چھن جائے۔" فضل دین نے اپنی بات کے لئے تمہید باندھی تو وہ بھی کچھ چونکنا سے
عبدل کے ناشتہ لگا کر جانے کا انتظار کرنے لگے اور جب وہ چیزیں سجا کر چلا گیا
دین کی طرف مڑے۔

"منشی صاحب! آپ تو خاصے برہم ہیں اور ہمیں آپ کی برہمی سے اختلاج قلب
لگا ہے۔ جلدی بتایئے کیا بات ہے؟"

"اچھا نواب صاحب، یہ بتایئے کہ یہ حیات صاحب آپ کے قریبی رشتے دا
منشی صاحب نے چائے کا کپ اٹھایا۔

"دیکھئے منشی صاحب، یوں تو بحیثیت مسلمان ہم سب رشتے دار ہیں، بھائی
خونی رشتے کا پوچھتے ہیں تو قریبی رشتے داری تو ان سے نہیں۔ حیات صاحب ابا ج



زن کے صاحبزادے ہیں۔ کیوں خیریت، آپ کو کوئی شکایت ہے؟" شجاعت اللہ
ب نے قدرے تشویش سے ان کو دیکھا۔

"شکایت، صرف ایک شکایت؟ نواب صاحب میں یہی تو عرض کرنے آتا رہتا ہوں کہ
ما اعتماد تو صرف خدائے لاشریک کی ذات پر ہونا چاہئے۔ انسان کسی پر نیم اندھا اعتماد کر
غداروں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ایک اللہ ہے جو ہمارے اعتماد کو اور معتبر کر دیتا ہے۔
پ نے جاگیر کے تمام معاملات ان کے سپرد کر کے کچھ اچھا نہیں کیا۔ وہ تو سیاہ اور سفید
مالک بن بیٹھے ہیں۔ زمینوں سے جتنی کمائی ہوتی ہے، فارمز وغیرہ کتنی ترقی کر رہے ہیں،
ں کا چوتھائی حصہ بھی آپ کو نہیں مل رہا۔ اس سلسلے میں آپ نے کبھی سوچا ہے؟" منشی
ب نے ساری تفصیل بتائی تو شجاعت اللہ بھی کچھ متفکر ہو گئے۔

"بات تو آپ کی درست ہے منشی صاحب! مگر اب ہم کیا کریں؟ شفاعت میاں تو آپ
معلوم ہے فوجی ہیں، آج یہاں تو کل وہاں۔ اور رہے ہم، تو ہم کاروبارِ زندگی سے نمٹ
ے ہیں۔ صاحبزادے ابھی چھوٹے ہیں حسن اور احسن ذرا بڑے ہو جائیں تو ہم جاگیر کے
املات پر پوری توجہ دیں گے، تب تک آپ دیکھئے۔"

"میں کیا دیکھوں میاں، میں تو ملازم آدمی ہوں۔ وہ میری بات پر توجہ کب دیتے ہیں۔
پ کو خبر ہے کہ انہوں نے ایک اور حویلی تعمیر کر لی اور ایک فش فارم اپنے نام پر بنوایا ہے۔
معلوم ہے جب یہ جاگیر میں آئے تھے تو خالی ہاتھ تھے اور آج ان کے ذاتی فارمز اور
گیریں ہیں تو یہ کہاں سے آئیں؟ آپ نے ان کو اپنی جاگیر کا مختار بنایا تھا اور انہوں
" منشی صاحب جذباتی ہو گئے تھے۔ وہ نواب صاحب کے زمانے سے تھے۔ ان ہی
ساتھ آئے تھے اسی لئے وہ نواب صاحب کی اولاد کے ساتھ مخلص تھے۔

"منشی صاحب! آپ دل کے مریض ہیں، اتنا اثر نہ لیں۔ ہم کسی وقت جاگیر پر آئیں
اور تمام معاملات دیکھیں گے۔ اور ہم یوں بھی بے پرواہ رہتے ہیں کہ آپ وہاں موجود
آپ ابا جان کے دوستوں میں سے ہیں۔"

"اسی لئے میاں، ہم آپ کا نقصان ہوتا نہیں دیکھ سکتے۔ آپ جلدی سے وقت نکالئے،
نکالنا پڑتا ہے میاں، وقت ملتا نہیں ہے۔ اس سے پہلے کہ کوئی بڑی گڑبڑ ہو جائے، آپ
پر جا کر تمام معاملات دیکھئے۔"

"بہت بہتر منشی صاحب۔ آپ آرام کیجئے۔ ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ کب آئیں گے یا
ے ساتھ ہی جائیں گے۔" شجاعت اللہ صاحب اٹھ کر باہر نکل گئے تو منشی صاحب

قالین پر گاؤ تکیے کے سہارے نیم دراز ہو گئے۔

☆☆☆

''ٹھیک ہے بھائی جان، آپ ابھی جا کر جاگیر کے حالات تو معلوم کیجئے۔ ہم جب ملازمت سے فارغ ہو جائیں گے تو بھرپور توجہ دیں گے۔ فی الحال تو آپ جائیے۔ ہم فا ہوتے تو ہم چلے جاتے۔ آپ کو تو معلوم ہے ہم بہت مصروف ہیں۔'' شفاعت اللہ نے کو دیکھا جو سب کی فرمائش پر خود چائے بنا کر پیش کر رہی تھیں۔

''جی میاں، ہم آپ کی مصروفیت کو دیکھ رہے ہیں۔ ٹھیک ہے، عیش کیجئے۔ ابھی تو آ کے ہنسنے کھیلنے کے د ہیں۔'' شجاعت اللہ نے مسکرا کر منزہ اور شفاعت اللہ کو دیکھا تو وہ طرح جھینپ گئے۔

''بھائی جان! آپ تو بنانے لگتے ہیں۔ ہمارا مطلب اس مصروفیت سے نہیں تھا۔ آفر مصروفیات ہی اتنی ہوتی ہیں کہ.....'' وہ بات بنا کر رہ گئے۔ ایک حیا کی سرخی منزہ کے چہر پر بھی چھا گئی۔

''رہنے بھی دیجئے۔ شفاعت میاں تو اتنے مصروف رہتے ہیں کہ آج تک دُلہن کو لے کہیں نہ گئے۔ ساری دنیا کے نوبیاہتا جوڑے ہنی مون کے لئے جاتے ہیں مگر شفاعت م نے تو دُلہن کو پنجرے میں بند کر دیا۔''

''بھابی جان! جس دُلہن کو اتنا پیارا پنجرہ مل جائے، اتنے اچھے جان لٹانے والے صیا جائیں اس دُلہن کو اور کیا چاہئے۔ ہم تو اسی قفس میں خوش ہیں اور خدا کے شکر گزار ہیں کہ یہ سب نوازا۔'' منزہ نے شفاعت اللہ کو دیکھ کر کہا تو وہ مسکرا دیئے۔

''واہ دُلہن رانی۔ ہم آپ کا بھلا کر رہے ہیں اور آپ ہیں کہ انکار کر رہی ہیں۔''

''اس لئے بھابی جان کہ ہم آپ سے دور ہونا نہیں چاہتے۔ آپ نے تو ہمیں اتنی مـ دی ہے کہ بتا نہیں سکتے۔''

''ارے منزہ، آپ تو ہماری بیگم کو مغرور بنا دیں گی اتنی تعریف کر کے۔''

''نواب صاحب! ہم کہاں تعریف کے لائق۔ سب تعریف و توصیف تو خدائے لاشر کے لئے وقف ہے۔ ہم گناہگار تو تھوڑی بہت کوشش کرتے ہیں زندگی کو احسن طریقے گزارنے کی۔'' بانو بیگم نے انتہائی انکساری سے کہا۔

''چلئے تو پھر ایسا کرتے ہیں کہ اس بار ہم جاگیر سے ہو آتے ہیں۔ دیکھتے ہیں کیا حالا ہیں۔ منشی صاحب تو خاصے پریشان ہیں۔ یوں بھی حیات صاحب کے بارے میں ابا ج



مرحوم کی اپنی رائے بھی درست نہیں تھی۔ بس رشتے دار ہونے کی وجہ سے جاگیر کے معاملات ان کو سونپ دیئے گئے تھے۔ ہم منشی صاحب کے ساتھ جاتے ہیں۔ ہفتہ دس دن میں آ جائیں گے۔''

''ابا جان، ہم بھی آپ کے ساتھ جائیں گے۔ ہماری تو آج کل چھٹیاں ہیں۔'' سکندر میاں نے ساری بات سن لی تھی اور اگر کہیں جانے کا ذکر ہو وہ بھی جاگیر اور زمینوں پر تو سکندر کو بہلانا مشکل ہوتا تھا۔

''ہم آپ کو ضرور لے جاتے اگر آپ کے اس ٹرم میں مارکس اچھے آ جاتے۔ آپ نے ہمیں بہت مایوس کیا ہے اپنی کارکردگی سے۔''

''تو ابا جان آپ ہمیں پہلے بتا دیتے کہ آپ نے ہمیں ساتھ لے جانے کی یہ شرط رکھی ہے تو ہم اچھے مارکس لے آتے۔ مگر اب کیا ہو سکتا ہے، اب تو آپ کو ہمیں ساتھ لے جانا ہی ہو گا۔'' سکندر میاں کا اپنا ہی انداز تھا بات کرنے کا۔ اکھڑ سا۔

''اب یہ ہو سکتا ہے کہ آپ آئندہ ٹرم میں اچھے مارکس لے کر آئیے تب ہم آپ کو ساتھ لے کر جائیں گے۔''

''نہیں، اس بار آپ کے ساتھ جائیں گے، ہم نے کہہ دیا ہے بس۔'' سکندر نے قدرے بدتمیزی سے کہا۔

''ہرگز نہیں، جو بچے والدین کے فرمانبردار نہیں ہوتے ان کو کچھ نہیں ملتا۔ جب تک آپ خود کو درست نہیں کریں گے، ہم آپ سے نہ تو خوش ہوں گے اور نہ آپ کو کہیں لے کر جائیں گے۔'' شجاعت اللہ سکندر کے ساتھ خاصے روڈ ہو جاتے تھے۔ ایک تو وہ بچہ تھا، دوسرے باپ کی اتنی سخت بات نے اسے مزید گستاخی اور بغاوت کے رستے پر ڈال دیا۔

''اور ہم نے بھی کہہ دیا ہے کہ ہم آپ کے ساتھ جائیں گے.....ضرور جائیں گے ورنہ.....'' سکندر نے ایک قیمتی گلدان اٹھایا اور دیوار پر دے مارا۔ شجاعت اللہ ضبط چھوڑ بیٹھے اور اسے مارنے لپکے مگر شفاعت اللہ نے تھام لیا۔

''گستاخی معاف بھائی صاحب، سکندر میاں ابھی بہت چھوٹے ہیں، ابھی تو ان کو گستاخی کے معنی بھی معلوم نہیں۔ سکندر میاں بہت مختلف ہیں ہمارے سارے بچوں میں۔ ان کو بہت پیار اور دوستی سے سمجھانا پڑے گا، آپ ان پر غصہ نہ ہوا کریں۔ وہ جانے کی ضد کر رہے ہیں تو آپ ان کو ساتھ لے جائیے۔''

''ہرگز نہیں، اس بار تو ہم ان کو ساتھ نہیں لے کر جائیں گے ورنہ وہ اپنی ہٹ دھرمی اور

توڑ پھوڑ کو ہماری کمزوری بنا کر اپنا ہر جائز اور ناجائز مطالبہ منوا لیا کریں گے۔ اور ہم ا
اپنی کمزوری نہیں بنائیں گے۔'' شجاعت اللہ صاحب بہت غصے میں آ گئے۔ وہ خود بھی ب
فرمانبردار اولاد تھے اپنے والدین کی اور ان کی دوسری اولاد بھی بہت اچھی اور فرمانبردار تھ
مگر سکندر کی حرکتیں ان کو فکر میں مبتلا کر دیتی تھیں۔ ان کے ہر انداز میں بغاوت کی جھ
ہوتی تھی اور یہ بات ہی خاندان اور خاندانی روایات کے خلاف تھی اور وہ اپنے خاندان
روایات کی پاسداری آخری وقت تک کرنا چاہتے تھے۔

''بھائی جان، آپ ذرا تحمل سے کام لیجئے اور سوچئے کہ سکندر میاں کی ابھی عمر ہی
ہے۔ غالباً ابھی وہ پورے چھ برس کے بھی نہیں ہوئے۔ ابھی ان کو کیا پتہ کہ اچھائی برائی
ہے۔ بہت کمسن ہیں وہ ابھی۔''

''فکر کی بات ہی تو ہے شفاعت میاں کہ اتنی کم عمری میں ان کی خودسری اور ہٹ د
کا یہ حال ہے تو آئندہ کیا ہوگا۔ ہمیں ان کی خودسری کو ابھی سے لگام ڈالنی ہے ورنہ با
جانے والا کبھی ہاتھ نہیں آتا۔''

''آپ تو بلاوجہ اپنا بی پی ہائی کر رہے ہیں نواب صاحب۔ بچے نے ایک ذرا خواہش
تو کی ہے آپ کے ہمراہ جانے کی اگر آپ حامی بھر لیتے تو وہ کبھی ایسا نہ کرتے۔'' بانو
ماں تھیں اور شجاعت اللہ کا جو رویہ سکندر کے ساتھ تھا اس پر وہ کڑھ کر رہ جاتیں مگر کچھ
نہیں پاتی تھیں۔ آج دیور کی شہہ پا کر انہوں نے اپنے دُکھ کو زبان دے دی تو نو
صاحب برہمی سے ان کو دیکھنے لگے۔

''بانو بیگم! زندگی میں ہمیں آپ سے اور آپ کی فرمانبداری سے کوئی شکایت نہیں ر
مگر سکندر میاں کے معاملے میں ہم سب سے پہلے آپ سے باز پرس کریں گے۔ ا
موقعوں پر جب بھی اپنی خواہش پوری کرانا چاہ رہا ہو اور اسے اس کی غلطی کا احساس
جائے اور خواہش پوری نہ کی جائے تو بچے کو آئندہ کے لئے سمجھ آ جاتی ہے کہ اگر بڑوں کا
مانے گا تو اس کی بات ہو گی ورنہ نہیں۔ مگر.....'' نواب صاحب غصے میں بول رہے ۔
سب چپ تھے، کسی میں ہمت نہیں تھی۔ اسی وقت عبدل آ گیا تو وہ اٹھ کر چلے گئے۔

سکندر میاں بھی اپنے موڈ اور خواہشات کے غلام تھے۔ ان کے ذہن میں جو بات
زبان کی حد کراس کر جاتی، اس کی واپسی ناممکن ہوا کرتی تھی۔ وہ اسے ہر حربے سے ا
کرنا چاہتے تھے اور نواب صاحب کو ان کی اسی حرکت سے چڑ تھی۔ وہ خود والدین
تابعداری کے تمام مرتبوں پر فائز تھے اور اپنی اولاد کو بھی انہی مراتب پر دیکھنا چاہتے تھ



جب سے انہوں نے سکندر کو ساتھ لے جانے سے انکار کیا تھا، انہوں نے صبح سے کچھ کھایا
نہیں تھا اور بالا بالا سب نے ہی اپنی سی کوشش کر ڈالی تھی مگر انہوں نے اپنے کمرے کا حلیہ
بگاڑ کر رکھ دیا تھا اور کسی کے منانے پر نہیں مان رہے تھے۔

''ان کو اس حرکت کی خبر ہو گئی تو وہ بہت خفا ہوں گے منزہ، ہم کیا کریں، ہم تو بہت
پریشان رہنے لگے ہیں۔ عقیقہ کی بربادی کا پہلا دکھ ملا تھا ہمیں اور اب یہ دوسرا ملا ہے کہ اولاد
گستاخی کے راستے پر چل پڑی ہے۔ صبح سے سکندر نے کچھ کھایا پیا نہیں۔'' بانو بیگم روہانسی ہو
گئیں تو منزہ کھڑی ہو گئی۔

''ٹھیک ہے بھابی جان، آپ فکر نہ کریں۔ ہم جاتے ہیں، مذاکرات کرتے ہیں سکندر
میاں سے۔ خدا سے امید ہے کہ مان جائیں گے اور کھانا کھا لیں گے۔''

''اور اگر سکندر بیٹے نے جاگیر پر جانے کی ضد نہ چھوڑی تو؟''

''تو ہم پکڑ لیں گے۔ ہمارا مطلب ہے کہ اگر ہم بھائی جان سے جاگیر پر جانے کی
فرمائش کر دیں تو کیا وہ انکار کر دیں گے، نہیں کریں گے ناں۔ نو پرابلم، اس طرح ہم بھی
چلے جائیں گے اور سکندر میاں کی ضد بھی پوری ہو جائے گی اور بات ختم ہو جائے گی۔'' منزہ
کی دلیل خاصی وزنی تھی۔ بانو بیگم خوش ہو گئیں۔

''اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت ذہانت عطا کی ہے۔ ہمیں آپ کی تجویز بہت پسند آئی ہے۔''

''لائیے کھانا دیجئے، ہم جا کر پہلے سکندر اعظم سے بات کرتے ہیں اور کھانا کھلا کر کچھ
سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔'' منزہ کھانا لے کر سکندر کے کمرے میں آ گئیں۔ دروازے پر
دستک دی۔

''کون ہے، چلا جائے یہاں سے۔ ہم بہت غصے میں ہیں۔'' اندر سے برہمی کا اظہار کیا
گیا۔

''اچھا تو آپ لباس میں نہیں ہیں، ہم تو سمجھے تھے کہ..... اچھا جلدی سے لباس زیب تن
کیجئے، ہم اندر آنا چاہتے ہیں۔'' دروازہ چونکہ کھلا تھا، منزہ آہستگی سے اندر آ گئی۔ وہ اوندھے
منہ لیٹے تھے، اٹھ کر اپنے لباس کو دیکھا اور چلائے۔

''ہم غصے کے ساتھ لباس میں بھی ہیں۔ آپ اندر آ جائیے مگر ہمیں سمجھانے کی ہرگز
کوشش نہ کی جائے۔'' وہ اسی طرح اوندھے پڑے رہے۔ ان کو خبر ہی نہیں تھی کہ منزہ ان کے
انتہائی قریب کھڑی ہیں۔

''لیجئے، یہاں بھلا کوئی اتنا صاحب عقل ہے جو آپ کو سمجھائے۔ ہم تو آپ کے پاس اس

وقت اس لئے آئے تھے کہ آپ کی طرح بھائی جان نے ہمیں بھی ڈانٹ دیا اور جاگیر پر لے جانے سے انکار کر دیا اور ہم نے بھی کھانا کھانے سے انکار کر دیا۔ اُف پیٹ میں چوہوں کے ہاکی میچ ہو رہے ہیں۔'' منزہ نے ڈش قریب رکھی اور منہ لٹکا کر سیدھی کھڑی ہو گئیں تو سکندر میاں اچھل کر کھڑے ہو گئے۔ کوئی تو ملا جو ان کا ہمدرد تھا۔

''ہیں چچی جان، آپ کو بھی ڈانٹ دیا؟ آپ کا دل چاہ رہا ہو گا جانے کو مگر ابا جان تو ایک بات کہہ کر ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ ان کو دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع مل گیا۔

''جی ہاں، مگر ایک بات تو طے ہے کہ بڑے جو کہتے ہیں درست کہتے ہیں اور چھوٹوں کے فائدے کے لئے کہتے ہیں۔ اب دیکھئے کہ بچہ اگر آگ کو پکڑنا چاہتا ہے تو بڑے اسے روک دیتے ہیں، اس کو جلنے سے بچاتے ہیں، ٹھیک کہہ رہی ہوں ناں؟'' باتوں باتوں میں منزہ نے نوالے بنا بنا کر ان کو کھلانے شروع کر دیئے اور باتوں باتوں میں وہ اپنے خالی معدے میں نوالے اتارتے رہے اور ان کی باتیں بھی سمجھ میں آتی رہیں۔

''تو ہماری بات آپ کی سمجھ میں آ گئی ناں؟'' آخری نوالے کے بعد پانی کا گلاس دیتے ہوئے منزہ نے پوچھا۔

''چلئے ٹھیک ہے، ہم پھر کبھی جاگیر پر چلے جائیں گے۔'' منزہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئیں۔

''گڈ۔ تو ایسا کیجئے کہ آپ ابا جان سے جا کر ہاتھ ملایئے اور ان سے کہئے کہ اگر وہ اس بار آپ کو جاگیر پر نہیں لے جانا چاہتے تو نہ سہی مگر پھر کبھی جب وہ پسند کریں تو لے جائیں۔ وہ بھی خوش ہو جائیں گے کہ ان کا بیٹا اتنا فرمانبردار ہے۔'' منزہ نے کچھ اس انداز میں بات کی کہ سکندر میاں فوراً تیار ہو گئے اور جب نواب صاحب منشی صاحب سے باتیں کر رہے تھے سکندر نے ان سے جا کر ہاتھ ملایا تو وہ حیرت سے ان کو دیکھنے لگے۔

''ٹھیک ہے ابا جان، بڑے بچوں کے لئے اچھا سوچتے ہیں۔ اس بار نہ سہی، آپ پھر کبھی ہمیں ساتھ لے جایئے گا۔'' نواب صاحب نے خوشی سے شفاعت اللہ کو دیکھا جو سکندر کی آنکھوں میں منزہ کو دیکھ رہے تھے، وہ صرف مسکرا کر رہ گئے۔

''چلئے اگر ہمارے بیٹے کو اتنی سمجھ آ گئی ہے تو ہم انشاء اللہ آپ کو اسی دفعہ ساتھ لے کر جائیں گے۔'' انہوں نے بیٹے کو ساتھ لگا کر پیار کر لیا تو ایک چھوٹی سی بات جس نے بڑوں کو پریشان کر رکھا تھا، ختم ہو گئی۔

''منزہ، ہم اب کی منزہ کے ماضی میں جھانکتے ہیں تو ایک شوخ، نٹ کھٹ، جینز جیکٹ



میں ہر وقت شوخیاں کرنے والی منزہ کو دیکھتے ہیں، حیرت ہوتی ہے کہ آپ نے اپنے آپ کو کتنا بدل دیا ہے۔ کیوں؟'' وہ منزہ کو شانوں سے تھامے فرطِ مسرت سے کہہ رہے تھے۔ کیونکہ بھائی جان اور بھابی جان بہت خوش تھیں کہ منزہ نے گھر کے چھوٹے بڑے مسائل کو دانشمندی سے حل کرنا شروع کر دیا تھا۔

''یہ تو سب محبت کا پھیلاؤ ہے نواب صاحب، یہ ساری تبدیلیاں خدا کے فضل سے ہیں۔ اور میں نے کہاں اپنے آپ کو بدلا ہے، اللہ تعالیٰ نے مجھے خود ہی اس سانچے میں ڈھال دیا ہے جو سب کو مطمئن کر گیا ہے۔ اور پھر شادی سے پہلے والی لڑکی اور ہوتی ہے اور شادی کے بعد اور رخصتی کے وقت وہ اپنی ذات کی نفی کر دیتی ہے اور ہر شریف لڑکی اپنے گھر کو آباد رکھنے کے لئے شوہر اور سسرال کے ماحول کو اپنا کر خوش رہ سکتی ہے اور رکھ سکتی ہے۔ اور میرے اندر تو خاصی فضول باتیں تھیں جن کو اپنی محبت پر ایک بار تو کیا ہزار بار بھی قربان کر دیتی تو بھی مجھے اتنی خوشی نہ ملتی جتنی مل رہی ہے۔'' شفاعت اللہ کو دیکھ کر منزہ کو پہلی بار سینے میں دل نام کی چیز کا احساس ہوا تھا اور کچی عمر کے سارے خواب آنکھوں میں کسی رنگین تتلی کی طرح آباد ہو گئے تھے۔

''منزہ! کبھی کبھی تو ہم آپ سے نادم ہو جاتے ہیں کہ جیسے ہم نے آپ پر جبر کیا ہے بالکل ایسے ہی جیسے کسی معصوم چڑیا کو زبردستی قید کر رکھا ہے۔'' شفاعت اللہ کی یہ اپنی سوچ تھی جس کو وہ کبھی کبھی خود پر اتنا طاری کرتے کہ پریشان ہو جاتے۔

''نواب صاحب، چڑیا کو یہ قید اتنی عزیز، اتنی پیاری ہے کہ اب رہائی ملے گی تو مر جائے گی۔ اس قید کے لئے ہم نے رات رات بھر جاگ کر اللہ تعالیٰ سے دعائیں کی ہیں اور جب انہوں نے نواز دیا ہے تو شکرانہ ہی ادا نہیں کر پاتے کہ اس کی نوازشیں کب شمار میں ہیں اور ہم گناہگار بندے کہاں اللہ کا شکرانہ ادا کر سکتے ہیں۔ آپ ایسی باتیں کر کے ہماری خوشی کی روشنی کم نہ کیا کریں۔''

''او کے جناب ہم آئندہ ہم ایسی کوئی گستاخی نہیں کریں گے جس سے آپ ناخوش ہوں۔'' شفاعت اللہ نے گہری نظروں سے منزہ کو دیکھا تو وہ اپنی محبت کی اس معراج پر خدا کا شکرانہ ادا کرنے لگی۔ شفاعت اللہ اٹھ کر جانے لگے۔ چند قدم بڑھائے ہی تھے کہ فون کی بیل ہوئی۔

''میرا خیال ہے، مما کا ہو گا۔'' منزہ جلدی سے فون کی طرف بڑھی تو شفاعت اللہ نے ایک عرصے کے بعد اس کے انداز میں بچپنا محسوس کیا اور مسکرا کر قریب آ کر اسے دیکھنے لگے۔

''ہیلو السلام علیکم مما، کیسی ہیں آپ؟'' منزہ نے بڑے یقین کے ساتھ سلام کیا۔

''ارے ایقہ آپ ہیں...... کہاں ہیں، کیسی ہیں؟'' ایقہ کی آواز پر وہ بہت خوش ہو کر بو
تو ایقہ کے نام پر ایک دم ایک سایہ سا شفاعت اللہ کے چہرے پر لہرا گیا اور ہلکی سی ٹیس
ابھری اور کہیں کھو گئی۔

''السلام علیکم، میں بالکل ٹھیک ہوں الحمد للہ۔ لیکن آپ سے سخت خفا ہوں میں بس۔''

''کیوں بھئی، آپ ہم سے کیوں خفا ہیں، اتنی پیاری دوست کو ہم ناراض ہونے د
ہیں؟''

''جی ہونے دینے کا مطلب آپ نے ہمیں ناراض کیا ہے۔ نہ ہماری شادی میں شریک
ہوئیں، نہ وش کیا اور نہ ہی شادی کا گفٹ دیا۔ یہ کیا بات ہوئی، یہ اچھی دوستی ہے بھئی۔'' منز
سخت خفا تھی۔

''ہاں، یہ آپ کا شکوہ بجا ہے۔ مگر منزہ، کچھ لوگ بہت کمزور ہوتے ہیں، ان میں ا
حوصلہ نہیں ہوتا کہ اپنی چیز کسی کو...... خیر چھوڑیئے، آپ کو کسی تحفے کی ضرورت ہی کیا ہے
اللہ تعالیٰ نے شفاعت اللہ کی صورت میں آپ کو ایسا تحفہ دیا ہے کہ زندگی بھر خدا کا شکر
کریں تو نہیں کر سکتیں۔'' ایقہ کے اندر کہیں درد کی لہریں ڈوبتی رہیں، ابھرتی رہیں۔

''بالکل ایقہ۔ آپ نے یہ بات بالکل درست کی ہے۔ شفاعت اللہ تو ایسا تحفہ ہے
میں خدا کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے۔'' منزہ نے پیار سے ان کو دیکھا تو وہ سمجھ گئے کہ ایقہ
کیا کہا ہوگا۔ ایک عرصے کے بعد دل میں پھر درد ہونے لگا تھا۔

''اور سنایئے، کیسی گزر رہی ہے میرڈ لائف۔ ایڈجسٹ تو ہو گئی ہوں گی؟''

''ارے ایقہ جی، جب اللہ تعالیٰ نے پسند کا شوہر دے دیا ہو اور ماؤں جیسی پیار
چاہنے والی، قدم قدم پر سمجھانے والی، ساتھ دینے والی بھابی جان دے دی ہوں، والد
بھائی جان ہوں اور دل بہلانے کے لئے پیارے پیارے بچے دے دیئے ہوں تو پھر آ
خود ہی سوچ لیجئے، سمجھ لیجئے کہ زندگی کتنی پیاری اور حسین ہو گئی ہو گی۔'' منزہ خوشی
شفاعت اللہ کا ہاتھ تھامے کہہ رہی تھی تو ایقہ کے اندر نارسائیوں کے طوفان اٹھ رہے تھے

''ہم کیسے سمجھ سکتے ہیں منزہ، ہم تو اس گلشن سے گزرے ہی نہیں جہاں خوشیوں کے پھ
کھلتے ہیں، جہاں تازگی مہکتی ہے۔ ہم تو ایک ایسے جنگل سے گزرے ہیں کہ...... ا
چھوڑیئے خدا نہ کرے کہ ہمارا سایہ آپ پر پڑے۔ یہ بتایئے آپ ہنی مون کے لئے ک
کہاں گئیں؟'' ایقہ کے دل کا درد اس کے لبوں پر آ گیا، پھر جلد ہی خیال آیا کہ منزہ ما
کر جائے۔



''کہیں بھی نہیں گئے۔ ہنی مون تو خوشی کا نام ہے ناں۔ اور ہمیں یہ خوشی گھر میں مل گئی تو
پھر گھر سے باہر جانے کی کیا ضرورت تھی۔ میرا تو دل گھر سے نکلنے کو چاہتا ہی نہیں۔'' منزہ
کے لہجے سے ہر لفظ سے خوشی کی پھلجھڑیاں پھوٹ رہی تھیں۔ ایقہ دُکھی دل کے ساتھ ان کے
لئے دعائیں کر کے رہ گئیں۔

''ہوں، ہمیں تو لگتا ہے کہ جتنا آپ شفاعت اللہ صاحب کو چاہتی ہیں، ان کو آفس بھی
نہیں جانے دیتی ہوں گی۔'' ایقہ کے لہجے میں ایک ناتمام سی حسرت تھی۔

''ارے کہاں ایقہ جی، آپ کو تو معلوم ہے کتنے ریزرو اور سوبر ہیں یہ۔ ان کی تو محبت
بھی سات پردوں میں چھپی رہتی ہے۔ بڑی مشکل سے میں نے ان کے دل کی گہرائی میں اتر
کر دریافت کیا ہے ان کے دل میں اپنی محبت کو۔'' شفاعت اللہ جانے لگے تو اس نے اور
مضبوطی سے ان کا ہاتھ پکڑ کر شرارت سے کہا۔ اتنی دور ہونے کے باوجود دونوں کے دل ایک
درد میں پروئے گئے۔ ایک وقت میں ایک ہی کسک ایقہ اور شفاعت اللہ نے محسوس کی۔
دونوں کی نگاہوں میں وہ سین گھوم گئے جب شفاعت اللہ ان کی محبت کے اسیر ہوئے تھے اور
کس طرح بہانوں بہانوں سے وہ آیا کرتے تھے۔ کتنے خوبصورت لمحات وابستہ تھے۔

''اچھا چلیں، اب اجازت دیں پھر بات ہو گی۔'' دل کتنا مچلا تھا ایک بار شفاعت اللہ کی
آواز سن لیں۔ اور یہی کیفیت ان کی تھی مگر وہ ضبط کئے ہوئے کھڑے رہے۔ جانا تو چاہتے
تھے مگر منزہ نے ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔

''ایقہ، یہ میرے قریب ہی کھڑے ہیں۔ بات کریں گی؟'' منزہ نے دونوں کو آزمائش
میں ڈال دیا۔ دونوں گھبرا گئے۔

''نہیں منزہ، ہمارا سلام کہہ دیجئے۔ پھر بات ہو گی، خدا حافظ۔'' وہ جلدی سے بولیں۔

''اوہو، ایسی بھی کیا جلدی ہے۔ اتنے عرصے کے بعد تو ہاتھ لگی ہیں آپ۔ یہ بتایئے آپ
کب آ رہی ہیں؟ ہم سب کا بہت دل اُداس ہے۔ جلدی سے آ جایئے۔ بتایئے کب آئیں
گی؟'' منزہ بضد تھیں۔

''آ جاؤں گی ناں، ڈیٹ نہیں دے سکتی۔ آؤں گی کبھی کسی تقریب میں۔''

''میری تدفین کی تقریب میں آئیں گی آپ؟'' منزہ نے ہنس کر کہا تو شفاعت اللہ
گھورنے لگے۔

''خدا نہ کرے منزہ، کتنی بری بات کہہ دی ہے آپ نے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو عمرِ خضر عطا
کرے اور اپنے محبوب شوہر کے ساتھ خوشیوں بھری زندگی گزارنا نصیب فرمائے۔ آمین۔

آئندہ ایسی بری بات نہ کیجیے گا ورنہ پکی والی کٹی ہو جائے گی۔''

انیقہ کے دل پر چوٹ پڑی تھی۔ انہوں نے سخت الفاظ میں مذمت کی تو وہ اپنے مخ
انداز میں کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''انیقہ، آپ کی یہ دعا اللہ قبول فرمائے۔ ویسے ایک فائدہ آپ کو، خیر چھوڑیے آپ
ہوں گی۔''

''جی ہمیں معلوم ہے۔ آپ یقیناً کوئی غلط بات ہی کریں گی۔ لہٰذا خدا حافظ۔''

''خدا حافظ۔'' منزہ نے مسکراتے ہوئے ریسیور رکھا اور شفاعت اللہ کی طرف
خاصے برہم سے بیٹھے تھے۔ وہ ان کے قریب جا بیٹھی۔

''آپ خفا ہیں ہم سے؟'' اس نے ان کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے مگر وہ خفا ہو کر کھڑ
گئے۔ وہ تو ہر وقت ان کے ناز اٹھانے پر تیار رہتی تھی۔ جھٹ ان کے پاس چلی گئی۔

''جی نہیں، بہت خوش ہیں ہم آپ سے، بہت اچھی بات کی ہے ناں آپ نے
نہیں ہوں تو کیا خفا ہوں گا۔''

''اوہو، تو آپ اس بات پر خفا ہیں۔ او کے بابا معافی۔ آئندہ ایسی کوئی بات نہیں
گی۔ موت سے بھی مہلت مانگ لوں گی۔ رائٹ! چلئے اب موڈ اچھا کیجیے۔ چلئے آج
ڈرائیو کا موڈ ہے۔ آئس کریم بھی کھائیں گے، کچھ گھومیں پھریں گے اور...... اور...
وقت ان کو وہ بالکل بچہ لگی۔

''او کے۔ لیکن اگر آپ نے آئندہ ایسی بات کی تو......''

''یہ سر جھکا ہے۔ جو سزا بھی دو روا ہے۔ مگر اب معاف کر دو۔'' اس نے باقاعد
جوڑ دیئے تو انہوں نے اس کے ہاتھ مضبوطی سے تھام لئے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے
نٹ کھٹ سی لڑکی کس سے ان کو چڑ تھی کبھی اتنی عزیز بھی ہو جائے گی کہ اس کی ذرا
جدائی بھی مشکل ہو جائے گی۔

''منزہ! آپ کو شاید اندازہ نہیں کہ آپ ہمارے کتنے قریب آ چکی ہیں۔ آپ۔
ہمیں کبھی اتنا نہیں چاہا ہو گا جتنا ہم نے اس مختصر عرصے میں چاہا ہے۔ اتنا کہ......''
رہے تھے اور وہ خوابوں کی راہ گزر پر بہت دور نکل گئی تھی ان کے ہمراہ وہ۔ ان کے
کے سحر سے اس وقت چونکی جب وہ خاموش ہوئے۔

''آپ چپ کیوں ہو گئے شفاعت اللہ۔ بولتے جائیے۔ میں...... میں ذخیرہ کر لیے
ہوں آپ کے الفاظ کو اپنی سماعتوں میں کہ جب آپ آفس جائیں تو میں ان الفاظ کے



کھوئی رہوں۔ بولتے جائیے۔'' وہ مدہوشی کی سی کیفیت میں بولے گئی۔ اسی وقت دروازے
پر دستک ہوئی تو وہ چونک گئی۔

''ارے یہ سکندر میاں ہوں گے۔ ان سے وعدہ کیا تھا کرکٹ کھیلنے کا۔ چلئے آپ بھی
ہمارے ساتھ کرکٹ کھیلئے۔''

''آپ بھی کیا چیز ہیں منزہ۔ چچا سمیت گھر کے بچوں کو بھی دیوانہ بنا رکھا ہے۔''
شفاعت اللہ نے اسے گہری نگاہوں سے دیکھا تو وہ بھی نثار ہو گئی۔

''چچا بھی...... ہیں واقعی؟...... سچ شفاعت اللہ، ہمارا دل چاہ رہا ہے کہ خود بھی ناچیں
اور......'' اسی وقت دروازے پر اتنے زور سے دستک ہوئی کہ کانوں کے پردے ہل گئے۔
دونوں شرافت سے باہر آ گئے۔ منزہ کی کوششیں رنگ لے آئی تھیں اور شجاعت اللہ ان سب کو
جاگیر پر لے جانے کے لئے تیار ہو گئے تھے۔

''تھینک یو چچی جان، آپ بہت پیاری ہیں، آپ ہمیں بہت بہت اچھی لگتی ہیں۔''
سکندر کو شروع ہی سے منزہ بہت پسند آئی تھیں اور وہ ان سے بہت محبت کرتا تھا۔ ذرا دیر کو نظر
نہ آئیں تو گھر بھر میں تلاش کرتا پھرتا۔ اس وقت بھی وہ بھاگتا ہوا آیا اور پیار کر لیا۔

''ارے ارے سکندر میاں، ہمارے سامنے یہ بدمعاشی کہ ہمارے سامنے ہماری بیگم کو پیار
کر رہے ہیں آپ۔ ہمارے بھتیجے رہیں، رقیب مت بنیں۔ آ گئے کہاں سے پیار جتانے، ہٹئے
پیچھے۔'' شفاعت اللہ نے سکندر کو اٹھا کر کھڑا کر دیا اور خود ان کے قریب ہی بیٹھ گئے۔ اسی
وقت بانو بیگم آ گئیں تو وہ احتراماً کھڑے ہو گئے۔

''تو یہ ہو رہا تھا۔ گویا آپ چچی بھتیجے کے پیار سے جیلس ہو رہے ہیں۔ ہم تو خدا سے دعا
مانگتے ہیں اللہ آپ کو بھی بیٹی دے دے اور ہم سکندر کو آپ کا داماد بنا دیں۔''

''ارے بھابی جان، اللہ ہمیں بیٹی تو دے، ہم سکندر میاں کو بڑی خوشی سے داماد بنائیں
گے۔ شفاعت اللہ نے شرارت سے منزہ کو دیکھا تو وہ جھینپ گئیں۔ سکندر میاں پھر اچھل کر
منزہ کی گود میں بیٹھ گئے۔

''چچی جان، یہ داماد کیا ہوتا ہے؟''

''یہ آپ اپنے چچا جان ہی سے پوچھئے۔'' منزہ جھینپتے ہوئے اٹھ کر باہر چلی گئیں۔ بانو
بیگم کی شوخ ہنسی نے کافی دور تک ان کا پیچھا کیا۔

☆☆☆

''پتا پھینکئے صاحب، کن چکروں میں پڑ گئے ہیں۔'' حیات صاحب نے تاش کے پتے

درست کرتے ہوئے سامنے حکم کے منتظر ملازم کو کوئی اشارہ کیا اور وہ باہر نکل گیا۔
''لیجئے پھینک دیا پتا اب.....'' ابھی ان کی بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ فون کی بیل ہو
حیات صاحب نے فون اٹھایا۔
''ہیلو...... ہاں...... کیا...... اچھا بات کراؤ منشی فضل دین سے۔'' فون سنتے ہی حیات
چہرے پر تناؤ آ گیا۔ اس نے پتے گڈمڈ کر دیئے تو سامنے والا بھی بور ہونے لگا۔
''ہاں منشی صاحب، کیا حال ہیں آپ کے۔ کیا خبریں ہیں؟''
''خبریں یہ ہیں صاحب کہ نواب صاحب پوری فیملی کے ساتھ آ رہے ہیں، حوی
درست کروا لیجئے۔ اور نواب صاحب نے کہا ہے کہ شفاعت میاں کی دلہن پہلی بار آ رہی
انتظامات بہت اچھے ہونے چاہئیں کہ کسی کو کوئی شکایت نہ ہو۔ اور یہ کہ نارمل فارمز پر جو۔
''منشی جی، منشی جی...... آپ تو یہ مشورے مجھے ایسے دے رہے ہیں گویا میں کوئی بچہ
کہ مجھے معلوم نہیں کیا کرنا ہے۔ آپ کا کام تھا اطلاع دینا، آپ کا کام ہو چکا، آگے کیا
ہے اور کیا نہیں، اسے خوب اچھی طرح جانتا ہوں۔'' حیات صاحب کو منشی صاحب سے
خوف محسوس ہوتا تھا۔ ایک تو وہ پرانے نمک خوار تھے نواب صاحب کے، اوپر سے
حیات کے ان کو وفاداری کا مرض لاحق تھا اور اس قسم کے لوگ ان کو کچھ بھاتے نہیں تھے۔
''ٹھیک ہے صاحب، میرا کام تو واقعی اطلاع دینا تھا۔ اجازت چاہتا ہوں، خدا حافظ
ملازم پھر ملازم ہی ہوتا ہے۔ کتنا ہی وفادار کیوں نہ ہو، اسے گھر کے فرد کی حیثیت نہیں مل سک
''او تاج دین...... نور...... عبدالغفور کہاں رہ گئے ہو تم لوگ، جلدی آؤ۔ آپ
معذرت چاہوں گا، کچھ رشتے دار آ رہے ہیں، ان کے لئے انتظامات کرنے ہیں۔ پھر با
جمے گی۔'' حیات کے تو ہاتھ پیر ہی پھول گئے تھے۔ انہوں نے اپنے مہمان سے معذ
چاہی اور ملازموں کو تیز آواز سے آوازیں دینے لگے۔
''چلئے صاحب پھر سہی۔ چلتے ہیں۔ خدا حافظ۔'' مہمان چلے گئے تو حیات نے ملازمی
لائن حاضر کر کے ہدایات دینا شروع کر دیں۔
''حویلی کی صفائی ایسی ہونی چاہئے کہ لگے آج ہی بنی ہے، پردے بدل دو، کارپٹ
کہ ہر چیز نئی ہونی چاہئے۔ تاج دین، نواب صاحب اپنی فیملی کے ساتھ آ رہے ہیں اور
بار خاندان سے باہر کی بہو آ رہی ہے، کسی کو کوئی شکایت نہیں ہونی چاہئے۔ ہری اپ،
جاؤ۔'' حیات صاحب تو اتنی جلدی میں تھے کہ لگتا تھا مہمان گیٹ پر کھڑے ہیں۔
''آپ فکر نہ کریں صاحب، حویلی کو تو نہلا دھلا کر ایسی پالش کروں گا کہ چمکے گی



شکارے مارے گی جیسے اپنے بھائی نور کا سر۔'' تاج دین نے قریب کھڑے نور کے فارغ
البال سر پر ہاتھ پھیرا تو وہ اسے گھورنے لگا اور بدلہ کسی اور وقت کے لئے اٹھا رکھا۔
''تاج دین، تم باتیں زیادہ کرتے ہو اور کام کم۔ چلو اٹھاؤ اس کو۔''
''او ناں جی ناں، یہ تو بڑا وزنی ہے۔'' حیات نے تاش کے پتے اٹھانے کے لئے کہا تو
تاج نے قریب کھڑے عبدالغفور کو اٹھانے کی کوشش کی۔
''تاج، سدھر جاؤ، تم بہت مسخریاں کرتے ہو۔ مہمانوں کے سامنے ایسی کوئی اوچھی حرکت
نہیں ہونی چاہئے۔''
''صاحب وہ......'' نذیر نے دروازے کے درمیان میں کھڑے ہو کر خاموش سا اشارہ کیا
تو حیات سمجھ گئے۔
''چلو، اب تم سب لوگ اپنے اپنے دھندوں میں لگو۔ مجھے کسی کی شکایت نہیں ملنی چاہئے۔''
''صاحب! اگر کسی کی چوٹی مل جائے تو آپ رکھ لیں گے۔'' تاج کی زبان پر پھر
شرارت نے گدگدی کی۔
''بکو مت۔ چلو سب۔'' ہدایات لے کر سب کے سب ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے باہر
نکل گئے۔
''آؤ نذیر! کہو کیا بات ہے؟'' حیات کے تو اس وقت آنے والی اچانک افتاد پر چھکے
چھوٹ گئے تھے۔
''صاحب، وہ شاداب بی بی......'' نذیر نے خوفزدہ انداز میں کہا۔
''ہاں کیا ہوا شاداب بی بی کو؟ کیا پرابلم ہے؟'' حیات نے بے دلی سے کہا۔
''وہ آپ کو پتہ تو ہے کہ کیا مسئلہ ہے۔'' نذیر بیچارا نوکر تھا، کیا کہتا۔
''اچھا ٹھیک ہے، یہ رقم لے جاؤ اور اسے کہو کہ کچھ عرصے کے لئے شہر چلی جائے۔
میرے رشتے دار آ رہے ہیں۔''
''گستاخی معاف صاحب، یہ بات ان کو خود کہہ دیں۔ وہ انیکسی میں ہیں۔''
''اوہ تو وہ یہاں تک آ گئی ہے۔ اتنی دور سے؟ اچھا چلو، میں آتا ہوں۔ تم لوگوں کو کچھ
احساس نہیں ہے۔ خیر آؤ۔'' حیات اسے ڈانٹتا ہوا انیکسی میں آ گیا۔ شاداب وہاں موجود تھی۔
حیات نے پلٹ کر نذیر کو دیکھا، وہ نظروں کا اشارہ سمجھ کر باہر نکل گیا۔
''کیا ضرورت تھی یہاں آنے کی؟ تمہاری وہاں تمام ضروریات پوری ہو رہی تھیں کہ
نہیں؟ کیوں آئی ہو یہاں؟'' وہ کسی بھی سلام دعا، حال احوال کی رسم کی ادائیگی کے بغیر درشتی

سے بولا تو شاداب کی خوبصورت بڑی بڑی آنکھوں میں تارے ناچنے لگے اور پھر گرنے

''حیات! میرے گاؤں میں دس بندوں کے سامنے آپ کے ساتھ میرا نکاح ہوا آپ مجھے خود سے دور کیوں رکھتے ہیں؟''

''تمہارا کیا خیال ہے، کیوں رکھتا ہوں میں خود سے دور۔ کہہ دو کہ کوئی اور کر رکھی

''خدا نہ کرے حیات جو میں آپ پر شک کروں۔ مگر خاندان والوں کی باتیں بھی نہ سکتی۔''

''نہیں سن سکتیں تو کان بند کر لیا کرو، روئی ٹھونس لیا کرو۔ ہر چوتھے روز آ جاتی کرنے۔'' وہ بالکل اجنبی بنا اسے ڈانٹ رہا تھا۔ وہ رو رو کر بے حال ہو رہی تھی۔

''آپ مجھ سے اتنا تنگ آ گئے ہیں حیات۔ ایک وقت تھا کہ ایک جھلک کے پہروں گھوڑا دوڑاتے رہتے تھے ہمارے گھر کے آس پاس۔ اور اب شکل دیکھنا گوارا نہ شاداب کی ہچکیاں بندھ گئیں تو حیات کو ترس تو کہاں آتا، جان چھڑانے والی محبت ط کے اس کی طرف دیکھا۔

''دیکھو شاداب، تم جانتی ہو میں خود کچھ بھی نہیں تھا۔ رشتے کے چچا نے یہ سب حوالے کر دیا۔ آج اس جاگیر کے مالک یعنی میرے چچازاد بھائی اور ان کی فیملی کے آ اطلاع آئی ہے۔ لہٰذا تم کچھ عرصے تک یوں سمجھ لو کہ ہم کبھی ملے ہی نہ تھے، میرز پلیز۔'' وہ عیار آدمی تھا، اس کی کمزوری جانتا تھا اس لئے چاپلوسی سے کام لے کر اپنا الّو کر لیا کرتا تھا۔

''ٹھیک ہے حیات، جیسے آپ کا حکم۔ لیکن کیا میں کبھی آپ کی فیملی میں شامل نہ سکتی؟ کبھی آپ کی فیملی کو نہیں دیکھ سکتی؟''

''اوہو شاداب، تم جتنی حسین ہو اتنی ہی جاہل بھی ہو۔ دیکھو جس قسم کی شادی ہم ہے ناں ہمارے ہاں اس قسم کی شادی کو اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ میں آہستہ آہستہ تمہار اپنے خاندان میں جگہ بناؤں گا، تم فکر نہ کرو۔ اس وقت پلیز میری عزت کی خاطر میر مان لو۔''

شاداب ایک کسان ان پڑھ لڑکی تھی، حیات ایک نظر پڑتے ہی اس کا دیوانہ ہو گیا جھوٹے وعدوں اور دعوؤں کی ڈولی لے کر اسے بیاہ لایا۔ شاداب کو بحث فضول لگی۔ آنکھوں میں حیات کا ڈولتا وجود لئے چلی گئی۔

حیات نے ان دو ہفتوں میں حویلی کو واقعی ایسا ہی بنا دیا گویا آج ہی بنوائی ہو۔



''اور حیات میاں، کیسے ہیں آپ؟'' بانو بیگم نے جھکے ہوئے حیات کے شانے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

''بس بھابی جان، زمینوں اور جاگیر کے معاملات نے اُلجھا کر رکھ دیا ہے کہ اپنا خیال رکھنے کا وقت ہی نہیں ملتا۔ ویسے یہ آپ لوگوں نے بہت اچھا کیا کہ آ گئے۔ خوب رونق ہو گئی ہے۔'' حیات سب کے سامنے بچھا جا رہا تھا۔ اسی وقت منزہ اندر آئیں تو حیات ان کو دیکھتا رہ گیا۔

''یہ شفاعت میاں کی دُلہن منزہ ہیں۔''

☆☆☆

حمیدہ بیگم اور نازو اپنے اپنے بستر پر سوچوں کے مختلف راستوں پر انجانی منزل کی طرف بڑھ رہی تھیں لیکن دونوں کی سوچ کا مرکز سلیم ہی تھا۔

اس طرح زندگی کیسے گزرے گی، ہمیں کوئی نہ کوئی فیصلہ کرنا ہی ہوگا۔ راشد خبیث آدمی نے گھر دیکھ لیا ہے، اب تو وہ آتا ہی رہے گا۔ آج بھی اگر سلیم کو اللہ نہ بھیج دیتا تو جانے کیا ہو جاتا۔ امی کو سلیم سے نجانے اتنی نفرت کیوں ہے، حالانکہ اس کا قصور صرف غربت ہے اور..... کاش امی مان جائیں تو سلیم بہت اچھا جیون ساتھی ثابت ہو سکتا ہے۔ سلیم تمہیں اندازہ ہی نہیں کہ تم اپنی نازو کے دل میں کیا حیثیت رکھتے ہو۔ بس امی سے ڈر لگتا ہے مگر وہ تمہارے مقابلے میں کسی شہزادے کو بھی کھڑا کر دیں تو میں تمہارا ہی انتخاب کروں گی۔'' نازو کو خود بھی احساس نہیں ہوا کہ سلیم کی محبت کب درِ دل وا کر کے مکین ہو گئی۔ ابتدا سے اب تک کے بے شمار سین نگاہوں میں گھوم گئے جب وہ صرف محلے کا بدمعاش تھا اور اسے چھیڑا کرتا تھا۔ اور آج وہ جان کی بازی لگا کر اس کی عزت کی حفاظت کے لئے آ گیا تھا۔ وہ مستقل اسی کے بارے میں سوچے جا رہی تھی اور آج اس کو سوچنا اسے بہت اچھا لگ رہا تھا۔ اس نے اپنے اور سلیم کے بیچ فرق کو کبھی اہمیت نہیں دی تھی۔ وہ اسے شروع ہی سے پسند کرتی تھی۔ وہ سوچوں میں سلیم کے ہمراہ اتنی دور نکل گئی تھی کہ سلیم کو پتہ چلتا تو خوشی سے پاگل ہو جاتا۔

''نازو!'' امی نے آواز دی تو وہ اس طرح گھبرا کر اٹھی کہ جیسے انہوں نے اسے سلیم کے ساتھ دیکھ لیا ہو۔

''جی امی، خیریت ہے، کچھ کام ہے آپ کا؟'' وہ ہمیشہ سے ماں کی فرمانبردار تھی، اٹھ کر ان کے بستر پر آ گئی تو وہ بھی اٹھ کر بیٹھ گئیں۔ نیند تو دونوں کو نہیں آ رہی تھی۔

''بیٹا تم بھی وہی تو نہیں سوچ رہی ہو جو میں سوچ رہی ہوں؟'' حمیدہ بیگم نے پیا اسے دیکھا۔

''میں کچھ کہہ نہیں سکتی امی جان کہ آپ کی اور میری سوچ ایک ہی راستے پر ہے یا راستوں پر۔ آپ ہی بتا دیجئے کہ آپ کیا سوچ رہی ہیں؟'' نازو نے پہلے ان کو آفر دی بتانے کی تو وہ کچھ دیر کے لئے چپ ہو گئیں۔

''نازو، میں نے سوچا ہے کہ سلیم واقعی اچھا لڑکا ہے، میں کل اسے گھر بلا کر بات گی۔'' حمیدہ نے کہا تو نازو کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے؟ لمحوں مۓ نے بہت سے خواب دیکھ ڈالے۔

''جی امی، آپ یہ کیا کہہ رہی ہیں؟'' اُس نے بے یقینی سے کہا۔

''ہاں، میں یہ کہہ رہی ہوں کہ راشد جیسے بدمعاش کا قدم گھر پر پڑ گیا ہے اور میں ہوں بدنامی سے بچنے کے لئے اب میں کسی اچھے لڑکے کے ساتھ تمہاری شادی کر دوں حاجرہ تو اپنی بیٹی کے گھر جا کر بیٹھ گئی ہے، سلیم کو بلواؤں گی کہ وہ کوئی اچھا پڑھا لکھا لڑ میں رکھے اور مجھے بتائے جو خاندانی بھی ہو، شریف ہو اور پڑھا لکھا بھی ہو۔ ایسے لوگوا کچھ اچھے لوگوں سے بھی تعلقات ہوتے ہیں۔ میرے خیال میں تو ہو گا کوئی ایسا نوجوا کی نظر میں۔ نہیں تو ڈھونڈ نکالے گا۔ کیا خیال ہے تمہارا؟'' نادانی میں حمیدہ بیگم اُر ارمانوں کی کلیوں پر پاؤں رکھتی اس سے اسی کا خیال پوچھ رہی تھیں۔ وہ اندر ہی اندر گئی۔ ان کا یہ جملہ سن کر کچھ اچھے لوگوں سے بھی تعلقات ہوتے ہیں۔ تو اس کا مطلب سلیم کو ایک بدمعاش ہی سمجھ رہی تھیں جس نے خوف خدا سے ان کی مدد کر دی تھی ورنہ ا آدمی نہیں ہے تو وہ اپنی بیٹی کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں کیسے دے سکتی ہیں۔

''اگر میرا خیال ہی پوچھتی ہیں تو امی اگر سلیم برا آدمی ہے تو اس کے دوستوں شناسائی کے دائرے میں ایسا شریف پڑھا لکھا نوجوان کہاں ہو گا جو آپ کی بیٹی کے ہو۔ سلیم کو رہنے دیجئے، رشتے کے لئے آپ کسی اور کو کہہ دیجئے مگر سلیم سے مت کہیں پلا اس کے لہجے میں ہلکی سی تلخی آ گئی اور دوسرے وہ جانتی تھی کہ اگر حمیدہ بیگم نے اس بات کی تو اسے کتنا دکھ پہنچے گا، اس لئے اس نے منع تو کر دیا مگر حمیدہ کو نجانے کیوں یقیٖ کہ سلیم کوئی بہتر رشتہ ڈھونڈ دے گا اور وہ راشد کے دوبارہ چکر سے پہلے نازو کا رشتہ دینا چاہتی تھیں اسی لئے انہوں نے سلیم کو بلا بھیجا تو سلیم خوش فہمی کے سمندر میں ڈوب سارے خواب مسکراتے ہوئے نظر آنے لگے۔ وہ تیار ہو رہا تھا کہ زیبو آ گئی۔



''واہ بھئی واہ، کہاں کی تیاری ہے؟'' وہ جانتی تھی مگر چھیڑ رہی تھی۔

''وہ زیبو! خالہ حمیدہ نے بلایا ہے۔'' وہ اپنی بے پایاں خوشی پر قابو پاتا ہوا بولا۔

''اوہ اچھا، اچھا...... کل خالہ کہہ تو رہی تھی کہ گٹر اُبل رہا ہے۔ اسی لئے بلایا ہو گا۔ دیکھ اچھی طرح صاف کرنا، شکایت نہیں آنی چاہئے تیری۔'' زیبو اپنے انداز میں مسخرے پن سے بولی تو وہ بری طرح بے مزا ہو گیا۔

''بس تیری یہی اوقات ہے، تیری سوچ گٹر تک ہی کام کرتی ہے۔ اس نے بڑے خاص کام کے لئے بلایا ہے مجھے۔'' سلیم اسے ڈپٹ کر پھر آئینے میں دیکھنے لگا۔ زندگی میں پہلی بار سلیم نے دن میں دو بار شیو کی تھی اور زیبو مسلسل اسے چھیڑ رہی تھی۔

''اے چل، میری سوچ تو تیرے تک جاتی ہے۔ اب مجھے کیا خبر تھی کہ تو گٹر ہے۔'' وہ مسخرے پن سے ہنسی تو وہ اسے گھورتا ہوا باہر آ گیا۔ وہ پیچھے بھاگی۔

''اوئے سن شہزادے! نظر کا ٹیکا تو لگوا لے، نازو کی بڑی نظر ہے تیرے اوپر۔ اور اب تو خیر سے خالہ بھی مہربان ہو گئی ہیں، ہائے ری قسمت میں نے تو سوچا تھا یہ یتیم لاوارث ہے تو میں ہی شادی کر لوں گی اللہ واسطے میں...... مگر اب تیری خالہ ہی تیار ہو گئی ہے تو...... مبارک ہو سلیم! خالہ کچھ بڑی نہیں تجھ سے؟ خیر چل کوئی بات نہیں، بے چاری نازو کو بھی باپ مل جائے گا اور......''

''کمینی، میں تیرا سر توڑ دوں گا۔'' زیبو بدتمیزی سے ہنستی ہوئی سیڑھیاں اتر گئی۔ وہ بھی جلدی سے اترا مگر آخری زینے پر زیبو کیلے کا چھلکا رکھ گئی تھی، اس پر پاؤں رکھتے ہی وہ پھسل کر دروازے تک جا پہنچا۔

''ماں صدقے، لگ گئی ناں نظر کیلے کی۔ ویسے چھلکا راستے میں پنکچر نہ ہوتا تو تجھے تیری سسرال تو پہنچا ہی دیتا۔''

''چپ منحوس کالی زبان والی۔''

''اچھا یہ بات ہے تو جا بچہ، اللہ تیری نازو سے شادی کرائے۔'' وہ باہر نکل رہا تھا تو زیبو نے صدقِ دل سے دُعا دی تو وہ پلٹ کر اسے دیکھنے لگا۔ زیبو بہت سنجیدہ تھی، شوخی کی کوئی کرن نہیں تھی اس کے چہرے پر۔ دُھواں دُھواں چہرہ لئے وہ ہٹ گئی اور وہ چپ چاپ وہاں آ گیا۔ وہ واقعی ایسے ہی لگ رہا تھا جیسے بر دکھاوے کے لئے آیا تھا۔ دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ نازو تو جانتی تھی، اُس نے تو بہت منع کیا تھا حمیدہ بیگم کو مگر انہوں نے پھر بھی اسے بلا لیا۔ وہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔ حمیدہ نے نازو کو اشارے سے اندر جانے کو کہا۔ وہ گھبرا

سانس لے کر سلیم کو دیکھتی ہوئی چلی گئی تو سلیم نے ایک گہری نظر اُس پر ڈالی۔ نظریں ملیں
سلیم شوخ ہو گیا اور اس کی شوخ تحریر پڑھ کر نازو مزید سنجیدہ ہو گئی اور جلدی سے اندر چ
گئی۔ اُسے اس وقت سلیم پر ترس آ رہا تھا۔

''سلیم بیٹے! بات یہ ہے کہ میں تو آج تک تم سے بدگمان ہی رہی مگر جس طرح تم۔
اس روز ہماری مدد کی، ہماری عزت رکھی، میں تمہاری احسان مند رہوں گی۔'' حمیدہ بیگم۔
ابتدا ہی ایسے الفاظ سے کی کہ سلیم شرمندہ ہو گیا۔

''ارے خالہ، آپ کیسی باتیں کرتی ہیں، اس میں اتنا احسان مند ہونے کی کیا ضرور،
ہے۔ اتنا تو انسان راہ چلتے کے کام بھی آ جاتا ہے اور آپ تو ہمارے اپنے ہیں، محلے دار ہیں
ہم لوگوں کے ایک دوسرے پر حقوق و فرائض ہیں۔ رہی بات بدگمانی کی تو اس میں بھی آ.
حق بجانب ہیں۔ بس قسمت کی خرابی کہ حالات ایسے ملے کہ میں کچھ پٹڑی سے اُتر گیا تھ
مگر...... بلکہ احسان مند تو مجھے نازو کا ہونا چاہئے کہ اس نے مجھے......'' سلیم تو دھڑکتے د
کے ساتھ احسان مندی سے جھکا جا رہا تھا۔

''ہاں سلی بیٹے، میں نے تمہیں نازو کے سلسلے ہی میں بلایا تھا۔'' حمیدہ بیگم نے کچھ ا
انداز میں کہا کہ وہ ہواؤں میں اڑنے لگا۔ اندر کھڑکی کے پاس کھڑی نازو دیکھ رہی تھی کہ
کا چہرہ چمک رہا تھا۔

''خالہ جی، آپ کہیں جو کہنا ہے۔ میں تو......'' الفاظ سلیم کے ہونٹوں کی حد کراس نہ
پائے لحاظ کے مارے۔

''ہاں بیٹے، میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ تم نازو کے بارے میں اچھی طرح جانتے ہو، پڑ
لکھی ہے، خوبصورت اور خوب سیرت ہے۔ تو بیٹے، تم باہر نکلتے ہو، اچھے برے سب کو جا۔
ہو، نازو کے لئے کوئی اچھا لڑکا تو دیکھ دو جو اچھا پڑھا لکھا ہو اور ذرا صاحب حیثیت بھی ہو
حمیدہ بیگم کہہ رہی تھیں اور سلیم کو یوں لگ رہا تھا جیسے اسے بہت بلندی سے نیچے پھینک دیا
ہو۔ اس کے چہرے پر اترتی شام کا سوگ نازو اپنے دل میں محسوس کر رہی تھی۔ کتنی دیر تو
حمیدہ بیگم کے الفاظ کی بازگشت کے پیچھے بھاگتا رہا، دھواں دھواں چہرہ لئے اس نے حمیدہ
کو دیکھا۔ وہ اتنا بہادر کہاں تھا کہ اپنی خوشیوں کا سودا کسی سے کرے۔ خود اپنی محبت کسی ا
کے حوالے کرے۔ اس نے اپنی کھوئی ہوئی ہمت کو جمع کیا اور خود کو تیار کرنے لگا۔ اگرچہ
حمیدہ کے کھینچے ہوئے خاکے میں فٹ نہیں آ رہا تھا پھر بھی اس نے دیوانگی میں تیر چلانے
فیصلہ کر لیا اور اپنی بات کے لئے الفاظ تلاش کرنے لگا۔



''وہ خالہ، میں بھی آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔'' اُس نے خشک لبوں پر زبان پھیری۔
یدہ بغور اسے دیکھنے لگیں۔ ان کو شک ہی نہیں یقین تھا کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔

''ہاں ہاں، کہو سلیم بیٹے۔'' حمیدہ کو اس کا احسان نظر آ رہا تھا۔ وہ قدرے نرم لہجے میں
لیں۔

''خالہ وہ دراصل بات یہ ہے کہ میں اس قابل تو نہیں کہ نازو کا نام لوں، کسی اور کی میں
ازی نہیں دے سکتا مگر خدا کے فضل سے میں...... میں نازو کو ہمیشہ خوش رکھنے کی کوشش کروں
گا۔ نازو میری......''

''سلیم، تم اپنے حواسوں میں تو ہو؟ تمہیں جرأت کیسے ہوئی؟ تم نے نازو کا نام لیا
یے...... یہ بات کہنے سے پہلے اپنی اوقات تو دیکھ لی ہوتی۔ اگر ہم قسمت کی ماری ادھر آ گئی
یں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم جیسے لفنگوں کو بیٹی کا رشتہ دیتی پھروں...... تم اپنی حیثیت کو
ھول گئے، تم اپنے محلے میں ایک بدمعاش کی حیثیت سے جانے جاتے ہو اور میں ایک
معاش کو بیٹی کا رشتہ دوں گی، تم نے ایسا سوچا بھی کیوں؟ اول درجے کے نکمے، بدمعاش،
ے باز کو میں اپنی بیٹی کا رشتہ دوں گی...... جاؤ نکل جاؤ میرے گھر سے۔ اگر ذرا مدد کر دی
تم نے اس کے عوض میری اتنی خوبصورت، اتنی قابل بیٹی کا رشتہ مانگ لیا۔ کیا خوشیاں دو
گے تم اسے...... ہیں...... دن بھر کے فاقے اور......''

حمیدہ بیگم تو کسی بم کی طرح پھٹ پڑیں اور اس کی محبت، انا، خوردداری اور غربت کے
نچے اڑاتی چلی گئیں۔ وہ توہین کے پانی میں بھیگتا چلا گیا۔ وہ تو جیسے پتھرا گیا تھا۔ جسم سن
ر آنکھیں پتھرا گئی تھیں۔ ایک ایک لفظ اس کے اندر بم کی طرح پھٹ رہا تھا۔ ہر دھماکے پر
ھر بکھر جاتا...... اس کے چہرے پر اس کی محبت کی ذلت کی تصویر صاف نظر آ رہی تھی۔
ر اندر سے بھاگی۔ سلیم بمشکل قدم اٹھاتا واپسی کے لئے مڑا ہی تھا کہ نازو آگے بڑھی۔

''سلیم ٹھہرو......''

☆☆☆

''امی ٹھیک کہہ رہی ہیں سلیم، تمہیں جرأت کیسے ہوئی میرا ہاتھ مانگنے کی۔ اس جرأت سے پہلے اپنی اوقات کو تو دیکھ لیا ہوتا۔ تم ہو کیا چیز، ایک بدمعاش، لوفر۔ نجانے کس مقصد سے تم نے ہماری مدد کر دی تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تم اپنی اوقات بھول کر ہواؤں میں پرواز کرنے لگو۔ تم میرے اسٹینڈرڈ کے ہو کہ تم نے اتنی جرأت کی؟ میں تم جیسے ٹٹ پونجیے سے شادی کروں گی...... ارے بہت اونچا اسٹینڈرڈ ہے میرا...... میرے اسٹینڈرڈ کا ہے...... سنا تم نے، راشد ہے میرے اسٹینڈرڈ کا...... جاؤ چلے جاؤ اور آئندہ کبھی میری لڑکی کو نہ چاہنا، نہ پسند کرنا اور نہ اپنانے کی خواہش کرنا ورنہ ایسی خواہش نشتر بن کر کاٹ ڈالے گی، سنا تم نے۔ جاؤ نکل جاؤ میرے گھر سے...... آئندہ ہم پر جو بھی آفت آئے اپنی وفاؤں کی ردا نہ ڈالنا ہم پر...... جاؤ دفع ہو جاؤ۔''

نازو بری طرح روئے جا رہی تھی، چلائے جا رہی تھی اور سلیم شدت غم سے گنگ دیکھے گیا تھا۔ یہ زبان ضرور نازو کی تھی مگر الفاظ اور خیالات اس کے نہیں تھے۔ اس کو قوی یقین ہونے کے باوجود توہین کے احساس سے اس کا چہرہ تپ کر سرخ ہو گیا۔ ایسی آندھیاں چلنے لگیں کہ وہ لڑکھڑا گیا۔

''جاؤ، سنا نہیں تم نے۔ نکل جاؤ میرے گھر سے، میری زندگی سے۔'' نازو پر جنون سوار ہو گیا تھا۔ اس نے سلیم کو زور سے دھکا دیا اور دروازے سے باہر نکال کر کمرے میں بستر پر گر کر شدت سے رو پڑی۔ اتنا روئی کہ اُس کا وجود آنسوؤں میں اور اس کے یہ آنسو حمیدہ بیگم کو بہت کچھ سمجھا گئے مگر انہوں نے اس کی پرواہ نہیں کی کہ ان کے خیال میں آج اس کا رونا اس کا آئندہ مستقل سنوار گیا تھا۔ بھلا سلیم جیسا لڑکا جس کی شہرت اچھی تھی، نہ تعلیم، نہ ملازمت، گھر نہ گھرانہ، پھر بھلا وہ اپنی پیاری بیٹی کا ہاتھ اسے تھما سکتی تھیں؟ وہ مطمئن سی اپنے کاموں میں لگ گئیں۔ مگر قیامت تو سلیم کے دل پر گزری تھی۔ اس نے کتنا گرا دیا تھا خود کو، سر سے پیر تک تو اس نے خود کو بدل دیا تھا مگر ساتھ ہی رہی۔ ایک غیرت مند کے لئے ہاتھ پھیلانا کتنا دُشوار ہوتا ہے، خالی لوٹائے جانے کا



احساس اسے پہلے ہی مارے دیتا ہے۔ اور جب ایسا ہو جاتا ہے تو آدمی اپنی نظر میں گر جاتا ہے۔ اور وہ اب اپنی ہی نظروں میں گرا تڑپ رہا تھا۔

''تم...... نازو...... تم...... تم نے ایسا کیوں کیا؟ میں جانتا ہوں، تم نے ایسا کیوں...... کیوں کیا...... مگر کیوں کیا نازو، کیوں کیا تم نے ایسا۔ دشمن کے تیروں نے وہ کام نہیں کیا جو محبوب کا پھول کر گیا ہے۔ میرا دل زخمی کر گیا ہے۔ نازو تمہارا پھول، روح گھائل کر گیا ہے۔ میں فنا کر دوں گا سب کو...... سب کچھ برباد کر دوں گا۔''

سلیم غصے میں تھا، اسے کچھ ہوش نہیں تھا۔ اس نے اپنے چھوٹے سے کمرے کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔

''نازو، کیوں کیا تم نے ایسا؟'' اُس نے سلور کا گلاس اٹھا کر اچھالا جو چھت سے ٹکراتا ہوا فرش پر آ کر آواز پیدا کر کے کتنی دیر ہلتا رہا۔ وہ پھر غصے سے اٹھا۔ اسی وقت زیبو جو جانے کب کی آ کر اسے تڑپتا ہوا دیکھ رہی تھی، ایک دم آگے بڑھی، دل ٹوٹنے کی کسک سے تو وہ خود بھی اچھی طرح واقف تھی، خواب ٹوٹ کر جب آنکھوں میں لہو بھرتے ہیں تو دل درد سے بلبلا اٹھتا ہے۔

''ارے، ارے کیا کر رہا ہے، یہ ٹین کی چھت ہی آسرا ہے میرے باپ کی دس کروڑ عوام کا۔ یہ بھی تو نے اپنے پیار میں ناکامی کی نذر کر دیا تو یہ ٹوٹے پھوٹے منہ کہاں جائیں گے۔''

زیبو نے اپنے انداز میں اُسے روکنا چاہا تو اس نے زور سے اسے پرے دھکیلا۔

''تو یہاں سے دفع ہو جا زیبو۔ مٹا کر رکھ دوں گا سب کچھ۔'' سلیم غم و غصے کی حالت میں بری طرح ہانپ رہا تھا۔ پسینے میں شرابور بالکل دیوانہ لگ رہا تھا۔

''ہاں مٹا کر رکھ دے گا، کاغذ پر کھنچی لکیریں ہیں ناں یہ سب کچھ جن کو ربڑ سے مٹا ڈالے گا۔ یہ زندگی ہے پیارے، زندگی۔ اور اس زندگی میں ہم جیسے غریبوں کے ساتھ بہت کچھ ہوتا ہے۔ ارے جا...... امرود کے پیڑ...... تو، تو بالکل ریت کی دیوار ثابت ہوا۔ ارے اس کی ذرا سی نمی نے ڈھیر کر دیا تجھے...... دفع دور۔ لعنت ہے تیرے چھ فٹے قد پر۔ ارے پھٹکار تیری اچھی صورت پر۔ بندر جتنا تو حوصلہ نہیں تجھ میں جو اپنی بندریا کو بن مانس کے ساتھ جاتا دیکھ کر بھی......''

''تو بکواس بند کرتی ہے کہ کروں میں تیرے لئے کسی بن مانس کا بندوبست۔'' اس وقت سلیم کو سب کچھ زہر لگ رہا تھا اور زیبو کی اوٹ پٹانگ باتیں تو خون کھولا رہی تھیں۔

''ارے رہنے دے، میرا بن مانس تو آپ ہی لوٹ آیا ہے میرے پاس۔''

''زیبو جاتی ہے کہ نہیں۔'' سلیم تو اس وقت غم و غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔ اس نے ہی کے ہاتھوں سے سجایا ہوا گلدان اٹھایا تو وہ جو صرف اس کو غم کے دھندے سے نکالنے لئے اپنی باتوں کی پھلجھڑیاں چھوڑ رہی تھی، اس کی حالت دیکھ کر اس نے وہاں سے ٹل جانا بہتر جانا اور مڑ گئی۔ چار قدم اٹھائے ہی تھے۔

''زیبو......'' حلق میں آنسوؤں کے گولے میں پھنسی آواز بمشکل نکلی۔ زیبو تڑپ کر مڑ وہ اس کے بہت قریب کھڑا تھا۔

''زیبو...... زیبو اُس ستم گر نے آج بہت ذلیل کیا۔ بہت...... بہت زیادہ۔'' ہمیشہ طرح وہ اس کے شانے پر سر رکھے اپنا سارا درد اس کے حوالے کر رہا تھا۔ وہ جو لمحہ لمحہ محبت میں بچپن ہی سے جیتی مرتی رہی تھی، نارسائی کی چوٹ کی لذت کو بھی جانتی تھی اور اعتنائی کے درد سے بھی آشنا تھی جو اس کو یہ بے وفا دیتا تھا۔ اس نے تو کبھی واویلا نہیں تھا۔ پھر...... پھر یہ مرد ہو کر کیوں ٹوٹ رہا تھا۔ ضبط کے ساحل چھوڑ رہا تھا۔ کیوں آخر چپ چاپ اس کا درد قطرہ قطرہ اپنے اندر اتارتی رہی اور وہ تھا کہ شدتِ غم سے بے حال رہا تھا۔ زیبو نے بڑے ضبط سے اس کا غم اپنے اندر اتارا۔ جب اُس کا صدمہ ہچکیوں ڈھل گیا تو زیبو نے اپنے امنڈتے سیلاب کو پلکوں کا بند توڑنے کی قطعی اجازت نہ دی ایک جھٹکے سے سلیم کو پرے ہٹایا۔

''ارے بس کر جا، مجھے کیا خبر تھی تیری ناک میں کلف کی فیکٹری ہے۔ دو چار دوپٹے ہی کلف لگا لیتی۔ توبہ ہے، کوئی کلو بھر تو لگا دیا ہوگا میرے دوپٹے میں۔'' زیبو نے گدگدی کرتے ہوئے کہا تو وہ اس کے سامنے یوں بہہ جانے کا ملال لئے وہاں سے چلا زیبو اُسے ڈولتے قدموں سے سیڑھیاں اترتے دیکھتی رہی۔ اور جب وہ چلا گیا تو وہ خود میں سر دے کر شدتوں سے رو دی۔ آخر تنہائی میں تو اس کا خود پر حق تھا ناں جو اس کی اپنی

''آج پہلی بار تجھے یہ درد اٹھا ہے ناں، اس لئے بلبلا رہا ہے۔ ارے میں تو بچپن اس کسک کو برداشت کر رہی ہوں۔ تیرے غصے کی، تیری بے اعتنائی اور بے وفائی کی ارے جا رے...... تو، تو بڑا ہی کمزور نکلا۔''

☀☆☀

اس واقعے کے بعد تو جیسے زندگی کے اوقاتِ کار ہی بدل گئے تھے۔ نازو کو جیسے چپ گئی تھی۔ سلیم اب پھر پہلے کی طرح ہو گیا تھا۔ تاش کھیلنا، آتے جاتے لوگوں پر آوازیں پان کھا کر یہ لمبی سی پیک کسی کے دروازے پر، کسی گلی کی دیوار پر پھینک دینا۔ پھر وہی



دوستوں کی بیٹھک تھی اور آوارہ حرکتیں تھیں۔

''یار چھیمے! یہ تو نے بڑا اچھا کیا جو یاروں کی طرف لوٹ آیا ورنہ یار تیرے بغیر تو اپنی بیٹھک سونی ہی رہتی تھی۔ اوئے شیدے، جا میرے یار کی واپسی کی خوشی میں سب کو مٹھائی کھلا، چائے پلا اور سگریٹ بانٹ۔''

جیدی نے خوش ہو کر سلیم کو اپنے قریب بٹھا لیا۔ وہ اُجڑے دل اور ویران چہرے کے ساتھ بیٹھ کر سگریٹ کے لمبے لمبے کش لینے لگا اور سارا دھواں اندر اتارتا رہا۔

''ابے چھوڑ یار، تو کیوں مرتا ہے، تیرے لئے چھوکریوں کی کمی ہے کیا۔ ارے اشارہ کر، ایک چھوڑ......''

جیدی نے اسے خاموش دیکھ کر کہا۔ وہ اس کی اداسی کی وجہ جانتا تھا، اس نے کہا تو سلیم اسے گھورنے لگا۔

''جیدی! تو اچھی طرح مجھے جانتا ہے، آئندہ ایسی گھٹیا بکواس کی تو اٹھا کر باہر پھینک دوں گا۔'' وہ غصے میں اچانک کھڑا ہو گیا تو جیدی اور شیدے نے اسے پکڑ کر بٹھا لیا۔

''اوئے شیدے! پانی ڈال سر پر، سلگ رہا ہے میرا یار۔ چل کوئی اور نہ سہی تو حکم کر، جو تیری محبوبہ کو تیرے قدموں میں نہ ڈال دیا تو یار نہ کہنا۔ اٹھا کر تیرے قدموں میں ڈال دیں گے۔ سارا غرور ہوا ہو جائے گا حور پری کا۔ بول کیا کہتا ہے؟ آج رات ہی تیرے کمرے میں نہ پہنچا دوں تو یار نہ کہنا۔''

جیدی گندی نظروں اور گندی نیت سے کہہ رہا تھا۔ سلیم غصے میں پاگل ہو گیا۔

''جیدی! تیری یہ جرأت، میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ خبردار جو کسی نے نازو کی طرف میلی نظر سے دیکھا۔ میں آنکھیں نکال دوں گا خبیث، ذلیل، آوارہ بدمعاش۔'' سلیم جیدی کو پیٹے جا رہا تھا اور گالیاں نکالے جا رہا تھا۔ اسی وقت نازو کالج سے آ گئی۔ پان کے کھوکھے کے سامنے سلیم اور جیدی گتھم گتھا تھے اور گالیوں کا تبادلہ ہو رہا تھا۔ نازو نے ایک نظر سلیم پر ڈالی۔ یہ وہی سلیم تھا جس نے اس کی خاطر خود کو سر سے پیر تک بدل ڈالا تھا۔ اب پھر اسی کیچڑ میں لت پت تھا۔ ایک ٹیس سی اس کے دل میں اٹھی۔ اس نے قدم تیز کر دیئے تو اسی وقت شیدا اس کے سامنے آ گیا۔

''عشقے بھئی، یہ تو زیادتی ہے کہ نہیں کہ تیرا عاشق تو مرنے مارنے پر تلا ہوا ہے اور محبوبہ کو پروا ہی نہیں۔''

نازو نے ایک تیز نگاہ اس پر ڈالی اور آگے بڑھ گئی۔ گھر آ کر وہ بستر پر گر کر شدتوں سے

رو دی۔

"نازو! میری بچی خیریت تو ہے ناں؟ کوئی بات ہوئی ہے، کسی نے کچھ کہہ دیا ہے"
حمیدہ بیگم دوپٹے سے ہاتھ صاف کرتی تڑپ کر اندر آئیں۔ آخر ماں تھیں۔

"کچھ نہیں امی، کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔ میں تو پتھروں کی اتنی عادی ہو گئی ہوں
اب درد کا احساس بھی پتھر ہو گیا ہے، بے حس، بے جان۔" اس نے سختی سے چہرہ رگڑا اور منہ دھونے چلی گئی۔

حمیدہ بیگم دکھ کا گہرا سانس لیتی اسے دیکھتی باہر نکل گئیں۔

"نازو! میں...... میں مر جاؤں گا اگر تم نے ٹھکرا دیا تو...... نازو تمہیں اندازہ ہی نہیں
میں تمہیں کتنا چاہتا ہوں۔ نازو، کاش...... کاش میں اس قابل ہوتا کہ بڑے اعزاز کے
تمہیں مانگ سکتا۔"

سلیم کی باتیں یاد آ رہی تھیں۔ اُس کا اترا ہوا، توہین سے دھواں دھواں چہرہ ا
نظروں میں بس کر رہ گیا تھا۔

"سلیم مجھے معاف کر دینا۔ معاف کر دینا۔" نازو نے کروٹ بدل لی۔ کئی آنسو تکیے
جذب ہو گئے۔

"کاش نازو، تم میری زندگی میں پہلے آ گئی ہوتیں تو...... تو میں...... خیر میں اب بھ
جاؤں گا۔ وہ سب کچھ چھوڑ دوں گا جو نامناسب ہے، جو تمہیں پسند نہیں۔ میں نے سب
چھوڑ دیا ہے۔ تمہاری قسم نازو سب کچھ چھوڑ دیا ہے۔ اب میں تمہیں ایک اچھا انسان
دکھاؤں گا، میں ایک شریف آدمی بن جاؤں گا۔ پڑھوں گا، اپنے ہاتھوں سے نیک او
رزق کماؤں گا نازو، خدا کی قسم خود کو بدل دوں گا۔ لیکن پلیز مجھے ٹھکرانا نہیں ورنہ
گندے کیچڑ میں جا گروں گا۔ پلیز نازو۔"

سلیم کی التجاؤں کی گونج اُس کی ساعتوں کا احاطہ کئے ہوئے تھی۔ نازو انسان تھ
تک سلیم کو نظر انداز کر سکتی تھی۔ نجانے کب اس کے دل کی پتھریلی زمین میں سلیم
نرم گوشہ بنا چکی تھی۔ نجانے کب سوتے میں یا جاگتے میں لاشعور کے کس لمحے میں یہ
گیا تھا۔ اسے خود پر تاؤ آ رہا تھا کہ ذلت کی کھائی میں تو اس کی ماں نے ہی سلیم کو
تھا پھر اس نے کیوں اپنے ہاتھوں سے اس کے گرتے وجود کو مزید دھکا دیا۔ آخر کیوں
وہ ہچکیاں لے کر روتی رہی۔ رات کی شاہراہ پر گزرتے لمحے جانتے تھے کہ اس
نہیں ملی تھیں۔ سلیم کے دل سے اٹھتی ٹیسوں میں نجانے کتنی شدت تھی کہ وہ بے قرار



ل

"امی! اگر کوئی ہماری نظروں کے سامنے ڈوب رہا ہو اور ہم اس کی مدد پر دسترس بھی
رکھتے ہوں تو ہمیں اس کی مدد کرنی چاہئے کہ نہیں؟ اسے بچا لیا جائے کہ ڈوبنے دیا جائے؟"
صبح کے ناشتے پر چائے سے اٹھتی بھاپ کو دیکھتے ہوئے اس نے بھیگی آواز میں کہا تو وہ
دیکھنے لگیں۔ وہ سب سمجھ رہی تھیں کہ نازو کو سلیم کے ساتھ ان کے رویئے کا بھی دکھ ہے
اس روز اس نے جو کچھ سلیم سے کہا، وہ اس کا مطلب بھی جانتی تھیں مگر وہ سمجھتی تھیں کہ
ابھی ناسمجھ ہے، ناتجربہ کار ہے، جذبات کی رو میں جذباتی ہو کر سوچ رہی ہے ورنہ زندگی
کی تلخ ہے وہ نہیں جانتی۔ اور دوسرے وہ نازو کو اس ماحول سے، اس محلے سے نکالنا چاہتی
تھیں۔ وہ اسے بہت آسودہ حال زندگی کے فریم میں سیٹ کرنا چاہتی تھیں۔ جو خواہشات یا
خواب انہوں نے نازو کے لئے دیکھے تھے وہ سلیم پورے نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے وہ خود غرض
ہو گئی تھیں۔

"اگر انسان کسی کو بچانے کی دسترس میں ہو تو اسے اس نیکی کو گنوانا نہیں چاہئے۔"
انہوں نے مختصر جواب دیا اور ناشتہ جاری رکھا۔ ایک نوالہ ڈالا مگر حلق تو یوں بلاک تھا
جیسے کوئی بجری کا ڈھیر ڈال دیا گیا ہو۔ اس نے ڈبڈبائی آنکھوں سے ان کو دیکھا۔ وہ چاہنے
کے باوجود بھی ماں سے یہ نہیں کہہ سکتی تھی کہ آپ پھر نیکی کا یہ موقع کیوں گنوا رہی ہیں۔
تھام لیجئے برائی کے سمندر میں ڈوبتے ہوئے ایک بے سہارا انسان کا ہاتھ۔ پلیز امی۔
اس کے اندر سسک سی پڑی۔ "امی! اگر ایسی نیکی کرنے کا موقع مجھے یا آپ کو ملے تو؟"
لرزیدہ لہجے میں ڈھلی اس کی خواہش باہر آ گئی تو حمیدہ بیگم جو اس کی بات کا مطلب
اچھی طرح سمجھ رہی تھیں۔ وہ ماں تھیں اور ماؤں کو اللہ نے اولاد کے چہروں پر لکھی تحریر
پڑھنے کی صلاحیت بخشی تھی۔

"اشاروں کنایوں میں تم جو بات مجھے سمجھانا چاہتی ہو نازو، وہ میں سمجھتے ہوئے بھی نہ تو
ماننا چاہتی ہوں اور نہ تمہیں اس کی اجازت دوں گی۔ ٹھیک ہے، میں مانتی ہوں سلیم کو وقت
اور حالات نے اس ڈگر پر ڈال دیا ہے۔ مگر جس ماحول میں وہ پروان چڑھا ہے، وہ اسے بھی
بدلتا ہے نہ بدل سکتا ہے۔ میں یہ بھی مانتی ہوں کہ اس کے ہم پر بہت احسانات ہیں،
لیکن ان احسانات کے بدلے تمہاری زندگی داؤ پر نہیں لگا سکتی۔ میں نے کیا پالیا ہے ایک
عادی سے شادی کر کے؟ دو بیٹوں کی جدائی پر مجبور بے بس اور سہمی ہوئی زندگی...... نہیں
نہیں نہیں...... آج کے بعد مجھ سے بات کرنا تو درکنار اس موضوع پر تم خود بھی نہیں سوچو

گی۔ تمہاری فرمانبرداری سے مجھے توقع تو یہی ہے لیکن......''
حمیدہ بولے گئیں۔ وہ جانتی تھیں۔ نازو کی آنکھوں میں سلیم کی شبیہہ وہ دیکھ چکی تھیں
آنکھوں دیکھی مکھی نگلنے کی غلطی ہرگز نہیں کرنا چاہتی تھیں۔
''لیکن...... لیکن کیا امی؟'' نازو سمجھ گئی کہ وہ آخری فیصلہ اس پر چھوڑنا چاہتی ہیں
اتنی بھی بہادر نہیں تھی کہ ماں کا دل دکھا کر سلیم کو اپنانے کا سوچ بھی سکتی۔
''امی! آپ کی خوشی اور حکم پر تو میں اپنی جان تک قربان کرسکتی ہوں، آپ کیا سمجھ
کہ میں اتنی کمزور ہوں کہ......'' وہ سسک پڑی۔
''میری جان، میں جانتی ہوں کہ تم میری بے حد فرمانبردار بیٹی ہو اور اسی لئے
بھی بیٹوں کو کھو دینے کا دکھ نہیں ہوا۔ ہاں بس قلق ہے تو یہ کہ نجانے ظالم اور بدچلن
تربیت میں وہ کیا بن گئے ہوں گے۔ میری بیٹی! تم نے ماں کو خوش کیا ہے، دیکھنا اللہ
خوشیاں دے گا انشاء اللہ۔'' حمیدہ بیگم نے نازو کو ساتھ لگا کر بے شمار دعائیں دے
اسی تواتر سے بے شمار آنسو اس بے نام جذبے کی قبر کی مٹی میں جذب ہو گئے جو وہ
لئے اپنے دل میں رکھتی تھی۔
''جی امی...... بس آپ مجھ سے خفا نہ ہوا کریں، بدگمان نہ ہوا کریں۔''
''اچھا چلو، اب تیار ہو جاؤ۔ کالج کو دیر ہو رہی ہے۔''
''جی بہتر۔'' وہ اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی اور حمیدہ برتن سمیٹنے لگی۔ ایک
بیٹی کی فرمانبرداری سے خوش اور مطمئن تھیں، دوسری طرف اس کے لئے کسی بہت اچ
کا جو سلیم کی طرح اسے ٹوٹ کر چاہتا ہو، اس کی عزت کی خاطر جان ہتھیلی پر لئے پھ
بہت پڑھا لکھا قابل نوجوان ہو، کسی بہت اچھے عہدے پر فائز ہو یا اپنا بزنس اچھا
انتظام کرنا چاہتی تھیں۔
''کہتی تو خالہ ہاجرہ بھی درست ہے۔ میری بیٹی میری ہی نظر میں انمول ہیرا ہے
تو اسے اس غریب بستی کی بیٹی ہی سمجھتی تھی۔''
''اچھا امی، میں چلتی ہوں۔''
''اچھا میری بچی، جاؤ خدا حافظ۔'' وہ اسے خدا حافظ کہنے دروازے تک آ
نے پلٹ کر ان کو خدا حافظ کہا اور آگے بڑھ گئی۔ شیدے کے کھوکھے کو عبور کرنا ا
ناک مرحلہ ہوتا تھا نازو کے لئے کیونکہ اس پر محلے کے سارے اوباش منڈے کھنڈ
دس بچوں کے ابا، دوسری کے چکر میں پان منہ میں ڈالے ہر آنے جانے والی کو



دیکھا کرتے۔ وہ اب عادی ہو چکی تھی۔ بس آنکھیں کھلی رکھتی اور دھیان دیئے بغیر گزر
مگر یہ گھٹیا لوگ اتنا کچھ ہو جانے کے باوجود اسے دیکھ کر معنی خیز ہنسی اور اوچھی فقرے
سے باز نہ آتے۔
''او یار جیدی، اپنا شہزادہ سلیم تو گیا ہاتھ سے۔ یار کچھ سمجھا اسے۔ کچھ نہیں ملے گا اسے۔
اس نے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کے یاروں کی محفل سونی کر دی ہے۔ اب پتہ ہے،
پڑھائی شروع کر رہا ہے۔ کل میں نے خود اسے کتابوں کی دکان سے دسویں جماعت کا
لیتے دیکھا ہے۔''
شیدا تھا جس کا کام ہی لڑکیوں کو چھیڑنا، فقرے کسنا اور ذلیل ہونا تھا۔
''اچھا، اب بڈھے طوطے بھی پڑھیں گے۔ پر پڑھنے کا فائدہ بھی تو ہو۔ یہاں تو یہ بڑی
گاڑیوں والے آتے ہیں۔ بھلا اس مسکین کی کیا دال گلے گی۔ دس جماعت پاس کر بھی
تو کیا ہوا۔''
اس کے ہر اٹھتے قدم کے ساتھ نئی بکواس اس کے کانوں میں پڑ رہی تھی مگر اس حقیقت
وہ بھی انکار نہیں کر سکتی تھی کہ اس بستی میں جہاں کسی کے پاس اپنی ذاتی سائیکل بھی ہوتی
سمجھا جاتا تھا، کجا یہاں اتنی بڑی کار بازار میں آ کر کھڑی ہو اور راشد جیسا امیر آدمی ان
گھر آئے۔ لیکن ان باتوں سے یہ معلوم ضرور ہو گیا کہ سلیم اب پڑھائی کرے گا۔ ایک
گوار سا احساس اندر تک اتر گیا کہ اب معاشرے کو جاہل آدمی کی بجائے ایک اچھا پڑھا
لکھا شہری ملے گا۔
''راحیلہ...... سنو راحیلہ......''
کالج گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہی راحیلہ پر اس کی نظر پڑی۔ وہ بھی اسے دیکھ چکی
تھی۔ مگر نازو نے محسوس کیا وہ اسے نظر انداز کر کے آگے جا رہی ہے۔ اس کی تیسری آواز پر
راحیلہ نے چہرہ موڑا اور اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔
''تو اس کا مطلب ہے میرا خدشہ درست ہے۔''
نازو کا دل صاف تھا۔ اس نے گرمجوشی سے اس کا ہاتھ تھام کر دبایا مگر راحیلہ کے رویے
کی طرح ہاتھ بھی بے جان اور سرد تھا۔
''کیسا خدشہ؟'' وہ منہ بنا کر ساتھ چلنے لگی۔
''یہی کہ تم مجھ سے خفا ہو۔ ایسا نہ کرنا ورنہ......'' نازو لان میں بیٹھ کر سسک پڑی تو
راحیلہ کو اس پر شدت سے پیار آ گیا۔ کتنی دکھی اور تنہا لگ رہی تھی وہ اس وقت۔ وہ اسے

ہمیشہ ہی سے پسند تھی، بس ذرا راشد کی وجہ سے اسے غصہ آ گیا تھا وہ بھی اس پر نہیں پر۔ مگر نہ چاہتے ہوئے بھی وہ نازو سے اس انداز میں بات کر گئی جو نازو کو بہت دُکھ گئی۔

''کم آن نازو، ابھی لڑکیاں جمع ہو جائیں گی اور ہماری آپس کی بات افسانہ بن کر کے ہونٹوں پر آ جائے گی۔ یہ اچھا لگے گا تمہیں؟'' راحیلہ سب کچھ بھول کر اس کے قریب گئی تو نازو بھیگی پلکوں سے اسے دیکھنے لگی۔

''تم...... تم سب کچھ جانتی ہو، پھر مجھ سے خفا کیوں ہو؟''

''میں خفا نہیں ہوں نازو، میں پریشان ہوں۔'' راحیلہ اُلجھ سی گئی۔

''نہیں، تم بدگمان ہو...... مجھ سے بدگمان ہو۔ کیوں راحیلہ، میں غلط کہہ رہی ہوں؟ کی آواز آنسوؤں کے گولے میں پھنس گئی۔

''ہاں، میں بدگمان ہوں مگر تم سے نہیں، راشد سے جو میرے والدین کے لئے پر باعث بنا ہوا ہے۔ اس سال ہم بی اے پاس کر لیں گے۔ تم جانتی ہو مما کو کینسر میری شادی میٹرک کے بعد ہی کر دینا چاہتی تھیں مگر راشد ہر بار ٹال مٹول کر جاتے اسی لئے ابو نے راشد کو سارے بزنس کا مالک بنا دیا ہے صرف اس لئے کہ وہ ان کو خوش رکھ سکے مگر وہ تو سرے سے ان کی بیٹی کو اپنانا ہی نہیں چاہتا اور......'' اب راحیلہ تو نازو نے اس کے ہاتھ تھام لئے۔

''دیکھو راحیلہ، میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ تم راشد کو کتنا چاہتی ہو۔ مگر افسوس پڑتا ہے کہ راشد نہ تو تمہارے لئے سنجیدہ ہے اور نہ ہی وہ تمہاری پاکیزہ محبت کے قابل وہ بدنیت اور بدنظر آدمی ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ وہ ہمارے گھر کتنی بار آ چکا ہے......''

''کیا...... کیا یہ...... سچ ہے، کیا؟'' راحیلہ کو جیسے کرنٹ لگا۔

''راشد ایسا آدمی ہے راحیلہ کہ ہم غریب اور شریف لوگ اس سے پناہ مانگتے ہیں آنا ہمارے لئے نہ تو خوشی کی بات ہے اور نہ اعزاز کی۔ اور نہ ہی مجھے اس خبیث قسم سے کوئی دلچسپی ہے کہ میں چھپاؤں گی۔ ہم غریب لوگ ہیں راحیلہ، تمہیں یا اس کو اس احساس بھی نہیں ہو سکتا کہ اس کا آنا ہمارے لئے کتنا خطرناک ہے۔ چھوٹے گھر رہنے والوں کی سوچ تنگ گلیوں سے زیادہ چھوٹی اور تنگ ہوتی ہے۔ اس لئے برائے راشد کا آنا جانا بند کرو۔ تم خود سوچو، ہم ماں بیٹی تنہا رہتی ہیں۔ وہاں کے لوگوں نے تو ہمارا جینا حرام کر رکھا ہے اور جب سے راشد کے چکر لگنے لگے ہیں، لوگ ایسی نظرو



دیکھتے ہیں کہ......''

نازو بول رہی تھی اور ایک ایک لفظ تیر کی طرح راحیلہ کے دل میں پیوست ہو رہا تھا۔ اسے نازو سے ہمدردی ضرور تھی اور اس کی پارسائی پر یقین بھی تھا مگر اس وقت تو وہ احساسِ کمتری کی دلدل میں اتری جا رہی تھی۔ وہ جس شخص کو بچپن سے چاہتی تھی، وہ اتنا بے اعتبار اور نظر باز تھا کہ اس کی دوست پر نظر رکھتا تھا۔ وہ شدت سے رو دی تو نازو نے اسے ساتھ لگا لیا۔

''میں تمہارا دُکھ سمجھتی ہوں راحیلہ، عورت صرف اس وقت ہی معتبر ہوتی ہے جب تک اسے یقین ہو کہ اپنے محبوب کے دل پر راج کرنے والی صرف وہی ہے۔ اور محبت کی سلطنت میں تو عورت اپنے سائے سے بھی حسد کرتی ہے۔ اور راشد تو...... تمہیں برا تو لگے گا راحیلہ، اگر ہو سکے تو راشد کو بھول جاؤ اور کسی اچھے مخلص آدمی سے شادی کر لو...... کیونکہ......''

''نازو! میں کیا کروں...... بتاؤ میں کیا کروں، میں اگر اپنے دل سے اس ہرجائی کی محبت کو کھرچ بھی ڈالوں تو مما، پپا کو کیا جواب دوں گی؟ وہ تو کسی صورت اس سے دستبردار نہ ہوں گے۔ خود راشد بھی...... نازو، وہ مجھ سے محبت کے دعوے، وہ دیوانگی اور نہ ملنے پر جان سے گزر جانے کا عہد...... وہ...... وہ سب کیا تھا نازو، کیا تھا؟'' راحیلہ بہت معصوم اور سیدھی لڑکی تھی جو راشد کی محبت کے جال میں بری طرح الجھ گئی تھی۔ آج اس کی دوہری شخصیت کا راز کھلا تو تڑپ تڑپ گئی۔

''تم بہت معصوم ہو راحیلہ، اب میں تمہیں کیا مشورہ دوں، بس اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھو، وہ کوئی نہ کوئی سبیل نکال دے گا...... اگر تمہارا رشتہ اسی کے ساتھ لکھا ہوا ہے تو میں یا تم کیا کر سکتے ہیں سوائے دعا کے۔ اللہ اسے نیک ہدایت دے۔ لیکن پلیز تم میری طرف سے بدظن نہ ہونا ورنہ میں اپنی نظروں میں گر جاؤں گی۔ اور پلیز اسے بتاؤ کہ ہم مجبور عورتوں کی زندگی مزید دشوار نہ بنائے۔''

دونوں نجانے کب تک اپنے دُکھوں میں گھری رہتیں کہ شائستہ آ گئی تو وہ دونوں کھڑی ہو گئیں۔

☼☆☼

سلیم اچھا خاصا ذہین نوجوان تھا، اپنی کلاس میں نمایاں رہتا تھا۔ پھر برے لڑکوں کی صحبت میں ایسا پڑا کہ دسویں کا امتحان بھی نہ دیا اور کچھ ماں کی طرف سے ایسا دل برا ہوا تھا کہ اس کا کچھ کرنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ پھر اس نے زندگی کی ڈور ڈھیلی چھوڑ دی تھی کہ جہاں مرضی

ہو چلی جائے۔ جب اسے زندگی سے پیار ہی نہیں تھا تو اس کے ناز نخرے اٹھانے کا بھی قائل نہیں تھا۔ مگر جب سے سینے کی دیوار کے پیچھے دل نے دھڑ دھڑ اپنے ہونے کا اعلان کیا تو اسے زندگی سے پیار ہونے لگا۔ نازو کو دیکھ کر زندگی میں دلچسپی شروع ہوئی تو اس نے اپنے گریبان کے بٹن بند کیے اور بکھری ہوئی زندگی کے شیرازے کو سمیٹنے لگا۔ اس نے نازو کی خوبصورت آنکھوں میں اپنی تصویر دیکھی تو وہ سر سے پیر تک بدل گیا۔ اب وہ تعلیم حاصل کر کے خود کو نازو کے قابل بنانا چاہتا تھا تاکہ نازو کی ماں کو کوئی اعتراض نہ ہو۔ اس نے یاروں کی بیٹھک چھوڑ دی، نصاب کی کتابیں سمیٹ کر اپنے کمرے کا ہو رہا۔

اس وقت بھی وہ کتابوں میں سر دیے بیٹھا تھا کہ زیبو آ گئی۔

''اوئے ہوئے، ماں صدقے، اب میرا شہزادہ کتابی کیڑا بن گیا ہے۔ کیا پڑھ لکھ کر چوکیدار لگے گا محلے کا؟''

زیبو سر سے پیر تک اپنے ماحول میں ڈھلی ہوئی تھی۔ اس کی زبان، بات کرنے کا انداز، بول چال، چال ڈھال سب بستی کے ماحول میں ڈھلے ہوئے تھے اور یہ سلیم کو برا لگتا تھا۔ وہ کتاب پرے رکھ کر اس کی طرف پلٹا۔

''تو پھر آ گئی تنگ کرنے۔ اپنے کام سے کام رکھ اور دفع ہو جا یہاں سے۔''

''ہائے ظالم، غصے میں بھی قیامت ڈھاتا ہے۔ چھوڑ، پرے رکھ یہ کتابیں، یہ پڑھائیاں، یہ سب تو نازو سے شادی کے لئے کر رہا ہے ناں؟''

اس کی بات کے جواب میں سلیم نے اسے گھورا اور پھر فائل سے فارم نکال کر پُر کرنے لگا۔ امتحان میں دو مہینے رہ گئے تھے اور اسے اپنا رجسٹریشن جمع کرانا تھا۔

''تیرا بھی دماغ خراب ہے سلیم۔ اگر تو ماسٹر بھی بن گیا ناں تو خالہ خبطی اپنی کالج پڑھی لڑکی کی شادی تیرے ساتھ نہیں کرے گی۔ بڑا مان کرتی ہے وہ اپنی بیٹی کے حسن اور تعلیم پر...... ارے میں تو کہوں کھڈے میں ڈال نازو کو اور سوئی کے سوراخ میں ڈال اس کی اماں کو۔ اپن دونوں شادی کرتے ہیں۔ دس بارہ بچے پیدا کرتے ہیں اور مزے سے غربت کی زندگی گزارتے ہیں اپنے اماں ابا کی طرح، روتے دھوتے بچوں کو کوسنے دیتے، ابے ادھر آ کمبخت، ارے ٹھہر تو ذرا...... اری چنی، تیری چٹیا تو میں کاٹتی ہوں...... دیکھ ارے...... دیکھ، وہ کمبخت سانڈ ساری روٹی کھا گیا، ارے اب سارا کنبہ بھوکا رہے گا کیا...... ٹھہر ابھی تیری کٹاس لگاتی ہوں۔ دھائیں دھائیں......''

اور خیالوں میں کھوئی زیبو نے دوہتڑ سے سلیم کو پیٹ ڈالا تو وہ چلا پڑا۔



''زیبو کی بچی، یہ کیا کر رہی ہے؟''

''ارے زیبو کی بچی ہی کو پیٹ رہی ہوں، تو چپ کر زیبو کی بچی کے ابا، آج تو اس بھینگی کو سرمہ لگا کر دم لوں گی۔''

وہ جان بوجھ کر سلیم کو نوچ گئی، اس کی آنکھ میں پنسل گھمانے لگی تو سلیم نے اس کا ہاتھ زور سے مروڑ دیا اور وہ تڑپ اٹھی۔

''ہائے، ہائے...... زیبو کی بچی کے ابا، یہ کیا کر دیا؟''

''بکواس بند کر اور دفع ہو جا یہاں سے۔ شرم نہیں آتی ایسی باتیں کرتے ہوئے۔ خبردار جو آئندہ ایسی بکواس کی تو۔ جب تجھے معلوم ہے کہ تیری میری شادی نہیں ہو سکتی پھر ایسی حرکتیں کیوں کرتی ہے؟''

''ارے دفع دور، پھیکی کھجور۔ ارے میں تیرے ساتھ شغل لگاتی ہوں، تو ہیرو بن جاتا ہے۔ چل ہٹ، ارے بندر کیا جانے ادرک کا مزا۔ ذرا کاجل لگا کر نکلتی ہوں تو شہر میں دفعہ 48 لگ جاتی ہے اور سردار کے گھر تو......'' وہ اترانے لگی تو وہ فائل ایک طرف رکھ کر مڑا۔

''کیا تو نے سردار کے گھر جانا بند نہیں کیا؟''

''کیوں بند کروں، امیر لوگ ہیں، کسی بھی موقع پر جاؤں جھولی بھر کر دیتے ہیں۔''

''مانتی نہیں کمینی، وہ اچھے لوگ نہیں، سردار کے چاروں بیٹے...... بدمعاش ہیں۔''

''تو ہوا کریں، تجھے کیا۔'' وہ سرخ پراندہ لہراتی ہوئی بولی تو سلیم نے غصے سے اس کی چٹیا کھینچ لی تو وہ کراہ اٹھی۔

''تجھے کیا کی بچی، پیسوں کے لالچ میں کوئی حرج مرج ہو گیا ناں تو؟''

''اچھا فرض کر ہو گیا کوئی حرج مرج تو، تو کیا کرے گا؟'' وہ سنجیدگی سے اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی پوچھ رہی تھی۔

''تو...... تو تیرا کیا خیال ہے، چپ کر کے بیٹھ جاؤں گا؟ قتل کر دوں گا سردار کے سارے لڑکوں کو۔'' سلیم غیظ میں آ گیا۔ آنکھوں میں واقعی خون اتر آیا تو زیبو کو جیسے آج پہلی بار اپنی اہمیت کا اندازہ ہوا۔ وہ بے یقینی سے اسے دیکھے گئی۔

''ہیں...... واقعی...... شہزادے تو...... تو میری خاطر قتل کر دے گا، میری خاطر...... میری خاطر...... کیا میری کوئی حیثیت ہے تیرے دل میں، تیری نظر میں؟ ارے میں تو تیرے جوتے کے برابر بھی نہیں...... میں تو بس تیری محبت کے چرنوں میں بیٹھ کر تجھے دیکھنا چاہتی ہوں۔ ارے میری اتنی حیثیت کب ہو گئی کہ...... تو...... تو واقعی میری خاطر قتل کر سکتا ہے۔''

وہ تو خوشی سے پاگل سی ہو گئی تھی۔ وہ چڑ کر دہاڑا۔

''ہاں، ہاں...... اب کیا اسٹیمپ پیپر پر لکھ کر دوں؟''

''نہیں شہزادے، مجھے یقین آ گیا......'' وہ خوشی سے آنکھوں میں آئے آنسو صاف کر۔ لگی۔

''اچھا تو پھر اب جان چھوڑ اور دفع ہو جا۔''

''ہائے او صدقے تیری غیرتوں کے۔'' زیبو نے فرطِ جذبات سے سلیم کو ساتھ لگایا پیشانی پر پیار کرتی ہوئی بھاگ گئی۔ یہ اس کی خوشی میں پاگل پن کی انتہا ہوتی تھی اور یوں دوستی اور محبت میں وہ سلیم کو لڑکا تو سمجھتی ہی نہیں تھی۔ پاکیزہ سوچوں اور جذبوں کی مالک ا۔ ایسے ہی پیار کر جاتی تو وہ الجھ کر رہ جاتا۔

''پاگل ہے، نجانے کب سدھرے گی اجڈ۔'' وہ اپنی پیشانی کو رومال سے صاف کرتا بولا اور زیبو، وہ ایک ساتھ کئی کئی سیڑھیاں پھلانگتی اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کو چھیڑتی، کے بال گڈمڈ کرتی، کسی کی چٹیا نوچتی اور چھوٹے بھائی کے گال نوچتی اور اماں کی گالیاں کھ باہر بھاگی تو نازو کے سامنے جا کر دم لیا۔

''ارے...... ارے لڑکی، کوئی تیرے پیچھے تو نہیں لگا ہوا؟'' حمیدہ اسے یوں بدحواس دَ کر بولیں تو وہ ان کے گلے لگ کر جھوم گئی۔

''ہائے خالہ، اللہ تمہیں جنت نصیب کرے۔ اب تمہیں کیا بتاؤں کہ...... ہائے نازُ نازو مت پوچھ میں آج کتنی خوش ہوں۔'' زیبو پھولے سانسوں کے ساتھ حمیدہ کو دھکا د نازو کی طرف بڑھی۔

''پاگل ہے یہ لڑکی تو بالکل پاگل...... ابھی سر کھل جاتا میرا۔'' حمیدہ بیگم گرتے گر۔ بچیں اور زیبو کو گھورنے لگیں جو اب نازو کے گلے لگی جھوم رہی تھی۔

''بھئی میں تو ضرور پوچھوں گی کہ اتنی خوش کیوں ہے۔ کون سا قارون کا خزانہ تجھے ملَ ہے کہ یوں خوشی سے بے حال ہو رہی ہے؟''

''ہائے ہائے نازو، جو خوشی آج اللہ نے مجھے دی ہے ناں، اس کے سامنے قارون ۔ خزانوں کی کیا حیثیت ہے۔'' پھولے سانسوں کے ساتھ وہ بات بھی بمشکل کر پا رہی تھی۔

''ہیں واقعی، بھئی پھر تو ضرور بتاؤ۔'' نازو نے دلچسپی سے پوچھا۔

''بتاؤں گی تو جل جاؤ گی۔''

''ہیں، خوشی ہے کہ دیا سلائی کہ میں جل جاؤں گی۔ تم میری پیاری دوست اور بہن :



...یوں جلوں گی؟'' نازو نے پیار سے اُس کے گال سہلائے۔

''اچھا تو سن۔'' زیبو بتانے لگی تو ایک دم نظر حمیدہ پر پڑی۔

''اونہوں خالہ...... تو جا یہاں سے۔ کیا لڑکیوں کی باتیں سن رہی ہے۔''

''کمبخت! تمیز سے بات کیا کر بڑوں سے...... بالکل جاہل ہے تو۔''

''اچھا خالہ جی، اماں جی، آپ یہاں سے اپنی شکل گم کرو یا کانوں میں بجری ٹھونس لو، نازو کو ایک راز کی بات بتانی ہے۔''

''جاہل لڑکی، بڑوں سے ایسے بات نہیں کرتے۔'' حمیدہ بیگم زیبو کو گھورتی باہر نکل گئیں تو ...نے سرزنش کی۔

''چل اب بتا، کیا بات ہے؟''

''نازو، وہ...... وہ......'' زیبو دوپٹہ منہ میں رکھ کر شرما گئی۔

''اب یہ وہ کون ہے؟''

''اچھا، تو وہ کو نہیں جانتی...... ارے وہی تیرا، میرا سلیم۔''

زیبو عجیب لڑکی تھی، اسے نازو سے ذرا بھی حسد محسوس نہیں ہوتا تھا۔ وہ بڑی خوشی سے سلیم کی محبت کو اس کے ساتھ شیئر کرتی تھی اور بڑی خوشی سے سلیم کو اس کے حوالے کرنے کو بھی ...تھی۔ مگر نازو ہی مجبور تھی۔

''آہستہ بولو زیبو، کیسی باتیں کرتی ہو، امی نے سن لیا تو قیامت آ جائے گی۔ خیر کیا بتانے ...الی تھیں۔ دائیں بائیں کی ہزاروں باتیں کر سکتی ہو اور......''

''ہاں وہ سلیم ہے ناں، وہ کہہ رہا تھا کہ اگر سردار کے لڑکوں نے کبھی تیرے ساتھ حرج ...ح کیا تو وہ ان کو قتل کر دے گا۔ نازو، وہ...... وہ میری خاطر اپنی جان داؤ پر لگا سکتا ہے۔ میں تو اس کی جوتی کے برابر بھی نہیں اور وہ میری خاطر، ہائے نازو، مجھے تو لگتا ہے آج دنیا جہاں کے خزانے مل گئے ہیں مجھے۔ سلیم میری خاطر...... میں...... میں تو کچھ بھی نہیں۔''

زیبو باقاعدہ بیٹھ کر رونے لگی۔ اس سے یہ خوشی سنبھالی نہیں جا رہی تھی۔ نازو نے اس پیاری سی لڑکی کو ساتھ لگا لیا جو خود کو بہت کمتر سمجھتی تھی کہ سلیم جس کی پسند نازو جیسی حسین اور پڑھی لکھی لڑکی ہے، اس کے دل میں زیبو جیسی جاہل لڑکی کی بھی اتنی ہی عزت ہے۔

''تم تو بلاوجہ ہی ایسی باتیں کرتی ہو زیبو، تم میں کیا کمی ہے۔ اگر سلیم نے یہ کہا ہے تو بہت اچھا کہا ہے۔ اسے ایسا کہنا اور کرنا بھی چاہئے...... تم سمجھتی نہیں ہو ورنہ وہ تمہاری بہت عزت کرتا ہے۔'' نازو کو بھی اس بھولی لڑکی سے کبھی حسد نہیں ہوا تھا۔

''ہاں، اب تو مجھے بھی یقین آ گیا ہے۔ لیکن اب میں سردار کے گھر کسی محفل میں جاؤں گی نہ گاؤں گی۔ مجھے اپنے سلیم کی جان اپنی جان سے زیادہ پیاری ہے اور......''

''نازو...... نازو بیٹی، ذرا باہر آؤ۔ راشد میاں آئے ہیں۔'' باہر سے حمیدہ کی خوفزدہ سی آواز آئی تو وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔

''یہ...... پھر آ گیا۔ نجانے کیا چاہتا ہے بدتمیز آدمی۔'' نازو، راشد کی آمد کا سن کر ہوگئی۔ راحیلہ الگ بدگمان تھی۔

''ارے جو چاہتا ہے، یہ تو بھی جانتی ہے...... مگر تو فکر نہ کر، میں دیکھ لیتی ہوں تارے دکھاؤں گی دن میں کہ یاد رکھے گا۔ تو اندر ہی بیٹھ اور دیکھ زیبو کا ہاتھ۔'' زیبو اوپر کر کے اٹھی تو نازو نے اسے پکڑ لیا کیونکہ زیبو کو وہ جانتی تھی۔ وہ تو ابھی جا کر ڈالتی یا پھر شور مچانا شروع کر دیتی کہ غنڈا گھس آیا ہے تو سارے محلے میں بات پھیل الٹی سیدھی چہ میگوئیاں شروع ہو جاتیں اور یہ وہ نہیں چاہتی تھی۔

''ایسے نہیں زیبو، یہ وہ بھوت ہے جس کو لاتوں سے نہیں باتوں سے بھگانا ہی ہمارے میں بہتر رہے گا۔ آؤ دیکھتے ہیں...... اللہ بہتر کرنے والا ہے۔''

دونوں باہر آئیں تو وہ بڑے خوشگوار موڈ میں انسانی حلیے میں بیٹھا تھا۔

''اوہ ہیلو گرلز۔'' وہ ان دونوں کو دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

⁂☆⁂

''واہ شفاعت میاں کی تو لاٹری نکل آئی ہے۔ اتنی حسین، اتنی کم عمر لڑکی۔ آہ کاش قسمت بھی اتنی اچھی ہوتی۔'' حیات، منزہ کو دیکھے گیا تو بانو بیگم نے ٹوک دیا۔

''ارے حیات میاں! ایسے کیا دیکھ رہے ہیں، یہ شفاعت میاں کی دلہن ہیں۔''

''جی...... جی...... ہم بھی تو یہی دیکھ رہے ہیں کہ شفاعت میاں کس قدر خوش نصیب کہ آپ نے ان کے لئے ایسی دلہن تلاش کی۔ ہم بھی تو آپ کے کچھ لگتے ہیں۔''

''ارے میاں، یہ ہماری نہیں خود شفاعت میاں کی پسند ہیں۔'' بانو بیگم نے پیار سے کو دیکھا جو حیات کی نظروں سے گھبرا کر خود کو بڑی سی چادر میں چھپا رہی تھی۔ بانو کی خوشی کی بے شمار کرنیں اس کے چہرے پر پھیل گئیں۔

''ہمیں نہیں معلوم تھا کہ شفاعت اللہ کی پسند اتنی زبردست ہو گی۔'' حیات کی نظریں منزہ کا احاطہ کئے ہوئے تھیں۔ منزہ گھبرا گئی۔ اس نے بانو کو دیکھا۔ ان کو بھی موضوع بنانا اس کی برملا تعریف کرنا اچھا نہیں لگا تھا۔



''اچھا حیات میاں! چھوڑیئے اب منزہ کو۔ یہ پہلی بار آئی ہیں اپنی جاگیر پر، ان کا خاص خیال رکھا جائے۔ اور اب آپ کو میزبانی کے فرائض ادا کرنے چاہئیں...... نہ کہ......'' بانو کا لہجہ تنبیہی تھا اور کچھ حیات بھی سمجھ گیا تھا تو فوراً پینترا بدلا۔

''ارے ہاں، کیوں نہیں، آیئے چھوٹی بھابی، ہم آپ کی ایسی مہمان نوازی کریں گے کہ آپ یہاں سے جانے کا نام نہیں لیں گے۔''

حیات نے ایک گہری نظر منزہ پر ڈالی اور باہر نکل گیا۔

ان لوگوں کو آئے کئی دن گزر گئے تھے۔ حیات نے واقعی مہمان نوازی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ بڑے چھوٹے سب خوب انجوائے کر رہے تھے۔

''ہاں تو حیات میاں، اب ذرا کام کی بات بھی ہو جائے۔ یہ ناریل فارم تو ماشاء اللہ خوب چل رہا ہے۔ فش فارم بھی خوب ہے۔'' منشی جی کے اصرار پر شجاعت اللہ نے آخر ذکر چھیڑا تو حیات دائیں بائیں دیکھنے لگا کیونکہ اس کی دی گئی رپورٹ کے مطابق سارے فارم تباہ ہو چکے تھے اور کوئی آمدنی وغیرہ نہیں ہو رہی تھی، ان کی اپنی گزر اوقات مشکل سے ہو رہی تھی۔

''جی بھائی صاحب، اب تو اللہ کا بڑا کرم ہے۔ یوں کہیے کہ دن رات کی ہماری کاوشوں کا ثمر دیا ہے اللہ نے ورنہ تو کوئی حال نہیں تھا۔''

''ہوں، ٹھیک ہے۔ لیکن آپ اپنا بھی خیال رکھا کیجئے۔ یہ نہ ہو کہ ہمیں ندامت کا منہ دیکھنا پڑے۔ آپ خاصے کمزور لگ رہے ہیں پہلے سے۔'' شجاعت اللہ نے سرزنش کی بجائے حیات کو سراہا تو منشی جی بے مزا ہو کر اٹھ کر چلے گئے۔

''بس بھائی صاحب، ہم ٹھہرے وفادار آدمی۔ یہ نہیں کر سکتے کہ خود تو عیش کرتے رہیں اور آپ کی جاگیر تباہ ہو جائے۔ ہمیں اپنی صحت سے زیادہ آپ کا مفاد عزیز ہے۔''

''یہ تو درست ہے حیات میاں، مگر اب آپ بھی شادی کر لیجئے۔ کہیے تو ہم لڑکی پسند کر لیں یا پھر آپ اپنی کوئی پسند بتا دیجئے۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ اب آپ اپنا گھر آباد کر لیں تاکہ ہمیں فکر نہ رہے۔'' شجاعت اللہ ہمیشہ کی طرح حیات کی باتوں میں آ گئے تھے۔

''اجی کیسی باتیں کرتے ہیں بھائی صاحب آپ بھی۔ بھلا آپ لوگوں کے ہوتے ہوئے میں کوئی ایسی گستاخی کر سکتا ہوں؟ آپ اور بھابی جان ہمارے بزرگ ہیں، خود ہی کوئی مناسب جگہ دیکھ کر ہماری زندگی کی ڈور باندھ دیجئے، مجال ہے جو انکار کروں۔ بلکہ یہ کام تو آج سے بھابی جان کے ذمے ہوا۔ ہم بھی تنہا رہتے رہتے اکتا گئے ہیں۔'' حیات نے ساری ذمے داری بانو پر ڈال دی تو وہ مسکرا پڑیں۔

''سوچ لیجئے حیات میاں، ہم کوئی ایسی ویسی پسند کر بیٹھے تو شکایت مت کیجئے گا کہ من کی اٹھا لائیں بھابی جان۔'' بانو نے چھیڑا تو حیات ان کے قدموں میں آن بیٹھا۔

''ارے بھابی جان! آپ جیسی بھی دلہن ہمارے لئے تلاش کریں گی، ہم بخوشی قبول لیں گے۔ بس اب آپ......''

''جلدی کر لیجئے۔'' شفاعت اللہ نے جملہ مکمل کیا تو حیات جھینپنے کی ایکٹنگ کرتا ہوا ہو گیا۔

''جایئے بھی شفاعت میاں، کیوں بناتے ہیں۔ ہمیں اب ایسی بھی جلدی نہیں شادی کی

''صاب، ایک ضروری بات ہے۔'' تاج دین بھاگا اندر آیا۔ اس کے حلیے اور تیزی لگ رہا تھا کوئی ایمرجنسی ہے۔ حیات سمجھ گیا کوئی گڑبڑ ہے مگر اب ان کے سامنے وہ طرح پوچھ لیتا۔

''کیوں تاج دین، گلو نے پھر تمہاری دُم پر پاؤں تو نہیں رکھ دیا؟'' حیات ہنستا ہوا تاج دین کے قریب آ گیا اور گھورا کہ کوئی ایسی ویسی بات نہ کرے۔

''او نہ جی نہ۔ دُم تو اب میں نے کٹوا دی ہے۔ میرا مطلب ہے صاب جی، وہ اپنا داد ہے ناں، اس کی لڑکی شاداب کی طبیعت بڑی خراب ہے وہ.... بات ہے کہ کیس اب

تاج دین نے آواز دھیمی کر کے حیات کے کان میں کہنا شروع کر دیا۔ جس کے م شاداب کا ڈلیوری کیس بگڑ گیا تھا اور اسے شہر لے کر جانا ضروری تھا۔ حیات بری طرح مزا ہو گیا۔ اسے شاداب اور بچے کی زندگی سے زیادہ ان لوگوں کے سامنے اپنی عزت کا تھا جو اس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

''ہاں تو کرم داد سے کہو، شہر لے جائے لڑکی کو۔ اس سلسلے میں بھلا میں کیا کر سکتا ہو وہ بالکل انجان بنا بے نیازی سے کہہ رہا تھا۔ اس وقت اسے ایک لمحے کے لئے بھی نہیں آیا کہ اس نے کس دیوانگی سے شاداب کو اپنایا تھا اور دس بندوں کی موجودگی میں بیوی بنایا تھا اور اب بچے کی پیدائش پر وہ ماں بچے دونوں سے دستبردار ہو رہا تھا۔

''کیا بات ہے حیات میاں، کوئی پرابلم ہے تو بتاؤ؟'' شجاعت اللہ نے پوچھا تو اس شاداب کو ایک کمدار کی بیٹی بنا کر پیش کر دیا جس سے اس کا کوئی تعلق واسطہ نہیں تھا۔

''ارے میاں یہ گاؤں ہمارا ہے اور یہاں کے لوگ جو ہماری زمینوں پر کام کرتے ان کے تمام مسائل ہمارے ہیں۔ اگر کسی کمدار کی بیٹی کی حالت ایسی ہے تو گاڑی د اور ڈرائیور۔ اچھا ایسا کرو تاج دین، ہم چلو ہم خود دیکھتے ہیں۔ بلکہ بیگم آپ بھی چلئے



ہے۔'' شجاعت اللہ خود کھڑے ہو گئے تو ان کا انٹرسٹ دیکھ کر حیات احمد سٹپٹا گیا کیونکہ یقین تھا کہ وہ دونوں اٹھ کر چلے بھی جائیں گے اور وہ کوئی ایسا رسک لینا نہیں چاہتا تھا۔

''ارے بھائی صاحب، آپ اطمینان رکھئے، میں دیکھتا ہوں جا کر۔ آپ اور بھابی جان ہاں ان معاملات میں پڑتے ہیں۔ کبھی کبھار تو آتے ہیں۔ آپ تشریف رکھئے، میں معاملہ کر ابھی حاضر ہوتا ہوں۔'' حیات احمد تیزی سے تاج دین کو لے کر باہر نکل آیا۔

''ایک تو تم گنواروں کے دماغوں میں بھی بھس بھرا ہوتا ہے۔ کتنا منع کیا تھا کہ مہمانوں سامنے کوئی ایسی ویسی حرکت یا بات نہ ہونے پائے مگر تم لوگ...... تو...... چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں۔ اب ذرا میں نے نکاح کر لیا تو میم صاحب کے نخرے ہو گئے۔ کسی اپنے کے ساتھ شادی کی ہوتی تو کوئی مسئلہ نہ ہوتا۔ اب نخرے ہو گئے ہیں، شہر جا کر ہی بچہ رے گی...... اونہہ...... ہونہہ مرو۔''

تمام راستے حیات شاداب کو کوستا رہا، باقی سب کو ڈانٹتا رہا۔

''کیا ہو گیا ہے، گاؤں کی دائیاں مر گئی ہیں کیا؟'' حیات، شاداب کی ماں پر برس پڑا۔

''پتر! سب کو دکھا دیا ہے، گاؤں کی سب سے سیانی دائی نے کہا ہے کہ شہر لے جاؤ، پتر کوئی حرج ہو گیا تو ہم کیا کریں گے، بچے اور ماں دونوں کی زندگی کا سوال ہے۔''

''اوہو، اب روؤ نہیں، کچھ نہیں ہوتا ماں اور بچے کو۔ چلو ڈالو شاداب کو گاڑی میں اور خود بیٹھ جاؤ۔ اور یہ رقم اپنے پاس رکھو، کام آئے گی۔''

اس وقت حیات بالکل گاؤں کا چوہدری بنا اپنی فیاضی لٹا رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اس اور اس کی ماں سے اس کا کوئی تعلق، کوئی واسطہ ہی نہ ہو۔

''اچھا، اچھا پتر جی، جیسے آپ کہتے ہو ویسے ہی کرتے ہیں۔ چلو جی بیٹی کو اٹھاؤ۔''

کرم داد اور اس کی بیوی کے لئے یہی کیا کم تھا کہ حیات احمد نے اپنی ذمے داری قبول کی تھی ورنہ عام لوگوں کی طرح وہ اس بچے سے انکاری ہو جاتا تو گاؤں میں ان کی یا ان بیٹی کی کیا عزت رہ جاتی۔ اسی لئے تو وہ اس کا ہر حکم مانتے تھے۔

''آ...... آپ نہیں چلیں گے حیات؟'' شاداب نے بڑے مان سے پوچھا۔

''دماغ خراب ہو گیا ہے تیرا، گھر بھرا پڑا ہے مہمانوں سے اور میں تیرے چوچلے اٹھاتا وں۔ گاڑی دی ہے، ڈرائیور دیا ہے..... مال دیا ہے اماں کو، آرام سے جا۔ اور خبردار جو شہر میں ان لوگوں سے رابطہ کر کے مجھے ذلیل کرنے کی کوشش کی تو۔'' شاداب جس کی سانس ٹوٹ رہی تھیں تکلیف سے، حیات اس کو دھمکیاں دے رہا تھا۔

"آپ کیسی باتیں کرتے ہیں حیات، آپ کی عزت اور حکم پر میں جان قربان کر
تیار ہوں۔ آپ جیسا کہیں گے میں ویسا کروں گی۔ بس اپنے نام اور رشتے کی چھتری کا
اور میرے بچے کے سر پر رہنے دینا۔ کیونکہ وقت اور حالات کی کڑی دھوپ میں...... اُ

"اچھا اچھا ٹھیک ہے۔ تمہاری یہ فرمانبرداری ہی تو لوٹ لے گئی ہے مجھے۔ ا
رکھنا، میں جلدی آؤں گا تیرا پتہ کرنے۔ ٹھیک ہے...... اچھا اب خدا حافظ۔" حیا
شاداب کی محبت اور وفاداری کے ہاتھوں ہار سا جاتا تھا اور اس وقت بھی اس کا سارا
پانی ہو گیا تھا شاداب کے الفاظ کی تپش میں۔

"میں...... میں آپ کا انتظار کروں گی حیات۔" شاداب نے محبت سے حیات کا
لیا۔

"ہاں، میں آؤں گا...... خدا حافظ، جاؤ اب دیر ہو رہی ہے۔ شوکے، گاڑی دھ
چلانا۔" اس نے شاداب کا ہاتھ دبا کر چھوڑ دیا اور ڈرائیور کو ہدایات دینے لگا۔

"آپ فکر ہی نہ کریں جی، اچھا پھر خدا حافظ۔"

"خدا حافظ حیات، اپنا خیال رکھیے گا۔" شاداب نے بچیرو سے جھانک کر حیات

"تم فکر نہ کرو...... خدا حافظ۔" اور پھر وہ ان کی گاڑی اوجھل ہونے سے پہلے
گاڑی میں بیٹھ کر واپس آ گیا۔

"کہو، خیریت تھی ناں حیات میاں؟" شجاعت اللہ نے آگے بڑھ کر پوچھا۔

"جی ہاں، معاملہ خاصا گڑبڑ تھا، میں نے گاڑی اور رقم دے دی ہے۔ شہر کے
ہوسپٹل میں علاج کروا سکتے ہیں۔ اصل میں غریب لوگ ہیں بھائی صاحب، خیال
ہے۔"

"ہاں رکھنا بھی چاہئے حیات، اس لئے کہ یہ ہمارا بہت خیال کرتے ہیں اور
خیال رکھنا چاہئے۔"

"ارے بھائی صاحب! یہ سارے ملازمین آپ کے سامنے ہیں، آپ ان سے
کہ میں ان کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتا ہوں۔ مجھے معلوم ہے آپ کی عزت اور
ہے۔ بتاؤ تاج، آج تک کبھی میری طرف سے کوئی زیادتی ہوئی تم لوگوں پر؟"

"او ناں جی ناں، اپنے صاب جی تو بس کمال آدمی ہیں، ان کو تو بتانے کی
نہیں ہوتی، بس بندہ دیکھ کر ان کو پتہ چل جاتا ہے کہ کوئی غرض ہے۔" تاج دی
کی تعریف میں مبالغہ آرائی سے کام لیا۔



"اچھی بات ہے حیات میاں، ہمیں یہ جان کر خوشی ہوئی ہے۔"

"ٹھیک ہے حیات بھائی، ایسا کریں کل یا پرسوں خواتین اور بچوں کو ناریل اور فش فارمز
[illegible]س۔ کیا خیال ہے آپ کا بھائی جان؟"

"[illegible]اں بھئی نیک کام میں خیال کیا پوچھنا۔"

"[illegible]ں اب آپ بے فکر ہو جائیں، کل نہیں تو پرسوں کا پروگرام رکھئے۔ کل میں آپ کی
[illegible] لئے کچھ تیاری کر لوں گا۔ آپ کو تو پتہ ہے ہم ٹھہرے اجڈ دیہاتی لوگ اور آپ لوگ
[illegible]ہم یافتہ لوگ ہیں۔ کچھ انتظامات تو کرنے ہوں گے۔"

"چلو میاں، جیسے تم مناسب سمجھو۔"

"چچا جان! زبردست مزا آ گیا ہمیں تو گھڑ سواری کا۔ بس آپ ہمیں بھی گھڑ سواری سکھا
[illegible]" باہر سے سکندر میاں بھاگے آئے اور حیات میاں کی گود میں سوار ہو گئے۔

"[illegible]چھا تو آپ جو شام سے غائب تھے، گھڑ سواری سے شغل فرما رہے تھے۔ یہ بتائیے کسی
[illegible]پوچھ کر گئے تھے یا؟" شجاعت اللہ نے سرزنش والے انداز میں کہا تو اس نے شرمندگی
[illegible]جھکا لیا۔

"[illegible]رے بھائی جان، آپ کیوں خفا ہو رہے ہیں۔ سکندر میاں کو میں نے عبدالغفور کے
[illegible]کہا تھا۔ بڑا اچھا اور ذمہ دار آدمی ہے اور یوں بھی سکندر میاں مالک ہیں ہر چیز کے۔
[illegible] خود سکندر میاں کو اجازت دی تھی کہ جائیں اور انجوائے کریں۔"

[illegible]ات اللہ نے بہت جھوٹ بول دیا جو موقع کی مناسبت سے بالکل درست تھا اور سکندر کو
[illegible] تھا، اس کو معلوم ہو گیا کہ یہ بندہ اس کے کام آ سکتا ہے۔

"[illegible] جان۔ آپ نے تو ہماری جان بچا لی ورنہ ابا جان تو ہمیں......" سکندر بھی
[illegible] شیر ہو گیا تو شجاعت اللہ نے ان کو پکڑ کر حیات کی گود سے اتارا۔

"[illegible] مان لیا کہ بہت چچا نے آپ کو اجازت دی تھی مگر کیا آپ کو ہمیں یا اپنی امی جان
[illegible] چاہئے تھا؟ اور حیات میاں! یہ آپ کا فرض تھا کہ آپ پہلے ہم سے اجازت لیتے
[illegible] پر بھیجتے۔ ان کا دل تو ایسی ہی خرافات میں لگتا ہے۔"

"[illegible]ت نہیں ابا جان، چچا جان کے پاس تو بہت اچھی اچھی چیزیں ہیں، میرا تو دل
[illegible] نہیں رہ جاؤں۔ چچا جان اس سال چھٹیوں میں ہم ضرور آئیں گے۔ گھڑ سواری،
[illegible] بہت سی چیزیں سیکھیں گے۔" سکندر نے باپ کی تنبیہہ اور سرزنش کو نظر انداز کر
[illegible] سے کہا تو وہ شجاعت اللہ کو دیکھنے لگے جن کے چہرے پر برہمی کے تاثرات

اُبھر آئے تھے۔

''آپ بہت بولنے لگے ہیں سکندر بیٹے! آپ نے آئندہ کا پروگرام بھی بتا دیا یہاں صرف اس وقت آیا کریں گے جب ہم کہیں گے، سمجھے آپ۔ اور بڑوں کی موجو یوں خود کو اہمیت مت دیا کریں۔ ہمیں یہ پسند نہیں۔''

سکندر کی فطرت ہی میں کچھ تو خودسری تھی اور کچھ شجاعت اللہ کی روک ٹوک خودسری کو بڑھا دیا تھا۔

''ارے بھائی صاحب! کیوں بچے کو ہراساں کرتے ہیں۔ ابھی تو چھٹیوں وقت پڑا ہے، دیکھا جائے گا، ابھی سے پابندی لگانے کا کیا فائدہ۔''

''نہیں حیات! آج ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر نہ ٹوکا گیا تو کل نجانے یہ کیا بن شجاعت اللہ نے سخت سی نظر سکندر پر ڈالی اور باہر نکل گئے۔

*☆*

''ارے انیقہ، تم کب آئیں؟'' وہ لوگ زمینوں سے واپس آئے تو انیقہ موجود تھیں دیکھ کر سب کو ہی خوشگوار حیرت ہوئی۔ شفاعت اللہ تو انیقہ کی دھیمی زخمی مسکراہٹ کوئی بہت ناپسندیدہ طوفان دیکھ رہے تھے۔ تاہم وہ انیقہ کا دکھ دل میں اتار کر رہ گ کچھ نہیں۔

''بس آپا جان، ہمارا کوئی گھر، ٹھکانا تو ہے نہیں کہ کہیں ٹک کر بیٹھ جائیں۔'' سامنے خود کو بڑی مشکل سے سمیٹ کر بیٹھی تھیں۔ سب اپنے کمروں میں چلے گئے بہن کے شانوں پر سر رکھ کر شدتوں سے رو پڑیں۔

''کیا مطلب ہے انیقہ، بھائی اور بھابی......''

''نام نہ لیجئے آپی جان ان کا۔ ہماری ایک وقت کی روٹی بھی ان پر اتنی بھاری روز کوئی نہ کوئی بڈھا رنڈوا، دس بچوں والا آدمی ہمارے رشتے کے لئے موجود ہوتا کریں تو بھابی جان بے نقط کی سناتی ہیں کہ اب آسمان سے کوئی شہزادہ اترے گا ا ہماری بوٹیاں نوچے گی۔ ہم ٹیوشن سے جو کچھ حاصل کرتے ہیں وہ ان کے ہاتھ ہیں آپی۔ پھر بھی...... پھر بھی ہمارا تو [illegible] ان کو گوارا نہیں۔ آپی جان، کیا سارے ر ہوتے ہیں؟ یا والدین کے بعد سب کچھ ختم ہو جاتا ہے؟ یہی بھائی بھابی کبھی ہم کرتے تھے...... آپ کو خبر ہے آپی جان کہ احتشام نے پھر رابطہ کیا ہے اور کہا ہے کوئی اور قبول نہیں کر رہا ہے تو کسی اور بندے سے نکاح کر کے طلاق لے کر آ



دوبارہ نکاح کرنے کو تیار ہیں۔ سنا آپ نے آپی جان، یہ ہے ہماری عزت، ہماری اوقات کہ......''

''کیا...... کیا...... احتشام کی یہ جرأت، ارے ان کو شرم نہیں آئی اتنی گھٹیا بات کہتے ہوئے۔'' بانو جن کے دل میں انیقہ کی باتوں سے سوراخ ہو رہے تھے، ایک دم پھٹ پڑیں۔

''اور بھائی جان نے کچھ نہ کہا ان کو۔ ان کا گریبان نہ پکڑا، سر نہ توڑا؟''

''ارے آپی، کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ۔ بھائی، بھابی نے تو موقع غنیمت جانا اور اس سلسلے میں ہمیں بتائے بغیر رشتے بھی دیکھے جانے لگے۔ حتیٰ کہ ایک پاگل آدمی کو بھی پسند کر لیا گیا کہ وہ ہم سے نکاح کر کے ہمیں طلاق دے دے گا...... جب اس پر اعتراض ہوا تو بھابی جان اپنے رشتے کے کسی بڈھے ماموں کو لے آئیں جو رقم کی لالچ میں ہم سے نکاح کر کے طلاق دینے پر تیار تھا۔ اور اس کے بعد ہمیں پھر اسی قید خانے میں، اس خبیث انسان کے ساتھ رہنے پر مجبور کر دیا جاتا...... تو...... تو آپی، ہمیں فرار کی راہ ہی نظر آئی۔ اب آپ ہی ہماری آخری پناہ گاہ ہیں۔ ہم جانتے ہیں آپی، یہ آپ کا سسرال ہے، ہمیں یہاں ایسے نہیں آنا چاہئے تھا...... مگر...... مگر ہم کہاں جائیں آپی، ہم بہت مجبور ہیں...... آپ ہمیں دارالامان بھجوا دیجئے۔ مگر ہم واپس نہیں جائیں گے۔ نہیں جائیں گے......'' انیقہ روتے روتے بے حال ہو کر ان کے قدموں میں گر گئی تو بانو تڑپ اٹھیں۔

''انیقہ، ہماری گڑیا ہم قربان اپنی بیٹی پر۔ آپ ہماری جان کے ساتھ ہیں اور کس کی مجال ہے جو آپ کو یہاں سے لے کر جائے یا اپنی مرضی چلائے۔ آپ یہاں رہیں ہمارے ساتھ۔ آپ فکر نہ کریں، اب ہم خود دیکھ لیتے ہیں۔''

پھر وہ انیقہ کو ساتھ لگائے روئے گئیں اور سمجھائے بھی گئیں۔

بانو نے ساری بات شجاعت اللہ کو بتا دی تو وہ طیش میں آ گئے۔

''کیا دماغ چل گیا ہے انور میاں کا کہ پھول سی بچی کے ساتھ ایسا سلوک کر رہے ہیں۔ نہیں جائیں گی انیقہ اب کہیں بھی۔ ہمارے ساتھ ہی رہیں گی، ہماری بیٹی بن کر، ہماری بہن کی کمی بھی پوری ہو جائے گی۔ لاحول ولا...... یعنی کہ بے حسی کی حد ہوتی ہے۔''

منزہ اور شفاعت کو پتہ چلا تو شفاعت کے دل پر گویا چھریاں سی چل گئیں، تاہم مصلحت کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے وہ چپ رہے۔ البتہ منزہ ہر وقت انیقہ کی دلجوئی میں لگی رہیں۔ ہر وقت اس کو باتوں میں لگائے رکھتی۔

''آپ چپ چپ کیوں رہتی ہیں انیقہ، ہنسا بولا کیجئے، انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

اس وقت بھی لان میں شام کی چائے بنا کر انیقہ کو پیش کرتے ہوئے دلاسا دیا تو شا
کے دھندلکوں کا سارا سوگ انیقہ کی مسکراہٹ میں سمٹ آیا۔

''ہاں...... ضرور...... مگر افسوس ہمیں اس بات کا ہے کہ ہم نے یہاں آ کر اچھا نہیں کیا آپ سب کو اپنے دُکھوں کی ڈور میں باندھ دیا ہے۔ آپ سب ہماری وجہ سے پریشان رہ ہیں۔ اس کا ہمیں بہت ملال ہے...... اور......'' انیقہ بات کرتے کرتے چپ ہو گئیں کیونکہ سامنے سے شفاعت اللہ آ رہے تھے مگر منزہ بولے گئیں۔

''ارے آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں انیقہ، آپ کے دکھ ہمارے دکھ ہیں۔ آپ تو ہمیں ا اچھی لگتی ہیں کہ سوچتی ہوں کاش میرا بھائی بڑا ہوتا تو میں آپ کو کہیں نہ جانے دیتی یا پھر خود مرد ہوتی تو کسی کی بھی پروا کئے بغیر کھٹ سے آپ سے شادی کر لیتی۔ آپ کی زندگی کے سارے کانٹے اپنی پلکوں سے چن لیتی اور اتنی خوشیاں دیتی کہ آپ ہر وقت مسکراتی رہتیں۔''

''منزہ آپ مرد نہیں اس لئے بے بس ہیں...... مگر کچھ لوگ مرد ہو کر بھی اتنے بے بس ہیں کہ چاہتے ہوئے بھی ان کو خوشی نہیں دے سکتے اور......'' شفاعت اللہ کے گمبھیر لہجے کا اترا درد انیقہ کے دل میں اتر گیا۔ وہ ٹیسیں دبا کر رہ گئیں۔

''آئیڈیا'' جوں ہی شفاعت اللہ انیقہ کے برابر والی کرسی پر بیٹھے منزہ چلا اٹھی۔ انیقہ شفاعت اللہ اسے دیکھنے لگے۔

''انیقہ! کیا ہوا جو ہمارا بھائی چھوٹا ہوا...... کیا ہوا کہ ہم مرد نہیں، شفاعت اللہ صاحب مرد ہیں اور ہمارے مذہب میں تو چار کی اجازت ہے، پرامس انیقہ، میں آپ سے نہ جلوں نہ لڑوں گی۔ بے شک آپ شفاعت......''

''شٹ اپ منزہ، کبھی کبھی آپ فضول تو بولتی ہی ہیں مگر آج آپ نے حد کر دی۔'' کے دھماکے پر انیقہ اور شفاعت سناٹے میں آ گئے۔ پھر انیقہ اٹھ کر چلی گئی تو شفاعت ا دور تک دیکھتے رہے اور منزہ ان کو دیکھتی رہی۔

''آپ کو ایسی بات نہیں کہنی چاہئے تھی منزہ، لگتا ہے انیقہ کو بہت برا لگا ہے۔'' شفا اللہ کی آواز کہیں دور سے آتی ہوئی محسوس ہوئی تو منزہ گہرا سانس لے کر اٹھی اور بغور شو جائزہ لیتی رہی۔

''آپ کو تو نہیں لگی ناں یہ بات بری؟'' منزہ کے انداز اور لہجے میں نجانے کیا تھا شفاعت اللہ چونک کر کھڑے ہو گئے۔

''آج آپ واقعی بہت فضول بول رہی ہیں۔'' شفاعت اللہ بھی انیقہ کی طرح برہم



ان سے چلے گئے تو منزہ کرسی پر گر کر شدتوں سے رو پڑی اور اس برسات کو وہ کوئی بھی نام دے سکی۔

بانو بیگم، انیقہ کے لئے بہت زیادہ پریشان تھیں۔

''آپ کا حیات احمد کے بارے میں کیا خیال ہے شجاعت؟''

''بس کچھ ایسا خاص نہیں، ٹھیک ہیں۔ کیوں آپ کیوں اتنی دلچسپی لے رہی ہیں؟'' شجاعت اللہ نے اخبار تہ کر کے ایک طرف رکھا اور اپنے خاندانی حقے کی نال سنبھال کر بیگم کو دیکھا جو کافی دیر سے کچھ سوچ رہی تھیں، ٹہل رہی تھیں۔ حیات کے بارے میں وہ اسی دن سے سوچ رہی تھیں جب سے انیقہ آئی تھی۔

''آپ نے بتایا نہیں کہ آپ حیات احمد کے بارے میں کیوں پوچھ رہی ہیں؟''

''وہ...... بات یہ ہے کہ اب دیکھئے ناں انیقہ آخر کب تک یوں خزاں رسیدہ پتے کی مانند در کی ٹھوکریں کھاتی پھریں گی۔ اس لئے......'' وہ بمشکل اپنا مدعا بیان کر پائیں تو معاملے کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے شجاعت سیدھے ہو گئے۔

''اوہ، تو یہ معاملہ ہے، آپ اس نہج پر سوچ رہی ہیں۔''

''جی ہاں، جوان لڑکی ہے، کہاں جائے۔ اپنا گھر ہو، شوہر ہو، بچے ہوں تو عورت معتبر زندگی گزارتی ہے ورنہ تو وہ راہ میں پڑا پتھر ہوتی ہے جس کا جی چاہے ٹھوکر مار کر چل دے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہم خود اپنے ہاتھوں ان کا گھر آباد کر دیں اور حیات احمد خاصے ٹھیک آدمی لگتے ہیں۔''

''ہوں، سوچتے ہیں۔ بلکہ اب سوچنا چاہئے...... حیات احمد...... ٹھیک ہے، مشورہ کر لیتے ہیں ہم شفاعت میاں سے بھی کہ وہ کیا کہتے ہیں۔''

''بھائی جان...... میں نہیں سمجھتا کہ آپ جیسا دانشمند آدمی ایسا فیصلہ کرے گا۔ ٹھیک ہے، بھابی جان پریشانی میں ایسا سوچ رہی ہیں مگر آپ...... آپ...... تو...... آپ کا کیا خیال ہے کہ حیات احمد اچھا آدمی ہے؟...... نیور، خیر وہ کیسا آدمی ہے ہمیں اس سے بحث نہیں لیکن انیقہ کا رشتہ ان سے نہیں ہو گا بلکہ ہم خود...... اب ان......''

☀☆☀

''ارے آپ..... آپ کیسے آئے۔ اور راحیلہ کو ساتھ کیوں نہیں لائے؟'' نازو کو
گیا۔ جی میں تو آیا گملا اٹھا کر راشد کے سر پر دے مارے مگر ضبط کر گئی۔

''آئے گی، راحیلہ بھی آئے گی۔ مگر.....''

''زیبو.....'' ابھی راشد کی بات جاری تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

ایسی چویشن میں جبکہ راشد سر پر کھڑا تھا اور دونوں لڑکیوں پر نگاہ رکھے ہوئے تھا،
آ جانا اور آواز دینا بہت اچھا لگا۔ حمیدہ بیگم خوش ہو کر دروازے کی طرف بڑھیں۔

''السلام علیکم خالہ۔'' سلیم نے ڈرتے ڈرتے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام، جیتے رہو بیٹا۔ آؤ ناں، اندر آؤ۔''

سلیم خالہ کے اچھے موڈ سے اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ وہ اسے کیوں اندر آنے کو کہ
ہے اور وہ بھی اتنا چھوٹا نہیں تھا کہ انہیں بتا دیتا کہ اس نے راشد کو آتے دیکھ لیا ہے اس
آیا ہے کہ کوئی مسئلہ نہ ہو۔

''نہیں خالہ، میں آنے کے لئے نہیں آیا، زیبو ادھر آئی تھی، چچی اسے کافی دیر سے
رہی ہے۔ گھر میں اتنے کام ہیں اور وہ یہاں آ کر بیٹھ گئی ہے۔ آپ ذرا اسے بھیج دو۔
ہی آئی ہے ناں؟''

وہ دروازے کی جانب پشت کر کے کھڑا ہو گیا۔ وہ خالہ پر احسان ہرگز جتانا نہیں چاہ

''ہاں ہاں، زیبو ادھر ہی آئی ہے۔ تم تو اندر آؤ۔ ایسی بھی کیا جلدی ہے۔ ذرا اندر
بیٹھ جاؤ، مجھے تم سے کچھ منگوانا بھی ہے، میں پیسے دیتی ہوں..... اندر آ جاؤ۔'' حمیدہ بھی
اصل بات بتا کر کمزور پڑنا نہیں چاہتی تھیں اور یہ بھی چاہتی تھیں کہ وہ اندر آ جائے تاکہ
خوفزدہ ہو جائے۔

''اچھا چلیں خالہ۔'' سلیم کو بھی اترانا یا وجہ پوچھنا مناسب نہیں لگا۔ وہ ان کے ساتھ
آ گیا۔ راشد باہر صحن ہی میں کرسی پر بیٹھا تھا۔ زیبو اور نازو کھڑی تھیں۔ سلیم نے غصے
راشد کو گھورا۔



''کون ہو بھئی تم اور یوں کیوں منہ اٹھائے چلے آ رہے ہو؟ آنٹی، یوں الٹے سیدھے
لوگوں کو مت گھسا لیا کریں گھر میں۔'' راشد سلیم کو اندر آتے دیکھ کر بولا۔ اس سے پہلے کہ سلیم
کچھ اور کہتا یا کارروائی کرتا، راشد غصے سے کھڑا ہو گیا تو سلیم نے اسے سر سے پیر تک دیکھا۔

''میں نے بھی خالہ سے یہی کہہ رکھا ہے کہ غلط قسم کے لوگوں کو یوں گھر میں گھسنے نہ دیا
کریں۔''

''واٹ، تم مجھے کہہ رہے ہو، مجھے غلط کہہ رہے ہو؟''

''ہاں جی، آپ کو کہہ رہے ہیں اور بالکل درست کہہ رہے ہیں۔ ہمارا شہزادہ کبھی جھوٹ
نہیں بولتا۔''

''اچھا تو یہ تمہارا بھائی ہے۔'' راشد نے زیبو کو دیکھا تو وہ ہتھے سے اکھڑ گئی۔ اس کا جرم
معمولی تھوڑی تھا۔ اس نے سلیم کو، اس کے محبوب کو اس کا بھائی کہہ دیا تھا۔

''کیا..... کیا..... بھائی..... ارے بھائی ہو گا تیرا..... تیری ماں کا، تیرے باپ کا۔ تیری
بیوی کا بھائی ہو گا..... میرا بھائی کیوں ہونے لگا۔'' زیبو تو اچھل اچھل کر اسے مارنے کی
کوشش کر رہی تھی۔

''زیبو! تمیز سے رہو۔ یہ ہمارے بن بلائے اور بن چاہے مہمان ہیں۔''

سلیم نے آگے بڑھ کر زیبو کا ہاتھ پکڑ کر راشد کو دیکھا جس کا چہرہ غصے سے تپ رہا تھا اور
وہ نازو کو دیکھ رہا تھا۔

''نازو! آپ ان گھٹیا لوگوں کے درمیان رہتی ہیں؟ اور تم لوگوں کو کچھ اندازہ ہے کہ تم
جیسے اور جیسی کو میں اپنے ہاں ملازم بھی رکھنا پسند نہیں کرتا۔''

اس کی بات پر نازو کچھ کہنے لگی مگر زیبو نے اشارے سے اسے روک دیا اور اپنا کان کچھ
اس انداز میں مروڑا کہ ایک ساتھ کئی چھینکیں آ گئیں اور اس نے جان بوجھ کر راشد کی طرف
منہ کر لیا۔ ''بھائی میاں! تم ہو کن ہواؤں میں۔ ارے تم جیسے کو تو میں اپنے سلیم کی ناک
صاف کرنے کے لئے بھی نہ رکھوں..... ہاں اپنے پاؤں دبوانے کے لئے۔''

''شٹ اپ یو ایڈیٹ گرل۔ میں تم سے بات کرنا پسند نہیں کرتا۔ نازو، یہ آپ نے اچھا
نہیں کیا کہ ان گھٹیا لوگوں کو بلا کر میری انسلٹ.....''

وہ سرخ چہرہ لئے نازو کی طرف پلٹا تو وہ غصے سے پھٹ پڑی۔

''راشد صاحب! شکر کیجئے کہ آپ اس وقت میرے مہمان ہیں ورنہ..... سلیم اور زیبو کی
انسلٹ کرنے پر میں آپ کا چہرہ نوچ لیتی..... یہ اگر گھٹیا ہیں تو میں بھی گھٹیا ہوں۔ یہ غریبوں

کی بستی ہے راشد صاحب جہاں ایک کی عزت سب کی عزت ہوتی ہے۔ ہم یہاں گھرانے کی صورت رہتے ہیں۔ یہاں کوئی کسی کی بے عزتی برداشت نہیں کرتا، سمجھے آپ۔ نے آپ سے پہلے بھی کہا تھا کہ میرے گھر مت آیئے، یہاں آپ اپنی مرضی سے آتے ہ میں نے کبھی آپ کو دعوت نہیں دی آنے کی۔ یہاں آپ کا کوئی مقصد پورا نہیں ہو سکتا۔ تشریف لے جا سکتے ہیں۔ میں آپ کا لحاظ اس لئے بھی کر رہی ہوں کہ آپ راحیلہ کے م اور کزن ہیں ورنہ...... خیر آپ تشریف لے جایئے اور آئندہ ادھر کا رخ مت کیجئے گا.... ہمارے اپنے لوگ ہیں، میں آپ کو ان کی انسلٹ کی اجازت نہیں دوں گی۔ پلیز۔''

نازو نے غصے میں دروازے کی طرف اشارہ کیا جس کا مطلب تھا نکل جاؤ۔ مگر وہ راشد تھا، اتنی آسانی سے بازی ہاتھ سے کیسے جانے دیتا۔

''اوہ کم آن نازو آپ سب تو اس طرح سیریس ہو گئے ہیں جیسے میں کوئی غنڈہ بدمعاش آدمی ہوں۔ ارے بھئی مجھے راحیلہ نے کہا تھا کہ نازو سے نوٹس لیتا آؤں۔ وہ دو سے کالج نہیں آ رہی ہے۔'' شیطانی ذہن میں ایک دم راحیلہ کی بات گونج گئی کہ نازو نوٹس کس طرح لاؤں۔ تب وہ چپکے سے نکل آیا تھا۔

''مس نازو نوٹس دے رہی ہو کہ میں جاؤں؟'' وہ نازو کی طرف جھکا کہہ رہا تھا۔ کھولتے خون کی تپش برداشت کر کے رہ گیا۔ کوئی غلط آدمی اس کی نازو پر غلط نظر ڈالے اس کو کب گوارا تھا۔ مگر وہ بے حیثیت تھا، اس کے اور نازو کے درمیان رشتہ بھی بے نا پھر وہ کس ناتے اپنا حق جتاتا۔

''ہاں راحیلہ آ تو نہیں رہی مگر...... خیر...... رکیے میں نوٹس لے کر آتی ہوں۔'' نازو تیز سے کمرے میں گئی، بیگ سے فائل نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دی۔

''تھینکس۔'' راشد نے فائل کے نیچے نازو کا نازک ہاتھ دبا دیا تو نازو کو اس قدر شد غصہ آیا کہ جی میں آیا کہ سلیم کو بتا دے تاکہ وہ اسے ایسا سبق سکھائے کہ دوبارہ ادھر کا کرنے کے قابل نہ رہے۔ مگر اپنی عزت اور سلیم کی جان اسے پیاری تھی۔ بات ہونٹوں نکل کوٹھوں چڑھ جائے تو انسان بے وقعت ہو جاتا ہے۔ وہ سلگتے ہاتھ کو ہٹا کر دوپٹے صاف کرنے لگی۔

''اوکے آنٹی، چلتا ہوں...... بیٹا ہوں آپ کا، کوئی کام ہو تو ضرور بتایئے گا۔ میں ج ہوں آپ کس قسم کے لوگوں میں پھنسی ہوئی ہیں۔ میں تو آپ کو اپنی ماں سمجھتا ہوں مگر نجا۔ آپ......'' وہ نازو کو دیکھتا رومانٹک ہونے لگا تو زیبو نے سلیم کو دیکھا اور زور سے منہ کھول



ہنسنے لگی تو راشد اسے گھورنے لگا۔

''ہائے خالہ مبارک ہو، پلا پلایا بیٹا مل گیا۔ میری اماں کی طرح سانڈ جیسے منے کو دودھ کے ڈبے نہیں پلانے پڑیں گے۔ اصل مبارک تو نازو تجھے ہو...... تجھے اب کسی سے گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ دیکھ تو کھڑے کھڑے اللہ نے تجھے بھائی دے دیا۔ بھیا جی، ہو تو بدمعاش، پر چلو ہم بھی بھائی بنائے لیتے ہیں۔ نازو کے بھائی ہمارے بھائی ایک ہی بات ہے۔ ہے ناں؟''

''اوہ شٹ اپ یو ایڈیٹ گرل۔''

راشد کچھ اتنے غصے سے بولا کہ اس کی عینک سلیم کے قدموں میں آ گری۔ سلیم جھکا، عینک اٹھا کر پھونک مار کر اندر سے جھانکا تو نازو پر نظر ٹھہر گئی جو پریشانی میں اور بھی اچھی لگ رہی تھی۔

''صاحب! آپ کی عینک......'' اس نے راشد کو عینک پیش کی تو اس نے عینک دونوں ہاتھوں میں لے کر مسل دی۔

''میں نہ تو گرے ہوئے لوگوں سے بات کرنا پسند کرتا ہوں اور نہ گری ہوئی چیزیں دوبارہ استعمال کرنا گوارا کرتا ہوں، سمجھے تم؟'' وہ غرایا تو زیبو منہ میں دوپٹہ ٹھونس کر ہنسنے لگی۔ ''اوکے آنٹی، میں چلتا ہوں۔''

''ارے بھائی میاں! باہر جا کر چلنا، تمہارا تو بارود بڑا بدبودار ہو گا۔ ہے ناں، شہزادے سلیم۔''

زیبو سلیم کو دیکھ کر ہنسی تو حمیدہ بیگم جو دانستہ طور پر چپ تھیں کیونکہ سلیم اور زیبو کی وجہ سے وہ اندر سے مضبوط تھیں اور زیبو اور سلیم اس سے نمٹ رہے تھے، اب جتانے کے لئے کہنے لگیں۔ ''بیٹھ جاتے راشد بیٹا۔ اس دیوانی کی بات کا برا مت منانا۔ یہ تو......''

''ارے نہیں آنٹی، میں ایسی دیوانی لڑکیوں کی بات کو مائنڈ نہیں کرتا۔ میں تو ایسی دیوانی لڑکیوں کو پسند کرتا ہوں، بہت زیادہ پسند کرتا ہوں۔'' راشد کی میلی نظریں زیبو کے سانولے پرکشش چہرے پر جا ٹھہریں اور ہاتھ اس کی ٹھوڑی کی جانب بڑھا۔ قریب تھا کہ وہ زیبو کا چہرہ چھو لیتا، سلیم نے اس کا ہاتھ غصے سے پکڑا اور جھٹک کر ہوا میں لہرا دیا۔

''لیکن ایسی دیوانیاں تم جیسے کو پسند نہیں کرتیں۔ سمجھے تم؟''

''اوہو بھئی، تم لوگوں کے ساتھ یہ بڑا پرابلم ہے کہ کسی کے خلوص کو نہیں سمجھتے۔ اوکے ...، راحیلہ کو کوئی پیغام......'' راشد بھی اپنے نام کا ڈھیٹ اور بے غیرت تھا، سلیم کی بات پر بے غیرتی سے ہنستا ہوا نازو کی جانب مڑا جس کے چہرے پر غصہ اور نفرت عیاں تھی۔

''جی مجھے راحیلہ سے کچھ نہیں کہنا۔ اس نے جان چھڑانے والے انداز میں کہا تو وہ دیا۔ وہ سب جان رہا تھا، سمجھ رہا تھا۔

''اچھا، یہ تو بتا دیجئے کہ یہ فائل کب تک چاہئے آپ کو۔ اور کہاں واپس کرنے آؤں اس بات پر سب نے ایک دوسرے کو دیکھا اور چہروں پر ناگوار تاثرات ابھرے۔

''راشد صاحب! مجھے یہ فائل نہیں چاہئے۔ میں نوٹس دوسری کاپی پر اتار چکی ہوں، ا راحیلہ کو دے دیجئے۔ نہ آپ کو آنے کی ضرورت ہے اور نہ مجھے فائل کی۔ اس لئے آ زحمت نہ کیجئے گا۔'' سب سمجھ رہے تھے کہ وہ یہاں زیادہ سے زیادہ ٹھہرنے کے لئے سیدھی باتیں کر رہا ہے۔

''او کے، چلتا ہوں خدا حافظ!'' جاتے جاتے راشد نے پلٹ کر نازو کو گہری نظر سے د تو سلیم سلگ کر رہ گیا۔ ''ویسے سلیم یار، تم نازو کے گھر کی چوکیداری کا کیا لیتے ہو۔ مطلب ہے......'' وہ اتنا اچانک مڑا اور بولا کہ اس اچانک سوال پر سلیم کچھ بوکھلا سا گیا، نے ایک نظر نازو پر ڈالی...... اُس کے چہرے کی ملاحت اس کے دل میں اتر گئی۔

''راشد صاحب، میں آپ کی طرح بزنس مین نہیں ہوں کہ خوشیوں کی سوداگری کروا خوشی کا کوئی معاوضہ نہیں ہوتا، اس لئے کہ خوشی ہمیشہ انمول ہوتی ہے۔ خیر آیئے، آپ کو گا تک چھوڑ آؤں۔'' سلیم اسے بازو سے پکڑ کر گاڑی کی طرف لے گیا۔

''ارے دفع دور کمینہ بدمعاش، ویسے نازو تیرا لحاظ نہ ہوتا ناں تو میں اس کھٹل کو جوتی رگڑ ڈالتی۔''

''نہیں زیبو، ہم ایسا نہیں کر سکتے ناں۔ اس لئے کہ کیچڑ میں پتھر اچھالنے سے اپنا لبا گندا ہوتا ہے۔''

''اچھا مائی حوا، میری سمجھ میں تو تیری ڈاکٹر آتی نہیں۔''

''زیبو! گھر سے نکل کر سب بھول جاتی ہے، وہاں چچی تجھے بلا رہی تھیں۔ میں بلانے ہی آیا تھا...... چل اب گھر چل۔'' سلیم دروازے کی دہلیز سے پار کھڑا زیبو کو بلا رہا تو وہ بڑبڑاتی آگے بڑھ گئی اور وہ دونوں آگے بڑھے تو نازو نے ماں کو دیکھا۔

''امی، سلیم اور زیبو کا شکریہ ادا کر دیتیں تو۔''

''شکریہ؟'' وہ کمرے کی طرف جاتے جاتے پلٹیں۔ ''شکریہ کس بات کا...... ایسا کیا دیا ان دونوں نے؟'' حمیدہ نجانے سلیم کے بارے میں اتنی سخت کیوں تھیں کہ اس کی نیکی شکریہ تک کہنا گوارا نہیں تھا۔ نازو کو اسی معاملے میں اپنی ماں سے شکوہ تھا۔



''امی! سلیم ہر بار وقت پر پہنچ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے ہماری مدد کا وسیلہ بنا کر بھیج دیتا ہے تو......''

''ہاں ٹھیک ہے، میں مانتی ہوں۔ مگر اس بار خاص طور پر نہیں آیا بلکہ وہ تو زیبو کو بلانے آیا تھا اور راشد کو دیکھ کر رک گیا۔''

''کون جانے امی، میرا مطلب ہے یہ تو خدا ہی جانتا ہے کہ حقیقت کیا ہے۔'' نازو نے ایک نظر دیواروں سے اترتی ہوئی دھوپ کو دیکھا، پھر کپڑے سمیٹے اور اندر آ گئی۔

☀☆☀

راشد فائل لے کر اپنے بیڈ روم میں بیٹھا فائل کی سازشی انداز میں ورق گردانی کر رہا تھا۔ نازو کی بدنصیبی کہ کالج کے ایک فنکشن کی کچھ تصویریں جو شائستہ نے آج ہی اسے دی تھیں اور اس فائل میں رکھی تھیں، وہ تصویریں نکالنا بھول گئی تھی۔ ان میں ایک تصویر راحیلہ کے اصرار پر اس کے ساتھ تھی اور ایک تصویر شائستہ نے اس کی الگ سے لی تھی۔

''زبردست، یہ ہوئی نا جیت۔ نازو بیگم، اب تم میری ہو...... میں کسی ایسی ہی چال کا منتظر تھا اور چال...... خود چل کر میرے گھر آئی ہے اور میری جیب میں فٹ ہو گئی۔ نازو اب تم میری جیب میں ہو۔ ہا...... ہا...... ہا......''

راشد کا شیطانی قہقہہ فضا میں گونج گیا۔ اس نے احتیاط سے نازو کی خوبصورت تصویر اپنی جیب میں رکھ کر قہقہہ لگایا۔ وہ تو اس اتفاق اور نازو کی بھول پر جھوم جھوم اٹھا تھا۔ عیارانہ سوچ رکھنے کے باوجود نازو کو بلیک میل کرنے کی کوئی ترکیب نہیں سوچ سکا تھا۔ آج یوں اچانک جیسے نازو خود بخود اٹھ کر اس کے کمرے میں چلی آئی تھی۔ نازو اس کے لئے چیلنج بن گئی تھی ورنہ ایسا کب ہوا تھا کہ اس نے کسی لڑکی کی طرف ہاتھ یا قدم بڑھایا ہو اور لڑکی نے انکار کیا ہو۔ مگر نازو تو مستقل اسے ذلیل کرتی رہی تھی، گھر میں بھی...... اور گھر سے باہر بھی۔ اس نے بھی نازو کو سبق سکھانے کا فیصلہ کر لیا تھا اور اس سلسلے میں یہ تصویریں اس کی کامیابی کی ضمانت تھیں۔

''یہ ہوئی ناں بات۔ یہ تصویر ہی نہیں نازو بیگم، تم بھی میری جیب میں آ گئی ہو۔ آہا، اب آئے گا مزا۔'' اس نے جیب سے نازو کی تصویر نکال کر دیکھی اور قہقہہ لگا کر ہنسنے لگا۔ پھر اسی وقت وہ اٹھا اور راحیلہ کا نمبر ملانے لگا۔

''ہیلو۔'' تیسری بیل پر راحیلہ نے فون ریسیو کیا۔

''ہیلو، کیسی ہو ڈارلنگ؟'' وہ بہت موڈ میں تھا۔

''اوہ آپ ہیں۔ آج کیسے یاد آ گئی میری؟'' نہ چاہتے ہوئے بھی شکوہ راحیلہ کے لبوں پر آ گیا تو وہ زور سے ہنس دیا۔

''اوہو میڈم، ابھی تک خفا ہیں۔ اچھا چلو ایسا کرو تم جلدی سے تیار ہو جاؤ، میں آ رہا ہوں۔ آج ہم سارا وقت گھومیں پھریں گے۔ اور آنٹی کو بتا دینا، آج میں اور تم ڈنر باہر کریں گے...... چلو اب تیار ہو جاؤ۔ خدا حافظ۔''

قبل اس کے کہ وہ وہ خود پر اس مہربانی کا سبب پوچھتی، راشد اسے تیار ہونے کا کہہ کر ریسیور رکھ چکا تھا۔ وہ حیران کن خوشی کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی اور تیار ہونے لگی۔

''واہ زبردست، کیا بات ہے۔ آج تو نظروں کے ذریعے دل میں گھسی جا رہی ہو۔ کیا بات ہے۔ تم پر یہ رنگ تو بہت جچ رہا ہے۔ تم یہ رنگ ضرور پہنا کرو۔ بہت کم استعمال کرتی ہو تم یہ رنگ۔ کیوں؟''

اس کی بات پر راحیلہ بغور اسے دیکھنے لگی۔ پرپل کلر اسے بہت پسند تھا مگر اس نے جب بھی پہنا راشد نے اعتراض کیا کہ سانولے رنگ پر یہ کلر سوٹ نہیں کرتا۔ آج نجانے وہ کس ترنگ میں تھا کہ تعریف کیے جا رہا تھا۔

''یہ تم مجھے ایسے کیا دیکھ رہی ہو، نظر لگاؤ گی کیا؟'' وہ ضرورت سے زیادہ شوخ ہو رہا تھا۔

''آپ کا یہ انداز، یہ رویہ خوش کن بھی ہے اور حیران کن بھی۔ کیا وجہ ہے؟''

''کیوں پسند نہیں آیا یہ انداز...... تم خوش نہیں ہو میرے اس انداز اور اظہار محبت سے۔'' راشد نے بڑی بے تکلفی سے اس کا ہاتھ پکڑا تو راحیلہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔ وہ کوئی جاہل نہیں تھی کہ سمجھ نہ سکتی کہ اس کے حصے میں لگاوٹ کے یہ لمحے کسی انجانی خوشی کا صدقہ ہیں۔

''ہاں، خوش تو ہوں۔ مگر بعض خوشیاں تتلی کے رنگوں کی طرح بہت ناپائیدار ہوتی ہیں، چھوتے ہی سارے رنگ مٹ جاتے ہیں۔ پھر ایسی عارضی خوشی پر کیا خوش ہونا۔'' وہ اس قربت، اس کے انداز پر سنجیدہ سی ہو گئی۔

''او کم آن راحی تم...... تم ہمیشہ مجھ سے بدگمان رہتی ہو، جبکہ میں تو خود کو تمہاری امانت سمجھتا ہوں۔ میری محبت، میری توجہ، میری ہر چیز پر صرف اور صرف تمہارا حق ہے مگر......''

آہستہ آہستہ وہ اپنے مقصد کی طرف آ رہا تھا اور وہ بھی اچھی طرح سمجھ رہی تھی پس پردہ کیا ہے۔ وہ بولتی آنکھوں سے اس مگر کے پیچھے جھانکتی ہوئی بولی۔ ''مگر کیا؟''

''مگر یہ بتاؤ کہ وہ تمہاری دوست نازو کس قسم کی لڑکی ہے؟'' وہ اچانک ہی نازو کا ذکر لے بیٹھا تو راحیلہ ساری کہانی سمجھ گئی۔ اس نے جوس کا گلاس میز پر رکھ کر گہرا سانس لے کر



ایک نظر راشد کو دیکھا۔ اچھا خاصا خوبرو اور اسمارٹ آدمی تھا۔ مگر اس کی گندی سوچ اور عیارانہ چالوں نے اس کی شخصیت مسخ کر ڈالی تھی۔

''نازو کے بارے میں...... میں بہت زیادہ الفاظ استعمال نہیں کروں گی، صرف یہ کہوں گی کہ نازو جیسی لڑکی خدا کرے ایسی سب لڑکیاں ہوں...... کیوں، کیا آپ پھر گئے تھے اس کے گھر؟'' راحیلہ کے لہجے میں غصہ بھی تھا اور شک بھی۔ کیونکہ نازو بارہا کہہ چکی تھی کہ راشد اس کے گھر آتا ہے جس سے وہ اور اس کی امی بہت پریشان ہیں۔

''واٹ...... میں اور نازو کے گھر جاؤں گا؟ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ تو اس روز تمہارے ساتھ چلا گیا تھا۔ یوں بھی مجھے کوئی شوق نہیں ایسی گھٹیا جگہ جانے کا۔ اپنی کلاس سے باہر نکلنا اور ایسی لڑکیوں سے دوستی کرنا تمہارا شوق ہے میرا نہیں...... کیوں، نازو نے کوئی شکایت کی ہے؟'' نازو کی تصویر جیب میں پڑی تھی، اسی لئے وہ اتنا بڑھ چڑھ کر بول رہا تھا۔

''نن...... نہیں، وہ کیوں شکایت کرنے لگی۔ یوں ہی کہہ رہی تھی کہ آپ اس کے ہاں......'' وہ اس خوف سے سچ بتا بھی نہیں رہی تھی کہ کہیں وہ نازو کے پیچھے نہ پڑ جائے۔ جبکہ اب راشد چاہ رہا تھا کہ کوئی بات نکلے اور وہ پھٹے۔

''ہاں یہی کہا ہوگا اس نے کہ میں اس کے ہاں آتا ہوں، تنگ کرتا ہوں اور اسے اور اس کی ماں کو مدد کے لئے محلے والوں کو بھی بلانا پڑتا ہے۔ یہی کہتی ہے نا...... یار کس قدر مکار اور چالاک لڑکی ہے۔ معصوم چہرے کے پیچھے اس نے کیا عیار صورت چھپا رکھی ہے۔ اس کے کارنامے تمہیں بتاؤں ناں تو بے ہوش ہو جاؤ گی۔''

''راشد پلیز...... پلیز چپ ہو جائیں۔ میں نازو کو ایک عرصے سے جانتی ہوں۔ آپ اس کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں کہہ سکتے۔ وہ ایک نیک، شریف اور باکردار لڑکی ہے۔ میں اس کے بارے میں کوئی غلط بات نہیں سنوں گی یقین کرنا تو دور کی بات ہے۔''

راحیلہ کو شدید غصہ آ گیا تھا راشد کی بات پر۔ اور نازو کی پارسائی کا یقین ہونے کے باوجود ایک عجیب طرح کا غصہ اس پر بھی آ رہا تھا اس کے جس حسن کی وہ فین تھی اب اس سے خائف بھی تھی۔

''اوہو، دوست کی پارسائی پر اتنا یقین ہے اور اپنے کزن اور ہونے والے شوہر پر اتنی بے اعتباری ہے۔ یہ دیکھو، اس تصویر کو تو پہچانتی ہو ناں۔'' راشد نے مکاری سے ہنستے ہوئے جیب سے نازو کی وہ تصویر نکالی جس میں وہ اکیلی تھی۔ اور وہ جانتی تھی کہ اس اکیلی تصویر کے لئے زیادہ اصرار اس نے خود کیا تھا ورنہ نازو تو تصویر اتروانے پر تیار ہی نہیں تھی۔

"یہ... یہ... یہ تصویر تو لاسٹ فنکشن کی ہے اور... یہ آپ کے پاس کیسے آئی؟"
نازو کی تصویر پکڑے گویا بے ہوش ہونے لگی اور راشد اس کی حالت سے محظوظ ہونے لگا

"اڑ کر آئی ہے یہ تصویر میرے پاس... سلی گرل، کسی لڑکی کی تصویر کسی مرد کے پاس کس طرح آتی ہے، ظاہر ہے اس نے خود دی ہے۔"

"نیور... نیور۔ میں قطعی نہیں مان سکتی۔ نازو کو میں بہت اچھی طرح جانتی ہوں بہت شریف لڑکی ہے۔ آئی ڈونٹ بی لیو اٹ۔" راحیلہ کی بری حالت ہو رہی تھی۔ ایک طرح کی گھبراہٹ سے اسے گھٹن سی ہونے لگی تھی۔

"اچھا، وہ نیک پروین ہے تو کیا ہم ہی بدمعاش ہیں؟ اور سنو، اتنا اندھا اعتماد انسان کو اپنی ذات پر بھی نہیں ہونا چاہئے جتنا تم دوست پر کر رہی ہو۔"

"ہاں اپنی ذات پر نہیں، دوست پر اندھا اعتماد ہے مجھے راشد۔ وہ ایسا کر ہی نہیں سکتی۔ میں مان ہی نہیں سکتی... نو نیور۔" راحیلہ پاگلوں کی طرح تصویر دیکھتے ہوئے بولے گئی۔

"کاش کہ وہ تمہارے اعتماد پر پورا اترتی راحیلہ۔ آؤ میں تمہیں بتاؤں کہ وہ کیسی ہے۔ آؤ شاباش۔"

پھر وہ اسے ساتھ لے کر گھومتا رہا، چاپلوسی جھاڑتا رہا، شاپنگ کراتا رہا۔ مگر راحیلہ کو بات پر نہ تو یقین آ رہا تھا اور نہ ہی کچھ کرنے کو جی چاہ رہا تھا۔

"دیکھو راحیلہ، میں مانتا ہوں تم ہرٹ ہو رہی ہو اس لئے کہ تم اچھی کلاس سے تعلق رکھتی ہو۔ اچھی فیملی سے ہو۔ سونے کا چمچ لے کر پیدا ہوئی ہو۔ تمہیں کیا معلوم کہ بھوک کیا چیز ہے، محرومی کس کو کہتے ہیں، جب انسان کو بھوک لگی ہو تو وہ ہر اچھا برا کام کر گزرتا ہے نازو بھی تو آخر انسان ہے، لڑکی ہے۔ اس کی بھی خواہشات ہیں، خواب ہیں اور غربت میں وہ اپنی خواہشات کیسے پوری کر سکتی تھی۔ تو لامحالہ اسے کوئی اور راستہ ہی تلاش کرنا تھا نا۔"

وہ آہستہ آہستہ اس کا برین واش کر رہا تھا مگر راحیلہ کو اس کے ایک لفظ پر بھی یقین نہیں تھا۔ مگر وہ تھا کہ ہر بات اس طرح کر رہا تھا کہ نازو پر اس کا اعتماد آخری کنارے تک پہنچا تھا۔

"آپ کچھ بھی کہہ لیں راشد، میں نہیں مان سکتی۔ کیونکہ میں جانتی ہوں وہ بہت ... لڑکی ہے۔ وہ کبھی بھی اپنی خواہشات کے سامنے جھک نہیں سکتی۔"

"ہوں، اچھی بات ہے۔ تم اس پر اعتماد کرتی ہو، میں بھی اسے اچھی لڑکی سمجھتا تھا۔ جانتی ہو کہ یہ تصویر مجھے کس نے دی ہے؟"



"کس نے دی ہے، مجھے یقین ہے کہ یہ تصویر اس کے پاس آ جانا ایک اتفاقی حادثہ تو ہو سکتا ہے مگر..."

"ہاں تم ٹھیک کہہ رہی ہو، یہ اتفاقی حادثہ ہی ہے۔ وہ میرا دوست ہے شکیل، یہ تصویر اس کے پاس تھی۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ شکیل اور نازو کی بہت پرانی دوستی ہے... اور وہ اکثر شکیل کے ساتھ شاپنگ وغیرہ یا..."

"خدا کے لئے چپ ہو جایئے راشد، چپ جایئے۔ ورنہ میرا شرافت پر سے اعتبار اٹھ جائے گا۔" راحیلہ شدت سے رو دی تو راشد اسے سمجھانے لگا۔

"تم خود معصوم ہو ناں راحی اس لئے تمہیں دکھ ہو رہا ہے۔ اب ایسی بھی بات نہیں کہ تم شرافت پر سے یقین ہٹا لو۔ ہوتا ہے ایسا، ضرورت انسان سے بہت کچھ کراتی ہے۔ تمہیں اندازہ ہے۔ ہاں، یہ ضرور ہے کہ بندے کو ضروریات اچھے ذرائع سے پوری کرنی چاہئیں۔"

"دیں تصویر مجھے۔ میں ابھی اور اسی وقت نازو کے گھر جانا چاہتی ہوں۔" راحیلہ جس قدر غصے میں تھی، وہ اسی وقت نازو سے ملنا چاہتی تھی۔ اسے یقین تھا کہ کہانی کچھ اور ہو گی ورنہ نازو ایسی ہو ہی نہیں سکتی۔ راشد اس کے انداز پر ڈر سا گیا۔ اس نے تصویر راحیلہ کے ہاتھ سے چھین لی۔

"آں... آں، اب اتنا جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں، میں ہوں ناں۔ میں شکیل سے کنفرم کر کے تمہیں بتا دوں گا۔"

"ہرگز نہیں، شکیل غلط آدمی ہے۔ وہ نجانے کیا کہانی گھڑے گا۔"

"واٹ، شکیل کو تم برا آدمی کہہ کر یہ باور کرانا چاہتی ہو کہ میں بھی چیٹر اور غلط آدمی ہوں؟" وہ دانستہ طور پر ذرا غصے سے بولا تو وہ خوفزدہ سی ہو گئی۔

"نن... نہیں راشد، آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ مجھے تو شاک لگا ہے یہ جان کر، سن کر۔ یہ تصویر تو ہمارے سامنے ہمارے اصرار پر اس نے..."

"ہاں دیکھو، اب یہ ساری باتیں ہمیں تو معلوم نہیں تھیں مگر شکیل بتا رہا تھا کہ یہ تصویر راحیلہ کے اصرار پر بنی۔ یہ بات خود نازو نے اسے بتائی تھی اور وہ کیا بتا رہا تھا کہ کوئی شائستہ ہے، وہ کیا بات تھی کہ..."

اور پھر اس نے اپنی مکار ذہنیت کو استعمال کرتے ہوئے وہ تمام باتیں جو راحیلہ نے بتائی ہوئی تھیں، وہ ذرا سے رد و بدل کے ساتھ شکیل کے نام سے منسوب کر کے کچھ اس طرح سین بنائے کہ نازو کی پارسائی پر اندھا اعتماد کرنے والی راحیلہ ڈول گئی۔ وہ قطعی بھول چکی تھی کہ ان

واقعات کا ذکر تو خود اس نے راشد سے کیا ہوا ہے۔ وہ راشد کی توجہ اور قربت حاصل کرنے کے لئے کالج کی لڑکیوں کی ساری باتیں راشد کو بتایا کرتی تھی اور آج اس کی اس بے وفا کو راشد کیش کرا رہا تھا اسی لئے وہ ڈبل مائنڈڈ ہو رہی تھی کہ آیا وہ سچ کہہ رہا ہے یا جھوٹ

''راشد! میں تو پریشان ہو کر رہ گئی ہوں کہ کیا سچ ہے اور کیا جھوٹ۔ مگر میرا دل نہیں کہ...... کہ نازو جیسی معصوم لڑکی ایسی حرکت کر سکتی ہے...... اُف میرے پروردگار، یہ سب ہے؟'' راحیلہ نے گھبرا کر دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیا۔

''تم یقین کرو راحیلہ، میں تو خود سمجھنے سے قاصر ہوں کہ یہ سب کیا ہے۔ خیر دیکھتے آگے کیا ہوتا ہے۔ آؤ چلیں۔'' راشد خوش تھا کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکا ہے۔

☼☆☼

''نازو بیٹے کیا بات ہے، کیا تلاش کر رہی ہو اتنی دیر سے؟''

نازو اپنا بیگ، الماری سب کھول کر تصویریں تلاش کر رہی تھی۔

''امی! ہمارے کالج میں جو فنکشن ہوا تھا، اس میں ہماری تصویریں شائستہ نے اتاری اور کل تو اس نے دی تھیں اور میں نے بیگ میں رکھی تھیں۔ اوہ تو غضب ہو گیا تصویریں میں نے فائل میں رکھ دی تھیں اور وہ فائل راشد......''

''یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟ اپنی بربادی کی گویا خود اجازت دے دی اسے؟ اب کیا ہو بھی تو اپنے حواسوں میں نہیں رہتیں۔ فائل دینے سے پہلے تمہیں فائل چیک کر لینی چاہئے اب نجانے وہ اسے کیسے استعمال کرے، بدمعاش آدمی ہے۔ اب کیا ہو گا۔'' حمیدہ تو ڈر گئیں۔ وہ جانتی تھیں راشد بدمعاش آدمی ہے، تصویر کے ذریعے وہ کچھ بھی کر سکتا تھا۔

''امی! وہ سر پر مسلط تھا۔ میں چاہتی تھی وہ جلدی سے چلا جائے۔ جلدی میں حواس کام نہیں کر رہے تھے۔ میں نے جلدی سے فائل اس کو دے دی۔''

''تمہارے پاس راحیلہ کا فون نمبر ہے ناں۔ تو چلو پی سی او سے راحیلہ کو فون کر کے کر لو کہ راشد نے فائل تو پہنچا دی ہو گی اور اس میں سے......''

''نہیں امی، میں نے اس کا نمبر لیا ہی نہیں۔ اس لئے کہ ہمارے ہاں کون سا فون ہے''

''پھر بھی، تمہیں نمبر رکھنا چاہئے تھا...... اور اب ایک ہفتے کے بعد کالج کھلے گا۔''

''جی امی، کالج میں کچھ کنسٹرکشن ہو رہی تھی اس لئے کالج بند ہے، یوں بھی کورس چکا ہے اور کلاسز بھی نہیں ہو رہی ہیں اس لئے لڑکیاں کم ہی آتی تھیں۔''

''اے اللہ، تو ہی ہماری عزت کی حفاظت فرمانا۔ کب میری زندگی ان پریشانیوں



سے آزاد ہو گی۔''

مغرب کی نماز کے لئے جانماز پر کھڑے ہو کر حمیدہ رو پڑیں تو نازو ان کو یوں دیکھنے لگی جیسے وہ مجرم ہو اور سب کچھ اس نے اپنی مرضی سے کیا ہو۔ پھر اٹھ کر وہ بھی نماز پڑھ کر دعائیں کرنے لگی۔

اس واقعے کے بعد حمیدہ بیگم کے تفکرات میں اضافہ ہو گیا اور وہ نازو کی شادی ہر صورت میں اب جلد سے جلد کر دینا چاہتی تھیں۔ ہاجرہ خالہ کے چکر بھی کچھ زیادہ ہو گئے تھے۔ مگر کوئی ڈھنگ کا رشتہ مل ہی نہیں رہا تھا اور وہ اپنی ہیروں جیسی بیٹی کو مٹی میں بھی نہیں رولنا چاہتی تھیں۔

اس روز ہاجرہ کوئی رشتہ لے کر آئیں۔ خود لڑکا اور اس کی ماں بھی آ گئیں۔ یہ درست تھا کہ لڑکا بی اے پاس تھا مگر دیکھنے میں وہ بہت عمر رسیدہ اور لالچی قسم کا لگتا تھا۔ ہرچند کہ وہ نازو کے قابل ہرگز نہ تھا مگر حمیدہ بہت خوفزدہ ہو گئی تھیں اس لئے اب وہ مزید انتظار بھی نہیں کر سکتی تھیں۔ تصویر والی بات نے ان کو ہراساں کر دیا تھا اسی لئے جمیل کے رشتے کو انہوں نے زیرِ غور کر لیا۔

''تو پھر بہن، ہم ہاں سمجھیں ناں؟'' لڑکے کی ماں کو بہت جلدی تھی۔ اصل میں نازو اتنی پسند آئی تھی کہ وہ یہ رشتہ گنوانا نہیں چاہتی تھیں۔

''اے بی، چھری تلے دم لو۔ ابھی سے ہاں کیسے ہو گئی۔ ابھی تو میں نے تم دونوں کو ملایا ہے۔ دونوں طرف کے لوگ چھان بین کر لیں گے پھر بات آگے بڑھائیں گے۔''

لڑکے کی ماں کے جواب میں خالہ ہاجرہ نے ذرا تنک کر کہا تو حمیدہ بھی حیرت سے ان کو دیکھنے لگیں۔ اصل میں خالہ ہاجرہ کو یہ رشتہ لا کر بعد میں خود افسوس ہوا تھا کہ لڑکی کیا چیز ہے اور لڑکا کیا چیز ہے۔

''خیر خالہ کچھ بھی کہو، ہمیں تو کوئی چھان بین نہیں کرنی۔ لڑکی ہمیں بہت پسند ہے۔ ہاں آپ لوگ کرنا چاہیں تو ضرور اپنی تسلی کر لیں۔ اچھا بہن، اب ہمیں اجازت دیں۔ اگر اللہ نے ہمارے ہاں رشتہ لکھا ہے تو دیکھنا، تمہاری بیٹی کو پھولوں کی طرح رکھیں گے۔''

''جی انشاء اللہ...... اچھا پھر خدا حافظ۔''

جمیل مڑ مڑ کر دیکھتا رہا کہ شاید پھر نازو کی جھلک نظر آ جائے مگر وہ دل و دماغ میں اٹھتے طوفانوں کو بمشکل روکے خشک آنکھوں سے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے اس شخص کے بارے میں سوچ رہی تھی جس کو اس کی ماں نے پسند کر لیا تھا۔

''خالہ! تم نے جمیل کی ماں سے ایسا کیوں کہا؟''

''ارے حمیدہ! دیکھو لانے کو میں یہ رشتہ ضرور لے آئی ہوں مگر کہاں تمہاری چاند ک
اور کہاں وہ لڑکا۔''

''داغ بھی تو چاند میں ہوتا ہے ناں خالہ، میری بیٹی کی قسمت بھی تو......''

حمیدہ رو سی دیں۔ وہ کون سا خوش تھیں۔ وہ تو بس بیٹی کے لئے ایک سائبان
تھیں۔ کرنے کو وہ کسی اچھے رشتے کا انتظار کر سکتی تھیں مگر تصویر والی بات اور راش
آمد ورفت نے ان کو بوکھلا کر ہر قسم کا فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

''اچھا رکو، ایسا کرو ابھی تم جمیل کی ماں کو کوئی صاف جواب نہ دو۔ میں کہیں اور ہا
مارتی ہوں۔ بلکہ میں نے جو رشتہ دیکھ رکھا ہے ناں، ارے چاند سورج کی جوڑی رہے گ
اس پہ بہت ذمے داریاں ہیں، شادی جلدی نہیں کر سکے گا۔''

''نہیں خالہ، میں انتظار نہیں کر سکتی۔ شکل صورت سے کیا فرق پڑتا ہے۔ لڑکا کما
شریف ہے، بیوی کی عزت کرے گا اور کیا چاہئے۔ ان لوگوں کو تو بہت جلدی ہے شا
اور دیر میں بھی کرنا نہیں چاہتی۔''

''اچھا، جیسے تمہاری مرضی۔ مگر ابھی ہاں نہ کہنا۔ لڑکی کمزور پڑتی ہے، میں تو ہمیشہ
والوں کا پلہ بھاری رکھنا چاہتی ہوں۔''

''اچھا خالہ، جیسے تم کہو گی ویسے میں کروں گی۔''

''ٹھیک ہے، چلتی ہوں۔ خدا حافظ۔''

خالہ اپنا بھاری برقع سنبھالتی باہر نکل گئیں تو حمیدہ اندر آئیں۔ نازو سے نظریں ملا
ان میں ہمت نہیں ہو پا رہی تھی۔ وہ کون سا خوش تھیں کہ اتنی حسین نازوں پلی
فرمانبردار بیٹی کو ایسی جگہ دیتیں جو بالکل اس کے جوڑ کا نہیں تھا۔

''یہ دنیا کیسی جگہ ہے، کیسے کیسے لوگ اور رویئے ملیں گے، ہم کتنا خوار ہوں گے، ت
باپ کی دہلیز چھوڑتے ہوئے مجھے جو اندازہ تھا نازو، یہ سب اس سے کہیں زیادہ ہے
اوقات انسان کو وہ فیصلے کرنے پڑتے ہیں جن کو وہ خود پسند نہیں کرتا مگر وہ فیصلے و
حالات کی مجبوری ہوتے ہیں۔ پھر بھی یہ فیصلہ حتمی نہیں ہے۔''

حمیدہ بیگم چارپائی پر بیٹھ کر اپنے پاؤں دباتے ہوئے رونے لگیں تو نازو ان
ہوئے ان کے قریب آ کر ان کے پاؤں دبانے لگی۔ وہ اپنی ماں کی مجبوریاں سمجھتی تھی
راشد کی وجہ سے تو وہ خود بہت پریشان تھی اور سلیم کو امی پسند نہیں کرتی تھیں، چنانچہ



خاموشی سے سر جھکا دیا۔

''امی! آپ حتمی فیصلہ بھی کر سکتی ہیں۔ انشاء اللہ آپ کو بھی کوئی شکایت نہیں ہوگی۔''

ایک ساتھ کئی آنسو ماں کے پیروں پر پڑے تو ان کے دل میں آگ سی بھڑک اٹھی۔ کیا
تم تھا کہ وہ بیٹی کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتی تھیں۔

''خوش رہو بیٹی، تم نے ماں کو خوش کیا، اللہ تمہیں خوش کرے۔ خدا ایسی فرمانبردار بیٹیاں
سب کو عطا فرمائے۔ آمین۔'' انہوں نے بڑھ کر نازو کو سینے سے لگایا تو مجبوریوں کی ڈور میں
بندھی ماں بیٹی کتنی ہی دیر روتی رہیں۔

اس رشتے کی خبر زیبو اور سلیم کو ملی تو سلیم تو بے بسی سے دیوار پر مُکا مار کر ہاتھ زخمی کر کے
رہ گیا جبکہ زیبو حمیدہ سے لڑنے آن پہنچی۔

''ارے واہ خالہ، تم ماں ہو کہ...... اپنی اتنی پیاری لڑکی کو اپنی عمر کے جن کے ساتھ بیاہ
رہی ہو۔'' معصوم سی زیبو اپنی محبت میں بولے گئی تو حمیدہ کو بھی اس پر غصے کی جگہ پیار آ گیا۔

''ایسا نہیں کہتے زیبو، آج کل اچھے رشتے ملتے کہاں ہیں۔ لڑکا بس دیکھنے میں بڑا لگتا
ہے ورنہ......''

''ارے بس بس، خالہ اب اسے لڑکا نہ کہنا اور ہماری پری نازو کے لئے بھلا رشتوں کی کمی
تھا ہے۔ اور خالہ، مجھے یہ تو بتاؤ کہ میرے شہزادے سلیم میں بھلا کیا کمی ہے سوائے تعلیم کے؟''

''زیبو تم بہت فضول بولتی ہو۔ چپ ہو جاؤ۔'' زیبو کی بات پر ایک ٹیس سی نازو کے دل
میں اٹھی تو اس نے غصے سے زیبو کو گھورا۔

''زیبو بیٹی! جس میں تعلیم کی کمی ہو تو بھلا اور کسی کمی کی ضرورت ہی کیا رہ جاتی ہے۔ اور
سلیم کی شہرت کہاں اچھی ہے۔ وہ ایک بدمعاش کے نام سے...... خیر میں ایسے لڑکے کے
ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کا سوچ بھی نہیں سکتی۔''

''ارے بس...... بس خالہ، خبردار جو ایک لفظ بھی کہا تو۔ سنبھال کر رکھ اپنی بیٹی کو۔ ارے
اس کے نصیب ہی اچھے نہیں ورنہ تو اس کی شادی سلیم ہی سے کرتی۔ قسم سے خالہ جیسے میں
تم کو جانتی ہوں ناں اگر میں نازو کی ماں ہوتی ناں تو چاہے سلیم کتنا ہی جاہل، اجڈ کیوں نہ
ہو، میں اسی سے بیٹی کی شادی کرتی...... اونہہ بدمعاش۔''

وہ بکتی جھکتی نکل گئی تو نازو دل تھام کر اندر آ گئی۔ اور پھر اس معصوم لڑکی کی باتوں کو محسوس
کر کے حمیدہ بھی افسردہ سی ہو گئیں۔

جب سے سلیم کو معلوم ہوا تھا، رات کی نیندوں کا چین لٹ گیا تھا۔ اس کے بس میں ہوتا

تو راتوں رات وہ دنیا بھر کی ڈگریاں حاصل کر لیتا، دولت مند بن جاتا مگر نازو کو کہیں او
جانے دیتا۔ وہ تین دن سے سویا نہیں تھا۔ آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

''ہاں، مرا پڑا رہ اسی طرح کھٹیا پر۔ وہ چاچا بیاہ کر لے جائے گا تیری لیلیٰ کو۔''

زیبو بہت عجیب لڑکی تھی...... کہ جس شخص کو وہ شدتوں سے چاہتی تھی، اسے بڑی فرا
سے رقیبہ کی جھولی میں ڈال رہی تھی۔ اور وہ اس وقت اتنا بے بس محسوس کر رہا تھا خود کو
کسی نے اسے باندھ رکھا ہو۔ وہ تو سیدھے راستے سے چلتا ہوا نازو تک جانا چاہتا تھا مگر
نے سارے راستے بند کر دیئے تھے۔

''ایسے سر گھٹنوں میں دے کر بیٹھے رہو گے تو وہ......''

''چپ...... چپ ہو جا۔ میں کیا کروں...... کچھ بھی تو نہیں میرے پاس۔ نہ ڈگر
دولت۔ پھر...... پھر......؟'' غصے اور جذبات سے اس کے دماغ کی رگیں پھٹنے لگیں۔

''کچھ بھی کر سلیم، ہمیں نازو کو بچانا ہے۔ قسم سے تم اس چاچے کو دیکھ لیتے تو نازو
کر لیتے اور......''

وہ بولتے بولتے چپ ہو گئی۔ سلیم واپس مڑا، ایک نئے عزم کے ساتھ آنکھوں میں
سی چمک لئے ہوئے۔ اس نے زور سے زیبو کے شانے پر ہاتھ رکھا، اسے دبایا اور طوا
طرح باہر نکل گیا۔

''جا شہزادے، اللہ تیرا نگہبان۔'' زیبو نے صدق دل سے اسے دعا دی۔

رات کو نہ جانے کیا حادثہ ہوا کہ سب نے سنا، سلیم کو پولیس پکڑ کر لے گئی۔

☆☆☆

''ہمارا مطلب ہے بھابی جان کہ آپ انیقہ کے لئے اتنی فکر مند نہ ہوں۔ ہم دیکھ
ہمارے حلقے میں بہت اچھے اچھے لوگ ہیں۔ ہمارے دوست ہیں۔ جلد بازی میں
فیصلہ کرنے کی بجائے تحمل سے کام لیجئے۔ انشاء اللہ اچھا ہو جائے گا۔''

شفاعت اللہ بات کر رہے تھے کہ اسی وقت منزہ اندر داخل ہوئی تو وہ خاموش ہو
''میں بھی بھابی جان کو یہی سمجھاتی ہوں کہ انیقہ کوئی معمولی لڑکی نہیں ہیں کہ
ایرے غیرے کے پلے باندھ دیا جائے۔ پہلے ہی ان کے ساتھ بہت زیادتی ہو گئی
دیکھ بھال کر قدم اٹھانا چاہئے۔''

منزہ بھی شریک گفتگو ہو گئی تو شجاعت اللہ کھڑے ہو گئے۔

''بات آپ بھی درست کر رہے ہیں اور غلط بانو بیگم بھی نہیں کہہ رہیں۔ ٹھیک



میں کچھ کمزوریاں ہوں گی مگر وہ ہمارا خون ہیں۔ ہمارے اپنے خاندان سے ہیں۔ وہ یقیناً
کے اچھے شوہر ثابت ہو سکتے ہیں۔ اور یوں بھی انیقہ کے ساتھ جو حادثہ ہو چکا ہے اس
بعد خاندان سے باہر کے لوگ...... بہر حال ہمیں حیات احمد کے بارے میں ضرور سوچنا
ہے۔'' شجاعت اللہ تو ایک طرح سے اپنی حتمی رائے دے کر باہر نکل گئے۔ مگر شفاعت اللہ
ان کی بات قطعی پسند نہیں آئی تھی اور اس ناپسندیدگی کو منزہ نے محسوس کر لیا تھا۔

''نہیں خیال کہ حیات احمد جیسا شخص انیقہ جیسی تعلیم یافتہ اور نفیس لڑکی کے لئے مناسب
گا۔''

''منزہ آخر...... آخر یہ لوگ کیوں نہیں سمجھ رہے کہ حیات اور انیقہ......''

''نو...... نیور...... مجھے یقین ہے کہ انیقہ حیات کے لئے قطعی تیار نہیں ہوں گی۔'' شفاعت
بڑے جوش میں بولے جا رہے تھے۔ منزہ بغور ان کو دیکھے جا رہی تھی۔ وہ نجانے اپنے
خدشے کو یقین تک پہنچنے سے ڈر رہی تھی۔

''جب آپ کو یہ یقین ہے تو پھر یقیناً ایسا ہی ہوگا۔'' وہ کھوئی کھوئی سی بولی تو وہ چونک کر
دیکھنے لگے۔

''میرا مطلب ہے انیقہ واقعی بہت نفیس خاتون ہیں۔ ان کی شادی تو بہت اچھے سے مرد
ہونی چاہئے جو ان کی طرح نفیس ہو، تعلیم یافتہ ہو، سوبر ہو جیسے آپ......'' منزہ نے دھماکا
کیا۔ وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگے۔ یوں جیسے چوری پکڑی گئی ہو۔

''واٹ...... آپ کو معلوم ہے آپ کیا کہہ رہی ہیں؟'' شفاعت اللہ نظریں کترا کر کھڑکی کی
طرف منہ پھیر کر کھڑے ہو گئے تو منزہ کے وہم، یقین کے ساحلوں کے قریب آنے لگے۔ وہ
اٹھ کر ان کے مقابل آن کھڑی ہوئی۔ وہ کچھ دیر اسے دیکھتے رہے پھر باہر دیکھنے لگے۔

''اس میں حرج ہی کیا ہے شفاعت؟''

''واٹ؟ کیا کہنا چاہ رہی ہیں آپ، کس بات میں حرج نہیں؟ ہماری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ
رہا۔'' شفاعت اللہ منزہ کی بات اور انداز سے چونک گئے۔ وہ اس کم عمر سی لڑکی کو دیکھے گئے
جو ان کی محبت میں وقت سے پہلے بڑی ہو گئی تھی اور ان کو عزیز تھی۔

''میں نے کوئی ایسی مشکل بات نہیں کہی شفاعت۔ جب آپ کو یقین ہے کہ حیات احمد
انیقہ کے لئے مناسب نہیں اور آپ کو یہ بھی یقین ہے کہ انیقہ حیات احمد کے ساتھ شادی
کرنے کے لئے تیار نہ ہوں گی تو...... تو پھر آپ اس نفیس سی، بہت اچھی سی لڑکی کو اپنے نام
کا سائبان دے دیجئے۔''

منزہ کے سرد لہجے میں ڈھلے الفاظ دھماکے کرتے چلے گئے۔ شفاعت اللہ کو شک ہی یقین تھا کہ وہ کوئی ایسی ہی بات کہے گی۔ مگر اب جبکہ اس نے کہہ دی تو وہ حیرت اور بے یقینی سے اسے دیکھے گئے۔

"ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ آپ...... آپ ایسی......"

"بہادری کا ثبوت دوں گی، ہے ناں یہی بات...... آپ نے ہمیشہ میرے بارے میں اندازے لگائے شفاعت۔ یقین جانئے میں پورے خلوص سے کہہ رہی ہوں۔ ایقہ جیسی کو کون نہیں پسند کرتا...... میں تو خود کو خوش نصیب سمجھتی ہوں کہ ایقہ میری رقیب ہیں۔ رقیب ایسا ہو تو خوامخواہ بندہ خود کو معتبر سمجھنے لگتا ہے۔"

"خاموش ہو جائیے۔ آج آپ ضرورت سے زیادہ فضول بول گئی ہیں۔ یہ درست ہے ہم ایقہ کے خیر خواہ ہیں اور کبھی وہ ہمارے دست طلب میں بھی رہی ہیں مگر آپ کے زندگی میں آنے کے بعد ہم نے دانستہ ان کو نہیں سوچا۔"

آج روانی میں شفاعت اللہ وہ راز بھی کہہ گئے تھے جس کو وہ خود سے کہنا بھی نہیں چاہتے تھے اور منزہ جس پر یہ حقیقت پہلی بار آشکار ہوئی تھی، وہ صرف اتنا جانتی تھی کہ وہ شفاعت کو چاہتی ہے جو اب اسے مل گئے تھے۔ مگر آج پتہ چلا کہ وہ ایقہ کے طلبگار رہے ہیں تو عجیب سی ٹیس اٹھی اور دم توڑ گئی۔ اس نے بہت جلد خود پر قابو پا لیا۔

"کتنی لکی ہیں ایقہ، جن کو آپ جیسا چاہنے والا ملا۔ کیا وہ بھی آپ کو......؟" ایک عجیب طرح کا احساسِ محرومی تھا منزہ کے لہجے میں۔

"نہیں......" شفاعت اللہ کترا کر راہ بدل گئے تو منزہ دل میں اٹھتے طوفانوں سے پھر ان کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔

"شفاعت! کہیں ایسا تو نہیں کہ میں آپ کے اور ایقہ کے درمیان آ گئی ہوں؟" خالی خالی نگاہوں سے ان کو دیکھنے لگی۔ خود اس کی کہانی تو افسانوی تھی، اس کے جذبوں کو شفاعت اللہ مانتے ہی نہیں تھے۔

"نہیں، ہمارے اور ایقہ کے درمیان احتشام الدین پہلے سے موجود تھے۔"

وہ وقت اور شدتِ ضبط سے اٹھتی ٹیسوں کی شدت شفاعت اللہ پھر سے محسوس کرنے لگے۔ انہوں نے آنکھیں بند کر لیں تو منزہ نے ایک گہرا سانس لیا۔

"یہ درمیان میں آ جانے والے لوگ کتنے ناپسندیدہ اور غیر اہم ہوتے ہیں شفاعت۔" منزہ نے نہ جانے کس احساس کے تحت جذباتی ہو کر ان کے بازو پر سر ٹکا



...شمار آنسو جو اس حقیقت کو جان لینے کے بعد امڈ امڈ کر آ رہے تھے بہنے لگے۔ انہوں نے ...ے دونوں شانوں سے پکڑ کر مقابل کھڑا کر لیا۔

"آپ کو کیا ہو گیا ہے، کیا کمی دیکھی ہے آپ نے میرے پیار اور میری توجہ میں۔ ہم ...ے آپ کے زندگی میں آنے کے بعد ایقہ کو ہرگز نہیں سوچا اور نہ ہی اب...... اب اگر ہم ان ... لئے کسی اچھے جیون ساتھی کا سوچ رہے ہیں تو صرف اس لئے کہ وہ بہت اچھی ہیں اور ...ت دکھی ہیں۔ اور اب ان کو ساتھی بھی کوئی ان جیسا ہی ملنا چاہئے۔ اگر آپ نے اس بات ...دل پر لے لیا ہے تو ہم یہ بھی نہیں کریں گے کیونکہ......" شفاعت اللہ کے لہجے میں سچائی ...خلوص تھا۔ منزہ شرمندہ ہو گئیں۔

"آپ خفا نہ ہوں شفاعت، میرا ہرگز ایسا کوئی مطلب نہیں تھا۔ میں اس سچائی سے بھی ...کار نہیں کرتی کہ آپ کی اور ایقہ کی محبت کے بارے میں جان کر جو ہم پر گزری ہے، اسے ...دا جانتا ہے۔ مگر پھر بھی میرے دل میں اتنی گنجائش ہے کہ میں ان جیسی اچھی خاتون کے ...اتھ آپ کو شیئر کر لینے کا حوصلہ رکھتی ہوں۔ میں کسی ناراضگی یا کسی اور جذبے کے تحت نہیں ...ہہ رہی شفاعت، میں جانتی ہوں کہ وہ... شفاعت پلیز ایقہ کو اپنا سائبان دے دیں۔ پلیز۔"

"ہم آپ کو بہت اچھی طرح جانتے ہیں منزہ، بہت زیادہ سوفٹ ہیں آپ۔ اور آپ کو ...ند تعالیٰ نے قوت برداشت اور ظرف بھی خوب عطا فرمایا ہے۔ لیکن آپ شاید ایقہ کو نہیں ...انتیں۔ آپ نے یہ بات ہمارے سامنے کہہ لی اور ہم نے سن کر برداشت بھی کر لی مگر کسی ...ر کے سامنے ہرگز مت کہیئے گا۔ آپ کی دماغی حالت پر شبہ کریں گے سب لوگ۔" شفاعت ...نے بہت پیار سے اس پیاری سی لڑکی کے سر پر چپت رسید کی جس نے ان کے لئے خود کو ...ر سے پیر تک بدل ڈالا تھا۔

"کوئی کچھ کہتا رہے، ہم تو بات کریں گے۔ مگر کسی سے نہیں، خود ایقہ سے۔"

"واٹ...... ایقہ سے؟ ہرگز نہیں، قطعی نہیں۔ ارے وہ...... وہ بہت ہرٹ ہوں گی۔"

"مجھے کوشش کر لینے دیجئے۔ پلیز۔" اور قبل اس کے کہ وہ کوئی اور بات کرتے، منزہ باہر ...ل گئی۔

"السلام علیکم!" منزہ تیز تیز قدموں سے ایقہ کی طرف جا رہی تھیں کہ اسی وقت کوریڈور ...ے حیات احمد برآمد ہوئے اور منزہ کو دیکھ کر بڑے جوش سے سلام کیا۔

"ارے آپ، وعلیکم السلام۔ آپ کیسے آئے؟ میرا مطلب ہے کوئی اطلاع وغیرہ۔" وہ ...ہ بوکھلا سی گئی اور ڈھلکا ہوا آنچل لپیٹنے لگی۔ حیات احمد دلچسپی سے دیکھتا رہا۔

"ارے ڈیئر بھابی، کیسی بات کر رہی ہیں۔ اپنے گھر بھی کوئی اطلاع دے کر آ
کہاں تشریف رکھتے ہیں بھائی صاحبان۔ اور شفاعت اللہ بارڈر پر کب جا رہے ہیں؟"
"جی سب لوگ لاؤنج میں ہیں، آیئے چلئے۔" منزہ، حیات احمد کی گہری نظروں
کتراتی ہوئی ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ حیات احمد شفاعت اللہ کی قسمت پر رشک کر رہے
حیات احمد کی ہی اچانک آمد سب کے لئے حیران کن تھی کیونکہ ان کو بار بار دعوت
بلایا جاتا تب وہ نخرے کرتے تھے آنے میں۔
"ویسے حیات میاں، آپ کی اچانک آمد حیران کن ہے۔" شفاعت اللہ کو نہ جا
حیات احمد کا آنا پسند نہیں آیا تھا۔
"جی وہ ایمرجنسی ہو گئی تھی۔ ہمارے ایک بڑے اچھے اور دیرینہ دوست ہیں، وہ خو
ہوتے ہیں، ان کی مسز یہاں ہوسپٹل میں ہیں مسز شاداب محمود، ان کے ہاں جڑواں
ہوئے، ایک لڑکا اور ایک لڑکی۔ خاتون کی حالت کچھ اچھی نہیں ہے۔ محمود کا فون آیا
میں جا کر ذرا دیکھ لوں اور کچھ رقم وغیرہ بھی دے آؤں تو اس وجہ سے مجھے دوسرے
کام چھوڑ کر آنا پڑا۔" حیات احمد نے مکاری سے شاداب کو دوست کی بیوی بنا
شفاعت اللہ نے سکون کا سانس لیا۔ وہ تو سمجھ رہے تھے کہ شاید بھائی اور بھابی نے ا
لئے بلایا ہے۔
"خیر حیات میاں، آپ جیسے بھی آئے، آئے تو سہی۔ بہت خوشی ہوئی ہے آپ
سے۔ آپ کافی عرصے کے بعد آئے ہیں۔"
بانو بیگم تو انیقہ کے لحاظ سے ان کو دیکھ رہی تھیں اور ضرورت سے زیادہ ہی مہمان
کر رہی تھیں جو شفاعت اللہ کو اچھی نہیں لگ رہی تھی۔
"جی بس، آپ میری مصروفیات دیکھ تو آئی ہیں۔ ابھی بھی وقت نہیں تھا۔ مگر محمود کا
تھا کہ اس کے بیوی بچوں کو دیکھ آؤں تو مجبوراً ذرا وقت نکال کر آیا ہوں، بس اب
جاؤں گا اور......"
"آپی جان اوہ......" انیقہ اپنے دھیان میں بانو بیگم سے بات کرنے آ رہی تھیں
کے خیال میں یہی تھا کہ سب گھر کے افراد ہوں گے۔ مگر حیات احمد کو دیکھ کر وہ اپنا
ادھوری چھوڑ کر چپ ہو گئیں اور حیات احمد کی نظریں جو اٹھیں تو جھپکنا ہی بھول گئیں۔
"آپ......؟"

***



انیقہ کو دیکھ کر حیات احمد کی پلکیں جھپکنا بھول گئی تھیں۔ انہوں نے بے خود سے انداز میں
اس کے بارے میں پوچھا تو انیقہ جھجک کر پیچھے ہٹ گئیں مگر بانو بیگم خوش ہو کر آگے بڑھیں۔
"یہ ہماری پیاری سی چھوٹی بہنا انیقہ ہیں۔ آیئے ناں انیقہ، آیئے۔ یہ ہمارے اپنے ہیں،
حیات احمد۔ شجاعت کے چچا زاد بھائی ہیں...... آیئے شرمانے کی کیا ضرورت ہے۔"
بانو بیگم یہی تو چاہتی تھیں کہ انیقہ اور حیات احمد ایک دوسرے کو دیکھ لیں...... اس وقت
کمرے میں سب ہی موجود تھے۔ شفاعت اللہ نے ایک نظر انیقہ پر ڈالی جو بڑے سے دوپٹے
میں لپٹی لجائی سی آ رہی تھیں۔ وہ ہرگز بھی آنا نہیں چاہتی تھیں مگر بڑی بہن کا حکم کیسے ٹال سکتی
تھیں، چپ چاپ آ گئیں۔
"آداب۔" انیقہ نے ذرا سا ہاتھ پیشانی تک لا کر سلام کیا تو دل پھینک حیات احمد گویا
فدا ہی ہو گئے۔ ایک دم کھڑے ہو گئے۔
"آداب، آداب۔ آیئے، تشریف لایئے۔ بیٹھئے ناں۔" وہ گویا بچھ بچھ گئے۔
"حیات میاں! یہ ہماری چھوٹی ہمشیرہ ہیں۔ اور انیقہ، یہ شجاعت صاحب کے چچا زاد
بھائی حیات احمد ہیں۔ ہماری جاگیر وغیرہ کی نگرانی یہی کرتے ہیں۔ بہت اچھے انسان ہیں
اور......"
شفاعت اللہ کو بانو کا یوں حیات کی تعریف کرنا اور انیقہ کو اس کے سامنے لانا قطعی پسند
نہیں آیا تھا۔ وہ اٹھ کر باہر نکل گئے۔ منزہ نے ایک گہرا سانس لیا اور دکھ کا ایک گہرا احساس
لئے وہ وہاں سے اٹھ کر باہر آ گئیں۔
"ارے بھابی جان! آپ ایسی بھی تعریف مت کیجئے۔ ہم تو ناچیز ہیں۔ رہی بات نگران
ہونے کی تو یہ ہمارے فرائض ہیں، ہماری اپنی ذمے داریاں ہیں جن کو ہم کوشش کرتے ہیں
کہ احسن طریقے سے ادا کر سکیں۔ اور پھر......"
حیات احمد کی نظریں انیقہ پر جمی تھیں۔ حسین چہرے پر دھند سی اتری ہوئی تھی۔ ان کو قطعی
اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ گو کہ وہ بانو کے اس انداز کا مطلب تو نہیں سمجھتی تھیں مگر حیات کی

نظریں ان کو قطعی اچھی نہیں لگ رہی تھیں۔ وہ یہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھیں مگر ایسا نہیں کر سکتی تھیں۔

"لگتا ہے ایقہ بہت کم گو ہیں۔ بھئی ہم تو بہت باتونی ہیں، بہت بولتے ہیں۔ آپ کوئی بات کیجئے ناں۔" حیات احمد نے براہ راست ایقہ سے بات کی تو وہ کسمسا کر رہ گئیں۔

"جی وہ بس......" وہ کھڑی ہوگئیں۔ مگر بانو نے ہاتھ دبا کر ان کو وہیں بیٹھ جانے کا اشارہ دیا تو لامحالہ ان کو بیٹھنا ہی پڑا۔

"ہاں بس حیات میاں، ایقہ بہت کم گو ہیں۔ ضرورت سے بھی کم ہی بولتی ہیں۔ دراصل ایقہ سب سے چھوٹی ہیں، ناز و نعم میں پلی بڑھی ہیں۔" بانو بیگم نے اسے ہی موضوع گفتگو بنا لیا تو ایقہ کو یہ سب قطعی پسند نہ آیا۔ وہ یہاں سے جانا چاہ رہی تھیں مگر ایسا بھی نہیں کر سکتی تھیں۔ مجبوراً انگلیاں مروڑتی بیٹھی رہیں۔ جبکہ اپنے کمرے میں شفاعت اللہ مسلسل ٹہل رہے تھے۔ بانو بیگم جب سے اس گھر میں آئی تھیں، ان کو اپنی بھابی کی ایک یہی بات ناپسند تھیں۔ منزہ ان کی بے چینی اور بے قراری کو سمجھ رہی تھی۔

"جی صاحب، آپ نے بلایا تھا؟" شفاعت اللہ نے عبدل کو بلایا تو وہ تولئے سے ہاتھ صاف کرتا آ گیا۔ وہ اسے دیکھنے لگے اور پلٹ کر منزہ کو دیکھنے لگے۔ نجانے کیا پریشانی تھی۔

"جی صاحب۔" ان کو خاموش دیکھ کر عبدل نے یاد دلایا کہ وہ اسے بلا چکے ہیں۔ دراصل وہ ایقہ کو وہاں سے اٹھانا چاہتے تھے اور انہوں نے عبدل کو اسی لئے بلایا تھا کہ کسی بہانے سے ان کو بلوالیں گے۔ مگر منزہ کی موجودگی میں وہ کہہ نہیں پا رہے تھے۔

"آپ نے عبدل کو کس لئے بلایا ہے شفاعت، وہ منتظر ہے۔" منزہ حیرانی سے ان کے قریب آ گئی تو وہ الجھے الجھے سے کچھ کہہ بھی نہ پائے۔

"ہاں منزہ، وہ دراصل بات یہ ہے کہ......"

"عبدل تم جاؤ، جی اب آپ مجھے بتایئے، اس بے چینی کا سبب حیات احمد ہی ہیں ناں کوئی اور بات ہے؟"

راستہ بہت صاف تھا۔ منزہ کو بات کی تہہ تک پہنچنے میں دقت نہ ہوئی تو وہ یوں چونکے جیسے رنگے ہاتھوں پکڑے گئے ہوں۔"

"وہ منزہ، ایقہ حیات احمد کی موجودگی میں ایزی فیل نہیں کر رہی ہوں گی۔ میں جانتا ہوں وہ...... وہ بہت اپ سیٹ ہوں گی۔ یو نو...... وہ......"

وہ اصل بات کہہ کر نظریں چرا کر رہ گئے تو دکھ کی ایک ٹیس منزہ کے دل میں اتر گئی۔



عورت کتنی ہی اعلیٰ ظرف کیوں نہ ہو، وہ اپنے شوہر کو تقسیم ہوتا نہیں دیکھ سکتی۔ گو کہ اس نے خلوص دل سے یہ سوچ رکھا تھا کہ وہ خوش دلی سے شفاعت اللہ کو اجازت دے گی ایقہ سے نکاح کرنے کی لیکن اب جبکہ وہ خود اس کے لئے پریشان ہو رہے تھے تو وہ اندر ہی اندر تڑپ کر رہ گئی۔

"تو آپ کیا چاہتے ہیں شفاعت...... مجھے بتایئے، آپ کیا چاہتے ہیں؟" اس نے کچھ ایسے کہا کہ وہ اس کو دیکھ کر رہ گئے۔

"بتایئے ناں، آپ کیا چاہتے ہیں؟ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں آپ کی دیوانی ہوں۔ مگر ایسی دیوانی نہیں کہ آپ کی خوشی اور غم کو شیئر نہ کر سکوں۔ آپ مجھے بتایئے، آپ کیوں پریشان ہیں؟"

"منزہ! آپ خیر فی الحال تو میں یہ چاہ رہا تھا کہ ایقہ وہاں پر اس وقت بہت کوفت محسوس کر رہی ہوں گی۔ اگر کسی فون وغیرہ کے بہانے سے ان کو بلایا جائے اور......" شفاعت اللہ بمشکل کہہ پائے تو منزہ اٹھتی ٹیسوں کو دبائے مسکرا پڑی۔

"تو اس میں عبدل کو بلانے یا خود کو پریشان کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ ہمیں حکم دے دیا ہوتا۔ ایقہ اب ہماری ذمے داری ہے۔" منزہ نے کناروں تک آتے پانی کو سختی کے بند باندھ کر روکا اور بھیگی مسکراہٹ کی دھوپ میں باہر نکل گئی تو شفاعت اللہ صرف منزہ کے بارے میں سوچ کر رہ گئے جو اپنی دیوانگی میں عورت کے فطری جذبے جس کو حسد کہتے ہیں، بھول گئی تھی۔ عورت تو اپنے شوہر کے ساتھ اپنا سایہ بھی برداشت نہیں کرتی اور منزہ تو اپنا شوہر اس کی محبت پر قربان کرنے کو تیار تھی۔

منزہ نے ذرا سا پردہ سرکا کر دیکھا تو اس کو واقعی اس پر ترس آ گیا۔ وہ سر جھکائے بہن کے بول نبھا رہی تھی۔ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں جس طرح آپس میں جکڑے ہوئے تھیں، وہ ان کی دلی کیفیت اور بے زاری کی غماز تھیں، جبکہ حیات احمد کی بے باک نظریں مسلسل ان کا احاطہ کئے ہوئے تھیں اور یہ سین منزہ کو بھی تڑپا گیا۔ اس وقت وہ خود کو ایقہ کی جگہ سمجھ رہی تھی۔

"ارے ایقہ، آپ اب تک یہیں بیٹھیں ہیں اور میں وہاں آپ کا انتظار کر رہی ہوں کہ آپ آ جائیں تو ذرا شاپنگ کر آئیں۔ چلئے۔" منزہ ایک دم ہی اندر آ کر بولی تو اس وقت منزہ اسے رحمت کا فرشتہ لگی۔

"شاپنگ؟" وہ کچھ حیران سی ہوگئی تو منزہ آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام کر دبا کر بولی۔

"ہاں وہ یاد نہیں، حیات بھائی کے آنے سے پہلے ہی تو ہم شاپنگ کا ذکر کر رہے تھے اور

طے ہوا تھا کہ.....''

''او، ہاں سوری منزہ، ہمیں یاد ہی نہیں رہا۔ چلئے چلتے ہیں۔'' ایقہ اس کے ہاتھ کے دباؤ کا مطلب سمجھ کر کھڑی ہوگئی جو اس ناگوار ماحول کی قید میں تھی، فرار کی راہ پاتے ہی کھل اٹھی۔ منزہ کے پیچھے ہی چلے آنے والے شفاعت اللہ بھی حیرت سے دیکھ کر رہ گئے۔

''بھئی آپ لوگوں نے شاپنگ کا پروگرام کب بنایا؟ ہمیں بھی بتا دیتیں تو ہم بھی چلتے ہمیں بھی کچھ خریداری کرنی تھی۔'' بانو حیرت زدہ آواز میں بولتی کھڑی ہوگئیں کیونکہ اس گھر میں بڑی سے بڑی بات اور پروگرام ان کی اجازت کے بغیر نہیں ہوتا تھا مگر آج یوں شاپنگ وہ قطعی سمجھ نہ پائیں۔

''ارے بھابی جان، آپ کے ساتھ شاپنگ ہم پھر کسی روز کرنے چلے جائیں گے۔ آج ہمیں خاص طور پر ایقہ کی خدمات درکار ہیں۔ تو چلیں ایقہ؟''

''ہاں، ہاں ضرور چلئے۔''

دونوں ایک ساتھ دروازے کی طرف بڑھیں تو حیات احمد بہت بے مزہ ہوگیا۔

''ارے بھئی، آپ لوگ چل دیں تو ہم یہاں رہ کر کیا کریں گے۔ وہ ہمارا مطلب ہے ہمیں بھی اپنے دوست کے بیوی بچوں کے لئے کچھ شاپنگ کرنی تھی اگر ہم بھی.....''

حیات احمد فوراً ہی اٹھ کھڑا ہوا تو شفاعت اللہ اس کو گھور کر رہ گئے۔ قریب تھا کہ بانو تو اسے ان دونوں کے ساتھ کر دیتیں ایقہ نے منزہ کا ہاتھ دبایا کہ یہاں سے بھاگ چلو۔

''بھئی بھابی جان، آپ کو شاپنگ کا ساتھی مل گیا۔ اب ہم چلتے ہیں۔'' ایقہ کی خاموشی کو منزہ نے زبان دی تو وہ اسے ممنون سی نظروں سے دیکھ کر رہ گئیں۔

''ارے بھئی آپ بھی شاپنگ کرنے جا رہی ہیں اور ہمیں بھی ضروری شاپنگ کرنی ہے ساتھ چلیں گے تو اچھا رہے گا۔ اور یوں بھی.....''

''نہیں حیات بھائی! ہمیں صرف شاپنگ ہی نہیں کرنی، اور بھی کام ہیں۔ لہٰذا آپ بھابی جان کے ساتھ شاپنگ کیجئے، وہ بہت اچھی شاپنگ کراتی ہیں۔ آئیے ایقہ ہم چلتے ہیں۔ خدا حافظ۔'' منزہ نے پہلے تو حیات کے ارمانوں پہ ٹھنڈا پانی ڈالا تو وہ برا سا منہ بنا کر رہ گئے اسے شاپنگ کہاں کرنی تھی، وہ دل پھینک آدمی تو دو حسیناؤں کی سنگت چاہ رہا تھا۔

''چلیں شفاعت۔'' حیات کو جانے کے بعد وہ شفاعت کی طرف مڑی تو وہ، جو منزہ کے اس احسان تلے دبے جا رہے تھے اور ساتھ جانا بھی چاہ رہے تھے مگر کچھ سوچ کر انہوں نے انکار کر دیا۔



''نہیں، آپ لوگ جائیے، ہمیں کچھ کام ہیں۔ ہیڈ کوارٹر فون کرنا ہے، آپ لوگ جائیے۔'' شفاعت اللہ جو بہت ممنون تھے منزہ کے، دھیمی سی آواز میں بولے اور ایک نظر ایقہ پر ڈالی جو اپنی شخصیت کو یوں دوسروں کے لئے مصیبت سمجھ کر مزید پریشان نظر آ رہی تھیں۔ دونوں باہر نکل گئیں۔

☆☆☆

''کیسی ہو شاداب؟'' حیات احمد کو کئی دن ہوگئے تھے شہر آئے مگر وہ شاداب کو دیکھنے اب آیا تھا تو بے شمار آنسو شاداب کے چہرے پر پھیل گئے اور الفاظ حلق میں اٹک کر رہ گئے۔

''میں...... میں موت کے منہ سے واپس آئی ہوں اور آپ کو آئے اتنے دن ہوگئے مگر آپ اپنے رشتہ داروں کی محبت میں ایسے گم ہوئے کہ میری خبر تک نہ لی نہ اپنے بچے کو دیکھنے آئے۔ اللہ نے اتنے خوبصورت بچے دیئے ہیں آپ کو مگر آپ......''

شاداب اب ماں بن چکی تھی۔ اس میں اعتماد آ گیا تھا اور وہ یہ سمجھ رہی تھی کہ جس طرح عام مرد بیوی کی بیماری یا بچوں کی پیدائش پر بالکل بدل جاتے ہیں تو حیات احمد بھی بدل جائے گا۔ مگر اس کے اس مان بھرے شکوے پر وہ مجھے سے اکھڑ گیا۔ خاص طور پر رشتے داروں والی بات تو دل پر لگی۔

''شاداب بیگم! اوقات مت بھولو اپنی۔ میں آ گیا ہوں تو اسی کو بہت جانو اور خبردار جو میرے عزیز، رشتے داروں کے متعلق ایک لفظ بھی کہا تو۔ اور جن بچوں کی پیدائش پر تم خود کو کچھ سمجھنے لگی ہو تو سنو، اگر میں ان سے انکار کر دوں تو کیا حیثیت ہوگی تمہاری؟ معاشرے میں منہ دکھانے کے لائق رہو گی تم......؟''

حیات کے منہ سے انگارے نکل رہے تھے جنہوں نے شاداب کو اس کی حیثیت اور اس کی عزت کو راکھ کر ڈالا تھا۔ وہ اندر تک لرز گئی۔ اس نے کتنی جلدی اسے اوقات یاد دلا دی تھی۔ بچوں کی وجہ سے تو وہ خود کو واقعی ماں سمجھ کر اپنی حیثیت بھول گئی تھی۔ مگر اب تو وہ مزید بے وقعت ہوگئی تھی۔ اگر واقعی حیات ایسی کوئی حرکت کر بیٹھا تو وہ کیا کرے گی۔

''مجھے معاف کر دیں حیات، میں آئندہ ایسی کوئی بات یا حرکت نہیں کروں گی۔ پلیز مجھے معاف کر دیں۔''

وہ غریب اور مجبور لڑکی جس کو معلوم تھا کہ اس کے غریب والدین نہ تو اس کو اور اس کے بچوں کو پال سکتے ہیں اور نہ ہی بغیر اعلانیہ شادی کے بچوں کا وجود برداشت کر سکتے ہیں۔ شاداب شادی شدہ ہے، یہ صرف اس کے والدین، بہن بھائی جانتے تھے یا حیات کے ایک

دو بے زبان ملازم۔ پھر وہ سارے گاؤں اور معاشرے کو کیا منہ دکھاتی۔ سب کچھ برداشت کرنا ہی اس کا مقدر تھا سو کر گئی۔ وہ کتنی ہی دیر روتی رہی اور معافی مانگتی رہی تو حیات احمد موم پڑ گیا۔ کچھ بھی تھا، اس نے کبھی اس حسینہ کو چاہا تھا اور اب وہ اس کے بچوں کی ماں بن تھی۔

''اچھا ٹھیک ہے ٹھیک ہے...... آئندہ محتاط رہنا۔''

نجانے کس کیفیت سے مغلوب ہو کر اس نے اپنے ہاتھ سے شاداب کے چہرے پر آئے آنسو صاف کر دیئے تو وہ جس نے بہت تکلیفیں برداشت کی تھیں، ایسے وقت میں شوہر کی محبت اور حوصلہ افزائی کی ضرورت ہوتی ہے، وہ حیات کے ہاتھوں میں چہرہ چھپائے شدت سے روتی چلی گئی اور اس نے بھی منع نہیں کیا۔

''اچھا اسی طرح روتی رہو گی؟ مجھے میرے بچوں سے نہیں ملواؤ گی؟''

''جی...... جی کیوں نہیں، یہ دیکھئے ناں، یہ آپ کی بیٹی اور یہ آپ کا بیٹا...... بیٹا تو بالکل آپ ہی پر گیا ہے۔''

شالی کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔ اس نے جھٹ دائیں بائیں رکھے کاٹ کی طرف اشارہ کیا کچھ دیر کے لئے پدری شفقت اتنی غالب آئی کہ اس نے باری باری دونوں کو گود میں لے ا اور اب دونوں کو گود میں لے کر شالی کے قریب بیٹھ گیا۔ شالی تو اچانک رونما ہونے والی اس تبدیلی پر خوشی سے خدا کے حضور شکرانے ادا کرنے لگی۔

''دیکھا ناں آپ نے، بیٹا تو بالکل آپ پر گیا ہے۔'' خوشی سے اس کی آواز لڑکھڑا رہی تھی۔

''ہاں، اور ہماری بیٹی تو بالکل ماں پر گئی ہے، بالکل تم پر...... یہ اس کے ہونٹ دیکھو کا چھوٹا سا دہانہ ہے، ماشاء اللہ! اللہ ہمارے بچوں کو نظر بد سے بچائے۔ نام کیا سوچے ہیں نے ان کے؟'' اس نے دونوں بچوں کو سینے سے لگا کر دعائیں دیں، پیار کیا تو شالی ان لمحوں کو اپنی آنکھوں میں اپنے احساس میں قید کرتی ان تینوں کو دیکھتی رہی۔

''میں کون ہوں جی ان کے نام سوچنے اور رکھنے والی۔ آپ کی اولاد ہے، خود ہی نا رکھئے۔'' اس نے بڑے مان اور خوشی کے ساتھ اس کو اس کی حیثیت اور مرتبہ یاد دلایا تو دونوں بچوں کو دیکھتے ہوئے نام سوچنے لگا۔''

''ہوں، ایسا ہے تو ہم اپنے بیٹے کا نام فراز رکھتے ہیں اور بیٹی کا نام شرمین۔ کہو، کیسے نام؟'' حیات نے دونوں بچوں کو ایک ساتھ پیار کرتے ہوئے کہا تو شالی جھوم اٹھی۔



''ماشاء اللہ، اتنے خوبصورت نام رکھے ہیں آپ نے۔ پسند کیوں نہیں آئیں گے۔ بہت پیارے نام ہیں۔ اللہ مبارک کرے، آمین۔''

شالی کے اختیار میں ہوتا تو حیات کی اس توجہ، اس محبت کو ہمیشہ کے لئے قید کر لیتی۔ وہ تو خوشی سے نہال ہوئی جا رہی تھی۔

''اچھا بھئی خدا کے فضل سے نام بھی ہو گئے۔ اب بتاؤ ان کی مزید کیا ضروریات ہیں؟ میں اپنے بچوں کی زندگی میں کوئی کمی دیکھنا نہیں چاہتا۔''

''ایسا ہے تو پھر حیات ان بچوں کو جو کہ آپ کی اولاد ہیں، اپنے نام اپنی محبت کا سایہ دے دیں کیونکہ ماں اور باپ دونوں کی محبت ہی بچوں کی شخصیت کو مضبوط اور مکمل بناتی ہے۔ بس آپ......''

اس سے پہلے کہ وہ اپنی بات مکمل کرتی حیات نے بچوں کو کاٹ میں ڈالا اور اسے گھورنے لگا۔ کیونکہ وہ تو کچھ اور ہی سوچ کر بیٹھا تھا اور اسے یہ بات بھی معلوم تھی کہ بچوں کی پیدائش کے بعد شالی کی حیثیت بہت مضبوط ہو گئی تھی۔ وہ جائز بیوی تھی اس کی اور اس کے بچوں کی ماں تھی اور وہ اگر آج چپ رہتی تو کل جب بچے جوان ہوں گے، تب وہ اپنی حیثیت منوا سکتی تھی، قانونی طور پر۔ اس لئے اب اسے بہت سوچ سمجھ کر چلنا تھا۔

''ہاں ہاں، تم نے بات درست کی ہے۔ یہ میرے ہی بچے ہیں۔ مگر یہ حقیقت چند لوگ جانتے ہیں۔'' حیات احمد نے اپنی بات کے لئے اسے ہموار کرنا شروع کر دیا تھا۔

''تو کیا آپ اب بھی اس شادی کو خفیہ ہی رکھیں گے؟ اس شادی کا اعلان نہیں کریں گے؟'' شالی ڈول سی گئی۔ وہ تو خوش تھی کہ بچوں کے آنے کے بعد اس کی بھی کوئی حیثیت ہو جائے گی۔

''دیکھو شالی، بات یہ ہے کہ میں مجبور ہوں۔ اب بہت دیر ہو چکی ہے۔ تم میری بیوی ہو، میرے بچے ہیں، کیا یہ بات کافی نہیں کہ میں یہ ذمے داری قبول کر رہا ہوں۔ تم نئے نئے قاضیے کر کے میرا دماغ خراب نہ کرو۔'' وہ ایک دم ہی غصے میں آ گیا تو وہ اپنی تکلیف کے باوجود اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تو...... تو کیا میں اسی طرح بے حیثیت ہی زندگی گزار دوں گی؟ نہ دنیا والوں کے سامنے بیوی ہوں گی نہ ماں۔ میرے گھر والے کیا منہ دکھائیں گے گاؤں والوں کو حیات، کچھ تو سوچئے۔ میں اس طرح بچے لے کر والدین کے گھر جاؤں گی تو آپ کو معلوم ہے کیا ہو گا؟ میرے کردار کی دھجیاں تو بکھر ہی جائیں گی، میرے ماں باپ کو ذلیل ہو کر گاؤں سے جانا

پڑے گا، میری معصوم بہنیں باپ کے در پر ہی زندگی گزار دیں گی۔ ان کو کوئی قبول نہیں کرے گا۔ آپ خاندان کی بات کرتے ہیں حیات تو سوائے دولت اور زر زمین کے میرے خاندان میں کیا کمی ہے۔ ہم بھی شریف اور خاندانی لوگ ہیں، بس جاگیردار نہیں ہیں۔ مجھے آپ سے کچھ نہیں چاہئے، صرف آپ کے نام سے اپنی اور اپنے بچوں کی شناخت چاہئے مجھے، ورنہ...... ورنہ میں خود بھی مر جاؤں گی اور اپنے بچوں کو بھی مار دوں گی۔"

شابی کے گھر والوں کو کافی مشکلات پیش آ رہی تھیں۔ اس کے رشتے آتے مگر والدین انکار کر دیتے۔ دوسری لڑکیوں کے رشتے آتے، سو طرح کی باتیں ہو رہی تھیں۔ اور شابی کا غائب ہو جانا بھی گھر والوں کے لئے مصیبت بن گیا تھا۔ اس بار تو اس کی اماں اور بابا نے رو رو کر التجا کی تھی کہ حیات سے کہو شادی کا اعلان کر دے۔ بہت مشکل ہو رہی تھی ان کے لئے۔ اسی لئے تو وہ آج یوں حیات کے سامنے آن کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے انداز پر وہ تپ گیا۔

"اچھا تو یہ ارادے ہیں تمہارے۔ ٹھیک ہے، یہ بچے تو میرے ہیں، میں ان سے دستبردار نہیں ہوں گا۔ تمہیں اگر حیثیت چاہئے تو میں تمہیں ابھی اور اسی وقت فارغ کر دوں، تم دوسری جگہ اعلانیہ شادی کر کے حیثیت حاصل کر سکتی ہو۔ کہو کیا چاہتی ہو؟ مگر ایک بات رکھنا، میں اپنے بچوں کی جھلک تک تمہیں نہیں دکھاؤں گا۔ اور اگر اپنے بچے خود پالنا چاہتی ہو، ان کے قریب رہنا چاہتی ہو تو تمہیں وہی کرنا پڑے گا جو میں کہوں گا...... کہو منظور ہے؟"

حیات نے انتہائی سفاکی سے کہا تو وہ جو آپریشن اور دیگر مسائل کی وجہ سے ٹوٹ چکی تھی، حیات کی اس دھمکی پر چکرا کر بستر پر گر گئی۔ اسے سارا کمرہ گھومتا ہوا دکھائی دینے لگا، وہ خود کو خلاؤں میں اڑتا ہوا محسوس کرنے لگی۔ نہ پیروں تلے زمین تھی نہ سر پر چھت محسوس ہو رہی تھی۔ وہ بالکل بے وقعت سا خود کو محسوس کر رہی تھی۔ یہ کیسا سوداگر تھا کہ ممتا کی قیمت مقرر کر رہا تھا۔ اس کے جگر گوشوں کو جو ابھی چند روز کے تھے، اس سے چھین لینے کی دھمکی دے رہا تھا۔

"میرے بچے......" اس نے تڑپ کر دونوں بچوں کو سینے سے چمٹا لیا اور جلدی سے دوپٹہ ان پر ڈال کر ان کو چھپا لیا۔

"نہیں، یہ میرے بچے ہیں حیات، یہ صرف میرے بچے ہیں۔ میں مر جاؤں گی ان کے بغیر۔ خدا کے لئے...... خدا کے لئے ان کو جدا مت کیجئے مجھ سے۔ میں آپ کی ہر بات ماننے کو تیار ہوں...... ہر بات مان لینے کو تیار ہوں۔ حیات میں مر جاؤں گی ان کے بغیر۔



ان کی ملازمہ بن کر بھی ان کے قریب رہنے کو تیار ہوں مگر......"

وہ بچوں کو اٹھائے اس کے قدموں میں آن بیٹھی تو وہ خوش ہو گیا۔ اسے معلوم تھا کہ وہ اس دھمکی پر ہر بات مان جانے پر راضی ہو جائے گی۔ اس نے اسے شانوں سے پکڑ کر کھڑا کر دیا اور اس کے حسین چہرے پر آئے بالوں کو پیچھے کرنے لگا۔

"شاباش، مجھے تم سے ایسی ہی سمجھداری کی امید تھی۔ خیر اب بیٹھو۔ یہ بچے جو میرے اور تمہارے بچے ہیں، اس وقت تک تمہارے ہی پاس رہیں گے جب تک تم میری بات مانتی جاؤ گی بغیر چون چرا کئے۔ بیٹھو، لاؤ میرے بچے مجھے دے دو۔ لاؤ ناں۔" اسے بیڈ پر بٹھا کر وہ اس کی گود سے بچے لینے لگا تو وہ خوفزدہ سی اسے دیکھتے ہوئے چلائی۔

"نہیں حیات، یہ میرے بچے ہیں۔ جب میں ہر بات ماننے پر تیار ہوں تو...... تو کیوں چھین رہے ہو میرے بچے۔ میں نہیں دوں گی۔"

"احمق لڑکی، میں چھین نہیں رہا۔ اپنے بچوں کو پیار تو کر سکتا ہوں ناں۔ لاؤ، دیکھو میری بیٹی میری طرف دیکھ رہی ہے۔ آجاؤ میری جان، میری بیٹی، میری گڑیا۔" کچھ دیر قبل جابر، سفاک حاکم نظر آنے والا اب بالکل شفیق باپ بنا ثمرین کو گود میں لئے پیار کر رہا تھا۔ شابی کے لئے یہی بہت تھا۔

"دیکھو شابی! اب ہم زندگی کے نئے باب کا آغاز کر رہے تھے تو میری بات غور سے سنو اور پلے سے باندھ لو۔"

"کوئی تیر اور باقی ہے کیا؟" شابی ماں بن کر ذرا بہادر ہو گئی تھی۔ حیات نے اس کی بات پر اسے گھور کر دیکھا مگر وہ جانتا تھا کہ شابی کا اگر دماغ خراب ہو گیا تو وہ عدالت جا سکتی تھی۔ اس کے خاندان میں جا کر اسے ذلیل کر سکتی تھی۔ اس لئے مصلحت کا تقاضا اب یہی تھا کہ نرمی اختیار کی جائے اور اس کی ممتا ہی کو گن پوائنٹ پر رکھا جائے۔

"دیکھو شابی! زندگی کے اس باب میں تمہارا نام شابی کی بجائے سائرہ ہے۔ میرا نام حیات احمد کی بجائے صرف احمد ہے اور میں لوگوں سے تمہارا تعارف اپنے کسی فرضی دوست محمود کی بیگم کی حیثیت سے کراؤں گا۔ تم میرے دوست محمود کی بیگم ہو جو ملک سے باہر ہوتا ہے اور......"

"دوست کی بیوی کی حیثیت...... اونہہ حیثیت دی بھی تو کیا دی۔ میں آپ کی ہر بات اپنے بچوں کی خاطر قبول کرنے پر تیار ہوں حیات۔ مگر آپ کے کسی دوست کی بیوی بننے کو تیار نہیں خواہ فرضی ہی کیوں نہ ہو۔ آپ اگر مجھے اپنی بیوی کی حیثیت نہیں دے سکتے اور نہ ہی

میرے بچوں کو اعلانیہ طور پر اپنا نام، اپنی ولدیت دے سکتے ہیں تو جعلی رشتوں کا طوق ہم
مت ڈالیں ہماری گردن میں۔ خدا کے لئے ایسا مت کریں۔'' شابی بری طرح رونے لگی
وہ نرم پڑ گیا۔

''شابی! دیکھو مصلحت بھی کوئی چیز ہے۔ میں نے یہ فیصلہ اس لئے کیا ہے کہ تم لوگ
میرے قریب بھی رہ سکو اور کسی قسم کا الزام بھی نہ آئے اور...... خیر یہ فیصلہ تو میں کر چکا ہوں
تمہیں تو صرف اطلاع دے رہا ہوں کہ تم میرے فرضی دوست محمود کی بیوی ہو اور دوست
کچھ عرصے کے بعد انتقال ہو جائے گا۔''

''خدا نہ کرے حیات، کیسی باتیں کرتے ہیں۔ میں آپ کی ہر بات مان لیتی ہوں ا
باتیں نہ کریں، خدا میرے سہاگ اور میرے بچوں کے باپ کو سلامت رکھے۔ آمین۔'' ش
نے تو حیات کو دل کی گہرائیوں سے چاہا تھا۔ وہ تڑپ اٹھی تو وہ ہنس دیا۔

''ارے احمق عورت، فرضی دوست کا انتقال ہوگا، میرا نہیں۔ کچھ عرصے کے بعد میں س
کو یہ بتاؤں گا کہ محمود ایک حادثے میں ختم ہو گیا ہے۔''

''اس حادثے میں اس کی بیوی بھی ختم ہو گئی۔'' شابی نے اتنے اچانک اور مضبوط
میں کہا تو حیات حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔ وہ جانتا ہی نہیں تھا کہ وہ خوبصورت لڑکی جس
صرف آٹھ جماعت تک تعلیم حاصل کی تھی، اتنے اعتماد سے اس کے سامنے آن کھڑی ہو گ

''کیا مطلب ہے تمہارا...... تم پھر جذباتی ہو رہی ہو۔ دیکھو......''

''حیات! آپ یہی چاہتے ہیں ناں کہ میں اور میرے بچے گمنامی کی زندگی گزار
باپ اور شوہر کے ہوتے ہوئے بھی لاوارث رہیں۔ یہ آپ کا فیصلہ ہے تو میرا فیصلہ بھی
لیجئے کہ میں بھی بچوں کی ماں کی حیثیت سے ان کی پرورش نہیں کروں گی۔ ان کی ملازم
کر ان کی پرورش کروں گی۔''

''یعنی تم ان پر ظاہر نہیں کرو گی کہ تم ان کی ماں ہو؟''

''جی ہاں، یہ میرا فیصلہ بھی ہے، میری شرط بھی ہے اور......''

''تم...... تم بہت جذباتی ہو رہی ہو شابی۔ تم اپنے فیصلے پر بہت پچھتاؤ گی۔ بہت پ
گی۔'' حیات نے اسے دیکھا جو ماں بن کر اتنی بڑی اور بہادر ہو گئی تھی کہ اتنا بڑا فیصلہ
تھی۔

''پچھتانا تو میرا مقدر ہے حیات۔ اور پھر ماں تو ماں ہی رہے گی، خواہ کسی روپ
ہی۔'' شابی تو لگ رہا تھا بغیر سوچے سمجھے بولے جا رہی ہے۔ اسے اپنے فیصلے کی سنگینی کا



اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔

''سوچ لو، بچے تمہیں معاف نہیں کریں گے۔''

''یہ بہت زور کی بات ہے لیکن حیات احمد صاحب، آج تو میں اپنے ہر حق سے دستبردار
ہو رہی ہوں مگر میں...... میں اپنے بچوں کے حقوق کے لئے فیصلہ کن جنگ لڑوں گی۔ آپ
سے ان کے حقوق چھین کر ان کے حوالے کروں گی۔''

''اپنے حواسوں میں رہو شابی، اپنی حیثیت مت بھولو۔ یہ بچے جن کو اپنا سمجھ کر تم خوش فہمی
کی بلندی پر پرواز کرنے لگی ہو ناں، میں یہ تم سے الگ بھی کر سکتا ہوں۔ سمجھیں؟ خبردار جو
میری حکم عدولی کی تو۔ کچھ عرصے کے بعد میں تمہیں اپنے خاندان والوں سے ملواؤں گا محمود کی
بیوی کی حیثیت سے۔ خبردار جو گڑبڑ کی تو...... سمجھیں؟'' حیات اپنے مخصوص انداز میں دہاڑا تو
وہ سختی سے اپنی آنکھیں رگڑ کر بچوں کو دیکھنے لگی جو اب اٹھنے والے تھے۔

''اب ہی تو میری سمجھ کام کرنے لگی ہے...... میرے بچو...... تم دونوں میری ممتا کے ستون
ہو، خدا تمہیں سلامت رکھے۔ آمین۔''

شابی نے دونوں کو ساتھ لگا کر پیار کیا تو بے شمار آنسو بچوں کو بھگو گئے۔ حیات اپنے تیار
کردہ ڈرامے میں مضبوط کردار ادا کرنے کی ہدایت کر کے چلا گیا۔

☆☆☆

سلیم کسی ناکردہ جرم کی سزا میں جیل چلا گیا تھا۔ واقعہ اور وقوع کے بارے میں اللہ کے
بعد سلیم ہی جانتا تھا مگر سلیم کے جیل جانے کے بعد جو ہنگامہ ہوا، اس کے دشمنوں کو جو خوشی
اور دوستوں کو جو صدمہ ہوا تھا، اس سے وہ قطعی لاعلم سر جھکائے بیٹھا تھا۔

''اوئے لگتا تو، تو بڑا شہزادہ شہزادہ سا ہے۔ پر کام تو نے بڑا کمینوں والا کیا ہے۔ کیا
لینے گیا تھا تو اس کنگلی خالہ کے گھر۔ بیچاری کے گھر رکھا ہی کیا ہے؟'' ایک سپاہی مسلسل
اسے ٹارچر کر رہا تھا۔

''او یہ نہ کہو خوشی محمد۔ خالہ کے گھر میں بہت قیمتی خزانہ ہے، اس کی جوان حسین بیٹی ہے۔
جہاں یہ خزانہ ہو، وہاں کسی چیز کی کیا ضرورت ہوتی ہے...... اور ہمارا شہزادہ بھی اسی خزانے پر
ہاتھ صاف کرنے گیا ہوگا...... کیوں شہزادے؟''

پولیس کے چھوٹے رینک کے سپاہی جن کا کام ہی ہر وقت گناہگار اور بے گناہ لوگوں کو
تنگ کرنا ہوتا ہے...... اسے مسلسل ٹارچر کر رہے تھے اور وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا تھا۔
اس کا دل تو یہ چاہ رہا تھا کہ دونوں کو قتل کر دے جو نازو کا ذکر اس گندے انداز میں کر رہے

تھے۔

''اور شہزادے چکر کیا ہے؟ کیوں تشریف لائے ہو۔ کیا سرکاری مہمان بننے کا بچپن سے شوق تھا یا عشق سر چڑھ کر بول رہا ہے؟''

''میں آپ لوگوں کو پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ نازو اور خالہ ہماری نیک شریف محلے دار ہیں۔ ہمارا ان سے ایسا ویسا کوئی تعلق نہیں۔ اور بس رات ایک لڑکا ان کے گھر کی دیوار کود کر اندر جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے اسے روکا تو وہ سرپٹ دوڑ گیا اور آپ لوگوں نے مجھے دھر لیا۔'' سلیم نے کھولتے خون کو دبا کر بمشکل خود پر کنٹرول کیا اور سچائی جو اس سے پہلے وہ کئی بار بیان کر چکا تھا جس پر ان لوگوں کو قطعی یقین نہیں آیا تھا پھر دہرائی تو دونوں سپاہی ہاتھ پر ہاتھ مار کر قہقہہ لگانے لگے۔

''اچھا تو میرا شہزادہ ہر وقت ان نیک پڑوسیوں کے گھر کی چوکیداری کرتا رہتا ہے کہ کوئی آئے اور تو اسے پکڑے۔ او شہزادے، کیا ملتا ہے اس چوکیداری سے۔ صرف دیدار ہی؟'' سپاہی خوشی محمد نے کہا تو سلیم لاک اپ کی سلاخیں پکڑ کر اسے گھورنے لگا۔

''ہائے دیدار یار ہی ہو جائے تو بڑی بات ہے یار۔ اور.....'' دوسرے سپاہی اشرف نے آنکھ دبائی تو سلیم نے اپنا سر سلاخوں سے ٹکرا دیا تو اشرف نے آکر اس کے بال نوچ ڈالے۔

''او..... وڈے ہیرو، یہ جیل ہے، تیرا سسرال نئیں کہ نخرے دکھا رہا ہے۔ تیری تو ضمانت دینے والا بھی نہیں۔''

''او سر جی کیوں نہیں، اس جیسی ضمانت تو کسی کے پاس نہیں۔''

دونوں سپاہی حسب عادت اس بے گناہ ملزم کو جس پر ابھی جرم ثابت بھی نہیں ہوا ذہنی ٹارچر دے رہے تھے اور وہ چپ چاپ ان کو دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆

سلیم کی گرفتاری زیبو کے دماغ کو چڑھ گئی تھی۔ اس نے گھر کے برتن توڑ ڈالے غصے میں پولیس والوں کو خوب گالی گلوچ سے نواز رہی تھی۔

''ارے خدا بیڑا غرق کرے ان دوزخیوں کا، جہنم رسید کرے اللہ ان سارے پولیسیوں کو۔ میرے بے گناہ سلیم کو قید میں ڈال دیا۔ ارے میں تو اینٹ سے اینٹ بجا دوں گی تھانے کی اور سر توڑ دوں گی پولیسیوں کا۔'' اس نے باری باری ساری چائے کی پیالیاں توڑ ڈالی تھیں۔

''اری کمبخت باز آجا، مت بکواس کر پولیس والوں کے خلاف۔ کسی نے سن لیا تو وہ لے جائیں گے۔'' اماں کو غصہ آ رہا تھا کہ اس نے برتن توڑ ڈالے تھے۔



''ہائے اماں، سچ تو بڑی ہی خود غرض ہے۔ سلیم جیل میں ہے اور تیرا اطمینان، سکون دیکھنے کے لائق ہے۔ پرایا بیٹا ہے ناں اس لئے۔ میں کہتی ہوں ابھی تیرے اس سانڈ بیٹے کو پولیس کسی لڑکی کو اغوا کرنے کے جرم میں گرفتار کرے تو پھر دیکھوں گی تیری ممتا کے گلشن میں آگ لگتی ہے کہ نہیں۔ ارے اس بدنصیب کا ہے کون اس دنیا میں میرے سوا۔ میں بھی نہ روؤں پیٹوں اس کو؟ اور تو ہاتھی مت گھور گھور کر دیکھ مجھے۔ جہاں سے جو پیسہ آتا ہے، اماں تیرے کنوئیں میں ڈال دیتی ہے۔'' زیبو نے اپنے موٹے سے بھائی کے دونوں گال اتنی زور سے نوچے کہ وہ بھاں بھاں کر کے رونے لگا۔ اماں سلگ اٹھیں۔

''ارے دفع ہو جا کمینی، بدذات کہیں کی۔ مری جا رہی ہے سلیم کے لئے۔ اری میری بات لکھ کر رکھ لے، وہ اندر ہو یا باہر، تجھے گھاس نہیں ڈالے گا۔'' اماں نے بیٹے کو پچکارا۔

''تو نہ ڈالے گھاس، میں کوئی بکری ہوں کہ گھاس نہ ملے گی تو مر جاؤں گی۔ اور تو جو یہ کہہ رہی ہے ناں، وہ مجھے نہیں ملے گا تو میں اس سے محبت نہ کروں تو اماں بتا تو جو اپنے اس سانڈ بیٹے کو اتنے نازوں سے پال رہی ہے تو اس لئے کہ تجھے غرض ہے اس سے، مطلب ہے اس سے کہ بڑا ہو کر کما کر دے گا۔''

''ارے چپ کر کمینی، ماں کے مقابلے میں آتی ہے بے غیرت۔ میں ماں ہوں اس کی اور ماؤں کو اولاد سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔''

''رشتہ کوئی بھی ہو، محبت بے غرض ہی ہوتی ہے اماں۔ سچی محبت کرنے والا محبوب سے کوئی غرض نہیں رکھتا۔'' زیبو کا لہجہ گہرا ہو گیا۔ آنکھیں پرنم ہو گئیں اور وہ دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

''اب اس وقت شام ڈھلے کہاں جا رہی ہے تو؟ ٹھنڈ بھی اتنی ہو گئی ہے۔''

''سلیم قید میں ہے اماں، میرے اندر باہر آگ لگی ہوئی ہے اور تو کہتی ہے میں اندر رضائی میں آرام کروں۔ جا رہی ہوں میں سردار صاحب کے گھر سلیم کی ضمانت کے لئے کہنے کو۔''

''دماغ خراب ہوا ہے تیرا، یہ تیرے کرنے کے کام ہیں؟ اور پھر تیرے ابا صبح سے مارے مارے پھر رہے ہیں۔ کر ہی لیں گے کوئی نہ کوئی بندوبست۔''

اماں کی بات پر وہ دروازے سے گھومی اور اماں کے قریب آ گئی جو چولہے میں لکڑیاں ڈال رہی تھیں۔ وہ اس کے ہاتھ سے ماچس لے کر جلانے لگی۔

''اماں، کتنے سکون میں ہے تو۔ کتنا اطمینان ہے تیرے لہجے میں۔ تیری اپنی ممتا کا گلشن آباد ہے ناں، اسی لئے۔'' اس نے پھونکنی سے پھونک مار کر آگ تیز کر کے ماچس اماں کے

ہاتھ میں دی تو اماں تڑپ اٹھیں۔

''ارے کمبخت ماری، کہاں سکون میں ہوں، آگ لگی ہوئی ہے میری ممتا کے گلشن میں بھی۔ تین دن سے تو نے ایک نوالہ حلق سے نہیں اتارا۔ یوں ماری ماری پھر رہی ہے اس کے لئے۔ ارے کچھ کھا پی لے، جیل کی روٹی ہی سہی وہ کھاتا تو ہوگا۔'' اماں واقعی رو پڑی۔ کیونکہ جس روز سے سلیم جیل گیا تھا، زیبو کو کچھ ہوش نہیں تھا، ہر ایک کے پاس جا رہی تھی اس کی ضمانت کے لئے۔

''جیل کی روٹی بے بسی کے آٹے سے گندھی ہوتی ہے اماں...... اس کا ایک لقمہ بھی سلیم کے حلق سے نہیں اترا ہوگا۔''

''جا دفع ہو جا، کچھ بھی کر لے اس کی خاطر۔ شادی پھر بھی تیرے ساتھ نہیں کرے گا وہ۔ لکھ کر رکھ لے میری بات۔''

''اماں! تم سے کس نے کہا کہ میں سلیم سے شادی کرنا چاہتی ہوں؟'' وہ دھیرے سے بولی تو دھواں اماں کی آنکھوں میں چھپ گیا۔

''ارے نصیب جلی، پھر کیوں مری جا رہی ہے اس کے پیچھے؟''

''کہا نا اماں، رشتہ کوئی بھی ہو، سچی محبت بے غرض ہی ہوتی ہے۔'' وہ دھیمے سے لہجے میں بولتی ٹاٹ کا پردہ سرکا کر باہر نکل گئی تو اماں نے سر پیٹ لیا۔

''یا اللہ تو ہی اس کمبخت کو عقل دے۔ میرے تو ہاتھ سے نکل گئی۔''

اسی وقت ابا مایوس سے تھکے ہارے آئے تو اماں اٹھ کر ان کے پاس آ گئی۔

''ہوا کوئی بندوبست ضمانت کا؟''

''ہم غریبوں کی ضمانت کون دیتا ہے منے کی اماں۔ جہاں ذرا امید تھی، وہاں گیا۔ مگر برے وقت میں تو سایہ بھی ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔ نجانے یہ سلیم کب سدھرے گا۔''

''خیر اب تم سلیم کو کوسو مت۔ وہ بے قصور ہے۔ بے خطا ہے۔ میں جانتی ہوں اسے۔ ارے وہ تو اس چور کے پیچھے بھاگا تھا جس نے نازو کے گھر میں کودنے کی کوشش کی تھی مگر کمبخت خود بھاگ گیا اور میرا بے گناہ بچہ پولیس والوں نے دھر لیا۔ میں کہتی ہوں قانون اندھا کیوں ہوتا ہے۔ میرے بچے نے نجانے کچھ کھایا پیا بھی ہوگا کہ نہیں۔''

اماں بڑا ضبط کئے ہوئے تھیں زیبو کی وجہ سے، ورنہ سلیم کو انہوں نے اپنے بچوں کی طرح پالا تھا۔ وہ پولیس والوں کو کوستے ہوئے رونے لگیں تو ابا سلیم کی حالت جو وہ دیکھ کر آئے تھے، چھپا گئے۔



''دعا کرو زیبو کی اماں...... اب تو سلیم اسی صورت میں چھوٹ سکتا ہے کہ نازو کی اماں یہ بیان دے دے کہ کوئی چور اکثر ان کے ہاں آتا ہے اور......''

''کس قسم کی باتیں کرتے ہیں زیبو کے ابا۔ ارے ان لوگوں نے تو پہلے ہی ان بیچاری عورتوں کا جینا حرام کر رکھا ہے۔ اب وہ تھانے جا کر کوئی ایسا ویسا بیان دے دیتی ہیں تو اس بستی والے اور پولیس والے تو ان کا مزید جینا حرام کر دیں گے۔ نجانے کیسی کیسی باتیں بنائی جائیں گی، الزامات لگائے جائیں گے بے سہارا عورتوں پر کہ بس آپ چپ رہیے۔ نازو یا اس کی ماں سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ اللہ نے چاہا تو کسی نہ کسی کو وسیلہ بنا دے گا سلیم کی رہائی کا۔ زیبو سردار صاحب کے ہاں گئی ہے۔ وہ اسے بیٹی کہتے ہیں، انشاء اللہ اس کی بات ان لیں گے اور سلیم کی ضمانت ضرور کریں گے۔ بس آپ فکر نہ کریں۔''

اماں نے شاید زندگی میں پہلی بار ابا سے یوں عزت اور آرام سے بات کی تھی تو وہ اچھا کہہ کر چپ چاپ نماز کے لئے مسجد چلے گئے۔

☆☆☆

''بس میں کچھ نہیں جانتی ابا جی، آپ کو تھانے جانا ہوگا۔''

سردار صاحب بڑے اچھے آدمی تھے اور زیبو کو اپنی بیٹیوں کی طرح سمجھتے تھے۔ اب وہ ان کا حقہ گرم کر کے ان کے پیروں کے نزدیک بیٹھ کر بولی تو انہوں نے حقے کا گہرا کش بھرا اور مسکرا کر اسے دیکھا۔

''کیوں بھئی، ہمیں تھانے کیوں جانا ہوگا؟ ہم نے کیا جرم کیا ہے کہ تم ہمیں تھانے لے جا رہی ہو؟'' وہ اس کی ساری بات سن چکے تھے مگر اسے چڑانے کو بولے۔

''ابا جی! میری جان پر بنی ہے اور آپ مذاق کر رہے ہیں۔ ابا جی، وہ اسے مار رہے ہوں گے اور......''

یہی خیال زیبو کو پریشان کر رہا تھا۔ وہ شدتوں سے رو پڑی تو سردار صاحب اور ان کی بیگم پریشان ہو گئے۔ انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''ارے، ارے بیٹی، ہم تو مذاق کر رہے تھے۔ اللہ مالک ہے۔ دعا کرو۔'' سردار صاحب کو افسوس ہونے لگا۔ انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ حقہ ایک طرف رکھا اور کھڑے ہو گئے۔ ان کو واقعی افسوس ہو رہا تھا کہ اتنی زندہ دل لڑکی ہر وقت ہنسنے ہنسانے والی لڑکی آج کس طرح ہمت ہار بیٹھی تھی۔ وہ چپ چاپ اٹھ گئے۔

☆☆☆

"یا اللہ، میرے کن گناہوں کی سزا مل رہی ہے مجھے کہ اس بستی میں زندگی گزارنا پڑ رہا ہے۔ ایک تو سب سے بڑا عذاب سلیم بنا ہوا ہے میرے لئے۔" حمیدہ بیگم کو سلیم پر غصہ آ رہا تھا کہ اس کی وجہ سے وہ بدنام ہو رہی ہیں اور اندر عصر کی نماز کے بعد جانماز پر بیٹھی سلیم کی رہائی کے لئے دعائیں مانگتی نازو بس ایک نظر ماں کو دیکھ کر رہ گئی جو ہمیشہ سلیم کے احسانات بھلا کر کوسنے دینے بیٹھ جاتی تھیں۔

"نازو! کان کھول کر سن لو۔ اب اگر وہ یا زیبو یہاں آئے تو دونوں کی ٹانگیں توڑ دوں گی۔ چوراچکوں کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے میرے گھر میں۔ اور خالہ ہاجرہ نے ایک اچھا رشتہ بتایا ہے، لڑکا اسکول میں ٹیچر ہے، حیدر آباد میں رہتے ہیں۔ بس میں نے سوچا ہے کہ حیدر آباد ہی میں، میں بھی کوئی کمرہ کرائے پر لے کر رہ لوں گی۔ زندگی کے باقی دن گزر جائیں گے۔ میں نے ہاں کر دی ہے۔ جمعہ کو لڑکے کی ماں بہنیں آئیں گی۔ ڈھنگ کے کپڑے پہن لینا۔"

حمیدہ تو نجانے اور بھی کیا کیا کہہ رہی تھیں مگر اسے صرف ہونٹ ہی ہلتے دکھائی دے رہے تھے۔ کتنی مجبور تھیں یہ ماں بیٹی کہ اپنی خوشی سے کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی تھیں۔ وہ زندگی نہیں، زندگی ان کو گزار رہی تھی۔ ان کی زندگی کے فیصلے وقت اور حالات کے تابع تھے انہی حالات نے اس کی ماں کو کافی حد تک خودغرض بنا دیا تھا۔ سلیم کو وہ اپنے مطلب کے لئے اچھا کہہ لیتیں، مطلب نکل جاتا تو اسے چوراچکا کہنے لگتیں۔ نازو ساری بات سمجھتی مگر اس نے سوچ رکھا تھا کہ اپنی دکھیاری ماں کو جس نے صرف اور صرف اس کی خاطر جوانی رول دی تھی، کبھی تنگ نہیں کرے گی۔ ان کے ہر فیصلے پر سر جھکائے گی۔

"جو حکم امی آپ کا، میں نے کب انکار کیا ہے۔ میرا یہاں کون بیٹھا ہے کہ جس کی خاطر میں یہاں رہنا پسند کروں گی۔ سلیم اور زیبو آپ کو پسند نہیں، آپ ان کو بھی بے جھجک منع کر سکتی ہیں۔" گھٹی گھٹی آواز کے ساتھ وہ ان کے پیروں پر جھکی کہہ رہی تھی۔ ان کے پاؤں اس کے آنسوؤں سے تر ہو گئے۔ وہ ماں تھیں، دل پسیج گیا تو اسے ساتھ لگا لیا۔

"مجھے معاف کر دینا بیٹی، میں تیرا حق ادا نہیں کر پائی۔ زندگی کے سرد و گرم موسموں میں تم نے بڑے صبر کے ساتھ میرا ساتھ دیا ہے۔ ایسی فرمانبردار بیٹیاں بہت کم ہوتی ہیں۔ اللہ تمہیں سدا خوش رکھے میری بیٹی۔"

انہوں نے اسے پیار کرتے ہوئے کہا اور آنے والے رشتے کے بارے میں بتانے لگیں اور وہ چپ چاپ سنتی رہی۔



"امی! میں نے کہا ناں جو آپ کا حکم، مجھے کسی بات پر کوئی اعتراض نہیں۔" وہ آہستگی سے کہتی اندر چلی گئی۔ ٹھنڈ اترنے لگی تھی اس لئے لائٹ آن کی، امی کا بستر صاف کیا اور کچن میں آ گئی۔ آگ جلاتے ہوئے وہ مسلسل سلیم کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

☆☆☆

"دیکھ لیا ناں زیبو کے ابا...... شام سے نکلی، اب تک گھر نہیں پہنچی۔ کمبخت کو نہ گھر کا خیال ہے اور نہ کسی اور بات کا۔" وہ جیسے ہی مایوس سی، اداس سی اندر آئی تو اماں نے ہانک لگائی۔ اس نے کسی کو نہیں دیکھا۔

"دیکھ اماں، ابھی مجھے کچھ مت کہنا۔ میرا دماغ بہت گھوما ہوا ہے۔ جب تک سلیم گھر نہیں آ جاتا، کوئی بات مجھ سے نہ کرے بس۔"

وہ غصے میں بولتی سیڑھیوں کی طرف بڑھی تو اماں پھر چلائی۔

"ارے جہنم میں جائے تو اور سلیم...... ناک میں دم کر کے رکھ دیا تم دونوں نے۔"

"دیکھ اماں...... یہ...... یہ س...... س...... سلیم تم......" وہ غصے میں اماں کو کچھ کہنے والی تھی کہ نظر اماں کے قریب ہی کھڑے سلیم پر پڑی۔ اماں ہنس رہی تھیں۔ وہ دیوانوں کی طرح بھاگتی اماں ابا کا خیال کئے بغیر سلیم سے لپٹ گئی اور رونے لگی۔ چاچا اور چچی کے سامنے وہ روئی تھی۔ سلیم شرمندہ ہو رہا تھا ان دونوں کے سامنے۔ اس نے بمشکل زیبو کو الگ کیا۔

"کمبخت، بالکل ہی جاہل ہے۔" اماں نے اسے ڈانٹا۔

"اماں تو، تو بس...... خیر شہزادے تو بتا، کیسے باہر آیا؟ جیل کا دروازہ توڑا تھا، زور آزمائی کر کے سلاخیں توڑ ڈالی تھیں، شاباش جو بھی کیا وہ اچھا کیا۔ ارے شیر کو کب تک پنجرے میں رکھتے۔ تو ٹھیک تو ہے ناں۔" وہ بغیر رُکے بولے جا رہی تھی۔ اماں نے سلیم کو بٹھا کر کھانا لا کر دیا۔

"سلیم! خبردار جو تو نے ایک نوالہ بھی اس دال روٹی کا توڑا۔ میں ابھی تیرے لئے کباب لا لے کر آتی ہوں۔" زیبو نے دال کی پلیٹ اور روٹی پرے کر دی تو اماں نے زور سے ہانک لگائی۔

"کمینی، کتنی جھوٹی ہے۔ میں نے منے کے دودھ کے لئے پیسے مانگے تو صاف مکر گئی۔ اب کہاں سے آئے پیسے تیرے پاس؟"

"ٹھہر اماں، ذرا ابا کو باہر جا لینے دے، پھر بتاتی ہوں۔"

ابا سلیم کے آنے سے خوش اور مطمئن ہو کر نماز کے لئے نکل گئے تھے۔ تب تک زیبو جس

نے کئی دن سے ڈھنگ سے کھانا نہیں کھایا تھا، اماں کی دال جس میں وہ ہمیشہ ہی کیڑے
کرتی تھی، چٹخارے لے کر کھانے لگی۔ ابا چل گئے تو وہ اچھل کر کھڑی ہوگئی۔

''ہاں اماں، تو نے پوچھا ہے ناں کہ یہ پیسے کہاں سے آئے تو اماں، وہ شمع نے ایک
پھر میری بات کا اعتبار کرلیا کہ میں اس کی دوستی سلیم سے کرا دوں گی۔ اس نے سو روپے
دیئے۔ وہ میں نے سنبھال کر رکھے تھے۔ تو بیٹھ سلیم، میں کباب پراٹھا ابھی لے کر آئی۔''

وہ بے حد خوش تھی اور اس کی مٹھی میں سو روپے تھے۔ وہ ہرنی کی طرح قلانچیں بھ
بھاگ گئی۔ سلیم سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اماں بھی صلواتیں سنانے لگی۔

''پاگل ہے کمبخت۔''

''کتنی بار منع کر چکا ہوں۔ دیوانی ہے، کچھ سمجھتی نہیں۔'' سلیم نے اس کی بچی ہوئی ر
کھانی شروع کر دی تو اماں نے ہٹا لیا۔

''کیا ہوا چاچی؟ اتنے دنوں کے بعد تو دال کھانے کو مل رہی ہے۔ چھینی کیوں؟''
نے احتجاجاً چاچی کو دیکھا جو مزید لکڑیاں چولہے میں رکھ رہی تھی۔

''اچھا تو سرکاری میزبان میرے بیٹے کو مرغ مسلم کھلاتے رہے ہیں کہ یہ دال اچھی
رہی ہے۔''

''ارے واہ چاچی، کیا بات کی ہے آپ نے۔ وہاں جو دال ملتی تھی ناں، وہ بس سمجھ
کہ گھڑے میں پانی کی طرح ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ آئندہ محفوظ رکھے۔ لائیں اور ڈالیں دا
آج تو آپ کی دال بھی مرغ لگ رہی ہے۔'' اس نے دال والا پیالہ منہ سے لگا لیا۔

''صبر کر لے بیٹا، وہ دیوانی کباب پراٹھا لے کر آتی ہوگی۔ نہ کھائے گا تو تیرے پی
باندھ دے گی۔ یاد ہے ناں...... اور یہ نہ کرے گی تو تمہیں خود نوالے بنا بنا کر اسے کھلا
پڑیں گے۔ سوچ لو۔''

''ارے نہیں چاچی، یہ سزا بہت بڑی ہے۔ اس کو نوالے کھلانے کا مطلب ہے
انگلیاں زخمی کرانا۔ مگر یہ دیوانی جس طریقے سے پیسے جمع کر کے کباب پراٹھا کھلاتی ہے
چاچی، وہ بہت غلط ہے۔ اب بتاؤ کہ میں......''

''دیوانی جو ہوئی۔'' دونوں ہنسے۔

''واقعی بہت دیوانی ہے...... بہت زیادہ۔''

''تو نے اس دیوانی کے بارے میں کبھی سوچا ہے، اس کی دیوانگی کی کیا منزل ہو
اماں نے گویا جتایا کہ وہ تو تمہیں اتنا چاہتی ہے اور تم......''



سلیم سمجھ رہا تھا کہ چاچی اس سے کیا کہنا اور جواب میں کیا سننا چاہتی ہے۔ وہ بس چپ
ہو کر ان کو دیکھنے لگا۔

''چاچی! منزل ان دیوانوں کو ملتی ہے جو کسی منزل کی تلاش میں دیوانے ہوتے ہیں۔
اور......''

''اور زیبو تو بس دیوانی ہے...... ہے ناں شہزادے، لے کھا، ابھی تازہ بنوا کر لائی ہوں۔
لے شاباش۔ لے اماں، آج تو بھی کھا کباب پراٹھا۔'' سلیم کی ادھوری بات کو زیبو نے مکمل
کیا اور چوکڑی مار کر ٹھنڈے فرش پر بیٹھ کر ایک نوالہ اماں کے منہ میں اور ایک سلیم کے منہ
میں ڈالا۔

''ارے بس...... بس زیبو، میں دال روٹی کھا چکا ہوں۔''

سلیم کی شامت آئی تھی کہ یہ لفظ منہ سے نکل گیا۔ اماں تو مسکراتی ہوئی اٹھ گئی، سلیم کی
شامت آ گئی۔

''اچھا تو، تو نے دال روٹی کھا لی۔ میں تیرا پیٹ پھاڑ دوں گی۔ چل کھلا مجھے اپنے ہاتھوں
سے روٹی۔''

اور جب تنگ آ کر نوالہ اس کے منہ میں ٹھونستا تو وہ زور سے انگلی میں کاٹ لیتی۔

''بہت اجڈ اور جاہل ہو تم۔'' سلیم نے زور سے اس کے سر پر چپت لگائی تو وہ ہنستے ہنستے
دوہری ہوگئی۔ وہ اٹھ کر جانے لگا تو حسب عادت زیبو نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور فلمی انداز
میں گانے لگی۔

''اکیلے نہ جانا، ہمیں چھوڑ کر تم...... تمہارے بنا ہم بھلا کیا جئیں گے۔''

''زیبو! کچھ تو شرم حیا کیا کر، گھر میں ابا اماں ہیں۔'' سلیم کو اماں خاص کر ابا سے شرم آ
جاتی۔

''ارے تو کیا کر شرم، جس کی نیت میں فتور ہوتا ہے شرم اسی کو کرنی چاہئے۔ ہماری تو
نیت صاف، نظر پاک ہے، پھر کیسی شرم؟'' وہ ڈھٹائی سے اس کے ساتھ سیڑھیاں چڑھتی اوپر
آ گئی۔

''سردار صاحب بتا رہے تھے تو نے ان کی بہت منتیں کی ہیں، حتیٰ کہ ان کے پاؤں تک
پکڑ لئے میری ضمانت کے لئے۔'' سلیم اس پاگل لڑکی کی محبت کے سامنے کمزور پڑ رہا تھا۔

''ہائے توبہ ہے، کتنے شیخی خورے ہیں یہ سردار صاحب بھی۔ میں نے تو کوئی ان کے
پاؤں داؤں نہیں پکڑے، یوں ہی انہوں نے تیرا حال پوچھا تو میں نے کہہ دیا کہ سرکاری

مہمان بنا ہوا ہے۔ کہنے لگے کس جرم میں؟ میں نے کہا جب لڑکی اغوا کرنے کی کوشش کرے گا تو سزا تو ملے گی ناں۔''

''زیبو...... زیبو، میں تجھے قتل کر دوں گا۔'' وہ دہاڑا۔

''تو کر دے، کس کو انکار ہے۔ قسم سے اتراتی پھروں گی، ساری سہیلیوں کو بتاؤں گی، خاص کر شمع کو کہ مجھے سلیم نے قتل کیا ہے۔''

وہ نثار ہونے والے انداز میں بولی تو سلیم نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا تو ایک نظر میں پہچانا ہی نہیں۔ لش پش کمرہ اسے حیرت میں ڈال گیا۔ اور یہ سب زیبو ہی کا کارنامہ تھا۔ اسے دکھ اس لئے ہوتا کہ جواب میں وہ ایسی بے پایاں اور بے غرض محبت کا سائبان اسے نہیں دے سکتا تھا اسی لئے وہ اس کی محبت کے اظہار پر الجھ جایا کرتا تھا۔

''زیبو...... یہ...... یہ سب تو کس لئے کرتی ہے؟''

''مرتی ہوں تجھ پر، محبت کرتی ہوں تجھ سے، اسی لئے یہ سب کرتی ہوں۔'' اس کی محبت کی طرح اس کا اظہار محبت بھی جارحانہ ہوتا۔

''مگر زیبو میں تو......'' وہ بے بس سا ہو گیا۔

''جانتی ہوں...... سب جانتی ہوں۔ اور تو کیا سمجھتا ہے، کوئی غرض ہے مجھے تجھ سے؟ ارے جس محبت میں غرض ہو وہ بھی کوئی محبت ہوئی؟ اچھا اب ایسے احسان مندی سے نہ دیکھ۔ مجھے پتہ ہے میں نے یہ تیرا کمرہ کس طرح سجایا ہے۔ اب میرے احسانات کے تلے دب کر اگر تو ناک رگڑ رگڑ کر بھی مجھ سے شادی کرنے کو کہے گا ناں تب بھی نہیں کروں گی۔ شادی تو تیری میں نازو ہی سے کروں گی۔''

وہ اس کے بستر کو جھاڑتے ہوئے بولی تو نازو کے نام پر ایک دم اداسی سی سلیم کے اندر کہیں اتر آئی۔ وہ ہاتھوں کا تکیہ بنا کر نیم دراز ہو گیا۔

''کیسی ہے وہ......؟'' وہ گہرا سانس لے کر بولا۔

''ہاں اب آ گیا ناں اس بدنصیب کا خیال۔ تم مرد ہوتے ہی بڑے بے وفا ہو۔ میری توجہ کیا ملی، اس بے چاری کو بھول ہی گئے۔ ارے روتی رہی ہے تیرے لئے...... سجدے میں گڑگڑا کر اللہ سے تیرے لئے دعائیں کی ہیں اس نے۔ ارے یہ اسی کی دعاؤں کا ثمر ہے کہ اللہ نے تجھے رہائی دی۔ ورنہ سڑ رہے ہوتے جیل میں۔''

''زیبو تو بہت عجیب ہے۔'' سلیم اس لڑکی کو دیکھنے لگا جو سارے اعزازات دوسروں ہی کو دینا چاہتی تھی۔



''کیوں، تیرے پیچھے میرے سینگ نکل آئے ہیں کہ......''

''تو بس لٹانا ہی جانتی ہے، تجھے کچھ نہیں چاہئے۔''

''لو کر لو بات، حاتم طائی سمجھ رکھا ہے کہ کچھ نہیں چاہئے۔ ارے جو مجھے چاہئے وہ تو کسی چاہئے بھی نہیں۔ پتہ ہے مجھے کیا چاہئے اس زندگی میں؟''

وہ گھوم کر اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی۔ یہاں تک کہ رت آنکھوں میں دھند اتر آئی۔ کنارے بھیگنے لگے تو وہ ایک دم گھوم گئی۔

''مجھے صرف تیری خوشی چاہئے شہزادے اور کچھ نہیں۔ اور اسی لئے میں نے اور اماں نے کیا ہے کہ تیری نازو سے شادی کرا کر ہی دم لیں گے۔''

وہ اپنے فیصلوں اور ارادوں میں اماں کو بغیر اطلاع ہی شریک کر لیا کرتی تھی اور ممتا کی اماں کو اس کا ساتھ دینا ہی پڑتا تھا۔

''کیا کیا...... تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے؟ خالہ میری صورت دیکھنے کی روادار نہیں، بلاوجہ کی اور اپنی عزت گنوانے نہ جانا۔ مجھے تیری اور چاچی کی عزت بہت پیاری ہے۔''

سلیم اچھی طرح جانتا تھا کہ حمیدہ ان کو ذلیل کر دے گی۔ اس نے منع کر دیا۔

''ارے جانِ زیبو، تیری یہ ادا ہی تو جان لیتی ہے۔ تجھے ہماری عزت پیاری ہے، ہمیں محبت پیاری ہے۔ بس اللہ سے دعا کر۔''

اور پھر سلیم ان دونوں کو روکتا ہی رہ گیا مگر وہ اماں بھی تو زیبو کی تھیں، جھٹ تیار ہو گئیں۔

⁂☆⁂

''ثریا بیگم! وہ تو خیر لڑکی ہے، کم عمر ہے، ناسمجھ ہے، تمہیں ہی عقل ہونی چاہئے۔ منہ اٹھایا چلی آئیں رشتہ لے کر۔'' حمیدہ تو ہتھے سے اکھڑ گئیں۔ انہوں نے کوئی بھی لحاظ نہ رکھتے ئے حقارت سے کہا تو کچن میں زیبو کے ساتھ بیٹھی نازو اندر تک کانپ گئی۔

''اے حمیدہ بیگم، ایسی بھی کیا قیامت آ گئی، جہاں بیری ہوتی ہے تو پتھر تو آئیں گے ہی۔ تو ایسے کہہ رہی ہو جیسے میں نے گالی دے دی ہو۔'' اماں کو حمیدہ کی بات اور لہجہ بہت برا تھا۔

''ارے پتھر بھی وزنی آئے تو بیر گرتے ہیں۔ کنکر تو پیروں تلے ہی آتے ہیں۔ اور سلیم کا نہ ہمارے لئے گالی سے کم نہیں۔ وہ چور اچکا ہی رہ گیا ہے میری بیٹی کے لئے؟ کہاں وہ ں یافتہ چور اور کہاں میری تعلیم یافتہ چاند سی بیٹی۔'' بات کرتے کرتے حمیدہ کی گردن میں اسا تناؤ آ گیا۔ نازو نے دل تھام لیا۔ زیبو تیورا کر باہر آئی۔ اماں نے ماتھا پیٹ لیا حمیدہ

کی بات پر۔

''ارے خالہ، خدا کے خوف سے ڈر۔ ڈر اللہ سے۔ بڑے بول کسی کو راس نہیں آ
ارے داغ تو چاند میں بھی ہے۔ چلو اماں، اللہ اس بڑھیا پر رحم کرے۔ اللہ کی شان ہے،
بدمزاج بڑھیا کی ایسی اچھی بیٹی۔ آؤ اماں۔''

کچن سے باہر نکل کر زیبو نے حمیدہ کو کھری کھری سنائیں اور اماں کا ہاتھ پکڑ کر باہر
گئی۔

''حد ہوگئی، اوقات نہیں دیکھتے لوگ اور آ جاتے ہیں۔'' حمیدہ بیگم زیبو کی بات میں
گئی تھیں۔ اس کی بات دل میں اتر گئی تھی۔ نازو تو خوف کے مارے خدا کے حضور گر گئی۔

''امی! جاوید کے گھر والوں سے کہہ دیں کہ جلدی آ جائیں اور نکاح کر کے لے جائیں
اب ہم اس بستی، اس گھر میں نہیں رہیں گے۔ یہاں کے لوگ اب ہمیں بہت تنگ کر
لگے ہیں۔'' وہ ماں سے لپٹی بری طرح روئے گئی تو حمیدہ بھی اپنی بے بسی پر شدت سے
پڑیں۔ وہ ایسی تو نہیں تھیں جیسا وقت اور حالات نے کر دیا تھا۔

***

راشد نے نازو کی اس بھول کو اپنے لئے خوب استعمال کیا تھا۔ اس نے دونوں بہتر
دوستوں کے درمیان بدگمانی کا ایسا بیج بو دیا تھا کہ دونوں ایک دوسرے سے الجھ پڑیں۔ را
نے راحیلہ کو کچھ اس انداز سے شیشے میں اتارا تھا کہ راحیلہ جو نازو پر اندھا اعتماد کرتی تھی، ا
سے بری طرح بدگمان ہوگئی۔

اب بھی نازو اسے کتنی دیر سے یہ سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی کہ وہ تصویر اتفاقاً فائل م
چلی گئی تھی۔ مگر محبت کی ماری راحیلہ کو اس کی سچائی کی بجائے راشد کے گھڑے ہوئے جھو
افسانے پر یقین تھا۔ تب ہی نازو سارا لحاظ مروت بالائے طاق رکھ کر چیخ پڑی۔

''تمہیں اگر میری سچائی پر یقین نہیں آتا تو بھاڑ میں جاؤ تم۔ راحیلہ، اگر کچھ ہوگا تو را
صرف تمہارے لئے ہوگا، میرے نزدیک تو وہ ایک آوارہ، بدکردار آدمی ہے۔ سمجھیں تم؟''

''زبان سنبھال کر استعمال کرو نازو، میں نے بہت لحاظ کیا ہے تمہارا۔ مگر تم میرے ہو
والے شوہر کے بارے میں اس قسم کی زبان استعمال نہیں کر سکتیں۔

''اونہہ، شوہر، اللہ رحم کرے تمہاری حالت پر۔ میری بات غور سے سنو راحیلہ، تم اگر ا
ہونے والے شوہر کے بارے میں کچھ نہیں جانتی تو سنو، وہ اس قدر کمزور اور گرا ہوا آدمی
کہ میں...... میں اگر اسے ذرا سی لفٹ کرا دیتی یا میں اپنی غربت اور عزت کو داؤ پر لگا کر



کرنے والی ہوتی تو راشد آج تمہارے ہونے والے شوہر کی بجائے میرا شوہر ہوتا۔ وہ خدا کا
شکر ہے ایسا نہیں ہے۔ اور بقول تمہارے شوہر کے اگر مجھے دولت درکار ہوتی تو راشد کیا چیز
ہے، اس سے بڑے بڑے راہوں کی دھول بن جاتے ہیں۔ مگر اللہ کا شکر ہے اور احسان ہے
کہ اس نے مجھے شرافت اور کردار کی دولت عطا کر رکھی ہے اور وہی حفاظت کرنے والا ہے۔
میں لعنت بھیجتی ہوں تمہاری دوستی پر، خدا حافظ۔''

بولتے بولتے نازو کی آواز بھیگ گئی۔ آخر اتنے سالوں کی دوستی تھی۔ اس نے اب تک
راحیلہ کی طرف سے ملنے والے گفٹ راحیلہ کے منہ پر مارے اور تیزی سے اس کے گھر کے
گیٹ سے باہر نکل گئی اور راحیلہ شدت سے رو پڑی۔ وہ لاکھ راشد کی محبت میں اندھی ضرور
تھی مگر اندر سے کہیں آواز آ رہی تھی کہ نازو سچی ہے۔ یوں بھی سچائی کا چہرہ کتنا ہی آلودہ
کیوں نہ ہو جائے بدگمانی کی دھند سے مگر سچائی کی چمک اپنا وجود منوا لیتی ہے اور راحیلہ بھی
اتنی اچھی دوستی کے ختم ہونے کا ماتم کرتی رہی۔ نازو کو بھی دوستی کے ختم ہونے اور اس سے
بڑھ کر راحیلہ کی بدگمانی کا شدید صدمہ تھا۔ آنکھیں بار بار بھیگ رہی تھیں۔ ایسی دھند اترتی
کہ راستہ گم ہو جاتا۔ وہ بس اسٹاپ پر کھڑی مطلوبہ بس کا انتظار کر رہی تھی کہ ایک گاڑی تیزی
سے اس کے قریب آ کر رکی۔ راشد باہر نکلا۔

''ہوں...... تو میں آوارہ، بدکردار ہوں ناں...... اب تمہیں بتاؤں گا کہ میں کیا ہوں......''
راشد نے اسے گاڑی میں دھکیلا اور گاڑی اڑانے لگا۔ وہ چیختی چلاتی رہ گئی مگر وہ گاڑی
اڑا لے گیا......!

***

"ارے حیات میاں! یہ کباب بھی لیجئے ناں، ورنہ ان کو آپ سے کج ادائی کا شکوہ رہے گا۔" حیات احمد ایقہ کو دیکھ کر پھیل گیا تھا ورنہ وہ شہر آتا تو روکنے کے باوجود نہیں رکا کرتا تھا اور اب دوسرا ہفتہ جا رہا تھا مگر اس نے جانے کا نام نہیں لیا تھا۔ بہانہ دوست کی فیملی کا بنا رکھا تھا۔ اس وقت بھی سب کھانے پر موجود تھے، ایقہ سر جھکائے برائے نام کھانا کھا رہی تھیں۔ کچھ تو ایقہ کو یہاں بہن کے گھر رہ کر کھانا کھاتے ہوئے شرم آتی تھی، اوپر سے حیات احمد کی نظریں۔ مگر مارے لحاظ کے وہ نہ تو کچھ کہہ سکتی تھیں اور نہ ہی جا سکتی تھیں۔ اور اس وقت بھی یہی ہو رہا تھا کہ حیات کی نظریں کھانے پر کم اور ایقہ پر زیادہ تھیں اور یہ بات بانو بیگم نے خاص طور پر محسوس کی تھی اور وہ تو خوش بھی تھیں کیونکہ وہ ایقہ کی طرف سے بہت فکرمند تھیں۔

"کباب تو ہم کھا ہی لیں گے بھائی صاحب۔ مگر آپ لوگ اب ہمارا نام تبدیل کر دیجئے۔" حیات احمد کو ایقہ جیسی تعلیم یافتہ لڑکی کے سامنے اپنا نام ذرا دقیانوسی سا لگا۔

"کیوں بھئی، آپ کے نام میں کیا برائی ہے۔ حیات یعنی زندگی اتنا اچھا خوبصورت نام ہے آپ کا۔ کیوں تبدیل کرنا چاہتے ہیں؟" شجاعت اللہ نے مسکرا کر دیکھا تو حیات احمد ایک ادا سے ایقہ کو دیکھنے لگا۔

"درست کہا آپ نے بھائی جان۔ مگر کیا فائدہ ایسی زندگی کا جو کسی سے وابستہ نہیں۔" حیات احمد کی نظریں ایقہ پر تھیں جو اب کھڑی ہو گئی تھیں۔ شفاعت اللہ کو یہ سب قطعی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ وہ بھی کھانا سمیٹ کر اٹھ گئے۔ منزہ تو پہلے ہی طبیعت کی خرابی کی وجہ سے موجود نہیں تھیں۔

"ارے بھئی بیگم، کچھ سمجھا آپ نے، حیات میاں نے ایک ہی جملے میں اپنا عندیہ بیان کر دیا ہے۔ حیات میاں اب شادی کرنا چاہتے ہیں۔" شجاعت اللہ نے حیات کی بات کا مطلب بیان کیا تو وہ قدرے شرما کر سر جھکا کر رہ گیا۔

"واقعی احمد میاں.... لو بھئی، آج سے آپ احمد ہو گئے۔ اب سب آپ کو احمد ہی کہا کریں گے۔ ٹھیک ہے ناں؟" بانو بیگم نے اس کی ایک اور مشکل آسان کر دی تو وہ خوش ہو گیا۔



"بہت بہت شکریہ بھابی جان، آپ نے نام والا مسئلہ حل کر دیا۔ اب دوسرا بھی کر ہی دیجئے۔" احمد نے ایقہ کے بارے میں سوچتے ہوئے آہستگی سے کہا تو بانو بیگم اندر سے خوش ہو کر ہنستے ہوئے مسکرائیں۔

"دوسرا کون سا مسئلہ احمد میاں؟"

"ہائے بھابی، ایمان سے اتنا اچھا لگتا ہے ناں آپ کے منہ سے احمد میاں۔ رہی بات مسئلے کی تو ہر بار آپ کہتی ہیں کہ گھر بساؤ مگر میرا آپ کے علاوہ کون ہے، نہ کوئی بڑا، نہ چھوٹا۔ آپ لوگ ہی تو میرے بزرگ ہیں۔ جس کھونٹے سے باندھیں گے، بندھ جائیں گے۔ ہمارا کیا ہے۔ لیکن ہمیں اپنی پسند کی جانب اشارہ کرنے کی اجازت ضرور دیجئے گا۔"

"بہت چالاک ہیں آپ احمد میاں، فوراً اپنی پسند کو درمیان میں لے آئے..... خیر چلئے آپ اشارہ کر دیجئے ہم فوراً کوشش شروع کر لیتے ہیں۔"

اتنے دنوں سے بانو، احمد کی نظر بازی کا بغور مطالعہ کر رہی تھیں۔ اس کی نگاہوں کے فوکس پر ان کی اپنی ایقہ تھیں۔ وہ خوش ہو گئیں۔

"ارے بھابی جان، کچھ تو خیال کیجئے۔ کیوں سر عام رُسوا کرتی ہیں۔ ہم اشارہ ضرور کریں گے مگر تنہائی میں۔ بڑے بھائی کے سامنے اب......"

وہ شجاعت اللہ کی طرف دیکھ کر بولا تو وہ مسکراتے ہوئے اٹھ گئے۔

❋☆❋

"منزہ! اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟ بخار تو ابھی ہے۔" ایقہ اٹھ کر سیدھی منزہ کے کمرے میں آ گئیں۔ منزہ کو وقفے وقفے سے بخار آ رہا تھا۔

"ارے آپ ایقہ، آیئے ناں، میں ٹھیک ہوں۔ آیئے بیٹھئے۔ آپ کچھ اپ سیٹ سی لگ رہی ہیں۔ بیٹھئے ناں۔"

"ارے آپ لیٹی رہئے، میں بیٹھ جاتی ہوں۔" ایقہ منزہ کے قریب بیٹھ گئیں۔

"اب بتایئے، اس حسین چہرے پر دُھندسی کیوں ہے؟"

"آپ دوست بھی ہیں، بہن بھی ہیں منزہ، اسی لئے آپ سے کہہ رہی ہوں کہ حیات صاحب کی وجہ سے مجھے عجیب سی کوفت ہوتی ہے۔ نہ تو ان کا اندازِ نظر مناسب ہے اور نہ ہی ان کا اندازِ تکلم مجھے پسند ہے اور مجبوری یہ ہے کہ وہ مہمان ہیں اور ہمیں ان کا احترام کرنا ہے۔"

"ہوں، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ حیات بھائی آپ کو پسند نہیں آئے؟" منزہ تکلیف کے باوجود اٹھ کر بیٹھ گئی۔ کیونکہ وہ ایقہ اور حیات کے بارے میں ہونے والی بات جانتی تھی۔

''آپ کا مطلب بالکل درست ہے۔ گوکہ کسی بھی انسان کو کسی دوسرے کو برا کہنے
ناپسند کرنے کا کوئی حق تو نہیں ہوتا مگر یہ شخص ہمیں واقعی اچھا نہیں لگا۔'' ایقہ نے بڑی صاف
گوئی سے اپنی رائے کا اظہار کیا تو منزہ اسے دیکھنے لگی۔

''تو پھر آپ کو کون سا شخص پسند ہے؟'' منزہ کا لہجہ گہرا ہو گیا تو ایک کسک سی ہوئی۔ ا
چپ ہو کر دروازے کی طرف دیکھنے لگیں۔ اسی وقت شفاعت اللہ اندر آئے تو منزہ
آنکھیں بند کرلیں۔ ایقہ ایک دم کھڑی ہو گئیں۔ شفاعت اللہ کے دل میں ایک ٹیس سی اٹھ
وہ جوان کی پہلی محبت تھیں، آج وقت اور حالات کی وجہ سے یوں ڈانواں ڈول ہو رہی تھیں

''ارے آپ بیٹھئے ایقہ، ہم باہر چلے جاتے ہیں۔ قطعی علم نہیں تھا کہ آپ اندر ہیں و
ہم نہ آتے۔ بیٹھئے پلیز۔'' وہ واقعی نہیں جانتے تھے کہ ایقہ اندر ہیں ورنہ وہ نہ آتے۔

''جی ایسی کوئی بات نہیں، میں جا رہی تھی۔ آپ تشریف رکھئے۔ منزہ کی طبیعت کچھ ا
نہیں۔ آیئے پلیز۔'' وہ دھیرے سے بولتی باہر نکل گئیں تو شفاعت اللہ ہلتے ہوئے پردے کو
منزہ ان کو دیکھ کر رہ گئی۔ ایقہ کو اپنے بے وقعت ہونے کا احساس کچھ اتنی شدت سے ہوا
وہ آنکھوں کی برسات کو روک نہ سکیں۔ وہ کوریڈور سے گزر رہی تھیں کہ پیچھے سے آواز آئی

''ذرا سنئے گا۔''

''جی......؟'' اس آواز پر ایقہ نے پلٹ کر دیکھا تو حیات احمد کھڑا بڑے اشتیاق
اسے دیکھ رہا تھا۔ ایقہ نے اپنا آنچل اچھی طرح درست کیا اور جز بز سی کھڑی رہی کیونکہ ا
تو یہاں ٹھہر کر اس سے بات کرنا چاہ رہی تھی اور نہ یہاں کھڑا ہونا اسے مناسب لگا اور
کہ ہیرو بنا گہری نظروں سے اس کے حسین چہرے کو دیکھے جا رہا تھا۔

''جی، آپ کچھ کہنا چاہ رہے تھے......'' ایقہ تعلیم یافتہ تھیں، اعتماد سے بولیں۔

''جی وہ کہنا تو بہت کچھ چاہتے ہیں مگر فی الحال صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ......
ہم سے خفا خفا سی لگتی ہیں...... جہاں ہم ہوتے ہیں وہاں سے کترا کر گزر جاتی ہیں...
اس دامن بچانے والی ادا کو سمجھ نہیں سکے...... کچھ تو کہئے۔''

حیات احمد تو اس وقت ہواؤں میں اڑ رہے تھے۔ کیونکہ ایقہ کو دیکھتے ہی ان کا دل
ہو گیا تھا۔ حسب عادت وہ ضرورت سے زیادہ دل پھینک آدمی تھا۔ ہر حسین چہرے پ
تھا۔ مگر ایقہ کی بات اور تھی، ایک عجیب قسم کی جاذبیت اور وقار تھا جس نے حیات احمد کو
لیوا حد تک متاثر کر دیا تھا وہ یہ بھول گیا تھا کہ خود کیا ہے، اس کی شخصیت کیا ہے۔ اسے
معلوم تھا کہ اسے ایقہ پسند آ گئی ہے اور خوش بختی سے بانو بیگم بھی مہربان ہو گئی تھیں۔



یہ سمجھ کر اس میں اتنی جرأت پیدا ہو گئی تھی کہ ایقہ کو یوں روک کر بات کرتا۔ ورنہ تو وہ اس
رُعب اور وقار سے اتنا مرعوب ہوا تھا کہ دیکھتے ہوئے بھی خوفزدہ تھا۔

''آپ کسی غلط فہمی کا شکار ہیں، بھلا میں آپ سے خفا کیوں ہونے لگی؟''

''درست کہا آپ نے۔ ہم...... میرا مطلب میں تو واقعی یہاں آ کر شکار ہو گیا ہوں۔ وہ
یہ ہے کہ آپ سے ایک بات پوچھنی تھی اگر آپ برا نہ مانیں تو......''

ایقہ اچھی طرح سمجھ رہی تھی کہ وہ فٹ پاتھی عاشقوں کی طرح تلپٹ ہو چکا ہے اور ٹین
ڑکوں کی طرح ہاتھ پر بات بنا رہا ہے۔ وہ بری طرح بیزار ہو گئی تھی مگر چونکہ وہ اس گھر
شتے دار اور مہمان تھا اس لئے وہ لحاظ کر گئی۔

''جی کہئے حیات صاحب......'' اس نے بیزار سے انداز میں کہا۔

''حیات؟ جی نہیں، یہاں میں آپ کی تصحیح کر دوں، اب میرا نام حیات نہیں صرف احمد
آپ اب ہمیشہ ہمیں احمد ہی کہا کریں...... ہم نے نام بدل لیا ہے۔''

''نام بدل لیا ہے......؟'' ایقہ کو کافی حیرت ہوئی۔ وہ زیر لب بولی مگر اس نے سن لیا۔

''جی، جب ہم سر سے پیر تک بدل گئے تو نام بدل لینے میں کیا حرج تھا۔ آپ کو پسند آیا
ام؟ اگر نہ آیا ہو تو خود بتا دیجئے، ہم وہی رکھ لیں گے۔'' حیات احمد اس کی ذرا سی توجہ پا
قات بھول گیا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اندر سے وہ اس کو کیا سمجھ رہی ہے اور کتنی بیزار ہے۔

''آپ کوئی بھی نام رکھئے، میری پسند ناپسند کی کیا بات ہے...... یوں بھی احمد نام بہت
رت ہے۔'' ایقہ نے جان چھڑانے کے لئے جلدی سے کہا۔

''ہوں، تو آپ کو احمد نام پسند آیا۔ اب یہی نام رہے گا...... آپ کو جو پسند آ گیا ہے......
بھی فارم ہاؤس نہیں آئیں...... اچھا چلئے، اب ایک ہی بار آیئے گا...... رہنا تو آپ کو
ہے ناں۔''

د خود ہی سوال کر رہا تھا اور خود ہی جواب دے رہا تھا۔ آخری بات پر ایقہ نے حیرت
ھ نہ سمجھتے ہوئے اسے دیکھا۔ وہ کیا مقصد رکھتا ہے یا بانو اور دوسرے لوگ ان دونوں
رے میں کیا سوچ رہے ہیں، وہ قطعی نہیں جانتی تھی۔ ایقہ کو اس کی یہ بات اچھی نہیں
ہم وہ خاموش رہی۔ اسے یوں کوریڈور میں شفاعت اللہ کے کمرے کے قریب کھڑے
د سے بات کرنا قطعی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

''آپ...... آپ فارم ہاؤس میں رہ لیں گی ناں؟...... نہیں تو میں کوئی اور......'' اس کی
سے فائدہ اٹھاتے ہوئے احمد نے پھر کہا تو اب ایقہ کو تاؤ آ گیا۔

''احمد صاحب! آپ کس قسم کی باتیں کر رہے ہیں؟ میں فارم ہاؤس میں کیوں جا رہنے لگی۔ یہاں بھی میں کچھ دنوں کے لئے آئی ہوں، پھر واپس چلی جاؤں گی۔'' آواز دب گئی۔ اب وہ اس کو کیا بتاتی کہ اس کی حیثیت خزاں رسیدہ اس پھول جیسی ٹہنی سے گر کر راہوں کی دھول ہو جاتا ہے۔

''بات ہم تو بہت اچھی کر رہے ہیں لیکن ابھی آپ کی سمجھ میں شاید ہماری بات رہی۔ خیر سمجھ میں بھی آنے لگے گی۔ یہ بتایئے کہ......''

''ارے قمر بھیا، ذرا سنئے گا۔ ہمیں آپ سے ضروری بات کرنا ہے۔''

قریب تھا کہ حیات اظہارِ محبت کرتا، اسی وقت انیقہ کو اپنے بیٹے عمر کے پیچھے ہوئے قمر بھیا نظر آ گئے تو اس نے زور سے ہانک لگائی۔ قمر میاں بہت اچھے سادہ دل تھے۔ انیقہ سے ہر وقت اظہارِ محبت کرتے، مگر عیاری، مکاری اور بدنیتی سے پاک جملے لطف دے جاتے۔ اس لئے وہ ان سے اچھے انداز میں ملتی اور بات کرتی۔ اس کی آواز بھیا بھاگے آئے گو کہ ایک دو بار گرے بھی مگر انیقہ نے پکارا تھا، بھاگے چلے آئے۔ احمد خاصا بیزار ہو گیا تھا۔

''ارے ملکہ حسن، آپ نے ہمیں پکارا، لیجئے ہم سر کے بل چلے آئے...... لیکن یہ کیا انتہائی نامناسب جگہ پر نامناسب بندے کے ساتھ کھڑی ہیں...... ارے آپ کو تو ہم ساتھ یا پھر ہمارے ساتھ کھڑا ہونا چاہئے...... یوں......''

قمر میاں چونکہ پستہ قد تھے، انیقہ کے برابر کھڑے ہونے کے لئے قریبی گملے پر ہوئے، گملا لڑھک گیا اور وہ زمین بوس ہو گئے۔

''اماں، یار کیا وقت آ گیا ہے کہ اب گملوں کے بھی پاؤں نکلنے لگے...... انیقہ پھول کو سہارا دیجئے گا، سنبھل سنبھل کر بہت نازک ہے۔'' قمر میاں نے چلاتے ہوئے ہاتھ انیقہ کی طرف بڑھایا تو اس نے مسکراتے ہوئے تھام کر ان کو کھڑا کر دیا۔ وہ ہوئے کتنی حسین لگ رہی تھی اور نہیں جانتی تھی کہ اس کی مسکراہٹ کی ساری کرنیں حیا چرا رہا ہے، اس کی ایک ایک ادا احمد کو اس کے قریب تر کر رہی تھی۔

''انیقہ! آپ کو کسی نے آج تک یہ نہیں بتایا کہ آپ کی مسکراہٹ کس قدر غضب ناک ہے کہ میرے جیسا کمزور دل آدمی تو فنا ہو جائے۔''

براہِ راست اپنی اس تعریف پر انیقہ ایک دم سنجیدہ ہو گئی۔ اس نے ہونٹ بھینچ لئے

''آپ...... یعنی کہ آپ حیات احمد ابھی تک یہیں رکھے ہوئے ہیں؟ اس سے قبل



ں کی مٹی چھوڑا نہیں کرتے تھے۔ اس بار قیام کی طوالت میں کیا راز ہے......؟'' قمر میاں حیات کو گھورا جو انیقہ کو گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

''تب اور اب میں زمین آسمان کا فرق ہے قمر بھیا...... اب تو جہاں نظر ٹھہری، وہیں قدم گئے۔'' احمد نے بڑے گہرے رومانٹک انداز میں کہا۔ نظریں انیقہ کے حسین چہرے پر جمی ی تھیں۔ وہ قطعی نہیں جانتا تھا جس لڑکی کو وہ اس قدر پسند کر رہا ہے وہ دل سے اسے کتنا پسند کر رہی تھی۔ قمر میاں نے احمد کو گھورا۔

''کیا...... یعنی کہ کیا مطلب ہے تمہارا، کہیں تم...... تم...... اماں یار جاؤ، کیوں ہمارے یب بنتے ہو...... جایئے ہم آپ کو اپنا رقیب نہیں بناتے۔''

''لیکن ہم آپ کو اپنا رقیب بناتے ہیں۔''

احمد نے دھان پان قمر میاں کو اٹھا لیا تو اسی وقت انیقہ وہاں سے چلی گئی۔ اپنے کمرے ں آ کر وہ خوب روئی اس گھر میں اپنی حیثیت پر۔ وہ کتنی بے وقعت تھی۔ نہ اپنا گھر، نہ شوہر، بچے۔ بھائی اور بھابی اگر نہ نکالتے تو وہ تمام عمر باپ کی عزت سنبھال کر گزار دیتی۔ مگر سے تو باپ بھائی کی دہلیز پر بھی پناہ نہیں مل سکی تھی۔ پھر وہ راہوں کی دھول کیوں نہ ہوتی اور ں کم مائیگی نے اسے توڑ ڈالا تھا، بہن اور بہنوئی اس کے لئے کیا سوچے بیٹھے ہیں، اس سے طعی لاعلم وہ روئے گئی۔

⁂☆⁂

''آپ کو معلوم ہے شفاعت، انیقہ احمد کو کتنا ناپسند کرتی ہے۔''

''تو...... تو یہ آپ ہمیں کیا بتا رہی ہیں، ہم کیا کر سکتے ہیں کسی کے لئے؟'' شفاعت اللہ ی جانتے تھے اس لئے انہوں نے اپنے طور پر بہت کوشش بھی کی مگر بانو بھابی انیقہ کا رشتہ اندان سے باہر کرنے پر تیار نہیں تھی۔

''اس لئے بتا رہی ہوں شفاعت کہ کچھ کیجئے، ابھی بات اتنی نہیں بڑھی۔ احمد کو انیقہ اس در پسند آئی ہیں کہ وہ نکاح کر کے ساتھ لے جانا چاہتا ہے......''

''تو لے جائے نکاح کر کے۔ اگر انیقہ کی قسمت ہی خراب ہے تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔ لے جائے حیات احمد تو اچھا ہے۔ ہم بھی ہر وقت کی ٹینشن سے بچ جائیں گے۔'' شفاعت للہ جو ہر وقت انیقہ کے بارے میں سوچ سوچ کر تھک چکے تھے، ایک دم ہی پھٹ سے ے تو منزہ حیرت اور دکھ سے ان کو دیکھنے لگی۔

''تو...... تو...... آپ اپنی متاعِ عزیز کو یوں برباد ہوتے دیکھ لیں گے شفاعت؟ انیقہ کو

یوں ان کی ناپسندیدہ زندگی کے سمندر میں ڈوبتا ہوا دیکھتے رہیں گے، کچھ نہیں کریں گے، کو بچانے کی کوئی کوشش نہیں کریں گے؟''

''کیا...... کیا کوشش کریں؟ منزہ، مانا کہ آپ بہت کم عمر ہیں مگر آپ اب شادی خاتون ہیں، پھر ایسی باتیں...... بتایئے ہم کیا کر سکتے ہیں ان کے لئے۔ یہ تو بھابی ا بہن، بھائی جان ان کے بڑے بہنوئی ہی ان کے لئے بہتر فیصلہ کریں گے نہ کہ ہم...... ہیں انیقہ کے ہم؟''

''شفاعت اللہ الجھ گئے۔ وہ انیقہ کی وجہ سے خاصے اپ سیٹ تھے۔ منزہ ان کو بغور د لگی۔ ہرچند کہ انیقہ اسے بھی پسند تھیں اور وہ واقعی اس کے لئے کچھ کرنا چاہتی تھی مگر نجا بات تھی کہ وہ جب بھی شفاعت اللہ کو انیقہ کے لئے پریشان دیکھتی تو اندر خاصی توڑ ہوتی، اپنی کم مائیگی کا احساس تڑپا جاتا۔

''یہ آپ نہیں جانتے کہ آپ انیقہ کے کیا ہیں...... یا انیقہ آپ کی کیا ہیں......''

''طنز مت کرو منزہ......'' جب دل میں چور ہو تو سیدھی سی بات بھی طنز ہی لگتی ہے۔ اس وقت شفاعت اللہ کی بھی ایسی ہی حالت تھی۔

''نہیں شفاعت، میں طنز نہیں کر رہی۔ میں خلوص دل سے انیقہ کے لئے کچھ کرنا چا ہوں۔ آپ بھی کہتے ہیں کہ احمد انیقہ کے لائق نہیں اور انیقہ بھی اس کو پسند نہیں کرتی تو... میں آپ کو شیئر کرنے کے لئے تیار ہوں۔''

''لیکن وہ تیار نہیں۔ میرا مطلب ہے منزہ میں انیقہ کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ... اس بات کے لئے ہرگز تیار نہیں ہوں گی۔''

''اور آپ؟''...... وہ نجانے کس تسکین کے لئے ان کے مقابل کھڑی ان کی آنکھوں آنکھیں ڈالے پوچھ رہی تھی۔ وہ ڈول گئے۔

''انیقہ کو پانے کی خواہش میں دفن کر چکا ہوں منزہ...... اب صرف میں یہ چاہتا ہوں ان کو کوئی اچھا شریک حیات ملے بس...... اس لئے کہ میں صرف اس پاگل سی، دیوانی سی لڑکی کا بھلا چاہتا ہوں جس کی محبت کی گرمی نے میرے اندر برف کو پگھلا کر رکھ دیا ہے۔''

وہ خلوص سے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھامے سادگی سے کہہ رہے تھے۔

''پھر بھی شفاعت، انیقہ کو احمد قطعی پسند نہیں۔ ہمیں کچھ نہ کچھ ضرور کرنا ہے، آپ جان سے بات کریں ناں۔''

''بات کیا کروں، بھابی جان تو احمد پر فدا سی ہو گئی ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ اس طرح



ان کے قریب رہیں گی، خاندان سے باہر ہو گئی تو وہ ہرگز نہیں مانیں گی۔''

''اوکے۔ تو مجھے ہی کچھ کرنا پڑے گا۔ آپ بس اجازت دے دیجئے گا۔''

''چلئے آپ بھی کوشش کر دیکھئے مگر......''

شفاعت اللہ کچھ سوچ کر چپ ہو گئے۔

✱✫✱

''وہ...... وہ بھابی جان ہم آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں مگر لحاظ اور احترام میں ہم سے بات ہو نہیں پا رہی۔''

اس قسم کے ڈرامے احمد کو خوب آتے تھے۔ اس وقت بھی وہ بانو کو متاثر کرنے کے لئے خوب شرمانے کی ایکٹنگ کر رہا تھا۔ دوسری طرف بانو بیگم بھی ان کا مدعا سمجھ لینے کے باوجود انجان بنی ان کو ایسے دیکھ رہی تھیں جیسے ان کو کوئی خبر ہی نہ ہو، جب کہ وہ اس کی آنکھوں میں انیقہ کا عکس دیکھ کر بہت خوش تھیں۔

''ارے احمد میاں، آپ تو نوعمر لڑکوں کی طرح شرمانے لگے۔ ایسی بھی کیا بات ہے، کہہ ڈالیے...... ہم آپ کی بڑی بھاوج ہیں۔''

''بھابی جان! بات یہ ہے کہ ہم شادی کرنا چاہتے ہیں۔''

''لیجئے اور سنئے، یہ بات تو ہم آپ کو ایک عرصے سے کہتے چلے آ رہے ہیں کہ شادی کر لیجئے۔ آپ ہی دیر کر رہے ہیں۔''

''تو پھر رکھ دیجئے ناں ہمارے سر پر ہاتھ۔'' احمد آہستہ آہستہ پردے سے باہر آ رہا تھا۔ بانو نے انجان بن کر دیکھا۔

''یعنی......؟'' انہوں نے کمال حیرت سے اپنی خوشی چھپائی۔

''یعنی یہ کہ...... یہ کہ بھابی جان آپ نے کہا تھا ہم اپنی پسند بتا دیں تو کیا عرض کر دیں کہ ہم کس لڑکی سے شادی کرنا چاہتے ہیں؟''

''ہاں ہاں، بھیا بتایئے تو سہی کہ ہم کہاں آپ کا رشتہ لے کر جائیں؟''

''بھابی جان! آپ کو کہیں نہیں جانا پڑے گا بلکہ رشتہ آپ کے گھر میں ہے...... اگر مائنڈ نہ کریں تو اجازت دیجئے کہ ہم انیقہ کا نام لے سکیں۔'' احمد نے سینے پر ہاتھ باندھ کر نظریں جھکا کر سر کو ذرا خم دے کر بڑے دھیمے انداز میں کہا تو بانو بیگم اندر سے اچھل پڑیں تاہم انہوں نے ضبط سے کام لیا۔

''انیقہ سے...... وہ ہمارا مطلب ہے، ہماری ہمشیرہ انیقہ سے''

''جی بھابی جان، یقین جانیئے اتنی عمر ہوگئی مگر ہمیں کوئی خاتون بھائی ہی نہیں۔ بس ایقہ کو دیکھا تو ہمیں لگا گویا ہماری تلاش ختم ہوگئی ہو..... بس اب آپ انکار مت کیجئے گا، پلیز..... ورنہ..... ورنہ ہم تمام عمر شادی نہ کریں گے، کنوارے ہی دائی عدم کو کوچ کر جائیں گے۔''

اب وہ لاڈلے بچوں کی طرح چونچلے دکھا رہا تھا اور بانو بیگم خوش ہو رہی تھیں۔

''ارے بھیا، یوں ہاتھوں پر سرسوں نہیں جماتے۔ پہلے آپ ہماری بات اطمینان اور غور سے سن لیجئے پھر اگر آپ کہیں گے تو ہم ضرور شجاعت سے بات کریں گے۔''

اور پھر انہوں نے مختصراً احمد کو ایقہ کے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔ اندر احمد کو دھچکا ضرور لگا مگر وہ ضبط کئے سنتا رہا۔ ''تو میاں، یہ ہے ہماری دُکھیا بہن کی کہانی۔ ہم نے اس لئے بتا دیا کہ اگر آپ بھی ایقہ کو چاہتے ہیں تو ہم بات کریں گے شجاعت صاحب سے ورنہ یہ دُکھ، یہ تنہائی اور بدنصیبی تو ان کا مقدر ہے ہی۔''

بانو بیگم واقعی بہن کی برباد زندگی پر رو دیں تو احمد نے ان کے ہاتھ تھام لئے۔

''ارے بھابی جان! اتنا چھوٹا دل ہے آپ کا۔ آپ ہمارا جواب تو سن لیجئے..... خدا جانتا ہے، اس سے قبل ہمیں قطعی علم نہیں تھا کہ ایقہ جیسی لڑکی پر ایسی واردات گزر چکی ہے۔ ہم نے ان کو انجانے میں پسند کیا ہے..... مگر ان کے حالات جان کر ہم ان کو بہت زیادہ پسند کرنے لگے ہیں..... وہ شخص تو انتہائی بدنصیب تھا جس نے ان کی قدر نہ کی۔ لیکن ہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں کہ اگر خدا نے ہمیں ان کا شوہر ہونے کا اعزاز بخش دیا تو ہم ان کو خوش رکھنے کی پوری کوشش کریں گے..... یہ وعدہ ہے ہمارا۔'' احمد نے بڑے یقین سے اپنی وفائیں پیش کیں تو بانو خوش ہوگئیں ورنہ تو وہ خوفزدہ تھیں کہ کہیں وہ بددل نہ ہو جائے۔

''خوش رہیئے میاں، اللہ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے۔ لیکن ہم گھر میں سب سے بات کر لینے کے بعد ہی آپ کو جواب دیں گے۔''

ان کے سر پر ہاتھ پھیر کر پیار کرتے ہوئے بانو نے ڈھیروں دعائیں دے ڈالیں۔

☆☆☆

بانو بیگم تو احمد کی رضامندی کے بعد گویا ہواؤں میں اڑنے لگیں۔ ان کو لگ رہا تھا کہ جیسے احمد ہی ایقہ کے لئے سب سے مناسب رشتہ ہے۔ دونوں کی پہلے ہی شادی ہو جانی چاہئے تھی اور وہ احمد کا احسان مان رہی تھیں کہ اس نے ایقہ کی پہلی شادی اور طلاق کو اہمیت نہیں دی تھی..... اور یہی بات وہ ایقہ کو سمجھا رہی تھیں جس کو یہ سن کر ہی شاک لگا تھا کہ ایسا شخص جو دیکھنے ہی میں اچھا نظر نہیں آ رہا تھا، اس کی بڑی بہن نے اسے اس کا شریک حیات



پسند کر لیا تھا۔

''آپی جان! ہم تو سوچ بھی نہیں سکتے کہ آپ ہمارے لئے ایسا ساتھی پسند کریں گی کہ.....'' ایقہ کو غصہ اور حیرت کے ساتھ افسوس بھی ہو رہا تھا۔

''کیوں، کیا عیب یا کمی ہے احمد میاں میں؟ بہت اچھے شریف آدمی ہیں، ہماری جاگیر وغیرہ کے نگراں ہیں۔ خاندان کے فرد ہیں، کوئی دھوکے یا فریب والی بات نہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ خود کنوارے ہیں اور آپ کو پسند کر رہے ہیں۔ نہ آپ کی پہلی شادی پر اعتراض اور نہ طلاق پر۔ پھر آپ معترض کیوں ہیں؟ ارے بی بی، آج کا وہ دور ہے کہ کمسن کنواری لڑکیاں والدین کے در پر بوڑھی ہو رہی ہیں اور اگر آپ جیسے حالات والی لڑکی کو ایسا رشتہ گھر کے اندر ہی مل جائے تو اسے خدا کا شکرانہ ادا کرنا چاہئے۔ حیرت ہے کہ آپ خوش ہونے کی بجائے اعتراض کر رہی ہیں۔ آپ کو ابھی تک اندازہ نہیں ہوا کہ طلاق یافتہ عورت اس معاشرے میں کتنی بے وقعت ہو جاتی ہے۔''

''عورت اپنے شوہر اور گھر کے بغیر کتنی بے وقعت ہے، یہ ہم سے زیادہ کون جانے گا۔ در در کی ٹھوکریں مقدر بن جاتی ہیں۔''

بانو بیگم کی بات پر وہ سسک پڑی تو بانو کو بھی اپنی تلخی کا کچھ احساس ہوا۔ انہوں نے ایقہ کو ساتھ لگا لیا۔ ''ہمیں معاف کر دینا ہماری گڑیا..... مگر آپ خود سوچو کہ کیا حیثیت ہے آپ کی۔ نہ بیوی ہو، نہ ماں ہو..... اور جب تک عورت بیوی یا ماں نہیں ہوتی اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ ہمیں معلوم ہے بھائی اور بھابی آپ کو نہیں رکھیں گے اور یہاں اس گھر میں بھی آپ کی کیا حیثیت ہے۔ ہمارا سر ہر وقت جھکا رہتا ہے کہ آپ یہاں رہتی ہیں۔ اس لئے میری جان ہم چاہتے ہیں کہ اپنے گھر کی ہو جائیں۔ اپنا شوہر ہو، گھر ہو، بچے ہوں، اپنی حیثیت ہو..... اور پھر احمد بہت اچھے انسان ہیں۔ ہاں بہت زیادہ تعلیم یافتہ نہیں، سیدھے سادھے سے جاگیردار ہیں..... لیکن وہ ہمیشہ آپ کو خوش رکھیں گے۔''

''خوشی..... اونہہ خوشی۔ انسان تمام عمر خوشی کی تتلی کے پیچھے بھاگتا رہتا ہے اور جب اس کے قریب جاتا ہے تو وہ تمام رنگ اڑ چکے ہوتے ہیں۔ اور آپی جان، میری زندگی بھی ایسی بے رنگ تتلی کی مانند ہے جو نہ تو خوشنمائی کے لئے کام آتی ہے اور.....''

گزشتہ زندگی کی ساری تلخیاں درد بن کر ایقہ کے نرم لہجے میں ڈھل گئیں تو بانو بیگم دکھ زدہ گہرا سانس لے کر کھڑی ہو گئیں۔

''بہر حال میری جان، آپ سوچ لو احمد کے بارے میں پھر ہمیں بتا دینا۔ مگر انکار سے قبل

یہ ضرور سوچ لینا کو خوش بختی بار بار دستک نہیں دیتی دروازے پر..... سوچ لو گڑیا.....''
بانو اس کا تر چہرہ صاف کرتی اسے سوچ کے گہرے کنوئیں میں ڈال کر باہر نکل گئیں تو ایقہ شدت سے رو دیں۔

''پروردگار، یہ سب کیا ہے؟ شاید اس لئے والدین بیٹی کی پیدائش پر افسردہ ہو جاتے ہیں کہ ان کی قسمت کا کچھ بھروسہ نہیں ہوتا..... جس کو چاہا، وہ نہ ملا، جس کے گھر میں چھوڑا، اس نے بے گھر کر دیا۔ ہم کیا کریں یا اللہ، ہماری زندگی کی بے حیثیت ناؤ کو کنارہ بخش دے۔''
نماز کے بعد وہ نجانے کب تک روتی رہی۔ کیونکہ وہ خود اس گھر میں بے حیثیت ہو کر زندگی گزارنا نہیں چاہتی تھی۔ شفاعت اللہ کا ہر وقت سامنا رہتا دل میں درد بڑھ جاتا تو خود کو منزہ جیسی پیاری لڑکی کا مجرم تصور کرتی۔ پلٹ کر دیکھتی تو بھائی، بھابی جلاد نظر آتے۔ یہ سب باتیں مل کر اسے اکیلا کر دیتیں۔
''یا اللہ مدد.....!'' ایقہ کا سر سجدے میں جھک گیا۔

☆☆☆

''کیا سوچ رہی ہو شالی؟''
حیات احمد نے بڑی ترتیب سے کام شروع کر دیا تھا۔ ایقہ کو پرپوز کرنے کے بعد وہ شالی اور بچوں کے پاس آ گیا۔ پہلے گھوم پھر کر شاپنگ کی اور اب وہ شالی کو ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں ڈنر کرانے لے آیا تھا اور اس نے ایقہ کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا اور وہ جسے معلوم تھا کہ ایسا ایک دن ضرور ہوگا مگر یقین نہیں تھا کہ اس جیسا آدمی جو ہر موڑ پر رُک کر دائیں بائیں دیکھنے کا عادی ہوگا، یوں کسی اچھے خاندان میں کسی بہت اچھی پڑھی لکھی لڑکی سے شادی کرے گا۔ اور اب وہ اس کی زندگی میں اپنی حیثیت اور مقام کی تلاش میں بہت دور نکل گئی تھی۔

''ہوں۔ جی آپ کی زندگی میں اپنی حیثیت کو تلاش کر رہی ہوں۔ کیا میں اسی طرح بے مصرف اور بے حیثیت ہی ختم ہو جاؤں گی یا کبھی مجھے آپ کی باعزت بیوی ہونے کا اعزاز ملے گا..... کہ نہیں؟''
شالی کے لہجے میں بڑی حسرت تھی، ہر عورت کی طرح وہ بھی اپنے گھر میں اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ رہنا چاہتی تھی مگر احمد نے سنگدلی سے اسے دیکھا اور اس کا ہاتھ جو کچھ دیر قبل جذباتی ہو کر اس نے تھام لیا تھا، ایک دم جھٹک دیا۔
''کبھی نہیں!..... تم اپنی ذات اور اپنی پچھلی حیثیت بھول گئی ہو..... تم سے اس قسم کا رشتہ



کر کے میں اپنے خاندان سے نکل جاؤں اور خود بے حیثیت ہو جاؤں تمہیں بیوی بنا کر؟ نے تمہیں پہلے ہی کہا تھا کہ تم میری بیوی کی حیثیت سے رہنا چاہتی ہو تو اسی طرح گمنامی زندگی گزارتی رہو اپنے بچوں کے ساتھ۔ میں تمہیں ایک پُرآسائش اور خوشحال زندگی دوں ... ذرا گڑبڑ کی تو اپنے نام کے ساتھ اپنے بچے بھی لے لوں گا۔''
وہ سفاکی سے اپنے حقوق اور حیثیت استعمال کر رہا تھا اور اسی موڑ پر آ کر وہ بے جان ہو ڈھیر ہو جاتی۔ وہ مر تو سکتی تھی مگر بچوں سے جدائی کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ وہ فوراً ہار ڈال دیتی۔ ''اچھا تو کب جا رہے ہیں اپنی دوسری محبت کو دُلہن بنانے؟ اور کیا وہ قبول لے گی؟'' شالی کوشش کے باوجود نہ تو لہجے کو تلخ ہونے سے روک سکی اور نہ ہی اپنے سوؤں پر بند باندھ سکی کیونکہ کبھی وہ اس کے لئے اتنا ہی دیوانہ ہوا تھا۔ اس کے باپ کے پر اس نے ٹھٹھرتی سرد رات اس کے گھر کے باہر گزار دی تھی اور اب کسی دوسری عورت لئے اتنا ہی دیوانہ ہو رہا تھا۔
''اچھے محبت کرنے والے، عزت دینے والے شوہر کہاں ملتے ہیں۔ کن کا مقدر ہوتے ہ۔'' وہ دُکھ سے سوچ کر رہ گئی۔
''تمہارا کیا خیال ہے کہ تم میرے لئے اتنی اہم ہو کہ میں نے تم سے اجازت لینے کے بات کی ہے؟ میں صرف اس لئے بتا رہا ہوں کہ کسی قسم کی گڑبڑ کی کوشش بھی نہ کرنا ورنہ خطرناک ہوں گے..... اور دوسری بات یہ کہ میں تمہیں ان کے ہاں لے کر جاؤں گا، دوست کے بیوی بچوں کی حیثیت سے اور.....''
''آگے کی اسٹوری مجھے معلوم ہے احمد صاحب۔ جیسا آپ کہیں گے ویسا ہی ہوگا۔''
اپنے دل کے درد کو چھپا کر اس نے مضبوط اور پُراعتماد لہجے میں کہا تو وہ اسے دیکھنے لگا۔ جب بھی اعتماد سے بولتی تو احمد خوفزدہ ہو جاتا تھا کہ کہیں وہ گڑبڑ نہ کر دے۔ ''ہاں، ویسا ہی نا بھی چاہئے۔ خیر میں کسی دن آؤں گا اور تمہیں ان سے ملوانے لے جاؤں گا۔''
''جی بہتر۔ جب زندگی آپ کے نام کر ہی دی تو پھر۔''
''کبھی کبھی تم اتنی اچھی اور سمجھداری کی بات کرتی ہو کہ میں حیران رہ جاتا ہوں۔ اور کبھی ہی بالکل اجڈ، کم عمر لڑکی بن جاتی ہو..... چلو اٹھو اب چلتے ہیں۔''
وہ اس کی طرف دیکھتا ہوا کھڑا ہو گیا تو ایک دُکھی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر آ گئی۔
''اب آگے جو میں بنوں گی ناں احمد صاحب، آپ اس شالی کو پہچان بھی نہیں سکیں گے۔ ن آپ فکر مت کریں۔'' شالی نے مسکرا کر پراسرار انداز میں کہا تو ایک بار پھر وہ چونک کر

اسے دیکھنے لگا۔

دونوں ہوٹل سے باہر نکل رہے تھے کہ اسی وقت شفاعت اللہ کی گاڑی ہوٹل کی پارکنگ میں آ کر رکی۔ اتفاق سے شفاعت اللہ کی پہلی نظر احمد اور شابی پر ہی پڑی۔ احمد نے اپنے بیٹے کو اٹھا رکھا تھا جبکہ شابی نے بیٹی کو سینے سے لگایا ہوا تھا۔ سیڑھیاں اترتے ہوئے احمد نے شابی کو شانوں سے تھام کر نیچے اترنے میں مدد دی۔ پھر دونوں گاڑی میں بیٹھ گئے۔ احمد گاڑی نکال کر لے گیا۔ شفاعت اللہ دور تک اس گاڑی کی دھول کی اوٹ میں احمد اور اس عورت کے بارے میں سوچتے رہ گئے جس کے بارے میں ان کو یقین ہو گیا تھا کہ وہ اس کی بیوی ہی ہو گی مگر وہ یقین سے نہیں کہہ سکتے تھے۔

”شفاعت! ہوسکتا ہے وہ ان کے کسی دوست کی بیوی ہو یا......“

”نہیں نہیں منزہ...... آئی ایم شیور کہ اس عورت اور بچوں سے اس کا ذاتی تعلق ہے ورنہ میرے خیال میں کوئی عورت ایسی نہیں ہوتی کہ کسی غیر مرد کی بانہوں کا سہارا لے کر سیڑھیاں اترے۔ یہ ضرور کوئی نہ کوئی چکر ہے۔“

گھر آ کر بھی وہ مسلسل شابی اور احمد کے تعلق کے بارے میں سوچتے رہے اور منزہ سے بات کرتے رہے۔ جب کہ وہ ان کو مسلسل طرح طرح کی دلیلیں دے کر مطمئن کرنے کی کوشش کر رہی تھی اور اس کی ہر دلیل ان کو مزید بے چین اور کھوج پر مجبور کر رہی تھی۔

”آپ اتنے بجھے کیوں ہو رہے ہیں شفاعت؟ انیقہ کا معاملہ ہے۔ اس لئے ناں؟“

منزہ کے سوال پر شفاعت اللہ نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ وہ ایسا کیوں پوچھتی ہے اور اس کے پس پشت کیا جذبہ ہوتا ہے، اسی لئے وہ چپ ہو جاتے۔

”آپ جانتی ہیں، جھوٹ بولنا مجھے پسند نہیں۔ غلط بیانی سے کام لینا مجھے گوارا نہیں۔ لیکن یہ معاملہ انیقہ کا نہ بھی ہوتا تب بھی میں نہیں چاہتا کہ کسی اچھی اور معصوم عورت کے ساتھ ایسا ہو کہ اسے کسی غلط آدمی کے پلّے باندھ دیا جائے...... احمد کے کردار میں جھول ہے، وہ جاگیر کے معاملات میں بھی گڑبڑ کرتے ہیں، یہ بات بھابی جان خود کہا کرتی تھیں اور اب اپنی ہی بہن کو اس دلدل میں دھکیل رہی ہیں۔ وہ بے چاری تو شاید خود سے بھی اپنا دکھ نہیں کہتی ہوں گی۔ نہیں، بھابی جان کو ایسا نہیں کرنا چاہئے، بہت پچھتائیں گی ایسا کر کے......“

”آپ بھابی جان سے خود بات کیجئے ناں، ہوسکتا ہے ان کی سمجھ میں بات آ جائے۔“

”نہیں منزہ، میں بھابی جان کو جانتا ہوں۔ وہ ایک بار کسی بات کا تہیہ کر لیں تو ان کو کوئی بندہ روک نہیں سکتا...... لیکن پھر بھی ایک کوشش کر کے دیکھوں گا۔“



اور پھر شفاعت اللہ واقعی بھابی کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔

”شفاعت میاں! ہم جانتے ہیں کہ آپ انیقہ کے طلبگار رہے ہیں۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ خود تو اپنے بیوی بچوں کے ساتھ خوشحال زندگی گزاریں اور ہماری بہن محروم تمنا ہیں۔ نامراد زندگی کے دُکھ چنتے چنتے زندگی گزار دیں...... یہ تو سراسر خودغرضی ہے۔“

بانو بیگم چونکہ فیصلہ کر چکی تھیں اور انہوں نے احمد میں جو بظاہر برائیاں تھیں اگنور کر دی تھیں اور انیقہ کے نکاح کا فیصلہ کر چکی تھیں تو ایسے میں شفاعت اللہ کا آنا اور اس قسم کی باتیں کرنا قطعی غلط اور خودغرضی لگا تھا۔

”ہمیں شدید صدمہ پہنچا ہے بھابی جان آپ کی بات سے...... آپ کی طرح ہم بھی انیقہ کی خوشیوں کے خواہاں ہیں۔ اسی لئے تو چاہتے ہیں کہ انیقہ کی شادی احمد سے مت کیجئے۔ وہ مزید دُکھوں میں گھر جائیں گی...... احمد کا کردار اچھا نہیں ہے۔ گاؤں میں ان کی بہت سی کہانیاں مشہور ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ لوگ ڈرتے ہیں...... بہرحال انیقہ آپ کی بہن ہیں تو بھابی جان ہم نے دل کی گہرائیوں اور سچائیوں سے ان کو چاہا ہے۔ ان کی خوشیوں کے خواہاں ہیں، اس لئے ہم احمد کے ساتھ ان کی شادی کے قطعی حق میں نہیں۔“

”ٹھیک ہے شفاعت میاں، آپ کی بات میں ہوسکتا ہے سچائی ہو، مگر اب ہمارے پاس چوائس نہیں ہے اور اب ہم اپنی بہن کو اس کے گھر میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ اور یوں بھی اگر ان میں کوئی خامی یا برائی ہے تو گھر کے باہر ہے۔ گھر میں تو وہ یقیناً اچھا شوہر اور باپ ہو گا ناں...... بس میاں مجھے تو اور کچھ چاہئے بھی نہیں۔ احمد سے بڑھ کر انیقہ کے لئے کوئی رشتہ نہیں ہوسکتا...... ہم فیصلہ کر چکے ہیں۔“

بانو بیگم نے کچھ اس انداز میں کہا کہ گویا مزید کچھ کہنے کی نہ تو گنجائش ہو اور نہ ہی ضرورت۔ ان کی اسی بات اور انداز پر زندگی میں پہلی بار شفاعت اللہ کو بھابی پر غصہ آیا...... وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

”گستاخی معاف بھابی جان، ہم نے بھی انیقہ کو چاہا ہے، وہ آپ کی بہن ہیں تو ہماری محبت ہیں۔ ہم ان کو برباد نہیں ہونے دیں گے۔ ہم انیقہ سے عقد ثانی کریں گے اور ہم اس لئے مطمئن ہیں کہ یہ منزہ کی خواہش بھی ہے۔“

اور پھر شفاعت اللہ بھابی جان کو حیرت کے سمندر میں غوطہ زن چھوڑ کر دروازے کی جانب بڑھے۔ اسی وقت احمد جو کہ بانو سے کوئی بات کرنے آیا تھا، اندر سے اپنا نام سن کر کان لگا کر کھڑا ہو گیا تھا اور ساری باتیں سن لی تھیں۔ اور اب شفاعت کے باہر آنے سے

پہلے ہی اپنے کمرے میں آ گیا تھا اور اب غصے میں ٹہل رہا تھا۔

''تو یہ کہانی ہے...... دیکھ لوں گا شفاعت اللہ بیگ صاحب، تمہیں تو میں اچھی طرح سمجھ لوں گا۔ تم ہو کن ہواؤں میں...... میں تو بے خبر تھا اس عشقیہ داستان سے، لیکن اب تو انیقہ ہماری ہی دُلہن بنیں گی۔ کر لو جو کرنا ہے۔ نواب صاحب ہماری پسند انیقہ سے عقد ثانی کریں گے...... اب تو آپ خواب ہی دیکھا کریں گے انیقہ کے...... منزہ جیسی کمسن کو بے وقوف بنا رہے ہیں بیگ صاحب......''

حیات احمد نے ساری بات سن لی تھی اور وہ غصے میں ٹہل رہا تھا۔ پھر کچھ سوچ کر وہ باہر نکلے تو سیدھی نظریں لان میں دوڑ گئیں جہاں انیقہ سمٹی سی کھڑی تھیں اور کچھ ہی فاصلے پر شفاعت اللہ کھڑے تھے۔ دونوں ہاتھوں کو آپس میں اُلجھائے وہ نجانے کیا کہہ رہے تھے۔ الفاظ تو احمد کی سماعتوں سے نہیں ٹکرا رہے تھے مگر صبح ان کی باتیں سن کر بن سنے ہی شفاعت اللہ کے الفاظ تیر بن کر اس کے دل میں ترازو ہو رہے تھے۔

''رُک جائیے۔ پلیز انیقہ، ہمیں آپ سے کچھ کہنا ہے۔'' انیقہ جیسے ہی اندر کی طرف بڑھیں، شفاعت اللہ نے ہاتھ پکڑ کر روکا۔ وہ وہیں رک گئیں۔

''جی کہیے۔''

''بات یہ ہے انیقہ کہ بھابی نے آپ کے لئے ایک فیصلہ کیا ہے۔ وہ آپ کی شادی احمد سے کرنا چاہتی ہیں۔ آپ سے رائے لی ہے ناں انہوں نے۔ کیا سوچا ہے آپ نے؟''

شفاعت اللہ نے انیقہ کو دیکھا جس کے حسین چہرے پر اس بات کے بعد ایک سایہ سا لہرا گیا۔ وہ رخ موڑ کر کھڑی ہو گئی۔

''عورت کی زندگی کی ڈور پہلے باپ بھائی پھر شوہر کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ وہاں سے کٹ جائے تو وقت اور حالات کے ہاتھوں میں ہوتی ہے اور وقت و حالات کے ہاتھوں مجبور ہونے والی مائیں بہنیں ایسے ہی فیصلے کرتی ہیں۔''

''پھر آپ نے کیا سوچا ہے، کیا فیصلہ کیا ہے؟......'' وہ بے قراری سے بولے۔ کچھ دیر کے لئے دونوں کی نظریں ملیں اور جھک گئیں۔ شفاعت اللہ گہرا سانس لے کر آسمان پر اڑتے پرندوں کو دیکھنے لگے۔

''ہم نے کیا چاہنا ہے انیقہ، ہم نے جو چاہا ہمیں کب ملا ہے وہ...... لیکن یہ جاننا چاہتے ہیں کہ آپ احمد کے بارے میں کیا رائے رکھتی ہیں؟''

''ہمیں کسی کے بارے میں کوئی بھی رائے رکھنے کا کیا حق ہے اور نہ ہی یہ حق ہے کہ کسی



ا یا برا سمجھیں، ناپسند کریں اور......''

تو پھر آپ احمد کے ساتھ شادی سے قطعی انکار کر دیجئے۔''

انکار...... انکار تو تب ہو جب ہم نے اقرار کیا ہو۔ ابھی تو ہم نے اقرار بھی نہیں کیا۔''

تو کیجئے گا بھی مت۔ میرا مطلب ہے انیقہ کہ آپ کے ساتھ جو ہوا گو کہ بہت برا ہے ا بدنصیبی سے بہت سی لڑکیوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہ سب قسمت کے کھیل ہیں لیکن کسی ن کے ساتھ زندگی ختم نہیں ہو جاتی۔ دنیا میں اچھے لوگوں کی کمی نہیں ہے۔ نجانے بھابی ی مایوس کیوں ہو رہی ہیں کہ انہوں نے آپ کے لئے احمد کا انتخاب کیا...... اور احمد کو طرح جانتے ہیں۔ ان میں صرف ایک خاص بات ہے کہ اپنے خاندان کے ہیں اور نہ تو تعلیم یافتہ ہیں اور نہ ہی تہذیب یافتہ...... روایتی بگڑے ہوئے رئیسوں کی تمام ات پائی جاتی ہیں موصوف میں...... اور اسی لئے ہم نہیں چاہتے کہ آپ جیسی تعلیم یافتہ یافتہ لڑکی......''

شفاعت اللہ صاحب، تعلیم یافتہ اور تہذیب یافتہ ہونے کے ساتھ ساتھ میں طلاق یافتہ ں اور ایک طلاق یافتہ زندگی بساط کا سب سے غیر اہم مہرہ ہوتی ہے جسے جہاں کہیں دیا جائے، کھیل کی ہار جیت پر اثر نہیں پڑتا...... خواہ وہ کتنی ہی سچی اور بے گناہ کیوں مجرم اسی کو قرار دیا جاتا ہے اور مجرم کو جو سزا بھی سنائی جائے، وہ اپیل کا حق نہیں میں بھی تو ایسی ہی مجرم ہوں۔'' انیقہ کے دھیمے لہجے میں زندگی کا سارا درد سمٹ آیا۔ کے کنارے بھیگ گئے۔ شفاعت اللہ تڑپ کر رہ گئے مگر وہ ان آنسوؤں کو اپنی پلکوں لینے کا حق بھی نہیں رکھتے تھے۔

ب ایسی بھی بات نہیں کہ ہم مجرم کا دفاع نہ کر سکیں...... ہم مجرم کا ہاتھ پکڑ کر لے ے...... بس آپ ہمیں غلط مت سمجھئے گا۔''

چھوٹے سے جملے میں یوں تو شفاعت اللہ بہت کچھ کہہ گئے مگر انیقہ قطعی سمجھ نہیں ں ایک نظر ان کو دیکھ کر رہ گئیں پھر قدم بڑھا دیئے۔

یقہ! خود کو اکیلی مت سمجھئے گا...... کیونکہ جب انسان خود کو ذرا تنہا محسوس کرتا ہے تو اکثر کر جاتا ہے۔ اس لئے......''

ں اکیلی کہاں ہوں شفاعت اللہ صاحب...... منزہ جیسی دوست کے ہوتے ہوئے......

پھر دونوں ساتھ چلتے ہوئے جب اندر کی طرف جا رہے تھے، احمد کو اپنے سینے پر

سانپ لوٹتا ہوا محسوس ہوا۔ شفاعت اللہ سے یوں بھی اس کی شروع ہی سے لگتی تھی کیونکہ
جاگیر کے معاملے میں زیادہ توجہ دیتے اور اس پر بھی کڑی نگاہ رکھی ہوئی تھی...... اس لئے
ان سے خار بھی کھاتا تھا اور اب تو وہ رقیب کی حیثیت سے سامنے آئے تھے تو وہ سلگ کر
گیا تھا اور اس سے پہلے کہ وہ قریب آتے یا ان کی نظر اس پر پڑتی، وہ دبے پاؤں آگے بڑھ
گیا اور کچن کی طرف مڑ گیا جہاں بانو بیگم موجود تھیں۔ احمد کو دیکھ کر کھل اٹھیں۔

''آیئے احمد، اس ٹھنڈ میں آپ بستر پر آرام کریں۔ کچھ درکار ہے تو بیل بجا دیں، گھر
میں ملازم کس لئے ہیں؟'' احمد کو دیکھتے ہی انہوں نے ایک چولہے پر چائے کا پانی رکھتے
ہوئے کہا تو وہ چولہے پر ہاتھ گرم کرتا ہوا گہری آواز میں بولا۔

''ارے بھابی جان، جو ہمیں درکار ہے، جو ہمیں چاہئے وہ تو ایک اعزاز ہے جو کوئی ملازم
نہیں آپ دے سکتی ہیں۔ آپ ہماری بات سمجھ رہی ہیں ناں؟''

''جی، جی احمد میاں، ہم خوب سمجھ رہے ہیں آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ مگر بھیا، جلد بازی
سے معاملات بگڑ جاتے ہیں۔ صبر و تحمل سے معاملات نمٹائے جائیں تو اچھا ہوتا ہے۔ یوں بھی
شادی کے معاملات تو بہت غور طلب ہوتے ہیں۔''

''جی ہاں ضرور ہوتے ہیں۔ مگر وہاں جہاں کوئی غیر اجنبی آدمی ہو، اس کی چھان بین کی جائے
ہو۔ یہاں تو معاملہ ہی اور ہے۔ میں تو آپ کے ہاتھوں پلا بڑھا ہوں...... میرے معاملے
میں چھان بین کیسی۔'' حیات احمد کچھ ٹھٹک سا گیا تھا کہ کہیں شابی اور بچوں کے بارے میں
کچھ معلوم نہ ہو جائے اسی لئے وہ چور دبے دبے لہجے میں بولا۔

''درست کہہ رہے ہیں آپ بھیا، مگر پھر بھی سوچ بچار اچھی چیز ہوتی ہے۔ بہر حال آپ
اللہ سے دعا کرو، اللہ بہتر کرنے والا ہے۔'' بانو کے اختیار میں ہوتا تو ابھی اس سے انیقہ کا
نکاح کروا دیتیں مگر شفاعت اللہ نے شجاعت اللہ کو بھی مخمصے میں ڈال دیا تھا۔ وہ بھی کہہ رہے
تھے جلدی فیصلہ کرنا مناسب نہیں اور اس تاخیر کی وجہ صرف اور صرف شفاعت ہیں۔ احمد اچھی
طرح جانتا تھا اور جب سے وہ رقیب کی حیثیت سے سامنے آئے تھے، احمد کو عجیب سی الجھن
محسوس ہونے لگی تھی ان سے۔

''ٹھیک ہے بھابی جان، جو چاہے چھان بین کر لیجئے۔ لیکن پلیز بھابی جان انکار مت
کیجئے گا۔ بخدا جان دے دیں گے ہم اگر آپ نے اپنی غلامی میں قبول نہ کیا تو۔''

احمد تو باقاعدہ اس کے قدموں میں جھکنے لگا تھا۔ وہ جلدی سے پیچھے ہٹ گئیں۔

''ارے ارے احمد میاں، کیا کر رہے ہو...... کہہ دیا ناں کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں۔''



۔ اللہ بہتر کرنے والا ہے۔'' بانو بیگم تو پریشان ہو کر رہ گئی تھیں۔ احمد سے بڑھ کر ان کو
مناسب رشتہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ تو احمد کی ہزار برائیاں بھی نظر انداز کرنے کو تیار تھیں
ن دونوں بھائیوں کے علاوہ انیقہ بھی تیار نہیں ہو رہی تھی۔ وہ دلائل دے دے کر تھک
ہیں۔

''ٹھیک ہے انیقہ، وہ تو ہمارے سسرال والے ہیں، ان کو ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔ جب
ں ماں جائی ہی ہماری عزت، ہماری زبان کی پاس دار نہیں...... آپ کو ذرا احساس نہیں کہ
کی وجہ سے ہم سسرال میں کس طرح نگاہیں نیچی کر کے رہ رہے ہیں۔ بہت سی باتیں
بھی گزرتی ہیں مگر اس لئے برداشت کر رہے ہیں کہ آپ یہاں ہیں۔ مانا کہ احمد میں
کمزوریاں ہیں تو برائی کس انسان میں نہیں ہوتی۔ مگر آپ تو......''

سی طرح خفا سی بولتی ہوئی بانو بیگم باہر نکل گئیں تو انیقہ بہت پریشان ہو گئی۔ وقت اور
ت نے کہاں اور کس دوراہے پر لا کھڑا کیا تھا کہ جہاں سے کوئی راستہ بھی اس کی منزل
رف نہیں جاتا تھا۔

''اتنی پریشان نہ ہوں انیقہ۔ دیکھئے تو آپ کا چہرہ کتنا مرجھا گیا ہے۔''

منزہ اور انیقہ کے درمیان بڑا عجیب سا رشتہ تھا۔ مگر دونوں ہی ایک دوسرے کی بہت
ت کرتیں۔ ایک دوسرے سے محبت کرتیں۔ منزہ خود بیمار تھیں مگر انیقہ کے لئے وہ بہت
ن تھیں۔

''منزہ! آپی جان چاہتی ہیں ہم احمد کے ساتھ شادی کے لئے تیار ہو جائیں۔ جبکہ ہم اس
کے ساتھ ایک پل بھی نہیں گزار سکتے...... ہم کیا کریں، کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔''

انیقہ کتنی ہی دیر روتی رہی۔ منزہ اسے دیکھتی رہی۔ پھر بمشکل ہمت کر کے اٹھ کھڑی ہوئی،
۔ آہستہ انیقہ کے قریب آئی۔ درماندہ سی، دکھی سی یہ لڑکی جو اس کے محبوب شوہر کی پہلی
تھی، حسد کرنے کی بجائے اس سے محبت ہو گئی تھی۔ اس کا ہاتھ تھام کر اس کا چہرہ صاف
تے ہوئے منزہ نے اپنے دھڑکتے دل کو مضبوطی سے تھاما۔

''انیقہ! آپ...... آپ میں ایسی کیا بات ہے کہ جس کی محبت چاہتی ہیں اسے فتح کر لیتی
''

''کیا مطلب؟'' انیقہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''مطلب یہ انیقہ کہ میں بھی آپ کو اتنا ہی چاہتی ہوں جتنا کہ شفاعت۔'' منزہ نے
، خلوص اور محبت سے کہا تھا مگر انیقہ کو لگا جیسے اس کے اندر کہیں دھماکا ہو گیا ہو۔ ہر شے

فضا میں اڑنے لگی ہو۔

''مگر......'' اس کی آواز کی کپکپی منزہ کو بتا گئی کہ وہ شرمندہ ہے۔

''ہاں انیقہ، مجھے سب معلوم ہے اور یہ بھی اعتراض ہے کہ اپنی خودغرضی کی وجہ سے آپ دونوں کے درمیان آ گئی ہوں۔ آپ تو ہیں ہی اس قابل کہ کوئی آپ کو ٹوٹ کر چاہے اور شفاعت بھی آپ کو شدت سے چاہتے تھے اور چاہتے ہیں......''

''منزہ......منزہ سوری، میں...... میرا مطلب ہے کہ میں بہت شرمندہ ہوں کہ......''

انیقہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہے۔ اس کی حالت تو ایسے چور کی سی ہو رہی تھی جو چوری کرتے رنگے ہاتھوں پکڑا جاتا ہے۔

''ارے انیقہ، محبت شرمندگی نہیں اعزاز ہے، آپ کس بات کی سوری کر رہی ہیں؟ آپ نے تو اپنی محبت میرے حوالے کر دی تھی۔ سوری اور معذرت تو مجھے کرنی چاہئے۔ آپ اس طرح کر رہی ہیں...... شرمندہ تو میں ہوں...... ہاں اگر آپ بھی اپنے شوہر کے ساتھ خوشحال زندگی گزار رہی ہوتیں تو اور بات تھی۔ مگر اب......'' منزہ بولتے بولتے رک گئی۔

''اب یہ کہ اس بات کو ختم کر دیا جائے۔ ماضی کی یادوں کو قبر میں اتار کر۔ چھوڑو اس بات کو کیوں اس بات کو چھیڑ دیا۔ چھوڑ دو۔''

انیقہ کی عجیب سی کیفیت ہو رہی تھی۔ وہ منزہ سے شرمندہ بھی ہو رہی تھیں۔

''ارے انیقہ جی، بات تو اب شروع ہوئی ہے...... یہ سلسلہ اب دوبارہ شروع ہو گا۔''

''کیا مطلب ہے منزہ تمہارا؟'' انیقہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے اسے دیکھنے لگیں۔

''دیکھئے انیقہ، میرے اور آپ کے درمیان بظاہر رقابت کا رشتہ ہے مگر نجانے آپ کیا بات ہے کہ آپ مجھے بہت اچھی لگتی ہیں۔ آپ بھی مجھے بہت چاہتی ہیں۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو چاہتی ہیں اور عزت بھی کرتی ہیں تو کیوں نہ ہم دونوں شفاعت کی محبت کے سائبان تلے مل جل کر زندگی گزار لیں۔''

منزہ کی بات بہت واضح تھی مگر چونکہ انیقہ ایسا سوچ بھی نہیں سکتی تھی اس لئے حیرت سے دیکھنے لگی۔

''کیا مطلب ہے تمہارا منزہ اس بات سے؟ میں قطعی نہیں سمجھ پائی۔''

''انیقہ آپ...... آپ شفاعت سے نکاح کر لیں۔''

''کیا...... کیا...... تم اپنے حواس میں تو ہو منزہ، تمہیں جرأت کیسے ہوئی اتنی بڑی بات کی؟'' انیقہ نے ایک جھٹکے سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا اور غصے سے کھڑی ہو گئی۔ اس



بدن میں گویا آگ لگ گئی تھی۔ آنکھوں سے سلگتا ہوا پانی رواں ہو گیا تھا۔ وہ شاید منزہ کے خلوص تک نہیں پہنچ سکی تھی، اس نے غلط مطلب لیا تھا۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ شاید اس کی کوئی بات منزہ کو ناگوار گزری ہے تو وہ اس لئے کہہ رہی ہے۔

''انیقہ...... انیقہ، آپ اس طرح کیوں کر رہی ہیں؟ آخر اس میں حرج ہی کیا ہے، جب مجھے اعتراض نہیں تو پھر......''

''شٹ اپ...... جسٹ شٹ اپ منزہ، تمہیں اعتراض نہیں تو مجھے تو ہے۔ اب میں اتنی بھی گئی گزری نہیں کہ تمہارے احسان تلے زندگی گزار دوں...... اس احسان مندی، اس شرمندگی سے کہیں بہتر ہے کہ میں احمد سے شادی کر لوں...... بہت افسوس، دکھ ہوا ہے مجھے منزہ تمہاری اس بات سے، بہت زیادہ......تم نے دوست ہو کر دوستی کا مان توڑا ہے منزہ...... تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا......نہیں کرنا چاہئے تھا۔''

اور پھر منزہ روکتی ہی رہ گئی، انیقہ بری طرح روتی ہوئی باہر نکلی۔ چہرے پر ہاتھ رکھے وہ روتی ہوئی کوریڈور سے بھاگتے ہوئے شفاعت اللہ سے ٹکرا گئی۔ اس نے برستی آنکھوں سے شفاعت اللہ کو دیکھا اور وہ اس برسات کی وجہ بھی نہیں جان پائے تھے کہ وہ تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ اپنے کمرے میں آ کر وہ بہت شدت سے روئی اور پہلی بار آج اپنی کم مائیگی اور بے حیثیت ہونے کا شدت سے احساس ہوا۔

''میرے خدا، کوئی اتنا بھی بے اماں نہ ہو، بے آسرا نہ ہو۔''

وہ سجدے میں گری روتی رہی۔ پھر جانے کب تک خلاؤں میں گھورتی رہی۔ پھر تیزی سے اٹھی، دروازہ کھولا اور ہارے ہوئے جواری کی طرح ہتھیار ڈال دیئے۔

''آپی جان! میں احمد کے ساتھ شادی کے لئے تیار ہوں!''

⁂☆⁂

''راشد...... راشد پلیز مجھے چھوڑ دو۔ مت ایسا کرو پلیز، میں نے تمہارا بگاڑا ہی کیا ہے۔ پلیز جانے دو مجھے۔''

نازو، راشد کی گرفت میں تھی۔ وہ اس کی منتیں کر رہی تھی اور وہ مکروہ ہنسی ہنس رہا تھا۔

''ہا، ہا...... کیا بگاڑا ہے۔ ارے تم نہیں جانتیں، تم نے مجھے تباہ کر دیا ہے۔ سر سے پیر تک تمہارے عشق میں گرفتار ہو گئے، ہم مچلتے رہے، تم اتراتی رہیں، بدکتی رہیں اور کہتی ہو کیا بگاڑا ہے......''

وہ اس کے قریب آیا تو وہ چیخ پڑی۔

''نہیں راشد پلیز، ایسا مت کرو پلیز جانے دو، میری ماں مر جائے گی۔''

''جانے دیا تو میں بھی مر جاؤں گا...... جان راشد، ہم تو تم پر مر مٹے ہیں۔ اور تم اتنی ظالم سفاک ہو کہ ہمیں دھتکارتی رہیں۔ اب تو......''

''پلیز راشد، پلیز مجھے چھوڑ دو، جانے دو پلیز۔ میں تمہارے پاؤں پڑتی ہوں، ہاتھ جوڑتی ہوں، مجھے جانے دو پلیز......'' وہ گڑگڑا رہی تھی اور وہ ہنسے جا رہا تھا۔

''ہائے قسم سے نازو، اس وقت تم قطعی اچھی نہیں لگ رہی ہو۔ روتی گڑگڑاتی...... پاؤں پکڑتی، ہاتھ جوڑتی بالکل بھی اچھی نہیں لگ رہی ہو...... کہاں کھو گیا وہ تمہارا غرور، تکبر، اکڑ پن...... یہ...... یہ وہی ہاتھ ہے ناں جس کی لکیروں کو تم نے میرے وجیہہ چہرے پر اتارا تھا۔ وہی ہاتھ...... زبردست، کس قدر خوبصورت ہاتھ بنایا ہے اللہ تعالیٰ نے...... یہ مخروطی یہ......''

وہ اس کا ہاتھ تھامے ایک ایک انگلی کو چھو کر دیکھتے ہوئے بڑے گھمبیر، مخمور لہجے میں بول رہا تھا...... وہ دل ہی دل میں اللہ سے دعائیں مانگ رہی تھی۔

''راشد صاحب! جو ہوا، میں اس کی معافی مانگتی ہوں۔ پلیز مجھے معاف کر دیں اور جانے دیں......'' وہ گڑگڑائی تو وہ قہقہہ لگا کر ہنسا۔

''جانے دیں، اچھا...... اتنا احمق سمجھ رکھا ہے...... ابھی تو میں نے تمہیں جی بھر کر دیکھا بھی نہیں، اپنی مرضی سے کچھ......'' وہ جذباتی ہونے لگا۔ وہ چلائی۔

''راشد پلیز...... پلیز میں تم سے شادی کرنے کو تیار ہوں۔ بلایئے قاضی کو، میں ابھی نکاح کے لئے تیار ہوں...... لیکن پلیز......'' وہ التجائیں کیے گئی اور وہ زور زور سے ہنسنے لگا۔

''شادی...... ہا، ہا...... تم مجھ سے شادی کرو گی، میں تو ایک آوارہ، بدمعاش آدمی ہوں اور تم اتنی پارسا لڑکی ہو، تم تو میری منگیتر کو بھی مجھ سے متنفر کر رہی تھیں اور اب خود تیار ہو شادی کے لئے...... واہ مزا آ گیا، قسم سے مزا آ گیا تم جیسی شیرنی کو یوں قید میں بے بس دیکھ کر...... ذرا پھر سے کہو، میں آپ سے شادی کرنے کو تیار ہوں...... ابھی اسی وقت قاضی کو بلا لیجیے...... ہائے پھر گھولو ناں یہ رس کانوں میں...... پلیز۔''

وہ اس کی بے بسی پر ہنستے ہوئے اس کی نقل اتارتا ہوا بولے گیا تو قریب پڑی چھری دیکھ کر نازو کے جی میں تو آیا کہ اسی وقت راشد کے سینے میں اتار دے مگر اسے معلوم تھا کہ کیا ہوگا...... وہ سزا سے نہیں ڈرتی تھی مگر بدنامی سے ڈرتی تھی۔ وہ امیر آدمی تھا، نجانے لوگ کیا کیا افسانے گھڑتے اس کے خلاف۔ ہر کوئی اسی کو قصوروار کہتا...... وہ اس وقت اس کے پاؤں پکڑ کر بھی اپنا مطلب نکالنا چاہتی تھی۔



''پھر کہو ناں تم میری ہو...... صرف میری، ہاں آج صرف آج۔'' وہ اس کے قریب آ گیا۔ وہ کھڑی ہو گئی۔

''راشد صاحب! پلیز اخلاقی اور شرعی راستہ اختیار کریں۔ میں شادی کے لئے تیار ہوں۔'' وہ ایک مجبور، بے بس لڑکی تھی، ہتھیار ڈال دیئے۔

''کیا راشد صاحب، لگا رکھی ہے۔ صرف صاحب کہو ناں...... اچھا تو کیا تم واقعی شادی کے لئے تیار ہو...... ہیں بتاؤ ناں جان راشد تیار ہو...... قسم سے جتنا ہم نے تمہیں پسند کیا ہے، چاہا ہے، تمہاری دوست راحیلہ تو اس چاہت کی ہواؤں کو بھی نہیں چھو سکتی۔ بے چاری راحیلہ...... بڑا غرور تھا اس کو بھی تمہاری دوستی پر۔ میری کسی بات پر یقین ہی نہیں کرتی تھی...... کہتی تھی کہ نازو کبھی ایسی نہیں ہو سکتی۔ پھر مجبوراً مجھے یہ تصویر دکھانا پڑی...... قسم سے بڑا ساتھ دیا ہے تمہاری اس چھوٹی سی تصویر نے۔''

راشد نے جیب سے اس کی تصویر نکالی تو وہ شدت سے رو پڑی۔ کس قدر بے بس تھی وہ۔ اس مکار انسان نے پہلے اس کی پیاری دوست کو ورغلایا اور اب اسے ذلیل کرنے کے درپے تھا۔ وہ ڈول رہی تھی۔ دل کسی بھی ناگہانی آفت کے خوف سے لرز رہا تھا اس لئے وہ اس کو بار بار نکاح کا کہہ رہی تھی۔ وہ کونے میں پردے کے پیچھے چھپی روئے جا رہی تھی۔

''ارے آپ تو رو رہی ہیں۔ ابھی تو نکاح بھی نہیں ہوا۔ یہ آنسو تو رخصتی کے لئے اٹھا رکھو۔ ابھی تو نکاح......'' وہ اٹھ کر اس کے قریب آ گیا۔

''تو کر ڈالو ناں نکاح، میں تیار ہوں اس کے لئے۔ خود کہہ رہی ہوں کہ کر ڈالو نکاح۔'' وہ پہلی بار دہاڑی، غصے میں اس نے کئی چیزیں توڑ ڈالیں اور روئے گئی اور وہ چپ چاپ کھڑا تماشا دیکھتا، ہنستا رہا۔ پھر اسے بھی غصہ آ گیا۔ آگے بڑھا اور اس کی کلائی زور سے پکڑ لی تو وہ ایک دم خوفزدہ ہو کر چپ ہو گئی۔ چہرے پر آئے بال پیچھے کیے اور دوپٹہ لپیٹ لیا۔

''بہت جلدی ہو رہی ہے ناں تمہیں نکاح کی، میں تم سے نکاح ضرور کروں گا نازو...... مگر یاد رکھو فارغ بھی جلدی ہی کر دوں گا تین لفظ کہہ کر۔ کیا سمجھیں؟'' راشد نے اس کے بال پکڑ کر اسے گھسیٹا اور کرسی پر دے مارا۔

''مجھے یہ...... یہ سب گوارا ہے۔ دے دینا طلاق مجھے۔ میں تیار ہوں......'' نازو کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔ اس وقت اسے اپنی جان سے زیادہ عزت عزیز تھی۔ اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ جو کچھ وہ کہہ رہی ہے، جب وہ ختم ہو جائے گا تو کیا کرے گی، کہاں جائے گی؟''

"اوکے...... گڈ، یہ ہوئی ناں بات۔ میں انتظار کرنے جا رہا ہوں لیکن......" وہ دروازے کی طرف جاتے جاتے پلٹا اور تنبیہی انداز میں انگلی اٹھا کر بولا۔ "راحیلہ کے سامنے تم کوئی بکواس نہیں کرو گی سمجھیں۔ شادی، طلاق، تمہارا یہاں آنا، یہ سب تم اپنی مرضی سے کر رہی ہو، خود اپنی مرضی سے میرے ساتھ آئی ہو۔ سمجھ رہی ہو ناں میری بات۔ اس کے سامنے پارسا بننے یا اپنی صفائی پیش کرنے کی کوشش نہ کرنا، وہ تمہاری کسی بات پر اعتبار نہیں کرے گی۔"

"معلوم ہے مجھے...... میری طرح میرے الفاظ بھی معمولی اور غیر اہم ہیں جن کی کوئی حیثیت نہیں۔ میں روؤں گی، چلاؤں گی، تب بھی نہ تو راحیلہ میرا اعتبار کرے گی اور نہ ہی کوئی اور...... میں راحیلہ کو وہی کچھ بتاؤں گی جو آپ کہیں گے۔" نازو نے ہارے ہوئے لہجے میں کہا۔ وہ چاہتی تھی کہ راشد نظروں سے دور ہو جائے تو وہ اس کمرے کی تنہائی سے لپٹ کر دل کا غبار ہلکا کر سکے۔

"یار تم یہ سمجھداری پہلے ظاہر کر دیتیں تو نوبت یہاں تک نہ آتی۔ اپنا دروازہ اندر سے بند کر لو اور میرے علاوہ کسی کے کہنے پر دروازہ نہ کھولنا۔" وہ اسے ہدایات دیتا ہوا باہر نکل گیا اور وہ کنڈی چڑھا کر بستر پر گر گئی۔

"میرے خدا، میرے خالق و مالک، تو ہر بات پر قادر ہے، میری جان، میری عزت سب تیرے حوالے ہے۔ تو ہی میرا محافظ اور نگہبان ہے۔ مجھے اس بھیڑیے سے بچا لے، میری ماں مر جائے گی، یا اللہ میری مدد فرما۔ مجھے اور میری ماں کو اس دنیا کے سامنے رُسوا نہ کرنا...... تو ہی میرا نگہبان ہے۔ یا اللہ، میری مدد فرما۔ مدد فرما...... میری عزت بچا لے یا مجھے ذلیل ہونے سے پہلے موت دے دے...... یا اللہ مدد۔"

وہ کارپٹ پر سجدے میں گری گڑگڑا کر دعائیں التجائیں کر رہی تھی۔

✵☆✵

"یا اللہ! اتنی دیر ہو گئی، نازو ابھی تک نہیں آئی۔ ذرا دیر ہو جائے گی، اتنا تو اس نے کہا تھا مگر اب تو بہت زیادہ دیر ہو گئی ہے...... کیا کروں، کہاں جاؤں، کس سے پوچھوں، کس کو بتاؤں کون ہے میرا۔ یا اللہ میری بچی تیری امان میں ہے۔ تیری پاک ذات ہی اس کی نگہبان ہے......" عصر کی نماز کے بعد سے حمیدہ بیگم کو ہول اٹھنا شروع ہو گئے تھے۔ طرح طرح کے وہم اور وسوسے ناگ بن کر ان کے گرد پھیلے ہوئے تھے۔ بغیر کچھ کھائے پئے وہ سارے گھر میں بولائی بولائی سی پھر رہی تھیں۔ وقت آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا اور ہر گزرتا پل ان کو کسی بڑے طوفان کے قریب کر رہا تھا۔



"یا اللہ کیا کروں، کہاں جاؤں، کس کو بتاؤں۔ آج زیبو بھی نہیں آئی...... مگر...... وہ تو اض ہے۔ یا اللہ میری مدد فرما، میری نازو کو اپنی حفظ و امان میں رکھنا۔ کہیں وہ خبیث راشد ں گیا ہو...... میرے اللہ نازو کی حفاظت فرمانا۔"

حمیدہ اس وقت خود کو دنیا کی سب سے مظلوم عورت سمجھ رہی تھیں جو شوہر اور بیٹوں کے تے ہوئے بھی وہ دونوں ماں بیٹی اتنی اکیلی اور بے امان تھیں۔

"نازو کے ابا، خدا تیرا کسی جہاں میں بھلا نہ کرے۔ مجھے نہ رکھتا اپنی بیٹی کو تو رکھ لیتا تو ج میں اس کے لئے یوں پریشان نہ ہو رہی ہوتی...... کیا کروں، کس کو بتاؤں؟ یا اللہ اب تو ڈھلنے لگا ہے، اندھیرے پھیلنے لگے ہیں...... نازو تو کہاں ہے، میری فرمانبردار بچی، تیرا نگہبان ہے......"

سجدے میں گری حمیدہ دعائیں کر رہی تھیں۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا ریں۔ زیبو اور سلیم کا خیال بار بار آ رہا تھا مگر خود ان کا رویہ ان لوگوں کے ساتھ اتنا ناسب رہا تھا کہ اب اس طرف آتے شرم آ رہی تھی۔ وہ ذرا بھاپ بھی منہ سے نکالتیں تو ں میں ہزاروں افسانے تیار ہو جاتے۔

"میں کیا کروں یا اللہ! اب تو میری قوت برداشت جواب دے رہی ہے۔ اب میں جاتی ں زیبو، سلیم کی طرف۔ وہ سب بہت اچھے ہیں، ہاں بہت اچھے ہیں۔ ایک میں ہی بری ں، کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی نجانے میں خود کو کیا سمجھنے لگی تھی کہ اتنے اچھے لوگوں کو ذلیل کے ناراض کر دیا...... ہاں مجھے انہی کے پاس جانا چاہئے، وہی میری عزت کو اپنی عزت تے ہیں۔"

حمیدہ تو جیسے پریشانی میں اپنے حواس ہی کھو بیٹھی تھیں...... خود کلامی کرتی اتنی ٹھنڈ میں بغیر ی موٹی چادر اور سویٹر میں باہر نکل آئیں۔ دوپٹے میں وہ یوں چھپ رہی تھیں جیسے ان کے نکلتے ہی اخباری رپورٹر ان سے انٹرویو لینے کے لئے دوڑیں گے یا لوگ سوال کر رہے ں گے۔

"نازو کہاں چلی گئی؟"

"نازو گھر سے بھاگ گئی۔"

"ارے حسن کو کیش کرایا ہے اس ماں بیٹی نے۔"

"یہ تو ایک دن ہونا ہی تھا۔ یہ بڑی گاڑی والا آدمی تو آتا رہتا تھا۔"

"توبہ...... توبہ، یہ لچھن ہیں ماں بیٹی کے......"

لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے، مگر حمیدہ بیگم کو ایسی آوازیں ہر طرف سے آ رہی تھیں۔ ان کو لگ رہا تھا ہر کوئی ان سے سوال کر رہا ہے، ان پر انگلی اٹھا کر ہنس رہا ہے۔ وہ دل کا چور چھپائے بمشکل زیبو کے گھر میں داخل ہوئیں تو مغرب کے بعد اندھیرے گہرے ہو گئے تھے۔ دروازے کے اندر آتے ہی وہ دلیز پر گر کر بے ہوش ہو گئیں۔

"ہائے اماں، یہ تو اپنی سڑیل خالہ ہے..... لگتا ہے نیند میں چلنے کی عادت ہے۔" اندر سے الٹی سیدھی باتیں کرتی بھاگی آئی۔ اماں اور ابا بھی جو کچن میں بیٹھے چائے پی رہے تھے اس اچانک افتاد پر وہ بھی بھاگے۔

"کمبخت، الٹی سیدھی بکواس کر رہی ہے، حمیدہ بہن تو سرد ہو رہی ہے، چل اٹھا اندر چل۔ نجانے کیا بات ہے کہ یوں اکیلی آئی ہے، نازو بھی ساتھ نہیں۔"

"اندر چارپائی پر لٹاؤ اور چائے وغیرہ پلاؤ۔ انڈے ہیں کہ نہیں یا میں لے آؤں؟" بھی محسوس کر رہے تھے کہ بات کوئی سیریس ہے۔

"رہنے دو ابا، یہ خالہ انڈوں سے نہیں، ڈنڈوں سے ماننے والی ہے۔"

"پھر بکواس کی تو نے۔ زبان کو لگام دیا کر۔ اب کل کو پرائے گھر بھی جانا ہے۔"

"نہ اماں، کل میرا کہیں جانے کا موڈ نہیں۔ کل تو میں لمبی تان کر سوؤں گی۔ خالہ، ا خالہ، اماں! خالہ کی کہیں رخصتی تو نہیں ہو گئی؟"

زیبو مسلسل بولے جا رہی تھی۔ اماں اسے گھور بھی رہی تھی اور حمیدہ کا ماتھا بھی دیکھ رہی تھی۔

"حمیدہ..... اے حمیدہ بہن، ہوش میں آؤ..... زیبو جا کر ذرا تیل گرم کر کے لا، اس کے سر میں ڈالوں۔ اور چائے کا پانی چولہے پر رکھ دوسرے پر دو انڈے اُبلنے کے لئے رکھ دے اور سن تیل گرم کر کے دے جا۔"

وہ بڑی شرافت سے اٹھی اور ہدایات پر عمل کرنے لگی۔

"زیبو کی اماں، نازو ساتھ نہیں ہے، مجھے کوئی بہت پریشانی والی بات لگتی ہے ورنہ تو وہ کبھی اپنی ماں کو تنہا نہیں چھوڑتی۔" ابا جی فکرمند سے قریب کھڑے حمیدہ بیگم کو دیکھ رہے تھے۔

"مجھے بھی کچھ ایسا ہی لگ رہا ہے۔ اب ہوش میں آئے تو پتہ چلے کہ کیا بات ہے۔"

اماں نے حمیدہ کے سر میں نیم گرم تیل انڈیلا، وہ کسمسائی۔ اسی دوران زیبو سلیم کو بھی اوپر سے بلا لائی۔ وہ بھی دروازے کے قریب کھڑا متفکر نظروں سے ان کو دیکھ رہا تھا اور یہ بات اسے بری طرح پریشان کر رہی تھی کہ خالہ کی یہ حالت، سردی اور شام کا وقت، نازو نے انہیں کیسے آنے دیا؟



"حمیدہ! اے حمیدہ بہن، ہوش میں آؤ۔ ہم تمہارے اپنے ہیں، ہمیں بتاؤ کیا بات ہے، کیا پریشانی ہے؟ نازو کہاں ہے؟"

"نا..... نا..... ناز، ہاں نازو میری بچی، کشور بہن، میری بیٹی، میری نازو صبح سے گئی ابھی تک نہیں لوٹی..... کوئی جاؤ میری بیٹی کو لاؤ..... میری بیٹی....."

"ہائے میں مر جاؤں، یہ کیا کہہ رہی ہو؟" اماں کے ہاتھ سے تیل کی پیالی گر گئی۔ زیبو کے ہاتھ پر گرم چائے گر پڑی۔ "نازو صبح سے گئی اب تک نہیں لوٹی؟"

سلیم کو سارا گھر ہی ہلتا ہوا محسوس ہوا..... اس نے اگر دیوار کو تھام نہ لیا ہوتا تو یقیناً گر جاتا اور مردانگی کا سارا بھرم گنوا بیٹھتا۔ دل میں طوفانی جھکڑ چلتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔

"زیبو بیٹی! گھر کے تمام دروازے کھڑکیاں بند کر دو۔ اس بات کی ہوا بھی باہر نہ نکلے، عزتوں کو چھونے والی ہوا بھی پردے میں رہنی چاہئے۔ ہاں بہن اب کہو، کیا بات ہے؟ حوصلے سے، ہمت سے کام لو۔ ہم تمہارے اپنے ہیں، بتاؤ کیا بات ہے؟" ابا نے حمیدہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر محبت سے کہا تو حمیدہ بری طرح رونے لگی۔

"کیا بتاؤں بھیا..... صبح کالج گئی تھی ڈیٹ شیٹ لینے۔ بس اب تک نہیں آئی۔ مجھے نہیں معلوم بھیا اس کے ساتھ کیا حادثہ ہوا ہے۔ وہ واپس نہیں پلٹی۔ میری فرمانبردار بیٹی نجانے کس حال میں ہو گی..... سلیم..... سلیم بیٹے جاؤ، کہیں سے نازو کو ڈھونڈ لاؤ..... دیکھتی ہوں کتنی صداقت اور شدت ہے تمہاری محبت میں۔ جا بیٹے، اسے ڈھونڈ لا....."

حمیدہ سلیم سے لپٹی روئے جا رہی تھیں۔ وہ سکتے کی سی کیفیت میں ان کو دیکھے جا رہا تھا۔ پھر اس نے آہستگی سے حمیدہ کو الگ کیا، ان کا چہرہ صاف کیا اور ابا کی طرف مڑا۔

"چاچا! میں نازو کو ڈھونڈنے جا رہا ہوں..... وہ نہ ملی تو خود بھی کہیں کھو جاؤں گا..... آپ سب لوگ دعا کریں کہ وہ ہی مل جائے..... خدا حافظ۔"

الفاظ گولا بن کر حلق میں کہیں پھنس گئے تو وہ تیزی سے باہر نکلا تو زیبو نے اپنی گرم شال اس کے شانوں پر ڈال دی۔

"شہزادے، نازو نہ ملی تو، تو کہیں کھو جائے گا اور تو کھو گیا تو ان سے پوچھ یہ مجھے کہاں تلاش کریں گے..... جا خدا حافظ۔" زیبو نے دروازہ بند کیا اور واپس کمرے میں آ گئی جہاں حمیدہ بیگم ویسے ہی بلک بلک کر رو رہی تھیں۔

"خالہ روؤ نہیں، اللہ سے دعا کرو۔ دیکھنا ہماری نازو خیریت سے واپس آ جائے گی۔ بس دعا کرو۔" زیبو بڑی محبت سے حمیدہ کا چہرہ صاف کرتے ہوئے پیار کر رہی تھی۔ حمیدہ بری

طرح شرمندہ ہوگئیں کیونکہ سلیم کی وجہ سے وہ ہمیشہ ہی زیبو کو برا بھلا کہتی رہی تھیں۔

''زیبو میری بیٹی، مجھے معاف کر دے..... معاف کر دے بیٹی۔ میں تم لوگوں کو برا کہتی رہی، میں ہی بری ہوں، مجھے معاف کر دو۔ کشور بہن، تم بھی مجھے معاف کر دو، میں راہوں کی دھول نجانے خود کو کیا سمجھنے لگی تھی، اس کی سزا ملی ہے مجھے..... میری فرمانبردار بیٹی تو اپنی خواہشات دبا کر میری تابعداری ہی کرتی رہی..... تم بہت معصوم ہو، بھولی ہو میری بچی، مجھے معاف کر دو اور اللہ سے دعا کرو میری بیٹی واپس آ جائے..... یا اللہ، میں کہاں جاؤں، مجھے معاف کر دے میرے پروردگار..... اور تم لوگ بھی مجھے معاف کر دو۔ اللہ کے واسطے معاف کر دو۔'' وہ زیبو کے سامنے اور کبھی کشور کے سامنے ہاتھ جوڑ رہی تھیں۔

''ارے بہن، کیسی باتیں کرتی ہو..... ہم جانتے ہیں تم کتنی دکھی عورت ہو، اگر کبھی کوئی بات ہو بھی گئی تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ..... خیر چھوڑو پرانی باتیں۔ سب مل کر دعا کرتے ہیں کہ اللہ ہماری بیٹی کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور خیریت سے واپس لائے، آمین۔''

کشور جہاں بڑی محبت سے حمیدہ کو دلاسا دے رہی تھیں تو حمیدہ سوچ رہی تھیں کہ عزت اور محبت سے بڑھ کر کیا ہوتا ہے۔ انہوں نے ناحق سلیم کا رشتہ ٹھکرا دیا۔

''خالہ! کوئی مانے نہ مانے، لیکن یہ کام ہے ہی راشد خبیث کا۔ وہ شیطان ہے ذلیل آدمی، اسی کی نظر خراب تھی۔ اسی نے اغوا کیا ہوگا ہماری نازو کو۔ کہیں مل جائے مجھے تو ناخنوں سے اس کی آنکھیں نوچ ڈالوں۔''

''ہائے میری بیٹی، دعا کرو، اللہ میری بیٹی مجھے واپس دے دے۔ میری معصوم بچی کی حفاظت فرمائے۔''

''انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا بہن۔ اللہ اپنے بندوں کی حفاظت خود فرماتا ہے۔ اذان ہو رہی ہے، اٹھو اور خدا کے حضور سجدے میں گر جاؤ۔ نماز پڑھو اور صبر سے اللہ کی مدد مانگو۔ اٹھو شاباش..... اور خیال رہے، یہ خبر اس چاردیواری سے باہر نہیں جانی چاہئے۔ اللہ کرے کہ نازو آج ہی آ جائے ورنہ حمیدہ بہن ادھر رہے گی اور زیبو تم محلے میں ایک دو گھروں میں یہ کہہ دینا کہ حمیدہ اور نازو کچھ دنوں کے لئے حیدر آباد گئی ہیں، کب تک آئیں گی یہ معلوم نہیں..... بس یہ خبر باہر نہیں نکلنی چاہئے۔''

''کک..... کون.....؟'' ابا کی بات ابھی جاری تھی کہ دروازے پر زور زور سے دھڑ دھڑ ہونے لگی۔

***



''کک..... کک..... کون آ گیا۔ کیا کوئی پتہ چل گیا؟ میری نازو ابھی نہیں آئی۔ کسی کو نا نہیں، میری نازو پاکباز ہے۔ دیکھو کشور بہن، تم جانتی ہو ناں، بھائی آپ..... آپ کسی کو ت بتانا کہ میری نازو نہیں آئی۔ لوگ تو طرح طرح کی باتیں بناتے ہیں۔ ذرا دیر نہیں یں گے۔ حاد..... حادثہ ہو گیا ہے۔ ہاں کسی کو مت بتانا۔''

حمیدہ کی حالت بہت خراب ہو رہی تھی۔ وہ بیٹی کی بدنامی کے خیال سے کانپ رہی تھی۔

''ارے حمیدہ بہن، تم کیسی باتیں کر رہی ہو، نازو ہماری بھی بیٹی ہے۔ زیبو میں اور نازو ں کیا فرق ہے۔ تم بے فکر ہو جاؤ۔ لوگوں سے کیا کہنا ہے یہ ہمیں پتہ ہے۔ اللہ عزت رکھنے ا ہے ورنہ لوگوں کی ذہنی پستی تو..... تم یہاں لیٹ جاؤ میرے ساتھ ہی۔ اور زیبو! تم دیکھو ن ہے؟ اور کوئی عورت بھی ہو اندر نہیں آنے دینا، سمجھیں؟''

کشور نے اپنی چارپائی پر حمیدہ کو لٹا کر لحاف دے دیا اور خود ان کے قریب بیٹھ گئی۔ زیبو وازہ بند کر کے باہر آ گئی۔

''کون ہے بھئی، کیوں غریبوں کا دروازہ توڑے دے رہے ہو؟'' زیبو بولتی ہوئی باہر آئی دروازے کھلتے ہی محلے بھر کی بی جمالو تائی مہراں اندر آئی۔

''کیا ہوا تائی، کون پیچھے لگا ہوا ہے؟''

''ہائے تائی مہراں آئی ہے۔ وہ تو گھس آئے گی اندر ہی، کنڈی لگا لیتی ہوں۔'' کشور گھبرا ئی۔ اس نے اٹھ کر اندر سے دروازہ بند کر لیا۔ کنڈی چڑھا دی۔

''اے بی، تم لوگ تو یوں دروازے چڑھائے بیٹھے ہو۔ کچھ خبر بھی ہے محلے میں کیا ہوا ہے؟''

''میں مر جاؤں کشور، لگتا ہے تائی مہراں کو خبر ہو گئی ہے۔ جاؤ اُسے بلاؤ، میں اس کی نت سماجت کرتی ہوں کہ وہ بات اپنے تک رکھے۔'' حمیدہ کا دل مٹھی میں آ گیا۔ خوف سے ں کا حلق خشک ہو گیا۔ وہ دروازے کی طرف بھاگی۔

''عقل کے ناخن لو حمیدہ۔ کیوں خود بے نقاب ہوتی ہو۔ ذرا سن تو لو، وہ کیا کہہ رہی

ہے۔ ارے تائی کے پاس دنیا جہاں کی خبریں ہیں، آرام سے بیٹھو ادھر۔'' کشور نے اسے پکڑ کر پھر بٹھا دیا۔ وہ خوف سے گہرے گہرے سانس لے رہی تھیں۔ اب نازو کی گمشدگی سے زیادہ اس کی بدنامی کا خوف تھا۔ اس کے پاکیزہ کردار پر داغ لگنے کا ڈر تھا۔

''چھوٹا سا تو محلہ ہے تائی، بم پھٹتا تو سب کو خبر ہوتی۔ ویسے کوئی خاص خبر ہے؟ آؤ تائی، باورچی خانے میں میرے ساتھ بیٹھو۔ تمہیں اچھی سی چائے بنا کر پلاتی ہوں۔'' زیبو تائی کو باورچی خانے میں لے گئی۔

''ہاں تو بنا چائے، میں تیری ماں سے بات کرتی ہوں۔''

تائی اس سے ہاتھ چھڑا کر کمرے کی طرف جانے لگی تو زیبو نے لکڑی پکڑ کر تائی کی ٹانگوں میں اڑائی تو تائی گر پڑی۔ تائی نے واویلا مچانا شروع کر دیا اور زیبو چاہتی بھی یہی تھی کہ تائی کو اپنی پڑ جائے اور محلے کی بھول جائے۔

''ہائے، ہائے مرگئی۔ ارے کمبخت یہ لکڑیاں کہاں رکھی ہوئی ہیں۔ ہائے میری ٹانگ، ارے دیکھ تو کمبخت، کہیں ٹانگ کٹوانا تو نہیں پڑے گی؟''

''کٹوانا پڑے گی، ٹانگ نہیں زبان۔ وہ میرا مطلب ہے تائی ٹانگ گئی تو بہت سے لوگوں کا بھلا ہوگا۔ زبان کٹ جائے تو پوری خلق خدا کا بہت بھلا ہوگا۔''

''ارے کیا بکے جا رہی ہے۔ ہائے، ہائے.....''

''کچھ نہیں ہوا تائی۔ چلو شاباش اٹھ جاؤ، دیکھو تو تم نے چیونٹی کا آٹا گرا دیا، بے چاری لے کر جا رہی تھی۔ اب اس کے بچے تو بھوکے سوئیں گے ناں۔'' زیبو تائی کا دھیان بٹانے کے لئے بچوں کی طرح بہلا رہی تھی۔

''ارے دفع دور ہو۔ پہلے خود ہی گرایا ہے اب مکھن لگا رہی ہے۔'' تائی بھی گھاگ تھی، سمجھ گئی تو زیبو تن کر کھڑی ہو گئی۔

''ارے واہ تائی، ایک تو میں تمہارا خیال کر رہی ہوں اور تم.....''

''اچھا زیادہ بک بک نہ کر اور چائے رکھ اوپر اور کوئلے انگیٹھی میں ڈال کر اندر لے آ۔ میں تیری ماں کے پاس بیٹھ کر باتیں کرتی ہوں۔ کوئلوں سے بھر کر لانا۔'' تائی بمشکل اٹھ کر کمرے کی طرف بڑھی تو زیبو اس کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

''ارے تائی تیری زبان کے چھالو کے لئے تو ایک کوئلہ ہی کافی ہے۔ بھری انگیٹھی میں سڑ دو گی کیا؟ وہ میرا مطلب ہے تم اندر کہاں جا رہی ہو، اماں کی طبیعت بہت خراب ہے۔ وہ دوا لے کر سو رہی ہیں۔ پتہ نہیں ایک سو بیس تو بخار ہو رہا ہے اماں کو۔ دعا کرو تائی، میری



ل بچ جائے۔''

زیبو تائی کو پھر باورچی خانے میں لے آئی اور رونے والی آواز بنا لی۔ ہلکی سی زرد روشنی تائی نے اسے دیکھا تو وہ جلدی سے آگ جلانے لگی۔

''اے لو، شام کو میں آئی تھی تو اچھی بھلی تھی، اب ایسا کیا ہو گیا کہ جان کے لالے پڑ ؟''

''ہائے تائی، آفت کے آنے کا کوئی پتہ تھوڑی چلتا ہے۔ دیکھو ناں، تم شام کو بھی آئی ں اور اب پھر۔ بھلا کوئی وقت ہوا آفت کا؟''

وہ تائی کو آفت کہہ گئی تھی مگر تائی سمجھی نہیں۔ چائے کے لالچ میں چپ کر کے بیٹھ گئی۔

''ارے بڑی اہم خبر سنانی تھی تیری ماں کو۔''

''تائی، تم مجھے ہی خبر سنا دو، بالکل تم پر پڑی ہوں۔ ایک کی دس لگا کر اماں کو یہ خبر سنا ں گی۔ تم چائے پیو اور خبر سناؤ۔''

بڑا پیالہ چائے کا تائی کے سامنے رکھ کر اس نے رازداری سے قریب ہو کر پوچھا۔ اسے ں بے چینی ہو رہی تھی کہ کہیں خبر نازو ہی کی نہ ہو۔

''بتا ناں تائی، کیا خبر ہے؟''

''اے صبر کر کلموہی، اتنی گرم چائے بنائی ہے کہ زبان جل گئی ساری۔''

تائی نے بڑا سا گھونٹ لیا تو زبان جل گئی۔

''یہ زبان تو جلنی ہی چاہئے۔ میرا مطلب ہے تائی، ٹھنڈا پانی ڈال دیتی ہوں، ٹھنڈی ہو ئے گی۔''

''اے چپکی بیٹھی رہ، کیسی زبان چلتی ہے۔''

''تائی، دائیں بائیں کی ہزاروں باتیں تم نے کر ڈالیں۔ نہیں سنائی تو وہ خبر نہیں سنائی جو تم نے آئی ہو۔ لو یہ پاپے بھی کھا لو۔ زیبو نے دو پاپے بھی تائی کو تھما دیئے۔

''اے ہاں، خبر یہ ہے کہ.....'' تائی نے قریب ہو کر خبر کا آغاز کیا تو زیبو کا دل اچھل کر ن میں آ گیا۔

''وہ نازو.....''

''کک..... کک کیا ہوا نازو کو، دفع کرو، میں ان کی کوئی خبر سننے کو تیار نہیں۔''

''اے کمبخت، ان کی خبر نہیں، وہ یوں ہی کہہ رہی تھی، وہاں سے گزری تو دیکھا کہ نازو ، گھر پر تالا پڑا ہے۔ کیا کہیں گئی ہیں ماں بیٹی؟''

''لو، یہ کوئی خبر ہے تائی۔ قسم سے ایسی خبر کوئی اور سناتا تو یہ جلتی لکڑی مار کر اسے ہسپتال پہنچا دیتی۔ یہ بھی کوئی خبر ہوئی۔ میں تو سمجھ رہی تھی کہ ہو گی کوئی گرما گرم مسالے دار خبر۔ موڈ خراب کر دیا تو نے۔''

زیبو نے اس انداز سے بات کر کے اس کی بات کی اہمیت کو غیر اہم کر دیا۔

''اے کمبخت، چھری تلے دم تو لے۔ خبر یہ نہیں، خبر تو کوئی اور ہے۔''

''ہیں، اچھا تائی، خبر کوئی اور ہے۔ جلدی سے بتا، سچ اب تو خبر سننے کو میں بے چین ہو گئی ہوں۔'' جب یہ یقین ہو گیا کہ خبر نازو کی نہیں کسی اور کی ہے، اس نے سکون کا گہرا سانس لیا۔

''ہاں خبر یہ ہے کہ وہ اپنی شمع ہے ناں!''

''ہیں، تو کیا ہوا، مر گئی کیا؟ ہائے میری سہیلی مر گئی، ہائے مرتی تھی سلیم پر، ہائے شمع۔'' زیبو اماں کے کمرے کے دروازے کے قریب ہو کر زور سے اس لئے رونے لگی کہ حمیدہ کو معلوم ہو جائے کہ خبر نازو کی نہیں شمع کی ہے۔

''سن لیا ناں تم نے حمیدہ، تائی کے پاس اس وقت شمع کی خبر ہے۔ خدا کا شکر ہے۔''

''میرے خدا، تم سب بیٹیوں کی عزت رکھنا۔ وہ نازو ہو کہ شمع ہو، سب بچیوں کو اپنے حفظ و امان میں رکھنا۔'' حمیدہ کو کسی حد تک تسلی ہوئی کہ نازو کے بارے میں خبر نہیں۔ وہ سب لڑکیوں کے لئے دعا کرنے لگیں۔

''اے کمبخت...... تو، تو بھانڈ ہے بھانڈ۔ اری وہ مری نہیں، اس نے اپنے چاچا کے لڑکے کے ساتھ شادی کرنے سے انکار کر دیا تو ان کے گھر میں بڑی لڑائی ہوئی۔ چاچا اور چاچی نے آ کر اس کے ماں باپ کو خوب ذلیل کیا ہے اور رشید نے تو مار مار کر شمع کا سر بھی پھاڑ دیا ہے۔ میں کہتی ہوں آج کل لڑکیوں کو رشتے ملنے دشوار ہیں اور شمع کا دماغ خراب ہوا ہے کہ اچھے خاصے لڑکے کے ساتھ شادی سے انکار کر دیا ہے۔ میں اس لئے آئی تھی کہ تو ہی اسے سمجھا۔ جو لڑکیاں والدین کی عزت نہیں رکھتیں وہ ساری زندگی ذلیل ہی ہوتی ہیں۔ تو اسے سمجھا نا، تیری بات بڑی مانتی ہے۔''

تائی نے شاید پہلی بار اچھی بات کی تھی، اس لئے زیبو چپ ہو گئی۔ اسے واقعی شمع پر غصہ آیا تھا۔ وہ اسے بتا چکی تھی کہ سلیم کے چکر میں نہ رہے اور اپنے بچپن کے منگیتر سے شادی کر لے مگر وہ باز نہیں آئی تھی۔

''چھوڑ تائی شمع کو تو۔ میں سمجھ لوں گی۔ پاگل ہوئی ہے، اتنے اچھے لڑکے کو ٹھکرا رہی ہے۔



دیکھنا وہ چچا کے لڑکے کے ساتھ شادی کے لئے تیار ہو جائے گی۔''

''چل دفع کر، وہ تو ہو جائے گی تیار۔ لیکن یہ نازو اور اس کی ماں کہاں چلی گئیں؟ کل جب میں ان کے ہاں گئی تھی تو کہیں جانے کا ذکر نہیں کیا تھا۔ چلو خیر ہمیں کیا، اپنے گھر میں کوئی کچھ کرتا پھرے، ہمیں ٹوہ لے کر کیا کرنا ہے۔''

''قبر میں جانا ہے؟ میرا کہنا ہے تائی جب تک ہم محلے بھر کے گھروں میں جھانکیں گے نہیں، اِدھر اُدھر کی نہیں لگائیں گے، ہمیں تو روٹی ہضم تھوڑی ہو گی۔ ہاں تو میں بتا رہی تھی کہ ویسے تو تمہیں کسی سے کوئی مطلب نہیں مگر پھر بھی بتا رہی ہوں کہ یہ اپنی خالہ حمیدہ اور نازو ہیں ناں، یہ کچھ دنوں کے لئے حیدر آباد گئی ہوئی ہیں۔ تمہیں تو معلوم ہے ناں کہ نازو کا رشتہ حیدر آباد میں ہو رہا ہے تو کہہ رہی تھیں کہ وہ لڑکے کے بارے میں جاننے کے لئے حیدر آباد ضرور جائیں گی، تو وہیں گئی ہیں۔ تمہاری طرح مجھے بھی دوسروں کے بارے میں ٹوہ لینے کا بالکل شوق نہیں تائی، مگر سچ جانو جب تک سارے محلے کے گھروں میں جھانک نہ لوں چین ہی نہیں پڑتا۔''

''اچھا ہمیں کیا خبر، تو کیا اب وہ نازو کا رشتہ اسی سے کر دے گی؟ ویسے اگر حمیدہ نازو کا رشتہ سلیم سے کر دیتی تو کیا برا تھا۔ ارے صرف تعلیم ہی کی تو کمی تھی، ورنہ اور کیا کمی ہے اپنے سلیم میں؟''

''ارے تائی، تعلیم سے بڑھ کر بھی کوئی کمی ہوتی ہے؟ اور پھر اچھا ہی ہوا ناں۔''

''ارے میں تو کہتی ہوں سلیم بلاوجہ ہی نازو کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ تجھ میں کیا کمی ہے۔ مجھے تو، تو بہت پسند ہے۔''

''ہاں تائی، تیرا کوئی لڑکا جو نہیں اسی لئے تو مجھے پسند کرتی ہے۔ ورنہ اگر تیرا کوئی لڑکا ہوتا، وہ اپنے ہاتھ پر اپنے خون سے میرا نام لکھتا ناں تو، تو نے ہی کہنا تھا اس کلموہی میں کیا رکھا ہے جو اس کے پیچھے پڑا ہے نامراد۔ دس ہزار برائیاں نظر آتیں تجھے۔''

''اچھا چل اب بکواس بند کر۔ بندے کو سیدھا ناک سے ہی پکڑے گی۔ اب میں چلتی ہوں۔'' تائی کو اس کی بات پر ہنسی آ گئی تو زیبو بھی اس کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔

''اب تو پیٹ میں درد نہیں ہے ناں تائی۔ اگر ہے تو دو چار گھر اور پھر لو، درد ٹھیک ہو جائے گا۔'' زیبو تائی کی لگائی بجھائی پر چوٹ کر گئی مگر تائی سمجھی نہیں۔

''اے بیٹی، تو نہیں جانتی، جوڑوں میں درد رہتا ہے۔ حکیم جی کے پاس جانے کا وقت ہی نہیں ملتا۔''

''درست کہہ رہی ہو تائی، محلے کے ہر گھر میں گھنٹہ گھنٹہ بھی لگاؤ تو بھی دن کے گھنٹے کم پڑ جاتے ہیں۔ ویسے مشورہ ہے تائی اب سیدھی حکیم جی کے پاس ہی چلی جاؤ۔ گھٹنوں کا درد درست ہوگا تب ہی تو سارے محلے والوں کا خیال رکھ پاؤ گی ناں۔''

''ہاں، تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ چلو ذرا کشور کا حال پوچھ لوں کھڑے کھڑے۔''

تائی کو بھی اندر سے کھد بد لگی ہوئی تھی کہ آخر دروازہ بند کیوں ہے اور کشور آ کر ملی کیوں نہیں رہی۔ کھوجی طبیعت میں عجیب سی ہلچل مچی ہوئی تھی۔

''کیا کرتی ہو تائی، اماں کی طبیعت بہت خراب ہے، سو رہی ہے۔ تم اندر چلی گئیں تو تمہیں تو کچھ نہیں کہے گی، چار بال میرے ہی چلے جائیں گے اور بالوں کے بغیر لڑکی ذرا....''

زیبو دروازے کے سامنے کھڑی ہوگئی۔ اندر حمیدہ کی جان ہولتی رہی کہ تائی اندر آ گئی تو بھانڈا پھوٹ جائے گا۔ دل تائی کے آنے کے خوف سے زور زور سے دھڑکتا رہا۔

''اچھا چل، میں اب صبح ہی آؤں گی۔ اماں کا حال پوچھ لینا میری طرف سے۔''

خدا خدا کر کے تائی جانے کے لئے پلٹی۔ زیبو نے ہاتھ اٹھا کر شکر کیا تو تائی پھر پلٹی۔

''اور ہاں، یہ نازو اور حمیدہ کب لوٹیں گی، کچھ خبر ہے؟'' اب تائی کو حمیدہ اور نازو کی فکر لاحق ہوگئی تھی۔

''ارے تائی، بھلا ہمیں کیا خبر کہ کوئی کب آئے جائے گا۔ اب دنیا بھر کی خبر رکھنا تو تمہاری ذمے داری ہے ناں تائی۔ وہ اپنے گھر سے گئی ہیں، اپنی مرضی سے۔ جب دل چاہے گا لوٹ آئیں گی، ہمیں کیا غرض پڑی ہے کہ لوگوں کے آنے جانے پر نظر رکھیں۔''

''اچھا زیادہ باتیں نہ بنا۔ میں چلتی ہوں، سلام کہنا ماں کو۔ خدا حافظ۔''

''خدا حافظ تائی۔'' تائی کے جانے کے بعد زیبو نے اندر آ کر ساری تفصیل بتا دی۔

''زیبو میری بچی، جس طرح تم لوگوں نے میری عزت رکھی ہے، اللہ تم لوگوں کی عزت کو محفوظ رکھے۔ تمہارے نصیب اچھے کرے۔ ارے میں نصیبوں جلی تم لوگوں کی قدر نہ کر سکی۔ مجھے معاف کر دو تم لوگ۔'' حمیدہ بیگم واقعی بہت شرمندہ ہو رہی تھیں کیونکہ ان کا رویہ کبھی بھی ان لوگوں کے ساتھ اچھا نہیں رہا تھا اور وہ لوگ جب بھی وقت پڑتا سب کچھ بھول کر آگے بڑھتے تھے اور یہی بات ان کا سر شرمندگی سے جھکائے ہوئے تھی۔

''کیسی باتیں کرتی ہو حمیدہ بہن، تم لوگوں کے سامنے زندگی نے جو کیا ہے، اس کے بعد تم لوگوں کا ایسا رویہ ہونا کوئی بڑی بات نہیں۔ ہم نے کبھی تمہاری کسی بات کو دل پر نہیں لیا۔''

''کیوں نہیں لیا، قسم سے خالہ، جب تم نے نازو اور سلیم کے رشتے سے انکار کیا تھا ناں تو



میرا دل چاہتا تھا تمہارا سر اوکھلی میں دے کر اتنی موسلیں برساؤں کہ تم کھٹ سے دونوں کی شادی کرنے پر تیار ہو جاؤ۔'' زیبو اپنے مخصوص معصوم انداز میں بولی تو اماں نے زور سے دو تھپڑ اسے جڑ دیئے۔

''بکواس، ہر وقت بکواس کرے گی کمینی۔ شرم نہیں آتی، یہ مجبور عورت تیرے گھر آئی ہے اور تو..... جا دفع ہو جا اور خالہ کے لئے کھانا گرم کر کے لا۔''

کشور جہاں زیبو کے معصوم شکوے پر نادم سی ہو گئیں تو زیبو کو بھی افسوس ہونے لگا کیونکہ حمیدہ اپنی غلطی پر مزید رونے لگی تھیں۔

''معاف کر دو خالہ، تم جانتی ہی ہو میری زبان یوں ہی پھسل جاتی ہے۔'' زیبو اپنے دونوں ہاتھ جوڑے حمیدہ کے سامنے کھڑی تھی۔

''ارے اب تیری یہ پھسل جانے والی زبان کاٹنا ہی پڑے گی۔ کمبخت کی زبان کے آگے خندق ہے، بے سمجھے بولتی چلی جاتی ہے۔ یہ نہیں دیکھتی باتوں کے تیر کسی کا کلیجہ بھی زخمی کر دیتے ہیں۔ دفع ہو میری نظروں سے، دور ہو جا۔'' کشور جہاں کو بہت غصہ آیا تھا اس پر۔ اس نے پھر اسے پرے دھکیلا مگر حمیدہ نے اسے ساتھ لگا لیا۔

''نہیں کشور، اسے کچھ نہ کہو، یہ معصوم ہے۔ اس نے آج تک کوئی غلط بات نہیں کی۔ یہ تو میں ہی ہوں دکھوں کی ماری کہ اس کی باتوں میں چھپے خلوص اور محبت کو نہیں پہچان سکی۔ میری بچی، دعا کر میری نازو لوٹ آئے۔ میں..... میں تیرے قدموں میں ڈال دوں گی نازو کو۔''

حمیدہ بیگم زیبو کو ساتھ لگائے شدتوں سے رو پڑیں تو کشور سے دیکھا نہ گیا۔ وہ جلدی سے باہر نکل گئیں اور سیڑھیوں پر بیٹھ کر رو پڑیں۔

''یا اللہ! تو نازو کو لوٹا دے۔''

✵☆✵

''کیا..... کیا واقعی انیقہ تم..... تم احمد کے ساتھ شادی کے لئے تیار ہو؟''

بانو کو تو اپنی سماعتوں پر شبہ ہونے لگا تھا۔ اس پہلی رات وہ جس بات سے مسلسل انکار کر رہی تھی اور اپنے انکار کی وجہ دل کا نہ ماننا قرار دے رہی تھی، اب پورے یقین کے ساتھ مضبوط لہجے میں کہہ رہی تھی جیسے تمام کشتیاں جلا کر آئی ہو۔

''اپنی اس بات کو یقین کا پیراہن دینے کے لئے ہمیں اور کیا کرنا ہوگا۔ اگر الفاظ پر اعتبار ہے تو مان لیجئے کہ میں نے جو کہا ہے، اس کے لئے تیار ہوں۔''

انیقہ کے اندر دھماکے ہو رہے تھے، بے چین لہریں دل کے ساحل سے ٹکرا رہی تھیں۔

''آپ...... آپ خوش تو ہیں ناں اپنے اس فیصلے سے انیقہ؟'' بانو بیگم نے انیقہ کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام لیا کیونکہ انیقہ کے الفاظ کی سچائی ان کے چہرے کی تحریر سے مطابقت نہیں رکھتی تھی۔

''جب خوشی کے راستے کہیں غائب ہو جاتے ہیں ناں آپی جان تو سمجھوتے کے راستے خودبخود سامنے آ جاتے ہیں۔ اور جب سمجھوتے کی چادر اوڑھنی ہی پڑ جائے تو پھر...... بس...... بس آپ احمد صاحب سے کہیے، جب چاہیں نکاح کر کے ہمیں لے جائیں۔ بلکہ جتنی جلدی ممکن ہو، اتنی جلدی کر لیں۔ ہم...... ہم یہاں ایک پل بھی رُکنا نہیں چاہتے۔'' انیقہ بری طرح رو پڑی تو بانو بھی رو پڑیں۔ وہ کب خوش تھیں کہ اتنی پیاری سی تعلیم یافتہ بہن کو کسی ایسے آدمی کے حوالے کر دیں جو نہ تو تعلیم یافتہ تھا اور نہ ہی تہذیب یافتہ۔ یہ تو مجبوری کا سودا تھا اور مجبوری کے سودے میں سوائے گھاٹے کے اور کیا ملتا ہے۔

''آپ ہم سے بدگمان نہ ہونا گڑیا۔ ہم بہت مجبور ہیں۔''

''آپی جان! میں جانتی ہوں کہ جب پناہ گاہ ٹپکنے لگے تو اسے بدل لینا چاہئے اور میری تو کوئی پناہ گاہ ہے ہی نہیں۔''

''اسی لئے تو ہم سب چاہتے ہیں کہ آپ کا اپنا گھر ہو، شوہر اور بچے ہوں اور آپ خوشحال زندگی بسر کریں۔ اپنی پناہ گاہ میں عورت بہت معتبر ہوتی ہے۔''

''کس پناہ گاہ کا ذکر کر رہی ہیں آپی آپ؟ عورت کی کوئی پناہ گاہ نہیں ہوتی۔ اسے تو ہر پناہ گاہ سے نکل جانے کا ہی حکم سنائی دیتا ہے۔ اس پناہ گاہ کے گیٹ پر باپ کے نام کی پلیٹ، بھائی کے نام کی یا شوہر کی نام کی، اسے تو ہر پناہ گاہ کسی وقت بھی چھوڑنے کا حکم مل جاتا ہے۔ اور جس شوہر کی پناہ گاہ کا آپ ذکر کر رہی ہیں، وہ تو سب سے زیادہ ناپائیدار پناہ گاہ ہوتی ہے۔ احتشام الدین کو بھی تو آپ نے ہماری پناہ گاہ ہی کہا تھا ناں، تو کیا ہوئی وہ پناہ گاہ؟ تین الفاظ کے شعلوں میں جل گئی وہ پناہ گاہ اور ہم دربدر کی ٹھوکریں کھانے کے لئے باقی رہ گئے۔''

''بس کرو...... بس کرو میری جان، میرا کلیجہ پھٹ جائے گا۔ احمد کچھ بھی سہی، اچھا ساتھی رہے گا۔ انشاء اللہ اس کے ہاں تم خوش رہو گی۔''

بانو بیگم پہلے تو خود بھی خوب روئیں پھر اسے تسلیاں دینے لگیں۔

''آپی جان! خوشی کو چھوڑیے، میں اس خوشنما تتلی کے پیچھے بھاگنا ہی نہیں چاہتی۔ آپ احمد صاحب سے ہاں کر دیجئے اور جو کرنا ہو جلدی کر لیجیے۔''



منزہ کی بات نے انیقہ کو گویا اپنی ہی نظروں میں گرا دیا تھا۔ وہ منزہ اور شفاعت اللہ کا امنا بھی کرنا نہیں چاہتی تھی۔ اسے لگ رہا تھا جیسے وہ کوئی بہت ہی قابل رحم ہستی ہو کہ منزہ ں کھا کر اس کے ساتھ اپنا شوہر شیئر کرنے پر مجبور ہو گئی ہو۔ یا پھر خود انیقہ کی بات سے، ی انداز سے شفاعت اللہ سے وابستگی کا شبہ ہوا ہو، تب منزہ نے ایسا سوچا ہو۔ یا شفاعت دل کے ہاتھوں اتنے مجبور ہو گئے ہوں کہ انہوں نے منزہ کے سامنے کچھ کہہ دیا ہو اور منزہ ر ہو کر یہ فیصلہ کر بیٹھی ہو۔ اور یہ ساری باتیں، سارے وہم مل کر انیقہ کو پریشان کر رہے ، جبکہ وہ نہیں جانتی تھی کہ شفاعت اللہ اور منزہ اس کے لئے کتنے مخلص ہیں۔

☆☆☆

''نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا۔ انیقہ، احمد جیسے آدمی کے ساتھ شادی کے لئے کس طرح ہاں کر ا ہیں۔ بھابی آپ...... آپ سمجھ کیوں نہیں رہیں؟ احمد انیقہ کے لائق نہیں۔ آپ انیقہ کو ے ہاتھوں اس دلدل میں دھکیل رہی ہیں۔''

شفاعت اللہ کو پتہ چلا کہ انیقہ نے ہاں کر دی ہے تو ان کا دماغ گھوم گیا۔ وہ فوراً بانو کے منے آن کھڑے ہوئے۔

''شفاعت اللہ! آپ کو اب اس قسم کی جذباتیت سے پرہیز کرنا چاہئے، آپ کی اپنی بیوی ۔ منزہ کو کسی بات کی خبر ہو گئی تو کیا کہے گی وہ۔''

''سب خبر ہے اسے۔ وہ بھی انیقہ کو بہت چاہتی ہے اور اس نے اجازت دے دی ہے م انیقہ سے نکاح کر لیں۔ اسے کوئی اعتراض نہیں۔''

''واہ، کیا خوب محبت اور قربانی ہے۔ آپ انیقہ کو چاہتے ہیں، منزہ آپ کو چاہتی ہے۔ بت میں وہ...... لیکن شفاعت میاں، اپنے اپنے جذبات کی دھند میں شاید آپ لوگوں کو ں خود داری اور انا نظر نہیں آئی تبھی تو اسے پامال کر رہے ہیں۔ کیا آپ کو معلوم ہے ت میاں کہ پہلی بیوی کی موجودگی میں دوسری بیوی کی حیثیت ملازمہ سے زیادہ نہیں ۔ اور پھر آپ دونوں نے یہ کیسے سوچ لیا کہ انیقہ آپ کی بات مان لیں گی؟ ہم اچھی جانتے ہیں اپنی بہن کو، یہ جو اچانک انیقہ نے احمد کے لئے ہاں کر دی ہے تو اس کے پ لوگوں کی یہی قربانی ہے۔ وہ خود کو برباد تو کر سکتی ہے مگر...... خیر اب یہ بحث فضول ہم تو بس انیقہ کی ہاں کے منتظر تھے، اس نے ہاں کر دی ہے تو ہم جلدی ہی دونوں کا ر دیں گے۔ انیقہ اپنے گھر کی ہو جائیں گی۔''

آپ کیا کہہ رہی ہیں، آپ انیقہ کی بہن ہیں تو آپ ہی انیقہ کے لئے مخلص ہیں؟

گستاخی معاف بھابی جان، ہم نے بھی انیقہ کو چاہا ہے اور ہم ان کے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں ہونے دیں گے۔''

بانو کی بات پر شفاعت اللہ جذباتی ہو کر سامنے کھڑے ہو گئے تو بانو بیگم کچھ تلخ ہو گئیں۔

''اچھا ہے اگر بہن ہو کر ان کے ساتھ ناانصافی کر رہے ہیں تو بتایئے کہ آپ جو ادھوری محبت کی ڈولی میں ان کو بٹھانا چاہتے ہیں تو یہ کہاں کا انصاف ہے؟ احمد کیسے ہی سہی، مگر شادی شدہ ہیں۔ انیقہ ان کی پہلی بیوی کی حیثیت......''

''یہی تو خرابی ہے بھابی جان۔ جس کو آپ دانستہ طور پر بھی ماننے کو تیار نہیں۔ یہ آپ سے کس نے کہہ دیا ہے وہ غیر شادی شدہ ہیں؟''

بانو بیگم شفاعت اللہ کو جانتی تھیں۔ وہ کبھی ایسی غلط بات نہیں کرتے تھے مگر انیقہ کے معاملے میں وہ کسی کی بات سننے کو تیار نہیں تھی، خواہ کتنی درست بات کیوں نہ ہوتی۔ وہ سمجھ رہی تھیں کہ شفاعت اللہ محض رقابت میں احمد کا کردار خراب کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

''احمد شادی شدہ ہیں یا نہیں، البتہ اتنا ضرور جانتے ہیں کہ ایک عورت اور اس کے بچوں کو ہم نے خود دیکھا ہے۔'' شفاعت اللہ بہت جذباتی ہو رہے تھے۔ انیقہ کی شادی اچھے اور درست آدمی سے ہو رہی ہوتی تو وہ خوش ہوتے مگر احمد کے بارے میں ان کی رائے قطعی اچھی نہیں تھی۔

''واہ، کیا بندہ شناسی ہے شفاعت میاں، ہمیں اس بچکانہ پن کی آپ سے ہرگز توقع نہ تھی، یعنی کہ کسی انسان کی پرکھ کا یہ پیمانہ ہے آپ کا کہ آپ نے احمد کو کسی عورت کے ساتھ دیکھا، اس کے دو بچے تھے تو آپ کو یقین ہو گیا کہ بیوی بچے احمد کے ہیں۔ ایسی بچکانہ باتیں کسی اور کے سامنے مت کیجیے گا، لوگ دیوانہ کہیں گے۔''

''دیوانے تو ہم ہیں، اسی لئے تو جان دینے کو بھی تیار ہیں۔ یہ محض نظر کا دھوکا نہیں بھابی جان! ہمیں یقین ہے کہ وہ عورت احمد کی بیوی اور وہ دونوں اس کے بچے تھے، احمد اور اس عورت کے چلنے کے انداز سے......''

''شفاعت اللہ! میرے بھیا، کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ احمد اور اس عورت کے چلنے کے انداز سے آپ نے اخذ کر لیا کہ وہ دونوں میاں بیوی ہیں۔ پیارے بھیا، احمد جب آیا تھا تو اس نے بتایا تھا کہ اس کے کسی دوست کی بیوی ہاسپٹل میں ہے، وہ اسی سلسلے میں آیا ہوا تھا۔ یقیناً وہی عورت اور اس کے بچے ہوں گے اور آپ نے...... بری بات ہے، بغیر تحقیق بات نہیں کرنی چاہئے۔ وہ بھی اتنے وثوق سے۔''



بانو بیگم کو اچانک ہی احمد کی بات یاد آ گئی تو وہ دل سے خوش ہو گئیں کیونکہ شفاعت اللہ کی باتوں سے بدگمانی کی دھند اترنے لگی تھی کہ اچانک احمد کی بات یاد آ گئی کہ وہ اپنے کسی دوست کی بیوی کو ہسپتال میں دیکھنے کے لئے آیا ہے جس کے ہاں دو جڑواں بچے پیدا ہوئے ہیں۔''

''ٹھیک ہے بھابی جان، آپ کو اگر ہماری بات پر یقین نہیں آ رہا تو ہم سے وعدہ کیجئے کہ جب تک ہم اس سچائی کو ثابت نہ کر لیں گے، آپ احمد سے انیقہ کی شادی نہیں کریں گی۔''

شفاعت اللہ کو شک ہی نہیں یقین تھا، اس لئے وہ بڑے وثوق سے کہہ رہے تھے۔ مگر بانو بیگم کو یہ بات بالکل پسند نہیں آئی۔ وہ پہلے تو برہمی سے ان کو دیکھتی رہیں، پھر دروازے کی جانب بڑھیں مگر شفاعت اللہ پھر ان کے سامنے آ گئے، انداز خاصا جارحانہ تھا۔

''ہم آپ سے اس قسم کا کوئی وعدہ نہیں کر سکتے۔''

''ٹھیک ہے بھابی جان، اگر آپ ضد پر آ ہی گئی ہیں تو ہم بھی اتنی آسانی سے اپنی محبت کو برباد ہونے نہیں دیں گے۔ آپ وعدہ کریں نہ کریں مگر ہم یہ ثابت کر کے رہیں گے کہ احمد شادی شدہ ہے، اگر نہ بھی ہوا تو بھی ہم آپ کو احمد سے انیقہ کی شادی نہیں کرنے دیں گے اور اگر ہوا تو ہم انیقہ کو احمد کی دوسری بیوی بقول آپ کے ملازمہ بننے نہیں دیں گے۔ یہ یاد رکھئے گا۔''

شفاعت اللہ نے انتہائی سخت اور قطعی لہجے میں کہا تو کچھ دیر کے لئے بانو ان کی آواز کی گونج سنتی رہ گئیں۔ وہ شفاعت اللہ کی شدتوں سے واقف تھیں، وہ انیقہ کو کتنا چاہتے تھے، درمیان میں اگر احتشام الدین نہ ہوتے تو آج انیقہ ہی ان کی محبوب بیوی ہوتیں۔

''آہ انیقہ، آپ کی قسمت بھی کہاں جا پھوٹی۔ شفاعت میاں، ہمیں معاف کر دیجئے گا۔''

بانو دونوں کے لئے دکھی ہو کر باہر نکلیں تو احمد مل گیا۔ اس کی باچھیں کھل گئیں، گو کہ وہ بھی اس بات سے بے خبر تھا کہ انیقہ نے کسی بھی انداز سے سہی، ہاں کر دی ہے ورنہ وہ خوشی سے پاگل ہی ہو جاتا۔

''ارے بھابی جان! خیریت، آپ کچھ افسردہ سی ہیں۔'' وہ بانو کی طرف بڑھا۔

''ہاں، تم کہاں تھے احمد میاں، اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟'' ہرچند کہ انہوں نے شفاعت اللہ کی بات کو اتنی اہمیت نہیں دی تھی، تاہم پھر بھی انہوں نے احتیاط کا پتوار تھام لیا تھا۔ وہ اپنی بہن کی زندگی کو دوسری بار ڈوبتے ہوئے نہیں دیکھنا چاہتی تھیں۔ دونوں چلتے ہوئے لان میں آ گئے۔

"آپ نے ہماری بات کا جواب نہیں دیا احمد میاں!" بانو نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے اپنا سوال دہرایا تو احمد چونک کر ان کو دیکھنے لگا۔

"جی..... جی بھابی جان، میرا کیا پروگرام ہو سکتا ہے۔ ہمارے سارے پروگرام تو آپ کے حکم کے محتاج ہیں۔ ہم کیا بتائیں، آپ جو حکم کریں گی، ہم سر تسلیم خم کر دیں گے۔ حکم عدولی کی ہمیں تاب نہیں۔" احمد تابعداری میں ان کے سامنے جھکا جا رہا تھا۔ ان کے جھکے سر کو دیکھتے ہوئے بانو نے بہت سی باتیں سوچ ڈالیں۔

"احمد میاں! ایک بات پوچھوں؟" بانو بیگم شفاعت اللہ کی بات کی تائید یا تصدیق چاہتی تھیں۔

"آپ پوچھیے مت بھابی جان، حکم دیجیے، سرزنش کیجیے۔"

"ارے اب ایسی بھی کوئی بات نہیں۔ شفاعت اللہ نے آپ کو کسی عورت کے ساتھ دیکھا ہے، کون ہے وہ عورت؟"

حملہ اتنا اچانک ہوا کہ احمد کے ہاتھ سے پھول گر گیا جو اس نے اس نیت سے توڑا تھا کہ انیقہ سے مڈبھیڑ ہو گئی تو اس کو پیش کر دے گا۔

"جی..... جی وہ عورت..... اوہ، اچھا اچھا..... میں نے آپ کو بتایا تھا ناں کہ میں اپنے ایک دوست محمود کی بیوی سے ملنے آیا ہوں، اس کے ہاں جڑواں بچے پیدا ہوئے ہیں، محمود باہر ہے تو اس نے کہا تھا کہ میں ذرا ان کا خیال رکھوں اور میں ان کو لے کر شاپنگ وغیرہ کے لئے چلا جاتا ہوں۔ ہو سکتا ہے شفاعت اللہ نے مجھے انہی کے ساتھ دیکھ لیا ہو، ورنہ عورت اور میں..... بھابی جان! آپ خود سوچئے شادی سے پہلے کسی عورت کے ساتھ، توبہ استغفار۔"

احمد نے مکاری سے اس حقیقت کو جھوٹے لفظوں میں اس اعتماد اور یقین کے ساتھ لپیٹ کر کہا کہ بانو کو سو فیصد یقین آ گیا کہ وہ درست کہہ رہا ہے اور اس سے جو ذرا سی شکایت ہوئی تھی، وہ دور ہو گئی۔ وہ خوش ہو گئیں۔

"ہاں ہاں، آپ نے ذکر کیا تھا اس خاتون کا۔ لے کر آؤ ناں اسے ہمارے ہاں، ہم سے ملواؤ۔"

"جی، جی..... کیوں نہیں بھابی جان، میں اسے لے کر آؤں گا۔ میرے بہت اچھے گہرے دوست کی بیوی ہے اور خود بھی بہت اچھی خاتون ہے۔ میں اس کو لے کر ضرور آؤں گا۔ شفاعت میاں کا یوں شک کرنا ہمیں اچھا نہیں لگا، اسی لئے اب میں مسز محمود کو ضرور لے کر آؤں گا۔"



مد بل کھا کر رہ گیا۔ اس کے بس میں ہوتا تو شفاعت اللہ کو کھری کھری سنا دیتا۔

بھابی جان! ہم تو آپ سے کوئی خوشخبری سننے کے منتظر ہیں اور آپ....."

انشاء اللہ ہم جلد ہی آپ کو خوشخبری سنائیں گے، بس ذرا انتظار کریں۔"

دیکھ لیجیے بھابی جان، یہ انتظار جان لیوا ثابت نہ ہو۔"

اللہ نہ کرے احمد میاں، ایسا نہیں کہتے۔"

☆☆☆

میں کہتا ہوں تم آج ہی گاؤں نکل جاؤ۔ رفیق کو بلا لیا ہے میں نے۔"

مد کے لئے یہ بات انتہائی خطرناک تھی کہ شفاعت اللہ نے اسے شابی کے ساتھ دیکھ لیا وہ کوئی گڑبڑ بھی کر سکتا ہے۔ شفاعت اللہ کی کیا حیثیت ہے گھر میں، وہ اچھی طرح تھا۔ اس لئے وہ شابی کو منظر سے غائب کر دینا چاہتا تھا اور اب بھی وہ بضد تھا کہ وہ لو لے کر گاؤں چلی جائے۔ جبکہ وہ تیار نہیں تھی۔

میں آپ سے کہہ چکی ہوں کہ میں اب گاؤں نہیں جاؤں گی۔ کون سا منہ لے کر جاؤں گاؤں والوں کی نظر میں، میں کنواری ہوں۔ اور ایک غیر شادی شدہ لڑکی بچوں کو لے کر گی تو لوگ پتھروں سے مار ڈالیں گے مجھے اور میرے بچوں کو۔ میری بہنیں باپ کی پر بوڑھی ہو جائیں گی، باپ اور بھائی کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔ میں گاؤں نہیں جاؤں گی۔"

شابی نے مضبوط لہجے میں کہا تو احمد ہتھے سے اکھڑ گیا۔

تم..... تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ تم اپنی اوقات بھول گئی ہو۔ تم جیسے کی کمین ایسے ے لوگوں کی کمزوریوں کو کیش کراتے ہیں۔"

تو بڑے لوگ چھوٹے کام کیوں کرتے ہیں؟" شابی کو بھی غصہ آ گیا۔

بکواس مت کرو، میں تمہیں ابھی اور اسی وقت....."

"خاموش رہو حیات احمد، ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکالنا، میں تمہاری راہ سے ہٹنے کو تیار ۔ مجھے کہیں بھی بھیج دو، کالے پانی بھی جانے کو تیار ہوں مگر گاؤں نہیں جاؤں گی۔"

شابی خوفزدہ ہو گئی۔ وہ جانتی تھی کہ وہ غصے میں ہے، وہ منہ سے کچھ کہہ دے گا تو وہ ے میں کسی کو بھی منہ دکھانے کے لائق نہیں رہے گی اور اگر بچے چھین لیتا تو وہ جی نہیں تی اور دے دیتا تو ان کی پرورش کیسے کرتی۔ وہ تو بری طرح پھنس گئی تھی۔

"تو..... تو پھر کہاں رہنا چاہتی ہو؟" احمد بھی بہت کچھ سوچ کر نرم پڑ گیا۔

''کہیں بھی، لیکن گاؤں نہیں۔''

''دیکھو شالی، اگر تم میرے ساتھ تعاون کرو تو میں تمہیں اور اپنے بچوں کو اپنے ساتھ رکھ سکتا ہوں۔ اگر تم اپنی زبان بند رکھنے کا وعدہ کرو تو۔''

شالی نے بغور اسے دیکھا، دل میں ایک ٹیس سی اٹھی۔ محض غربت کی وجہ سے وہ اس سے یوں دامن بچا رہا تھا۔ اگر وہ بھی کسی بڑے دولت مند آدمی کی بیٹی ہوتی تو وہ خوشی سے اعلان کرتا پھرتا کہ شالی میری بیوی ہے مگر اب وہ اسے ناگوار بوجھ کی طرح اتار کر پھینک دینا چاہتا تھا اور اسے بھی جذبات کی بجائے سمجھداری کا ثبوت دینا تھا، ورنہ وہ شوہر اور بچہ دونوں کو کھو سکتی تھی۔

''آپ ایک بار آزما کر دیکھ لیں احمد، ایک گھر میں رہتے ہوئے بھی کسی کو شبہ نہیں ہوگا کہ میرا اور آپ کا کوئی تعلق ہے۔'' اس نے مجبور سپاہی کی طرح ہتھیار ڈال دیئے تو وہ ہنستا ہوا اس کے قریب آ گیا۔

''تم کافی ذہین ہو۔ بس کبھی کبھی تمہاری کھوپڑی الٹ جاتی ہے۔ خیر تمہارے حق میں بہتر ہوگا کہ جو میں کہتا رہوں، تم مانتی رہو۔ ورنہ مجھے تو تم جانتی ہی ہو۔ اور سنو، بھابی نے تم سے ملنے کی خواہش ظاہر کی ہے۔ کل شام کو تیار رہنا، میں لینے آؤں گا اور وہاں جا کر

''بس، مجھے سب معلوم ہے وہاں جا کر کیا کہنا ہے اور کیا ظاہر کرنا ہے۔ آپ فکر نہ کریں، میں اتنی اجنبی بن جاؤں گی کہ آپ بھی حیران رہ جائیں گے۔''

قبل اس کے کہ احمد مزید ہدایات دیتا، شالی نے ہاتھ کے اشارے سے روک کر کہا تو احمد کاٹ میں پڑے بچوں کو اٹھا کر پیار کرنے لگا۔

''سمجھ لو، یہ تمہاری آزمائش ہے۔ پوری اترو گی تو میرے قریب رہو گی بچوں کے ساتھ ورنہ.....'' احمد نے بیٹی کو اٹھا کر پیار کرتے ہوئے کہا تو شالی دونوں کو دیکھتی رہی۔ ان بچوں کو باپ کا پیار ملے اور باپ ان کو اپنے قریب رکھے۔

''احمد! پہلے مجھے کچھ غلط فہمی یا خوش فہمی تھی، اب ختم ہوگئی ہے اس لئے آپ ورنہ کا ہتھیار پھینک دیں کیونکہ اب جو آپ کہیں گے وہی ہوگا۔'' شالی نے شکست خوردہ ہو کر ہتھیار ڈال دیئے تو احمد کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ آ گئی۔

''ہوں، شاباش..... تمہارے حق میں یہی بہتر ہے۔''

✻✫✻

''ایقہ..... ایقہ ہماری بات سنئے، پلیز ایقہ، پلیز!''



جب سے منزہ نے یہ بات کہی تھی، ایقہ نے ان دونوں کا سامنا نہیں کیا تھا۔ خاص کر شفاعت اللہ کے سامنے وہ ایک بار بھی نہیں گئی تھی۔ اسی لئے وہ اتنے بے قرار تھے۔ اس لئے کتنے ہی دنوں بعد وہ نظر آئی تو شفاعت اللہ بے قرار ہو کر اس کی طرف بڑھے مگر وہ سنی ان سنی کر کے آگے بڑھنے لگی تو وہ تیزی سے چلتے اس کے سامنے آ گئے۔

''یہ کیا بے رخی ہے، اس بے اعتنائی کا مطلب پوچھ سکتے ہیں ہم؟''

''ہرگز نہیں شفاعت اللہ صاحب۔ آپ کو ہم سے کچھ بھی پوچھنے کا حق نہیں، کیا تعلق، کیا رشتہ ہے آپ کا اور ہمارا؟ اور آپ کو یہ بھی حق نہیں کہ آپ یوں ہمارا راستہ روک کر کھڑے ہو جائیں۔ ہٹئے ہمارے راستے سے۔'' ایقہ کا انداز اور لہجہ اتنا بیگانہ تھا کہ شفاعت اللہ دل تھام کر رہ گئے۔

''ہمیں آپ سے بات کرنے کا، کچھ کہنے سننے کا کوئی حق نہیں ایقہ؟ یہ..... یہ آپ.....''

''جی ہاں، کوئی حق نہیں۔ اگر کچھ تھا شفاعت اللہ صاحب، تو اسی روز ختم ہو گیا تھا جس روز ہمارا نکاح احتشام سے اور آپ کا منزہ سے ہوا تھا۔''

''ہرگز نہیں ایقہ، محبت کبھی نہ تو مرتی ہے اور نہ چاہتوں کی ڈور کبھی ٹوٹتی ہے۔ اور جب تک محبت زندہ ہو تو ایک دوسرے پر تمام حقوق بھی زندہ رہتے ہیں۔ سمجھیں آپ۔''

شفاعت اللہ کو بھی غصہ آ گیا تھا۔ یہ بات نہیں تھی کہ وہ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر ایقہ سے ہر صورت میں شادی کرنا چاہتے تھے۔ وہ صرف یہ چاہتے تھے کہ وہ احمد یا اس جیسے کسی غلط آدمی سے سنجوگ نہ جوڑیں۔ وہ اسی لئے ان کی ہر بات برداشت کر رہے تھے۔ مگر ایقہ کو اپنی انسلٹ محسوس ہو رہی تھی۔ جس روز سے منزہ نے اسے شفاعت اللہ کے ساتھ نکاح کا کہا تھا، اس سے کہیں بہتر اس نے احمد سے نکاح کو جانا تھا، اسی لئے اس نے احمد کے ساتھ شادی کے لئے حامی بھر لی تھی۔ مگر منزہ اور شفاعت یہ نہیں چاہتے تھے کہ اس جیسی اچھی لڑکی کسی غلط آدمی کے گھر جائے۔

''شفاعت اللہ! فضول قسم کی باتیں مت کیجئے، ہماری زندگی پر صرف ہمارا حق ہے، ہم آپ دونوں میاں بیوی کو یہ حق نہیں دے سکتے کہ آپ لوگ ہماری انسلٹ کریں۔ ہمیں اتنا کمزور سمجھ رکھا ہے آپ دونوں نے؟ احمد سے بچنے کے لئے ہم آپ سے..... تو..... نیور، ایسا سوچا بھی کیسے آپ دونوں نے؟ اپنے ساتھ کی یوں بھیک دے کر آپ نے ہماری ہی نہیں اس محبت کی بھی توہین کی ہے جو کبھی ہمارے درمیان تھی۔''

ایقہ بولتے بولتے روہانسی ہوگئی۔ الفاظ حلق میں اٹک گئے۔ شفاعت اللہ ایک گہرا سانس

لے کر رہ گئے۔

''محبت تھی!'' شفاعت اللہ جنہوں نے ہر پل چاہا اور سوچا تھا، اس جملے پر تڑپ
ان کی بات پر انیقہ نے دیکھا، وہ کیسے کہہ دیتی کہ سچی محبت بھی کبھی ختم ہوئی ہے۔ مگر اپنی
کمزوری ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''شفاعت صاحب! میں کوئی وضاحت نہیں کرنا چاہتی۔ ہر کسی کو اپنی پسند کی زندگی گزار
کا حق ہے۔ جایئے آپ اپنی دنیا میں خوش رہئے اور مجھے اپنی دنیا آباد کرنے دیجئے۔''

''ہم آپ کو ایسا ضرور کرنے دیتے اگر احمد آپ کے لائق ہوتا اور اچھا آدمی ہوتا۔''

''یہ زندگی ہماری تھی شفاعت صاحب۔ مگر اسے بسر لوگوں نے کیا۔ اپنی پسند کے فیصلے
کے طوق ڈالتے رہے ہمارے گلے میں۔ احمد اچھا آدمی ہے یا برا، اس سے شادی ہمارا
فیصلہ ہے اور ہم خوش ہیں۔''

''آپ خوش نہیں۔ آپ سمجھوتے کی چادر میں چھپ رہی ہیں انیقہ۔''

''سمجھوتے کی چادر اوڑھنے والے بڑے بہادر لوگ ہوتے ہیں شفاعت صاحب۔''

''لیکن ہم آپ کو ایسا کوئی قدم اٹھانے نہیں دیں گے۔ آپ نہیں جانتیں وہ شادی
ہے۔''

اس اطلاع پر یک بارگی دل میں طوفان سا اٹھا۔ وہ ڈول سی گئی، مگر پھر خود کو سنبھالا
کوئی کمزوری دکھانا نہیں چاہتی تھیں۔

''اگر ایسا ہے بھی تو پھر بھی ہم تیار ہیں۔ شادی شدہ ہیں تو کیا ہوا۔''

نجانے کتنے دُکھوں نے واویلا مچایا تھا، کتنے آنسو تھے کہ حد بندی توڑنے کے لئے
بے چین تھے مگر وہ کمال ضبط کا مظاہرہ کر گئی۔ اپنی قسمت پر جتنے آنسو وہ بہا چکی تھی، اب مز
یارا نہیں تھا۔ یا شاید وہ شفاعت اللہ کے سامنے کمزور پڑنا نہیں چاہتی تھی۔ اس کی
شفاعت اللہ کو تپا گئی۔

''کیوں انیقہ، کیوں خودکشی کا فیصلہ کر لیا ہے تم نے؟'' جذباتی ہو کر انہوں نے ا
شانوں سے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا تو انیقہ کا جی چاہا اس خوبرو آدمی کی چاہتوں میں چہرہ چھپا
اس کی محبت کی گہرائیوں میں کہیں گم ہو جائے مگر وہ ایسا کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

''اس لئے شفاعت صاحب کہ اب تک دوسرے ہی مارتے آئے تھے، اس بار میں
خود کو خود مارنے کا فیصلہ کیا ہے۔'' وہ نظر کترا کر مڑی مگر شفاعت اللہ نے اس کا ہاتھ
دبا دیا۔



''لیکن ہم تمہیں ایسی کوئی حماقت نہیں کرنے دیں گے، خواہ اس کے لئے ہمیں کچھ بھی
کرنا پڑے...... کچھ بھی!'' انہوں نے بگڑے لہجے میں 'کچھ بھی' پر زور دے کر کہا، ہاتھ دبایا
اور آگے بڑھ گئے اور انیقہ کی آنکھوں میں اترتی دُھند میں اترتے چلے گئے۔

☆☆☆

''بھابی جان! یہ...... یہ مسز......''

''جی بھابی، میں مسز محمود ہوں۔ احمد نے آپ کا بہت ذکر کیا تھا تو میرا دل بہت چاہتا تھا
آپ سے ملنے کو مگر میرے بچے کچھ بیمار ہو گئے تھے اس لئے میں جلد نہ آ سکی۔'' احمد لانے کو
تو شابی کو لے آیا تھا مگر عجیب قسم کا خوف تھا کہ اگر کہیں بھانڈا پھوٹ گیا تو وہ انیقہ سمیت ہر
چیز سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ اب شابی سے اسے کوئی خطرہ نہیں تھا مگر شفاعت اللہ یہ سارا کھیل
بگاڑ سکتا ہے، یہی خوف جھرجھری بن جاتا تھا۔ اس وقت بھی وہ شابی کا تعارف کرانے سے ڈر
رہا تھا کہ شابی نے خود اپنا تعارف کروا کر اس کی مشکل آسان کر دی۔

''ارے بھئی، آپ خود بھی بچہ ہی لگ رہی ہیں۔ اور ایسی صورت حال میں آپ کو اپنے
شوہر کے ساتھ ہی ہونا چاہئے تھا۔ چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، آپ اکیلی کس طرح ہینڈل کرتی
ہیں؟'' بانو بیگم، شابی کو احمد کے دوست کی بیوی کے روپ میں دیکھ کر مطمئن ہو گئی تھیں اور
شفاعت اللہ کی بات اب محض رقابت میں لگایا گیا ایک الزام لگ رہی تھی۔ بانو کی بات پر
شابی نے بے ساختہ احمد کو دیکھا جو بہت کھسیانا اور چاپلوس لگ رہا تھا۔

''جی آپ بالکل درست کہہ رہی ہیں بھابی جان، مگر کبھی کبھی زندگی میں انسان کو آنکھوں
دیکھے کر زہر پینا پڑتا ہے۔ میرا مطلب ہے میرے شوہر بہت اچھے اور محنتی آدمی ہیں۔ ابھی باہر
سیٹل نہیں ہوئے، کہہ رہے تھے، سیٹ ہوتے ہی مجھے اور بچوں کو بلا لیں گے۔ خیر، یہ احمد
صاحب آپ لوگوں کی بہت تعریف کرتے ہیں۔ یہ انیقہ کہاں ہیں؟ اصل میں تو میں ان سے
ہی ملنے آئی ہوں۔'' اپنے دل میں اٹھتی ٹیسوں کو دباتی شابی زخمی مسکراہٹ کے ساتھ ایسے ہی
بات کر رہی تھی جیسے احمد سے واقعی اس کا ایسا تعلق نہ ہو۔

''ارے بھئی یہ تو احمد میاں کی محبت ہے۔ رہی بات انیقہ کی تو وہ اپنے کمرے میں ہیں،
ہم ابھی ان کو بلاتے ہیں۔'' بانو بیگم اٹھ کر باہر چلی گئیں تو احمد شابی کو گھورنے لگا۔

''یہ...... یہ تم چلتے چلتے پٹڑی سے کیوں اتر جاتی ہو؟ اب کیا ضرورت تھی فلمی ہیروئن بن
کر زندگی اور زہر کا ذکر کرنے کی۔ اور خبردار جو انیقہ کے سامنے ایسا کوئی ڈائیلاگ بولا تو۔''

''آپ بے فکر رہئے احمد صاحب! یہ تو آپ سمجھ لیں کہ ڈرامے کا پہلا سین تھا۔ آگے

آگے دیکھئے۔ میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ مر کر بھی کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گی۔ اور آپ بھی یہ وعدہ کیجئے کہ کہیں اور سے اگر ان کو کچھ پتہ چلے تو آپ سزا مجھے نہیں دیں گے۔''

شالی جانتی تھی کہ کہیں نہ کہیں سے ان لوگوں کو حقائق معلوم ہو ہی جائیں گے۔ تب ہی جو حالات کی آندھی چلے گی، وہ احمد کو کہیں کا کہیں پھینک دے گی۔ مگر اس وقت وہ انیقہ کی محبت میں ہر قسم کے خطرات کے امکانات کو پس پشت ڈالے ہوئے تھا۔

''بکواس بند کرو، کسی قسم کی بد فال منہ سے نکالنے کی ضرورت نہیں۔ ابھی انیقہ آنے والی ہے، ذرا سنبھل کر۔'' احمد اپنے اندرونی خوف کو مجبور اور بے سہارا شالی کو ڈرا دھمکا کر دبا رہا تھا۔

''انیقہ!'' بانو بیگم انیقہ کو لینے آ گئیں۔ وہ چاہتی تھیں احمد کے دوست کی بیوی بھی اسے دیکھ لے، پسند کر لے۔

''جی آپی!'' انیقہ بظاہر تو کتاب کے مطالعے میں غرق تھی مگر ہر ورق پر اس کو اپنی صورت اور اپنی کہانی لفظوں کی صورت بکھری ہوئی نظر آ رہی تھی۔ بانو کے آتے ہی اس نے کتاب ایک طرف رکھی اور بڑی بہن کے احترام میں اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

''وہ بات یہ ہے انیقہ کہ احمد کے دوست محمود کی بیگم آئی ہیں۔ احمد چاہتا ہے کہ تم ان سے مل لو۔ بڑی اچھی کم عمر سی لڑکی ہے۔ دو جڑواں بچے ہیں اس کے۔''

''احمد شادی شدہ آدمی ہے۔'' شفاعت اللہ کی آواز کی بازگشت سماعت میں گونجی تو وہ بانو کو دیکھنے لگی۔

''آپی! آپ کو یقین ہے وہ احمد کے دوست کی ہی بیوی ہے؟'' وہ دھیرے سے بولی تو بانو چونک کر اسے دیکھنے لگیں۔ اس کے دبے لہجے اور خوفزدہ لفظوں کی اوٹ سے شفاعت اللہ جھانک رہے تھے۔ ان کو غصہ آ گیا۔

''انیقہ! ہمیں معلوم ہے، خوف کا یہ بیج شفاعت اللہ نے بویا ہے، ہمیں شفاعت میاں کا یہ انداز قطعی نہیں بھایا کہ خود تو وہ خوشحال زندگی گزار رہے ہیں اور تمہیں......''

''آپی جان پلیز، ان کے بارے میں آپ دل میں کوئی ملال پیدا نہ کریں۔ وہ...... وہ بے حد مخلص انسان ہیں۔ وہ صرف میری......''

آواز رندھ گئی۔ وہ چپ ہو گئی۔ یہ بات تو بانو بھی جانتی تھیں مگر بانو جس جگہ کھڑی تھیں وہاں ان کو انیقہ کا کوئی مستقل نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ انیقہ کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتی تھیں۔ بھائی بھاوج رکھنے کو تیار نہیں تھے، تب ہی ان کو یہ فیصلہ کرنا پڑا۔



''ہم جانتے ہیں انیقہ، شفاعت میاں ہمارے ہاتھوں میں بڑے ہوئے ہیں۔ کاش کہ.... ہر آپ جلدی سے چلئے، وہ اکیلی بیٹھی ہوں گی۔''

''ٹھیک ہے آپی جان، آپ ان کے پاس بیٹھئے، میں ابھی آتی ہوں۔'' انیقہ نے سعادت ندی سے کہا تو بانو نے پلٹ کر اسے دیکھا اور آگے بڑھ کر انیقہ کو ساتھ لگا لیا۔

''انیقہ جانی، تم...... تم خوش ہو ناں؟'' بانو جانتی تھیں کہ احمد، انیقہ کے لائق نہیں۔

''آپی جان! میں کتنی بار کہوں کہ خوشی اور میں دو مختلف چیزیں ہیں۔ بلکہ یوں کہہ لیجئے، تضاد چیزیں ہیں۔ زندگی کے جس موڑ پر ہمارا ٹکراؤ ہوتا ہے آپی تو خوشی ہم سے کترا کر دوسری رف چلی جاتی ہے۔ آپ چلئے، میں ابھی آتی ہوں۔'' انیقہ کی زندگی کا درد اس کے لہجے میں ٹ آیا تو بانو دل پر ہاتھ رکھے آ گئیں۔

''وہ..... وہ انیقہ نہیں آئیں بھابی جان؟'' احمد جو اس وقت صرف انیقہ ہی کا منتظر تھا، ے ساتھ نہ دیکھ کر خوفزدہ سا ہو گیا۔

''وہ آ رہی ہیں ذرا تیار ہو کر۔ ارے مسز محمود، آپ نے تو کچھ لیا ہی نہیں۔ یہ کباب ں۔''

اس وقت تو جو شالی کی حالت تھی، وہ خدا ہی جانتا تھا۔ اس کا تو کلیجہ منہ کو آ رہا تھا۔

''جی، بس چائے پی لی ہے۔ ہم لوگ تو انیقہ کا انتظار کر رہے ہیں۔''

''آ جائیں گی۔ آپ کو تو پتہ ہے لڑکیاں کتنا شرماتی ہیں ایسے موقع پر۔''

''جی...... جی احمد صاحب نے بتایا ہے کہ انیقہ بہت خوبصورت اور شرمیلی ہیں۔ بس بھابی ن، آپ اب ہم کو زیادہ انتظار نہ کروائیں۔''

''ارے نہیں مسز محمود، اب انتظار کی گھڑیاں ختم ہو گئی ہیں۔''

☆

''یا اللہ! کہاں چلی گئی نازو، میں کہاں تلاش کروں..... کہاں جاؤں، یا اللہ ہم تو بے بس ں، تو ہی اس کی حفاظت فرمانا اور مجھے اس راستے پر ڈال دینا جو نازو تک جاتا ہے۔''

گھر سے نکل کر سلیم مسجد میں آ گیا تھا۔ ساری دنیا دھتکار دے، اکیلا چھوڑ دے مگر اللہ ے گھر میں پناہ مل ہی جاتی ہے۔ وہ جاگتا رہا، نفل پڑھتا رہا، دعائیں مانگتا رہا، ایک پل کے ئے پلک نہیں جھپکی تھی۔ اس وقت بھی نماز فجر کے بعد وہ ہاتھ اٹھائے دعائیں کر رہا تھا۔ دعا ے بعد وہ اٹھا اور باہر آ گیا۔ پھر اچانک ہی اللہ کی طرف سے اُسے کالج کا خیال آیا۔ راحیلہ خیال آیا تو وہ اِدھر اُدھر گھوم کر کالج کھلنے کا انتظار کرنے لگا۔ اسے شبہ ہی نہیں بلکہ یقین تھا

کہ یہ حرکت راشد کے علاوہ کسی کی نہیں ہو سکتی۔
کاروبارِ زندگی شروع ہو چکا تھا۔ ہر طرف شور ہنگامہ جاگ چکا تھا۔ وہ چلتا ہوا کالج گیٹ تک آ گیا۔
''بابا! مجھے راحیلہ بی بی سے ملنا ہے۔ ان کا ملازم ہوں، ان کے والد نے کچھ پیسے ہیں، وہ دینے ہیں۔ ذرا بلا دو ان کو۔'' وہ سوچی ہوئی پلاننگ پر عمل شروع کر چکا تھا۔
''راحیلہ بی بی! وہی ناں، نازو بی بی کی سہیلی؟'' بابا نے پوچھا۔
''جی، جی بابا...... وہی ہیں، آپ ذرا بلا دو ان کو۔'' سلیم کا دل گھبرا رہا تھا، نہ م راحیلہ کیا جواب دے۔ وہ جانتی بھی نہیں تھی کہ نازو کہاں ہے۔ نازو اسے بتا چکی تھی کہ و اس سے بدظن ہو چکی ہے راشد کی وجہ سے۔
''تم ادھر بیٹھو، ام ابھی اس کو بلاتی ہے۔'' بابا اندر چلا گیا اور سلیم گیٹ کے باہر بے سے ٹہلتا رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ راحیلہ سے کیا بات کرے اور کس طرح نا بارے میں پوچھے۔ وہ تو اس کے خلاف ہو چکی ہے۔
''جی، اوہ تم...... کیوں ملنا چاہتے ہو مجھ سے؟'' اسے دیکھ کر راحیلہ کو غصہ آ گیا۔ وہ وہی راحیلہ تھی جو ہمیشہ سلیم کا فیور کیا کرتی تھی۔
''وہ نازو...... وہ میرا مطلب ہے......''
''ہاں، دو روز سے نازو کالج کیوں نہیں آ رہی؟''
سلیم نے اس بات پر دل تھام لیا مگر اس نے ارادہ مضبوط کر لیا۔
''مجھے کیا خبر جی کہاں ہے۔ آپ تو جانتی ہیں اس کی والدہ مجھے پسند نہیں کرتیں۔ ا تو نازو بھی دھتکار دیتی ہے۔ اس لئے میں نے ان کے ہاں جانا ہی چھوڑ دیا ہے۔'' وہ گھڑ چکا تھا اور وہ اسی کے ذریعے راشد تک پہنچنا چاہتا تھا۔
''ہاں بھئی، اب وہ تمہیں لفٹ کیوں دے گی؟ اب تو اس کی دوستیاں بڑے بڑے کے ساتھ ہو گئی ہیں۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ اس حد تک گر سکتی ہے کہ میر منگیتر کو پھانسنے کی کوشش کرے گی اونہہ، بظاہر تو راشد سے نفرت کرتی تھی اور تمہیں مع اندر ہی اندر وہ کیا حرکتیں کرتی رہی ہے؟ اس نے راشد کو اپنی تصویر دے دی۔ اونہ پارسا بنتی تھی۔ یقین کرو سلیم، مجھے تو نفرت ہو گئی ہے اس لڑکی سے۔ دوستی پر سے اعتما ہے میرا۔ کتنی پارسا اور معصوم نظر آتی تھی۔ توبہ...... توبہ اور......''
راحیلہ کو پہلی بار موقع ملا تھا کہ وہ نازو کی بے وفائی کا رونا کسی کے سامنے رو



اسے واقعی بہت صدمہ تھا۔ نازو سے اُسے نہ صرف محبت تھی بلکہ وہ اسے آئیڈیل بھی سمجھتی تھی۔ جب سے تصویر والا واقعہ راشد نے حقیقی رنگوں کے ساتھ بتایا تھا، اُس کا دل ٹوٹ چکا تھا اور اب وہ باقاعدہ رو رہی تھی۔ مگر سلیم حقائق جاننے کے باوجود نازو کی وکالت نہیں کر سکتا تھا۔ چپ چاپ سنتا رہا۔ اسے تو نازو تک پہنچنا تھا اور اس کے لئے وہ راحیلہ کو استعمال کر رہا تھا۔ اس نے ایک ڈرامہ تیار کر لیا تھا، وہ جانتا تھا راحیلہ بھی بہت اچھی لڑکی ہے۔ نازو کی اور اس کی بے مثال دوستی تھی۔ وہ جانتا تھا راحیلہ سے دوستی ختم ہونے کا نازو کو کس قدر صدمہ تھا اور اس نے سوچ لیا تھا کہ کبھی وہ ان دونوں کی غلط فہمی دور کرائے گا مگر اب صورت حال ہی عجیب ہو گئی تھی۔ راحیلہ رو رہی تھی۔
''اچھا بتاؤ، وہ کیسی ہے؟ کیوں نہیں آ کی دو روز سے؟'' اتنا کچھ کہہ لینے کے بعد دل ہلکا ہوا تو وہ نازو کے بارے میں پوچھنے لگی۔
''مجھے کیا خبر جی۔ ویسے سنا ہے وہ کہیں غائب ہے، نہ جانے کہاں چلی گئی ہے۔''
''اونہہ...... جانا کہاں ہے، میں سب جانتی ہوں اس کے کرتوتوں کو۔''
''چھوڑو راحیلہ بی بی، میں نازو کے بارے میں کچھ سننا نہیں چاہتا۔ اس وقت تو میں صرف اپنے بارے میں کچھ کہنے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔''
ایک تو سلیم کو نازو کے بارے میں راحیلہ کے خیالات سے دُکھ ہو رہا تھا۔ اس نے بات کا رُخ دوسری طرف موڑ دیا تو راحیلہ چہرہ صاف کر کے اسے دیکھنے لگی۔
''کیا مطلب...... کیا کہنا چاہتے ہو؟''
''وہ بات یہ ہے جی کہ میرے پاس نہ تو کوئی نوکری ہے، نہ کام ہے اور نہ ہی کاروبار کے لئے پیسہ۔ آپ کے پاس اس لئے آیا ہوں کہ بڑے لوگ ہیں، اپنے گھر میں کوئی نوکری دے دیں۔ ہر کام کر لوں گا۔ دیکھیں پلیز بی بی، انکار نہ کریں۔ اب تو میری چچی بھی باتیں بنانے لگی ہیں۔ بہت مجبور ہو کر آپ کے پاس آیا ہوں۔ راحیلہ بی بی، پلیز میری مدد کیجئے۔''
سلیم کو راحیلہ، نازو کے حوالے سے جانتی تھی اور اس کی رائے سلیم کے بارے میں اچھی تھی۔ اس کی بات سن کر وہ سوچ میں پڑ گئی۔ سرسری طور پر اس نے گھر کے ملازمین کا جائزہ لیا مگر کہیں جگہ نظر نہیں آئی۔ مگر وہ اسے منع بھی نہیں کرنا چاہتی تھی۔
''ہوں، سلیم میری نظر میں تو گھر میں ایسی کوئی جگہ ہے نہیں، لیکن تم ایسا کرو، شام کو میرے گھر آ جاؤ تو میں مما سے کہہ کر تمہیں کوئی کام دلوا دوں گی۔''
''بہت بہت شکریہ راحیلہ بی بی، مگر آپ اپنا ایڈریس وغیرہ بتا دیں، میں پہنچ جاؤں گا۔''

''ہاں، یہ لو کارڈ۔ بہت آسان راستہ ہے۔'' کارڈ دے کر راحیلہ نے زبانی بھی اسے ایڈریس سمجھا دیا اور اندر چلی گئی۔ اب سلیم کے لئے یہ وقت گزارنا مشکل ہو گیا۔ وہ اپنے ایک دوست کی ورکشاپ میں آ گیا۔

''کیا بات ہے، بار بار ٹائم دیکھ رہا ہے، کسی کو وقت دے رکھا ہے؟'' گاڑی کے نیچے سے نکل کر نعیم نے اُسے چھیڑا تو وہ کھڑا ہو گیا۔ چشم تصور میں نازو آ گئی۔

''یہی سمجھ لو، بس دعا کرو وہ مل جائے۔''

''مل جائے گی، مل جائے گی۔ اللہ نے چاہا تو پھر ملوائے گا ناں۔''

''فضول باتیں نہ کر اور ایک ہزار دے دے۔ جلدی لوٹا دوں گا۔''

''یہ لے رکھ لے۔ اور خبردار جو آئندہ غیروں کی طرح جلدی لوٹا دینے کا وعدہ کر کے پیسے مانگے۔'' نعیم نے اسی وقت جیب سے ہزار روپے کا نوٹ نکالا اور اس کے ہاتھ پر رکھ کر کہا تو سلیم، نعیم کے گلے لگ گیا۔ تب اس نے ساری بات نعیم کو بتا دی تو وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔

''اتنا کچھ ہو گیا اور تو نے کچھ بتایا ہی نہیں۔ خیر فکر نہ کر، تیرا یہ یار ہر وقت ہر مشکل میں تیرے ساتھ ہے۔''

''ہاں، شاید یہی دوستی ہے۔ اچھا ایسا کر، مجھے اس ایڈریس پر پہنچا دے۔'' سلیم نے کارڈ نکال کر نعیم کے ہاتھ پر رکھا تو وہ دیکھتے ہی چونکا۔

''ارے یار، یہ تو عبدالرحمٰن صاحب کا ایڈریس ہے۔''

''تو جانتا ہے ان کو؟'' اب سلیم چونکا۔

''لے، جانتا ہوں؟ ارے ان کی گاڑیوں کا ڈاکٹر میں ہی ہوں۔ ان کی بیٹی راحیلہ بی بی بڑی اچھی لڑکی ہے۔ وہ بھی اپنی گاڑی مجھ سے ٹھیک کرواتی ہیں۔ لیکن ان سے اس راشد کا کیا تعلق؟''

''ارے بھئی، یہ راشد راحیلہ کا کزن بھی ہے اور منگیتر بھی۔ اور اسی شخص نے نہ صرف دونوں دوستوں کے درمیان بدگمانی کی فصیل کھڑی کر دی ہے بلکہ دوسری طرف......''

''لیکن یار، یہ بات یقین سے تو نہیں کہی جا سکتی کہ یہ حرکت راشد ہی نے کی ہو۔ تم محض شک کی بنیاد پر اتنا بڑا قدم نہ اٹھاؤ تو زیادہ بہتر ہے۔ پولیس میں رپورٹ کرا دو۔''

''پولیس..... اونہہ، جیسے تم تو پولیس کو جانتے ہی نہیں۔ ارے میں خود بھی اور اس کی ماں کا کہنا بھی یہی ہے کہ نازو ملے نہ ملے مگر پولیس میں رپورٹ کروا کر اپنی شامت نہیں بلوانی۔



نازو کے کردار کی دھجیاں بکھر جائیں گی اور بوڑھی عورت کے ساتھ نجانے کیا ہو۔ رہی بات راشد کی تو مجھے یقین ہے کہ اس نے ہی نازو کو اغوا کیا ہے اسی لئے میں نے یہ ڈرامہ رچایا ہے۔''

''چلو ٹھیک ہے، دیکھ لیتے ہیں۔ اللہ تمہاری مدد کرے اور نازو کو محفوظ رکھے۔ فکر نہ کرنا، میں تمہارے ساتھ ہوں۔''

''شکریہ یار! بہت شکریہ، دوست وہی جو مشکل وقت میں کام آئے۔ چل اب ذرا مجھے وہاں پہنچا دے۔'' نعیم چونکہ اس ایڈریس پر گاڑی لینے اور دینے بارہا آ چکا تھا اس لئے سلیم سیدھا ان کے گیٹ پر آ گیا۔ نعیم اسے چھوڑ کر جا چکا تھا۔

''تمہیں کس سے ملنا ہے؟'' چوکیدار اسے دیکھ کر فوراً آگے بڑھا تو اس نے راحیلہ کا کہہ دیا۔

راحیلہ کی اجازت پر سلیم گیٹ عبور کر کے لان میں آ گیا۔ راحیلہ موبائل پر کسی سے بات کر رہی تھی۔

''کیا مطلب راشد، آج بھی آپ نہیں آ رہے؟ آپ کو معلوم ہے پپا کی کتنی طبیعت خراب ہے اور وہ بار بار آپ کو بلا رہے ہیں۔ ان کو بہت ضروری باتیں کرنی ہیں۔''

''جانتا ہوں کیا ضروری بات کرنی ہے۔ سب سے ضروری بات تو یہ ہو گی کہ راحیلہ سے شادی کر لو، میری سانسوں کا کوئی اعتبار نہیں۔ ارے اب تک تو سانس ختم ہوئے نہیں۔'' راشد نشے میں تھا۔ اسے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔

''راشد! تمہیں معلوم ہے تم کیا کہہ رہے ہو اور کس کے لئے کہہ رہے ہو؟ سچ اگر مما، پپا کا خیال نہ ہوتا تو میں اپنا دل ہی نکال کر پھینک دیتی جس میں تمہاری محبت ہے۔ میرا باپ بستر مرگ پر ہے اور تم ان کے لئے اس قسم کی باتیں کر رہے ہو۔''

''اوہ کم آن راحی، ایک تو تم ناراض بڑی جلدی ہو جاتی ہو۔ آتا ہوں جان راشد، آتا ہوں۔ یار ایک راشد ہے چاہنے والی اتنی زیادہ ہیں، اب بھی ایک کمرے میں موجود ہے۔''

راشد بہت ہی غلط انداز میں بات کر رہا تھا۔ راحیلہ دل کے ہاتھوں نہیں، ماں باپ کی وجہ سے اس کے ساتھ شادی کے لئے مجبور تھی۔

''کون ہے وہ لڑکی؟'' راحیلہ نے پوچھا تو سلیم نے دل کو تھام لیا۔ اسے یقین تھا کہ وہ نازو ہی ہے۔ اس کا بس چلتا تو وہ اسی وقت جا کر راشد کو قتل کر دیتا۔

''دیکھا جل گئی ناں۔ بھئی ایک زبردست قسم کی چیز۔ کون ہے، یہ سرپرائز ہے تمہارے لئے۔ او کے بند کرو فون، میں آتا ہوں۔'' راشد نے فون بند کر دیا تو راحیلہ جس کے دل میں

کر چل رہے تھے سلیم کی طرف پلٹی۔

''ہاں سلیم، میں نے مما سے بات کی ہے، فی الحال تو مالی کی جگہ خالی ہے۔ وہ چھٹی پر
ہے، تم کرلو گے یہ کام؟''

''بی بی، میں کچھ بھی کرلوں گا۔ بس آپ مجھے جگہ دے دیں۔'' سلیم کو نازو کا کھوج مل
گیا تھا، وہ اب کچھ بھی کرسکتا تھا۔

***



''ارے بھئی، یہاں تو آؤ، چہرہ تو دکھاؤ جس کے ہم دیوانے ہیں۔''

''جی نہیں راشد صاحب، میں آپ سے کہہ چکی ہوں جب تک نکاح نہیں ہو گا، میں
نے نہیں آؤں گی۔'' راشد جیسے ہی کمرے میں آیا تھا، نازو پردے کے پیچھے چھپ گئی تھی۔

''اوکے جی، جیسے حسن والوں کی مرضی۔ ابھی تو ہم راحیلہ کے پاس جا رہے ہیں۔ اندر
دروازہ بند کر لینا۔''

راشد کے جاتے ہی اس نے دروازہ بند کرلیا اور سجدے میں گر گئی۔

راشد راحیلہ کے گھر پہنچ گیا۔

''سنو مالی!'' راشد کی آواز پر سلیم مڑا۔

''جی صاحب؟'' چونکہ سلیم کو معلوم ہو گیا تھا کہ راشد آ رہا ہے اس لئے اس نے مفلر سر
ہرے پر اس طرح لپیٹا کہ وہ پہچان نہ سکے۔

''میری گاڑی کچھ گرم ہو گئی ہے۔ اس میں پانی ڈال آؤ۔''

''جی صاحب، ابھی گیا۔'' سلیم فوراً پلٹ گیا۔ اس کا جی تو یہ چاہ رہا تھا بم باندھ دے اس
ث آدمی کی گاڑی سے، اس کے اندر بیٹھتے ہی بم پھٹ جائے اور اس کے پرخچے فضاؤں
ھر جائیں۔ مگر وہ ایسی کوئی خواہش پوری نہیں کرسکتا تھا اس لئے جلدی سے پانی ڈال کر آ
ور کیاریوں میں بیٹھ کر بلاوجہ کھرپی سے مٹی کریدنے لگا تاکہ راشد اور راحیلہ کی باتیں
سکے۔

''ہوں..... کون ہے وہ لڑکی؟'' راحیلہ بہت چاہتی تھی کہ وہ دلی طور پر اس سے اتنی
ار اور لاپرواہ ہو جائے کہ اس کی کسی حرکت سے اسے غرض نہ رہے مگر کچھ بھی تھا وہ اس
ہت تھا اور اس کا ہونے والا جیون ساتھی تھا۔

''وہ لڑکی؟.....'' جہاں راشد کا بے باک قہقہہ فضا میں بلند ہوا، وہاں کچھ دیر کے لئے
کا دل دھڑکنا بھول گیا۔ اسے یقین تھا کہ وہ لڑکی نازو ہی ہے۔ اس کی رگوں میں خون
لگا۔

’’یار راحیلہ، تمہارے ان شکوک سے اندازہ ہوتا ہے کہ تم مجھے کتنا چاہتی ہو۔‘‘

’’یہ بھی دل کی مجبوری ہے۔ کاش یہ دل انسان کے اختیار میں ہوتا۔‘‘ راحیلہ شاکی سے لہجے میں بولی۔ وہ اُس کا فرسٹ کزن تھا، بچپن سے منسوب تھا اور اسی حوالے سے وہ اسے چاہتی تھی۔ مگر راشد نے ہمیشہ اس کا مذاق اڑایا تھا، اسے کبھی قابل اعتنا نہیں سمجھا تھا مگر اب وہ مجبور تھی والدین کی وجہ سے جو اسی کے ساتھ شادی کے لئے اصرار کر رہے تھے۔

’’اوہ، راحی ڈیئر! تمہارے ہوتے ہوئے کوئی اور لڑکی؟ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میرے کمرے میں تمہارے علاوہ کوئی لڑکی، ناممکن۔ میں تو محض تمہیں تنگ کرنے کے لئے کہہ رہا تھا۔ چاہو تو ابھی چلو، دیکھ لو۔‘‘

وہ راحیلہ کے سامنے اپنی صفائی پیش کر رہا تھا مگر سر تسلیم ہو گیا۔ کھڑکی اس کے ہاتھ سے گر گئی۔ وہ ایک بار پھر اندھیروں میں گم ہو گیا۔ نازو کے ملنے کی ایک کرن جو روشن ہوئی تھی وہ مٹ گئی تو دور تک اندھیرے ہی پھیل گئے۔ پھر جانے وہ کیا باتیں کرتے رہے۔ وہ سر جھکائے اپنا کام کرتا رہا۔ اسے تو یہ بدنیت آدمی راحیلہ کے قابل بھی نہیں لگتا تھا مگر وہ کیا کر سکتا تھا۔

’’اب پپا سے ملو گے کہ یہیں کہانیاں بنا کر چلے جاؤ گے؟‘‘

’’چلو یار، ملتے ہیں۔ ڈانٹ کیوں رہی ہو؟ چلو۔‘‘

پھر وہ راحیلہ کے ساتھ اندر آ گیا۔ عبدالرحمٰن صاحب آج کل شدید بیمار تھے اور چاہتے تھے کہ اپنے سامنے اپنی ذمہ داریاں راشد کو سونپ جائیں۔

’’السلام علیکم انکل، اب کیسی طبیعت ہے؟‘‘ وہ آ کر ان کے قریب بیٹھ گیا۔

’’وعلیکم السلام بیٹے، جیتے رہو۔ اب حال احوال کیا پوچھتے ہو بیٹا، جب کشتی ڈوبنے والی ہو تو بوجھ اتارا کرتے ہیں۔‘‘ انکل نے سینے پر ہاتھ رکھ کر بمشکل کہا۔

’’جی انکل، میں سمجھا نہیں؟‘‘ وہ سمجھتے ہوئے بھی لاپرواہی سے بولا۔

’’بیٹا! سمجھ لیتے تو آج ان کی یہ حالت تو نہ ہوتی۔ دیکھو بیٹا، ساری صورت حال تمہارے سامنے ہے۔ تمہارے اپنے والدین بھی شادی کے لئے کہہ چکے ہیں مگر نجانے تم کن چکروں میں ہو۔‘‘ راحیلہ کی ممی راشد کا ہاتھ پکڑ کر دوسرے کمرے میں لے آئیں اور سمجھانے لگیں اور وہ چیونگم چباتا ہوا لاپرواہی سے سنتا رہا۔ اسے ایک تو راحیلہ سے کوئی لگاؤ نہیں تھا، دوسرے وہ جانتا تھا کہ کہیں اور نہیں جا سکتی تھی، گھر کی مرغی ہے اس لئے اسے اس کی قدر ہی نہ تھی۔ سچی بات تو یہ تھی کہ وہ ابھی شادی کی ذمہ داری لادنا ہی نہیں چاہتا تھا مگر اب صورت



حال خاصی سیریس ہو گئی تھی اور وہ جانتا تھا کہ راحیلہ اس کی فرسٹ کزن ہے، اس کے بارے میں سب کچھ جانتی ہے اور اسے اس کی حرکتوں سے منع بھی کرتی تھی۔

’’کیا سوچ رہے ہو بیٹا؟ اب سوچنے کا بالکل بھی وقت نہیں ہے۔‘‘

’’ٹھیک ہے آنٹی، آپ اور مما پپا مل کر جو چاہیں پروگرام بنا لیں۔ میں تیار ہوں۔ مگر....‘‘ یہ کہہ کر اُس نے خونخوار نظروں سے ایک طرف کھڑی راحیلہ کو گھورا جو اس وقت بہت ذلت محسوس کر رہی تھی۔

’’مگر کیا بیٹے؟‘‘ آنٹی اس کی ہر شرط ماننے کے لئے تیار تھیں۔

’’مگر یہ کہ آنٹی آپ اپنی بیٹی کو یہ سمجھا دیجئے گا کہ اسے میرے ساتھ رہنا ہے تو میرے ساتھ میری ہر اچھائی برائی کو قبول کرنا ہو گا۔ یہ نہ ہو کہ بیوی بن کر یہ میری مشغولیات میں مداخلت کرتی پھرے۔‘‘ وہ چیونگم چباتا ہوا بڑی اکڑ اور دھونس سے اپنی ہر بات منوا رہا تھا تو ایسے میں راحیلہ کا دل چاہا اس کے منہ پر تھپڑ مار کر اسے ریجیکٹ کر دے۔ مگر وہ اپنے والدین کی طرح مجبور تھی۔ چپ چاپ کھڑی رہی۔

’’کیوں بیٹا، یہ کیوں تمہاری کسی بات میں دخل دینے لگی۔ میری بیٹی بہت اچھی لڑکی ہے، والدین کی فرمانبردار ہے تو شوہر کی بھی فرمانبردار اور وفا شعار بیوی ثابت ہو گی۔ ہے ناں بیٹا!‘‘ ماں نے بڑے مان سے راحیلہ کو دیکھا تو ٹیسوں کو دباتے ہوئے اس نے ماں کا ہاتھ چوم لیا۔

’’انشاء اللہ ممی، آپ کو میری ذات سے کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ شکایت ہو گی۔‘‘

’’او کے! تو پھر آنٹی آپ سب لوگ بیٹھ جائیں اور کر دیں جو فیصلہ کرنا ہے۔‘‘ راحیلہ کی بات سے مطمئن ہو کر راشد نے اپنی رضامندی دے دی تو عذرا بیگم جلدی سے شوہر کے پاس آ گئیں۔

’’اجی مبارک ہو، راشد شادی کے لئے تیار ہے۔ کہہ رہا ہے آپ لوگ بزرگ ہیں، جو تاریخ رکھ دیں۔ اب آپ بتائیں؟‘‘

’’اچھا، سچ کہہ رہی ہو ناں؟ کہیں مجھ قریب المرگ بندے کو طفل تسلی تو نہیں دے رہیں؟‘‘ عبدالرحمٰن سینے پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئے۔ بے یقینی ابھی بھی چہرے کا احاطہ کئے ہوئے تھی۔

’’انکل! مجھے نہیں معلوم تھا آپ مجھے اتنا نالائق اور ناخلف سمجھتے ہیں۔ ارے واہ، حد ہو گئی۔‘‘ راشد مصنوعی خفگی لئے ان کے قریب آ کر بولا تو عبدالرحمٰن نے اسے ساتھ لگا لیا۔

''ارے نہیں بیٹا، مجھے یقین نہیں آ رہا ناں اس لئے۔ جیتے رہو بیٹا، جیتے رہو۔ خدا تمہیں بے شمار خوشیاں دے۔ میری بیٹی تو گلاب کا پھول ہے۔ تمہاری زندگی کو خوبصورت اور رنگین بھی بنائے گی اور مہکائے گی بھی۔ جیتے رہو، میں بہت خوش ہوں۔'' عبدالرحمٰن دونوں کو ساتھ لگائے پیار کر رہے تھے اور راحیلہ سوچ رہی تھی کاش راشد کے یہ ڈائیلاگ سچ پر مبنی ہوتے۔

''اچھا انکل، اب اجازت ہے ناں؟ اب آپ بزرگوں کا کام ہے، ہمارا کام ختم۔ کیوں راحیلہ؟''

''جیتے رہو، خوش رہو، آباد رہو بیٹا۔'' عبدالرحمٰن کو یوں لگ رہا تھا جیسے کچھ دیر قبل جو آگ دہک رہی تھی چاروں طرف اب ٹھنڈی ٹھنڈی پھوار پڑنے لگی ہو۔ دونوں بہت خوش تھے۔

''ماشاء اللہ جوڑی تو چاند سورج کی لگتی ہے۔''

''ماشاء اللہ...... ماشاء اللہ!'' ماں باپ ان کی نظریں اتار رہے تھے۔

''اوکے اب تو اجازت ہے ناں، اب تو خوش ہو ناں شادی ہو رہی ہے تمہاری میرے ساتھ۔'' وہ انتہائی کم ظرفی سے ایک ایک لفظ چبا کر اور جتا کر کہہ رہا تھا اور والدین کی محبت اور مجبوریوں سے مجبور راحیلہ اسے کچھ بھی نہ کہہ سکی، سوائے سرد آہ بھرنے کے۔

''اوکے بائے۔'' وہ اُس کے لطیف احساسات کو اپنی خود غرضی سے مسلتا ہوا گیٹ کی طرف بڑھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی راحیلہ گیٹ تک آ گئی۔

''بہت چپ ہو، کیا بات ہے۔ ویسے ایک بڑا ہی زبردست سرپرائز ہے میرے پاس تمہارے لئے۔'' وہ بے باکی سے اس کی طرف جھکا تو وہ جلدی سے پیچھے ہٹ گئی۔

''اچھا۔'' اُس نے مُردہ دلی سے کہا۔

''کیوں، دیکھنے کا شوق نہیں؟ کہو تو ابھی دکھا دوں؟'' وہ بہت کمینہ ہو رہا تھا۔

''سلیم، وہ سامنے کیاری میں کھاد ڈال دینا، بیل بالکل سوکھ گئی ہے۔ یہ رفیق تو بس۔'' وہ اس کی بات کو اگنور کر کے سلیم سے بولی تو جاتے جاتے چونک کر راشد پلٹا۔

''سلیم...... کہیں یہ وہی سلیم تو نہیں، ہمارا رقیب روسیاہ، سلیم نازو کا؟'' چونکہ بھید رکھنا اب دُشوار تھا۔ راحیلہ نے فرار ہونے کی کوشش بھی نہیں کی اور اثبات میں سر ہلا دیا۔

''اوہو مگر یہ یہاں کیسے؟'' وہ اب جانے کا ارادہ ترک کر کے دلچسپی سے سلیم کو دیکھ رہا تھا جو ان سے کافی دور کیاری میں پانی دے رہا تھا۔

''ظاہر ہے، ملازمت کی ضرورت تھی۔ ہمارے ہاں مالی کی جاب تھی، میں نے رکھ لیا۔'' راحیلہ نے رُوکھے سے انداز میں کہا تو راشد کا بے باک معنی خیز قہقہہ سلیم کو پلٹ کر دیکھنے پر مجبور کر گیا۔ تاہم وہ اپنا کام کرتا رہا۔



''اچھا، یہ مالی کا کام جانتا ہے۔ تو ایسا کرو ابھی اسے میرے ساتھ جانے دو، ہمارا لان بالکل خراب ہو رہا ہے۔ میرا مالی تو اب بڈھا کھوسٹ ہو گیا ہے۔ یہ نوجوان ہے، ایک بار سیٹ کر دے لان کو۔''

راحیلہ بھی سمجھ گئی تھی کہ وہ اسے اپنے گھر کیوں لے جانا چاہتا ہے اور سلیم کی شرافت اور اچھائی کی وجہ سے وہ اس کی بہت عزت کرتی تھی۔

''لیکن راشد، میں اسے ملازم رکھ چکی ہوں۔''

''اچھا جی، اب ہم میں تم میں فرق ہو گا۔ محترمہ، یہ لان ہو یا وہ لان، تمہارے گھر کے لان میں یہ اگر یہاں تمہارا ملازم ہے تو وہاں بھی تمہارا ہی ہے، رائٹ؟ یوں بھی مجھے چند دنوں کے لئے چاہئے۔'' راشد بہت مکار آدمی تھا، خوب اچھی طرح جانتا تھا اور راحیلہ سے ہر بات منوالیا کرتا تھا۔

''ٹھیک ہے، لے جاؤ۔ سلیم!'' راحیلہ نے ہارے ہوئے لہجے میں کہہ کر سلیم کو آواز دی تو وہ پائپ گھاس پر رکھ کر مفلر اچھی طرح لپیٹ کر آ گیا۔

''جی بی بی جی؟'' سلیم نے ایک تیز نگاہ راشد پر ڈالی جو ہونٹوں پر مکروہ مسکراہٹ لئے بڑے غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی عقبی نظروں میں عجیب سی چمک تھی۔

''ہاں سلیم، ایسا کرو راشد صاحب کے ساتھ چلے جاؤ۔ ان کے لان میں تھوڑا سا کام ہے وہ دیکھ لو۔''

سلیم اندر سے خوش ہو گیا کہ اسی بہانے اسے نازو کی کوئی تو خبر ملے گی اور راشد کھولتے دل کے ساتھ سلیم سے سارے حساب بے باک کرنے کا سوچ رہا تھا۔ یہ وہی سلیم تھا جب بھی وہ نازو کی طرف بڑھا وہ درمیان میں آ گیا، اس کی انسلٹ کی۔ اور آج تو اسے موقع ملا تھا اپنی گزشتہ بے عزتیوں کا بدلہ لینے کا۔

''کیوں بھئی، کیا ارادہ ہے؟''

''چلیں جی، نوکر کے بھلا کیا ارادے ہو سکتے ہیں۔ چلئے، کہاں چلنا ہے؟''

''ہوں، گڈ۔ چلو۔'' اُس کی بات پر راشد معنی خیزی سے مسکرایا پھر آگے بڑھا۔

''سردی تو اتنی شدید ہے نہیں، پھر تم نے مفلر کیوں اس طرح لپیٹ رکھا ہے؟'' راشد چاہتا تھا کہ وہ اس کے سامنے بے نقاب ہو تو وہ اسے دل بھر کے ذلیل کرے۔

''جی سردی کی وجہ سے نہیں، میرے کان میں تکلیف ہے۔ اس وجہ سے میں نے مفلر

یوں لپیٹ رکھا ہے۔"

"میرے خیال میں تمہیں اتنی بھی تکلیف نہیں کہ مفلر کو یوں چپکا رکھا ہے۔ اتار دو اسے۔"

پھر راشد نے ہاتھ بڑھا کر خود ہی اس کا مفلر کھینچ کر اتار دیا تو سلیم کھول کر رہ گیا۔ مگر مصلحت کا یہ تقاضا تھا کہ سب کچھ برداشت کئے جاؤ اس لئے وہ چپ رہا۔

"ارے یار، تم تو وہی سلیم ہو، نازو کے عاشق اور ہمارے رقیب روسیاہ۔ اور سناؤ یار، کیسے ہو؟ ارے بھئی اب تو میں تمہیں مستقل اپنا ملازم رکھوں گا۔ بولو، میرے ہاں ملازمت کرو گے ناں؟"

اس کی آنکھوں کی چمک، اس کے ہونٹوں کی مکروہ مسکراہٹ، اس کی باتیں تو اس بات کی متقاضی تھیں کہ وہ اسے قتل کر دیتا مگر وہ ابھی جذباتی ہونا نہیں چاہتا تھا۔

"جی....." سلیم نے مختصراً کہا۔

"ہوں، گڈ۔ اور ہاں سنو، وہ تمہاری نازو کا کیا حال ہے؟ کہاں ہے وہ آج کل؟ کافی عرصے سے دیدار نہیں ہوا اس کا۔" سلیم سمجھ رہا تھا وہ جان بوجھ کر اس کے زخموں پر نمک پاشی کر رہا ہے۔

"جی صاحب، مجھے کچھ معلوم نہیں۔" وہ بہت ضبط کر رہا تھا۔

"ہائیں، معلوم نہیں؟ لو کیسے پہریدار ہو کہ تمہیں معلوم نہیں کہ تمہاری محبوبہ تین روز سے غائب ہے؟" وہ مکروہ ہنسی کے ساتھ بول رہا تھا۔

"جی مجھے کچھ معلوم نہیں۔" اس نے اپنا جواب دہرا دیا۔ اب وہ اسے کیسے بتاتا کہ اس کی ایک ایک سانس نازو کی متلاشی ہے اور اس کی تلاش میں تو وہ کھو جانے کی تمنا لئے گھر سے نکلا ہے۔"

"کیوں معلوم نہیں، تم تو اس کے پہریدار ہو، عاشق ہو۔ ہو کہ نہیں؟" وہ اسے بار بار تنگ کر رہا تھا۔

"عشق بہت اونچی منزل ہے صاحب۔ اور میں نازو سے عشق کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔" وہ سچائی سے کہہ رہا تھا۔ راشد قہقہہ لگا کر ہنسا۔

"چلو عشق نہ سہی، وہ تمہیں اچھی تو لگتی ہے ناں؟"

"پھول کسے اچھا نہیں لگتا صاحب۔ یا شمع کی روشنی کسے عزیز نہیں؟" اس کی گہری باتوں پر راشد کا قہقہہ گاڑی کی فضا میں گونج گیا۔ وہ کتنی ہی دیر ہنستا رہا۔

"واہ یار سلیم، تم نے تو کمال کر دیا۔ لیکن اگر وہی پھول کسی کالر میں مہک رہا ہو اور وہی



شمع کسی اور کی زندگی کو منور کر رہی ہو تو؟"

وہ ہر بات پر مجبور کر رہا تھا کہ وہ ضبط کا دامن چھوڑ دے۔ مگر سلیم ڈٹا رہا۔ وہ ضبط کی سرحدوں پر ہتھیار ڈال کر اپنے ہی قدم کمزور نہیں کرنا چاہتا تھا اس لئے باہر دیکھتا ہوا آہستگی سے بولا۔

"پھر تو صاحب، یہ بات تو نصیبوں کی ہے، کوئی کیا کر سکتا ہے؟"

"خیر اتنا تو تمہیں معلوم ہے کہ نازو گھر پر نہیں، غائب ہے۔ کہیں کسی کے ساتھ بھاگ تو....."

"صاحب پلیز، ایسی زبان استعمال نہ کریں۔ نازو بہت باکردار لڑکی ہے۔" وہ بہت ضبط کر کے بولا تو وہ اسے دیکھنے لگا۔

"تو پھر کیوں نہیں کی اس کے کردار کی حفاظت تم نے؟"

"اس کا نگہبان اللہ ہے صاحب، میں اس کی کیا حفاظت کر سکتا ہوں۔"

"دیکھو سلیم، میں جانتا ہوں کہ تم نازو کی تلاش میں راحیلہ کے گھر تک آ گئے ہو۔ کیوں ......کیوں آئے ہو تم راحیلہ کے گھر؟ یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ میرا ہونے والا سسرال ہے۔ کیوں؟" غصے میں راشد نے زور سے بریک لگائے کہ سلیم کا سر دروازے سے ٹکرایا۔ اب وہ کیسے کہہ دیتا کہ اسے شبہ ہی نہیں یقین ہے کہ نازو کو اس نے اغوا کیا ہے مگر فی الحال وہ اپنی کمزوری ظاہر کرنا نہیں چاہتا تھا۔

"کاش...... کاش میں راحیلہ بی بی کو منع کر سکوں کہ تم جیسے شیطان آدمی کے ساتھ شادی ہرگز نہ کرے ورنہ تمام عمر پچھتائے گی۔"

مگر وہ یہ بات صرف سوچ کر رہ گیا اور اس وقت چونکا جب وہ راشد کے ساتھ سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔

"آپ نے تو کہا تھا لان میں کام ہے۔" سلیم اب خوفزدہ ہونے لگا تھا۔ راشد اس کی بات پر پلٹا اور اسے گھورنے لگا۔

"تم ملازم بن کر آئے ہو اور نوکر کا کام مالک کا حکم ماننا ہوتا ہے۔ سمجھے؟" وہ سخت لہجے میں بولتا ہوا مزید سیڑھیاں چڑھنے لگا اور وہ حکم کی تعمیل میں پیچھے آتا رہا۔ اس کا دل انجانے خدشات سے دھڑکنے لگا تھا۔ نجانے وہ کرپٹ آدمی اس سے کیا کام لینے جا رہا تھا۔

"سلیم میاں! سرپرائز جانتے ہو کس کو کہتے ہیں؟" وہ پلٹ پلٹ کر تیر چلا رہا تھا۔ وہ پہلے حملے سے سنبھلنے نہیں پاتا تھا کہ دوسرا حملہ کر دیتا۔

"جی!" اُس نے آہستگی سے کہا تو وہ قہقہہ لگا کر ہنسنے لگا۔

"شکر ہے، کچھ تو جانتے ہو نازو کو چاہنے کے اور اس کی پہریداری کے علاوہ۔ خیر آؤ، آج میں تمہیں ایسا سرپرائز دوں گا کہ تمام عمر یاد کرو گے۔ کم آن۔"

وہ اپنے دروازے کے سامنے آ کھڑا ہو گیا۔ سلیم کا دل عجیب سے خوف سے لرزاں تھا۔

☆☆☆

"میرے پروردگار، تو جانتا ہے، تو دیکھ رہا ہے میں کس قدر مجبور اور تنہا ہوں۔ یا اللہ، مجھے اس شیطان سے بچا لے، کسی طرح مجھے اس خبیث آدمی کی قید سے رہائی دلا دے۔ یا اللہ میری ماں تو مر جائے گی۔ نجانے اب کس حال میں ہوں گی امی۔"

نازو خدا کے حضور سجدے میں گڑگڑا کر دعائیں کر رہی تھی۔ تب ہی راشد کی مخصوص دستک پر اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ مارے خوف کے حلق خشک ہو گیا۔

"کک...... کک...... کون؟" نازو کی خوف میں لپٹی آواز سلیم کے دل میں اتر گئی۔ اس کے اندر تک سناٹا چھا گیا۔

"نازو راشد کے کمرے میں ہے۔" پھر ایک دم اس کے بدن سے شعلے نکلنے لگے مگر اس نے خود کو سمجھایا کہ یہ وقت ہوش کا ہے، جوش کا نہیں۔"

"ارے بھئی دروازہ کھولو، بڑا زبردست سرپرائز ہے تمہارے لئے۔"

اُس نے دوپٹے کو اچھی طرح اپنے گرد لپیٹا اور آہستگی سے دروازہ کھولا تو سلیم کو راشد کے ساتھ دیکھ کر حیرت اور خوشی سے وہ گنگ ہو کر رہ گئی۔

"سس...... سس......"

"سلیم! اس کا نام سلیم ہے۔ کہو کیسا سرپرائز ہے؟"

وہ ان دونوں کی بے بسی سے پورا فائدہ اٹھا رہا تھا۔ سلیم کی رگوں میں کھولتا خون راشد کو اسی وقت مار دینا چاہتا تھا، چار دن ایک شیطان صفت آدمی کی قید میں نازو کے چہرے پر پھیلی پاکیزہ چاندنی اُس کی پاکدامنی کی گواہی دے رہی تھی۔ دونوں بے بسی سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے مگر اب نازو کے چہرے پر خوف کی بجائے سکون اور اطمینان کی روشنی تھی۔ اللہ نے اس کی دُعائیں سن لی تھیں، تبھی تو سلیم کو بھیج دیا تھا اور یہ بات راشد نے نوٹ کر لی تھی۔ اسی لئے وہ بے باکی سے نازو کی طرف بڑھا۔ وہ ایک دم پیچھے ہٹ گئی۔ سلیم مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا۔

"محبوب جس کا بچھڑے یہ درد وہی جانے۔ ارے بھئی ہم جیسے کیا جانیں جو گلشن کی جس



کلی کو چاہیں اپنے کالر میں سجا لیتے ہیں۔ یار سلیم، یہ...... یہ جو تمہاری محبوبہ ہے ناں، بڑا تنگ کر رہی ہے۔ سمجھاؤ اسے ایسا نہ کرے۔ پیار بھرے دل کو توڑنا بہت بری بات ہوتی ہے۔ سمجھاؤ اسے۔"

راشد نے گریبان سے پکڑ کر سلیم کو قالین پر گرایا تو اس کی پیشانی میز کے کونے سے جا ٹکرائی ایک دم خون بہنے لگا۔ نازو تڑپ کر آگے بڑھی مگر راشد درمیان میں آ گیا۔

"خبردار جو ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو۔ بڑی تڑپ ہے محبوب کی۔ ارے یہ وہی سلیم ہے ناں جس نے تمہارے گھر پر بارہا میری انسلٹ کی، تم تک پہنچنے میں رکاوٹ بنا رہا۔ دیکھو سلیم، یہ وہی تمہاری نازو ہے جس کی طرف تم مجھے آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھنے دیتے تھے۔ آج میرے بیڈ روم میں ہے، کیوں مان گئے ناں؟" راشد نے اٹھتے ہوئے سلیم کو لات مار کر پھر دیوار کے ساتھ دے مارا۔ نازو تڑپ کر رہ گئی۔

"جانِ من، اتنا ہمارے لئے تڑپی ہوتیں تو آج یہ سچویشن نہ ہوتی۔" راشد نے بے باکی سے اس کا دوپٹہ کھینچا تو وہ چیخ پڑی۔

"راشد صاحب، آپ معاہدے کی خلاف ورزی کر رہے ہیں، میں نے آپ سے نکاح کا کہا ہے پھر آپ یہ بات کیوں بھول جاتے ہیں؟" نازو نے سخت لہجے میں کہتے ہوئے اپنا دوپٹہ اس زور سے کھینچا کہ وہ گرتے گرتے بچا۔ پھر راشد کے قہقہے کمرے کی فضا کو آلودہ کرنے لگے۔

"نکاح...... ہا، ہا، ہا...... دیکھا تم نے سلیم میاں، تمہاری محبوبہ مجھ سے نکاح کرنا چاہتی ہے۔ ذرا ایک بار اپنے سلیم کو اپنے منہ سے بتا دو نازو کہ تم مجھ سے نکاح کرنا چاہتی ہو۔"

راشد کم ظرفی کی پستیوں میں اتنا گر چکا تھا کہ اسے اپنا وجود بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ دونوں کو مسلسل کانٹوں پر گھسیٹ رہا تھا۔ سلیم نازو کو چاہتا تھا، اسے اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ اس کی مضبوطیاں اس کے چہرے پر عیاں ہیں۔

"ارے بھئی کہئے ناں نازو بیگم، آج تو آپ ہماری دلہن بن ہی جائیں گی۔ بتائیے اپنے ناکام عاشق کو کہ تم مجھ سے نکاح کرنا چاہتی ہو۔"

"ہاں، ہاں! میں تم سے نکاح کرنا چاہتی ہوں۔" نازو چیخ پڑی تو سلیم نے شدتِ ضبط سے آنکھیں بند کر لیں، مٹھیاں زور سے بند کیں۔ اوپر سے راشد کے خبیث قہقہے دونوں کو کھولائے دے رہے تھے مگر دونوں نے اپنے اپنے دل میں اللہ کی مدد مانگی اور پُرسکون رہے۔

"دیکھا، اس کو کہتے ہیں طاقت اور دولت۔ یہ چیزیں پاس ہوں تو بڑی بڑی نازو قابو میں

آ جاتی ہے۔ کیوں سلیم، مانتے ہوں ناں، یہ وہی نازو ہے کہ نہیں جو کبھی میرے منہ پر تھوکا کرتی تھی، تھپڑ مارا کرتی تھی، آج اپنے منہ سے کہہ رہی ہے مجھ سے نکاح کر لو۔ پوچھو ناں اس سے کیوں ایسی بات کیا ہوگئی ہے کہ یہ نکاح کر رہی ہے۔ پوچھو...... پوچھو ناں۔''

راشد اس وقت بالکل جنونی دیوانہ لگ رہا تھا۔ اس نے سلیم کو زور سے دھکا دیا تو وہ نازو کے قدموں میں جا گرا۔ وہ اس پر جھکی۔

''دیکھو نازو، کچھ بھی ہو جائے نکاح نہ کرنا۔ میں انشاء اللہ تمہیں یہاں سے لے جاؤں گا۔ نازو، مضبوط رہنا، اللہ تمہارا نگہبان ہے۔'' سلیم نے اس کا پاؤں دبا کر آہستگی سے کہا۔ اس سے پہلے کہ نازو کچھ کہتی، راشد نے اسے شانوں سے پکڑ کر پیچھے کر لیا۔

''محبوب قدم بوسی کر رہا ہے تو کرنے دو جانِ من، تم کیوں جھک رہی ہو۔ چلو ہمارے نکاح کا ایک گواہ تو سلیم ہو گیا۔ اور دوسرا؟''

''راشد! پپا کی حالت بگڑ گئی ہے اور......'' راحیلہ جو پاپا کو ہسپتال میں ایڈمٹ کر کے راشد کی طرف آئی تھی، اندر کا منظر دیکھ کر وہ ششدر رہ گئی۔ کبھی سلیم کو دیکھ رہی تھی تو کبھی راشد کو۔ نازو پر آ کر تو نظریں ٹھہر گئیں۔ اتنے سالوں کی بے لوث دوستی آج یوں رُسوا ہو رہی تھی۔ کتنے شکوے تھے اس نظر میں۔ نازو سپاٹ چہرہ لئے اسے دیکھے گئی۔ راحیلہ نے اس کی دوستی اور کردار پر شک کر کے اسے اپنی نظروں میں گرا دیا تھا اس لئے وہ اس سے شدید ناراض تھی۔ وہ دوستی میں کسی قسم کی صفائی دینا دوستی کی کمزوری سمجھتی تھی، اسی لئے خاموش تھی۔ البتہ راشد راحیلہ کی اچانک آمد پر کچھ دیر کے لئے سن ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ راحیلہ کے ذریعے حاصل ہونے والی دولت اور جائیداد سے دستبردار بھی نہیں ہونا چاہتا تھا۔

''دیکھا تم نے، دیکھ لیا ناں اپنی پارسا دوست کو جس پر تمہیں بڑا ناز تھا کہ میری دوست ایسی نہیں ہوسکتی۔ آج...... آج یہ تمہاری دوست محض دولت کے لالچ میں خود بھاگ کر آ گئی ہے مجھ سے شادی کرنے کے لئے۔ ارے اس کی تو ایک عرصے سے مجھ پر نظر تھی۔ وہ تو میں لفٹ نہیں دیتا تھا۔ پھر اس نے لو لیٹر لکھے، اپنی تصویر دی۔ یہ دیکھو راحیلہ اور سلیم صاحب، آپ بھی دیکھئے۔''

جنونی انداز میں بولتے راشد نے جیب سے نازو کی وہی تصویر پہلے راحیلہ کو پھر سلیم کو دکھائی۔ سلیم نے آنکھیں بند کر لیں۔ نازو میں جانے اتنی برداشت کہاں سے آ گئی تھی کہ وہ بت بنی، بے حسی سے سن بھی رہی تھی اور دیکھ بھی رہی تھی گویا اس کے بارے میں نہیں کسی اور کے بارے میں بات ہو رہی ہو۔ جب کہ راحیلہ غم و غصے سے اسے دیکھ رہی تھی۔



''نازو! بتاؤ ناں اپنی دوست کو کہ تم مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہو۔ بولو اب کیوں سانپ سونگھ گیا ہے؟'' راشد انتہائی کمینگی پر اُترا ہوا تھا۔ وہ راحیلہ کے سامنے خود کو بے قصور ثابت کرنا چاہتا تھا۔

''کیوں راشد صاحب، مجھے سانپ کیوں سونگھنے لگا۔ میں نے تو دوستی میں شک و شبہ اور بے اعتمادی کی زبردست چوٹ کھائی ہے۔ اب ہی تو موقع آیا ہے ثبوت پیش کرنے کا۔ راشد تم ہی تو کہہ رہے تھے ناں کہ دوسرا گواہ کون ہوگا تو راحیلہ خود بخود آ گئی بغیر دعوت کے۔ تو راحیلہ بیگم، جیسا کہ آپ کے کزن اور ہونے والے شوہر نے کہا میں راشد سے شادی کرنا چاہتی ہوں سمجھیں آپ۔ اور...... اور یہ جو تصویر ہے ناں، میں نے خود دی تھی راشد کو، سن رہی ہو ناں تم راحیلہ عبدالرحمٰن، میں نے دی تھی۔ اور میں مری جا رہی ہوں راشد کے ساتھ شادی کے لئے...... اور......''

''شٹ اپ، بکواس بند کرو نازو، اتنا مت گرو کہ میں خاک میں تمہیں تلاش ہی کرتی رہ جاؤں۔ تم ایسی ہو، خدا کی قسم مجھے اب بھی یقین نہیں آ رہا۔ کہہ دو نازو یہ جھوٹ ہے۔ میں مان ہی نہیں سکتی کہ یہ تم ہو۔ نہیں، یہ تم نہیں ہو، میں جانتی ہوں تم...... تم ایسی نہیں ہو۔''

راحیلہ نے نازو سے دوستی ہی نہیں، محبت بھی کی تھی۔ وہ نازو کو جانتی تھی اسی لئے تو اب اس کے منہ سے سن لینے کے باوجود اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس کا ہاتھ اٹھا اور نازو کا چہرہ رخ کر گیا تو نازو رونے لگی۔ مگر یہ آنسو خوشی اور سکون کے تھے کہ راحیلہ اب بھی اس پر یقین رکھتی تھی، اسے اچھا سمجھتی تھی۔ ایک عرصے سے جو آگ سی لگی ہوئی تھی گویا اس تھپڑ سے بجھ گئی۔

''اور، ایک اور...... بلکہ ایسے پُریقین تھپڑ مارے جاؤ راحیلہ، اتنے مارو کہ میری تمہاری دوستی کا وہی یقین، وہی اعتماد لوٹ آئے۔ ہم پھر سے نازو اور راحیلہ بن جائیں۔ اور مارو، نازو ایسے ہی اعتماد اور یقین سے بھرپور تھپڑ مارے جاؤ۔ خدا کی قسم کتنے دنوں کے بعد تو سکون ملا ہے۔ تمہیں اب بھی مجھ پر یقین ہے۔ میرے منہ سے اتنی بکواس سن لینے کے باوجود تم یقین کا چپو لئے کھڑی ہو۔ میری دوستی کی ناؤ کو کنارے لگانا چاہتی ہو۔''

''ہاں، ہاں نازو! خدا کی قسم مجھے اب بھی یقین ہے کہ نہ تو یہ تصویر تم نے راشد کو دی ہے نہ ہی تم اس سے شادی کرنا چاہتی ہو۔ اور اب بھی یہ ذلیل آدمی تمہیں اغوا کر کے لایا ہے، زبردستی تم سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ نازو، میں جان گئی ہوں میری دوست، تم بے قصور ہو۔''

راحیلہ کو راشد کے ایک بندے نے سب بتا دیا تھا مگر وہ پپا کی بیماری کی وجہ سے کچھ بھی

نہیں کر پا رہی تھی مگر آج وہ فیصلہ کر کے آئی تھی۔ اسے چھوڑ دینے کا فیصلہ کر کے آئی تھی۔ مگر نازو نے اسے غلط سمجھا تو وہ بھی راشد اور سلیم کو حقیقت سمجھانے کی غرض سے بات کر گئی مگر اب ان کی دوستی راشد کی پھیلائی ہوئی دُھند سے آزاد اور نکھری فضا میں کھڑی تھی جیسے گھنے بادلوں کے بعد بارش ہوئی ہو اور ساری فضا نکھر گئی ہو۔

''بے قصور ہو تو دُور کیوں کھڑی ہو؟ گلے سے لگا کیوں نہیں لیتیں راحیلہ؟ ارے ظالم، بہت رلایا، بہت تڑپایا ہے تو نے راحیلہ، میری دوست، میری جان!''

راحیلہ اور نازو گلے لگی روئے جا رہی تھیں۔ سلیم کی آنکھوں میں بھی خوشی کے آنسو تھے جبکہ راشد نادم اور اپنی حرکتوں پر شرمندہ ہوتے، راز فاش ہونے پر معذرت کی راہ تلاش کرنے کی بجائے اب چالاکی اور عیاری کی نئی راہوں کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ نازو ہاتھ سے نکل ہی گئی ہے۔ راحیلہ بھی اختیار میں نظر نہیں آ رہی تھی۔ اور وہ تینوں بھی اب سوچ رہے تھے اب کیا کرنا ہے۔

☆☆☆

''نازو...... نازو!'' حمیدہ بیگم نے چار دن سے کچھ کھایا پیا نہیں تھا۔ اب تو ان کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ وہ سب بہت پریشان تھے۔ کسی ڈاکٹر کو دکھا نہیں سکتے تھے۔

''حمیدہ بہن، کچھ کھا پی لو خدا کے لئے، ورنہ مر جاؤ گی۔''

''ارے مر جانے دو مجھے۔ میں کب جینا چاہتی ہوں۔ جس زندگی میں میری نازو نہیں، وہ زندگی لے کر کیا کروں گی؟ مجھے کچھ نہیں کھانا۔ لے جاؤ۔'' حمیدہ نے ہاتھ مار کر دلیے والا پیالہ گرا دیا۔ کشور نے شوہر کی طرف دیکھا۔

''اللہ تعالیٰ ان ماں بیٹی پر رحم کرے۔ ہم کیا کریں، ہماری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔''

''ہاں، سب کو ان ماں بیٹی کی پڑی ہے اور ان کی وجہ سے جو سلیم گھر سے بے گھر ہو گیا ہے، نجانے کہاں کہاں کی خاک چھانتا پھر رہا ہے، اس کی تو کسی کو پرواہ نہیں۔'' زیبو باقاعدہ رو دی تو کشور نے اسے زور سے چٹکی بھری۔

''بے غیرت، عشق کی ماری، شرم نہیں آتی باپ کے سامنے ایسی بکواس کر رہی ہے۔ اور پھر ان معصوم ماں بیٹی کا ہمارے سوا ہے ہی کون۔''

''اور اماں کوئی یہ نہیں جانتا کہ سلیم کے سوا میرا کون ہے اس دنیا میں۔'' وہ سلیم سے ٹوٹ کر پیار کرتی تھی۔ اتنے دن سلیم کبھی گھر سے باہر نہیں رہا تھا۔ اب نکلا تو بے ساختہ ہی ان کے منہ سے نکلا۔ ابا ٹوپی اٹھا کر نماز کے لئے چلے گئے۔ وہ شرمندہ ہو کر اماں کی بے نقط



سنتی رہیں۔

''بے شرم، باپ کا کوئی لحاظ نہیں تجھے، سلیم تیرے چاچا کا لڑکا ہی ہے ناں بس۔''

''بس اماں، مگر شکر ہے سلیم میرے چاچا کا لڑکا ہے۔ مگر اماں، جو میرے اور سلیم کے درمیان ہے ناں، قسم سے میرے جیون کا رشتہ ہے۔ مگر اماں تو نے تو ساری عمر اپنے اس سانڈ بیٹے ہی کو چاہا ہے۔ تجھے کیا پتہ کہ......''

''پھر بکواس کی تو نے۔ دفعہ ہو جا، وضو کر کے نماز پڑھ اور پھر دونوں مل کر آیت کریمہ کا ختم کر لیں نازو اور سلیم کے لئے۔''

''ہیں سچ اماں، پھر وہ دونوں آ جائیں گے ناں؟'' وہ یکدم ہی خوش ہو گئی۔

''انشاء اللہ، انشاء اللہ۔ میرے مولا نے چاہا تو ختم ہوتے ہی ان کی اطلاع مل جائے گی۔''

''اطلاع اماں اگر مرنے کی آ گئی تو دیکھ ناں اطلاع تو اطلاع ہے۔''

''ہائے میری قسمت، ارے پھٹکار بری، کبھی تو اس برے منہ سے اچھی بات نکال لیا کر۔ اللہ نہ کرے جو ہمیں ایسی منحوس خبر ملے۔ جا دفع ہو، اب وضو کر کے نماز پڑھ لے۔'' اماں نے ڈانٹ دیا تو وہ جلدی سے وضو کرنے بھاگ گئی۔

''کشور، میری بہن! مجھے معاف کر دو۔ میں...... میں کیا کروں، کہاں جاؤں، کہاں تلاش کروں اُس بدنصیب کو جسے باپ نے قبول نہ کیا، گھر سے بے گھر کر دیا اس ظالم انسان نے۔''

حمیدہ ان چار دنوں میں ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گئی تھیں۔ کشور اور باقی لوگوں نے اس کی خدمت اور حوصلہ مندی میں کسر نہیں چھوڑی تھی مگر حمیدہ کو کسی کل چین نہیں تھا۔

''حمیدہ! کچھ کھا پی لو، زندہ رہو گی تو بیٹی کے لئے دعا کر سکو گی ناں۔ اور دیکھنا میرا سلیم اسے لے کر آئے گا انشاء اللہ، ضرور لے کر آئے گا۔''

''نہیں، دُعا کرو وہ نہ آئے، وہیں مر جائے۔ واپس آ کر کیا کرے گی بھلا؟'' حمیدہ پر ہذیانی کیفیت طاری ہو گئی۔ وہ چلانے لگیں۔

''حمیدہ! یہ کیسی بری باتیں کر رہی ہو؟ خدا نہ کرے ایسا ہو۔''

''ہاں کیوں نہ کروں ایسی باتیں۔ وہ گلاب کا پھول تھی جب گھر سے گئی تھی اور تمہیں تو پتہ ہے پھول تب تک ہی اچھا لگتا ہے جب تک مسلا نہ جائے۔ مسلا ہوا پھول بھی بھلا کسی قابل ہوتا ہے، بے رنگ و بو۔ وہ بھی تو......''

''اللہ نہ کرے حمیدہ، ایسی باتیں نہ کرو۔ ہماری نازو گلاب کا پھول تھی۔ اپنے اسی رنگ

اور خوشبو کے ساتھ لوٹے گی انشاء اللہ۔"

"آمین۔ تم لوگ کتنے اچھے ہو۔ کتنی اچھی باتیں کرتے ہو۔" حمیدہ کشور کے ہاتھ چومے گئی۔ اسی وقت زیبو دودھ پتی بنا کر لے آئی۔

"ہاں، اس میں تو کوئی شک نہیں کہ ہم لوگ بہت اچھے ہیں مگر یہ بھی سچ ہے خالہ کہ تم بہت بری ہو اور اس وقت تو زہر لگتی ہو جب غلط باتیں کرتی ہو۔ قسم سے تم اگر میری سب سے چھوٹی بہن ہوتی ناں تو تیرے سر میں کیل ٹھونک کر تجھے مکھی بنا کر اڑا دیتی۔ مگر کیا کروں، اماں کے برابر ہے بلکہ کوئی ساٹھ ستر سال بڑی ہی ہو گی۔ خیر چھوڑ اتنے سے فرق سے کیا فرق پڑتا ہے۔ لے خالہ دودھ پتی۔ خالص چھوٹی کے ہاتھوں سے بنوا کر لائی ہوں۔ پی جا، خبردار جو چوں چراں کی تو۔"

ماحول خاصا بوجھل ہو رہا تھا۔ ایسے میں زیبو کی باتیں تاریکی میں پھلجڑیوں کی طرح اچھی لگ رہی تھیں۔ حمیدہ کو اچھی لگیں۔ اماں بھی منہ دوسری طرف کر کے ہنس دی۔

"ارے کمبخت یہ تیری ماں کی طرح ہے۔"

"ہاں تو اماں میں نے کب تیرے اور خالہ کے درمیان کوئی فرق رکھا؟ جیسے تیری عزت کرتی ہوں ویسے اس کی کرتی ہوں۔ چل جا کر جلدی سے دودھ پتی چڑھا اور وضو کر کے نماز پڑھ کر آ جا۔ ان دونوں بھگوڑوں کی واپسی کے لئے آیت کریمہ کا ختم کرنا ہے۔ دیکھنا ادھر ہمارا ورد ختم ہو گا ادھر لوگ وہ لوگ آ جائیں گے انشاء اللہ۔"

"آمین...... آمین۔ خدا تیری زبان مبارک کرے میری معصوم بچی۔" صدقِ دل سے آمین کہتے ہوئے حمیدہ نے زیبو کی پیشانی چوم لی۔

☆☆☆

"سلیم اور نازو، تم لوگ اب جاؤ۔ اب یہ میری اور اس کی جنگ ہے۔"

راحیلہ نے ان دونوں کو جانے کو کہا تو قبل اس کے کہ وہ دروازے کی طرف بڑھتے، برق رفتاری سے راشد الماری کی طرف بڑھا اور ریوالور نکال کر ان تینوں پر تان کر کھڑا ہو گیا۔ اس وقت ایسی حالت لگ رہی تھی جیسے کسی بھوکے شیر کے سامنے سے گوشت ہٹا دیا جائے تو وہ سب کو چیر پھاڑ کر کھا جانے کی خواہش لئے سب پر جھپٹتا ہے اور اس وقت راشد کی آنکھوں میں بھی خون اترا ہوا تھا۔

"تم لوگ جاؤ نازو سلیم، میں دیکھ لیتی ہوں۔"

"تم کون ہوتی ہو میرا شکار آزاد کرنے والی۔ یہ لوگ اگر جائیں گے تو تمہاری لاش



سے گزر کر۔ کہو منظور ہے ناں؟" وہ مکاری سے راحیلہ کی کنپٹی پر ریوالور رکھ کر بولا۔

"نہیں راحیلہ، میں...... میں تمہیں خطرے میں چھوڑ کر ہرگز نہیں جاؤں گی۔" نازو نے انے سے صاف انکار کر دیا۔

"نازو ٹھیک کہہ رہی ہے راحیلہ بی بی، ہم آپ کو چھوڑ کر نہیں جائیں گے۔ بلکہ آپ کے لد صاحب کی طبیعت خراب ہے، آپ جائیں۔ ہمارے جو نصیب میں ہو گا، دیکھا جائے گا۔ پ...... آپ جائیں!" سلیم نے راحیلہ سے کہا تو راشد جو مکروہ چہرہ لئے ان تینوں کو خونخوار راز میں گھور رہا تھا، جتنا اسے غصہ تھا وہ چاہتا تھا کہ تینوں کو شوٹ کر دے۔

"واہ، کیا بات ہے۔ یعنی کہ میرے گھر میں، میرے کمرے، میری قید میں کھڑے ہو کر لے کر رہے ہو۔ ایثار و قربانی کی داستانیں رقم ہو رہی ہیں...... اور......"

ابھی وہ زہر خند لہجے میں شعلے اُگل ہی رہا تھا کہ راحیلہ کے موبائل کی بیل ہوئی۔

"راحیلہ بیٹی! راشد کو چھوڑو اور آ جاؤ۔ تمہارے پپا کے پاس اب وقت بالکل نہیں۔"

"جی ممی...... کک...... کیا ہوا، میں آ رہی ہوں۔" راحیلہ دروازے کی طرف بڑھی۔ راشد ،حسی کی تصویر بنا کھڑا تھا۔

"راحیلہ! خیریت تو ہے ناں؟ انکل......"

"نازو، نجانے میرے نصیب میں کیا لکھا ہے...... بس دُعا کرو۔" راحیلہ بری طرح رو تھی۔ اس نے ایک نظر اس ظالم اور بے حس انسان پر ڈالی۔

"آج اگر میرے پپا کو کچھ ہو جاتا ہے ناں تو راشد سمجھنا میں بھی ختم ہو جاؤں گی۔ اور ے ذریعے ملنے والی دولت اور جائیداد جس کی وجہ سے تم نے مجھ سے منگنی کا ڈھونگ رچا ہے......"

لفظ ہچکیوں میں ڈھلے۔ کچھ دیر کے لئے وہ سناٹے میں آ گیا۔ وہ واقعی جانتا تھا کہ راحیلہ ند میں آ گئی تو کچھ بھی کر گزرے گی۔ مگر وہ نازو اور سلیم کو بھی نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ ڈھیٹ ؤنگم چباتا رہا۔ راحیلہ کے چلے جانے کے بعد وہ نازو اور سلیم کو گھورتا رہا، پھر نازو کے ب آیا۔

"اب تمہارے کیا ارادے ہیں ڈارلنگ؟" اُس نے بے باکی سے نازو کا چہرہ چھوا تو نازو ینچ کر ایک تھپڑ رسید کر دیا۔ کچھ دیر کے لئے اس کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔

"ذلیل، گھٹیا آدمی، تم تو سفیدے کا وہ بانجھ درخت ہو جو دوسروں کو تو کیا خود اپنی ں کو بھی سایہ نہیں دے سکتا۔ کمینے شخص، میرے خدائے لاشریک نے میری التجائیں سن لی

ہیں۔ میں جس قدر بھی شکرانہ ادا کروں، کم ہے کہ میری راحیلہ کا دل میری طرف سے صاف کر دیا اور سلیم کو میری ڈھال بنا کر بھیج دیا..... میں لعنت بھیجتی ہوں تم پر..... چلو سلیم!''

وہ راشد کو پرے دھکیل کر سلیم کی جانب بڑھی۔ مگر اسی رفتار سے راشد نے اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔ اب سلیم سے ضبط نہ ہوا۔ وہ راشد پر پل پڑا اور دونوں گتھم گتھا ہو گئے۔ نازو آیتیں پڑھ پڑھ کر سلیم پر دم کرتی رہی.....

''چلو نازو، جلدی کرو۔'' اسے گرا کر سلیم نے اُکھڑی سانسوں سے کہا۔

دونوں تیزی سے سیڑھیاں اترنے لگے کہ راشد ایک دم چھلانگ لگا کر سلیم پر آ رہا۔

''کہاں میری جان، واپسی کے راستے تمہارے لئے کھلے ہیں، نازو کے لئے نہیں۔ دفع ہو جاؤ۔'' راشد جس کے منہ سے خون بہہ رہا تھا، اس نے ایک زوردار مُکا سلیم کے سینے پر مارا تو وہ سیڑھیوں سے لڑھکتا ہوا نیچے جا گرا۔

''سلیم..... سلیم.....'' نازو تڑپ گئی مگر وہ راشد کی قید میں تھی، اس تک پہنچ نہ پائی۔

''واہ..... واہ بھئی، پیار ہو تو ایسا کہ چوٹ ایک کو لگے، درد دوسرے کو ہو۔ ایسا پیار ہم سے بھی کرو ناں جان من۔'' راشد اس کے قریب ہوا تو سلیم گرتا پڑتا پھر اوپر آ گیا۔ راشد نے پھر ٹانگ مار کر گرا دیا۔

''سلیم..... سلیم، خدا کے لئے چلے جاؤ..... چلے جاؤ سلیم، جو کچھ ہوگا وہ میرا نصیب ہے۔ جاؤ، چلے جاؤ۔'' نازو تڑپ اٹھی۔

''خدا کی قسم تم میرا نصیب ہو نازو اور میں اپنے نصیب کی چادر کو میلا نہیں ہونے دوں گا.....!'' سلیم بمشکل سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

''پلیز سلیم، تمہیں کچھ ہو گیا تو زیبو مر جائے گی۔''

''اور اگر نازو نہ رہی تو سلیم زندہ نہ رہے گا..... نہیں نازو، تمہیں تو اندازہ ہی نہیں کہ تم میرے لئے کیا ہو۔ ہاں اگر کسی اور لڑکی کی عزت بھی بچانا پڑتی تو میں جان دے دیتا۔ اور تم تو جان سے زیادہ عزیز ہو۔ تلاش میں نکلتے وقت میں نے زیبو کو کہہ دیا تھا کہ..... کہ اگر نازو نہ ملی تو وہ مجھے بھی نہیں دیکھ سکے گی..... جو کشتیاں جلا کر نکلتے ہیں نازو وہ پلٹ کر نہیں دیکھتے میں تمہیں لے کر جاؤں گا، جان پر کھیل کر۔'' بولتے بولتے سلیم اوپر آ گیا تو راشد کا فلمی ولن جیسا قہقہہ فضا میں گونج اٹھا۔

''ارے واہ..... واہ ایکسیلنٹ..... بھئی تم دونوں تو اپنے دور کی ایک نئی اور اچھوتی داستان عشق رقم کر رہے ہو۔ تم سے میں اپنے اور نازو کے بچوں کو تمہارے بارے میں ضرور بتاؤں



گا کہ ان کے ماموں سلیم نے.....''

اُس کا جملہ پورا نہیں ہوا تھا کہ سلیم نے اسے گریبان سے پکڑ کر سیڑھیوں سے دھکا دیا اور وہ لڑھکتا ہوا نیچے تک چلا گیا۔ اس کے منہ سے خون بہنے لگا تھا، وہ اکھڑے اکھڑے سانس لے رہا تھا۔

''نازو! یہی موقع ہے، بھاگ چلو۔''

''سلیم، اگر یہ مر گیا تو ہم پھنس جائیں گے۔'' نازو خوفزدہ تھی کہ راشد سے اس کا نام وابستہ نہ ہو جائے۔

''فکر نہ کرو، اس جیسے کمین ذہنیت اتنی جلدی جان نہیں چھوڑتے۔ چلو دیر نہ کرو۔''

دونوں تیزی سے سیڑھیاں اتر رہے تھے جہاں راشد تھا۔ سلیم اسے پھلانگ گیا۔ نازو پھلانگنے لگی تو راشد نے اس کی ٹانگ پکڑ لی۔ وہ منہ کے بل اس کے قریب گر پڑی۔

''راشد کے منہ سے نوالہ چھیننا اتنا آسان نہیں اُلّو کے پٹھے۔'' راشد نے نازو کی ٹانگ مضبوطی سے پکڑ رکھی تھی۔ اب وہ بیٹھ چکا تھا، نازو مکمل طور پر اس کی گرفت میں تھی۔ سلیم بے بس سا ہو گیا۔

''سلیم جاؤ..... اس قید سے رہائی ممکن نہیں۔'' نازو بے بسی سے بولی۔

''اللہ پر بھروسہ رکھو نازو، اس قید سے رہائی ہم دونوں پائیں گے یا دونوں نہیں۔ نازو! یا اللہ مدد کہہ کر اپنا ہاتھ دو۔''

''یا اللہ مدد.....'' نازو نے پورے یقین کے ساتھ یا اللہ مدد کہا اور ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔ سلیم نے زور سے اس کو کھینچا تو وہ راشد کی گرفت سے باآسانی آزاد ہو گئی۔

''جتنا تیز بھاگ سکتی ہو نازو، بھاگو..... بھاگو نازو، خالہ حمیدہ کی حالت بہت خراب ہے۔ بھاگو..... ایسا نہ ہو کہ.....''

سلیم اسے تیز بھگانے کے لئے جذباتی کر رہا تھا۔ امی کے بارے میں سن کر نازو میں جیسے بجلی کوند گئی۔ وہ اور تیزی سے دوڑنے لگی۔ مگر آج گیٹ بھی پہنچ سے دور ہو گیا تھا۔ وہ جیسے ہی گیٹ عبور کرنے لگے ایک ساتھ کئی فائر ہوئے اور سلیم گیٹ کے درمیان خون میں لت پت گر گیا.....

''سلیم..... سلیم!'' نازو چیخنے لگی۔

✻☆✻

ابھی ابھی آپی جان اسے ڈھنگ سے مہمانوں کے سامنے آنے کا حکم دے کر چلی گئی تھیں

مگر اس کے اندر ہوتی توڑ پھوڑ کو ذرا بھی اہمیت نہیں دی تھی انہوں نے۔ ایقہ کی زندگی ایسی کتاب بن گئی تھی جس میں خوشیوں کا کوئی باب تھا ہی نہیں۔ اب تو وہ خود کو ایسے لفظ سمجھنے لگی تھی جو کہ نحوست کی علامت ہوتے ہیں، جن کو لوگ دانستہ طور پر بھی ادا نہیں کرتے، ایک ایسا بوجھ تھی جسے حیات احمد جیسے لوگ ہی اٹھا سکتے تھے۔

''میرے پروردگار! میں کہاں غلط تھی، تیری پاک ذات نے جو عطا فرمایا، میں نے شکر ادا کیا۔ پھر...... پھر یہ کیسا امتحان ہے، کیسی آزمائش ہے کہ ختم ہونے میں نہیں آتی...... میں سب پر بوجھ ہوں، حتیٰ کہ میری اپنی بہن مجھے اپنے سر سے اتار پھینکنا چاہتی ہے...... میں جانتی ہوں وہ مجبور ہیں، سسرال والی ہیں، وہ کیا کریں۔ یا اللہ مجھے ہمت اور صبر عطا فرما۔''

عصر کی نماز کے بعد وہ کتنی ہی دیر دعا کے لئے دامن پھیلائے روتی رہی، دعائیں کرتی رہی، پھر مہمانوں کا خیال کر کے وہ باہر آ گئی تو شفاعت اللہ جو بڑی بے قراری سے ایقہ کا انتظار کر رہے تھے، اس کی طرف لپکے۔ اس نے دامن بچا کر گزرنا چاہا۔

''شفاعت صاحب! پلیز چھوڑیے میرا ہاتھ۔'' اس نے آہستہ مگر سخت لہجے میں کہا۔

''کاش میرا اس ہاتھ پر اختیار ہوتا۔'' ایک آہ لفظوں میں ڈھل گئی۔

''نہیں ہے تو راستے سے ہٹ جائیں۔'' وہ تنک کر بولی۔

''یہ راستہ حیات احمد کی طرف جاتا ہے ایقہ، اور میں تمہیں اس راستے پر جانے نہیں دینا چاہتا۔ تم سمجھتی کیوں نہیں، احمد تمہاری منزل نہیں۔ میں تمہیں اس راستے پر چلنے نہیں دوں گا۔''

''کیوں نہیں، آپ......''

''کون ہوتا ہوں یا کیا حق ہے مجھے تمہیں روکنے کا، یہی کہنا چاہتی ہوں ناں تم؟ میرے اور تمہارے درمیان جو تعلق یا رشتہ ہے وہ بے نام ہو کر بھی اتنا مضبوط ہے کہ جس نے مجھے حق دیا ہے کہ تمہیں بربادی کی طرف بڑھنے سے روکوں۔''

''شفاعت اللہ صاحب، آپ...... آپ بار بار میری راہوں میں کیوں آ جاتے ہیں؟''

''یہ اپنے دل سے پوچھو۔'' ایک کرب زدہ سانس سینے کی قید سے آزاد ہو کر ایقہ کو اس کے کرب کا پتہ دے گیا۔ وہ دل تھام کر رہ گئی۔

''شفاعت صاحب! آپ کو منزہ کا ذرا خیال نہیں؟'' ایقہ کو شرم آتی تھی یہ سوچ کر کہ شفاعت اللہ اس کے پیچھے لگے ہوئے ہیں، منزہ طبیعت کی خرابی کی وجہ سے زیادہ تر اپنے کمرے میں رہتی تھی۔

''میری بات چھوڑو، تم بتاؤ تمہیں کس کا خیال ہے؟ اور جناب کی اطلاع کے لئے یہ منزہ



اور میری مشترکہ خواہش ہے کہ تمہیں اس احمقانہ اقدام سے روکا جائے۔''

''شفاعت صاحب! منزہ بہت بڑے ظرف کی مالک ہے، میں جانتی ہوں۔ مگر شادی تو مجھے کہیں نہ کہیں کرنی ہے ناں۔''

''ہاں تو کہیں اور سہی، مگر احمد کے ساتھ نہیں۔ وہ شادی شدہ آدمی، دو بچوں کا باپ ہے، سمجھیں آپ؟ اور جو آپ کو دیکھنے اور پسند کرنے تشریف لائی ہے، اس کی بیوی ہے۔ کیا سمجھیں آپ؟''

''آپ کو یقین ہے؟ کیا آپ نے معلومات کی ہیں یا صرف وہم، شک ہے؟'' ایقہ نے گہرے لہجے میں کہا تو کچھ دیر کے لئے شفاعت اللہ چپ سے رہ گئے کیونکہ ابھی تک وہ یہ بات اپنے شک کی بناء پر کہہ رہے تھے۔ اس کی خاموشی پر ایقہ آگے بڑھ گئی۔

''ایقہ! میری بات سنو، یہ درست ہے کہ میں نے کوئی تحقیق تو نہیں کی ابھی تک، لیکن دیکھنا یہ عورت ہی......''

''انسان کو کوئی بات بھی بغیر تحقیق کے آگے نہیں بڑھانی چاہئے اور آپ تو......''

''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے ایقہ۔ میں اب ساری تحقیق کر کے رہوں گا۔ اور یاد رکھنا اگر یہ بات سچ ثابت ہوئی تو......''

شفاعت اللہ تیزی سے چلتے اس کے سامنے آن کھڑے ہوئے۔ ایقہ نے گہرا سانس لیا اور غور سے اس شخص کو دیکھا جس کو دیکھ کر سینے میں دل کی موجودگی کا احساس ہوا تھا، جس کے ساتھ کی حسرت لئے وہ احتشام الدین کی بیوی بن گئی تھی۔ آج وہی شخص اس کے سامنے کھڑا تھا جس کے لہجے کی سچائی اور آنکھوں کی سچائی کہہ رہی تھی کہ یہ شخص جو کہہ رہا ہے، وہ سچ ہے۔ مگر وہ چاہتے ہوئے بھی ایسا نہیں کرنا چاہتی تھی اس لئے قدم آگے بڑھاتے ہوئے پلٹ کر دیکھا۔

''تو......؟''

''تو...... تو یہ ایقہ بیگم کہ پھر یہ ہوگا کہ تمہیں ہر صورت مجھ سے شادی کرنا ہوگی، سمجھیں تم؟ میں اب اپنی محبت کو ایرے غیرے لوگوں کے ہاتھوں خوار ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔''

''ایسا پھر بھی نہیں ہوگا شفاعت صاحب۔'' ایقہ بہت سخت اور کٹیلے لہجے میں بولی تو شفاعت اللہ نے اسے شانوں سے پکڑ کر جھنجھوڑ دیا۔

''ہوگا اور ضرور ہوگا۔ جب میری بیوی بخوشی اجازت دے رہی ہے تو تمہیں اعتراض کیوں ہے...... یہ ہوگا۔ نہیں ہوگا تو میں خود کو شوٹ کر لوں گا۔ سمجھیں تم؟'' شفاعت اللہ نے

انتہائی جذباتی انداز میں سرخ چہرے کے ساتھ کہا۔ وہ اپنی بات میں کتنا سچا ہے، انیقہ کو اپنے شانوں پر دباؤ سے اندازہ ہو گیا۔ وہ جا چکا تھا۔ انیقہ کتنی ہی دیر اس کے لفظوں کی بازگشت میں گھری سن سی کھڑی رہ گئی۔ پھر دلِ ستم زدہ کو سنبھالے وہ اندر آ گئی۔

''آؤ آؤ انیقہ...... مسز محمود، یہ ہے ہماری انیقہ۔ اور انیقہ، یہ مسز محمود ہیں۔''

انیقہ جیسے ہی اندر آئی تو بانو بیگم نے دونوں کا تعارف کرایا۔ شابی کھڑی ہو گئی۔ انیقہ اس چھوٹی سی لڑکی کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔

''السلام علیکم۔''

''وعلیکم السلام۔ بیٹھیے نا مسز محمود۔''

''جی آپ کیسی ہیں؟ دراصل احمد صاحب نے آپ کی اتنی تعریف کی تھی کہ میں تو آپ سے ملنے کے لئے بے قرار ہو گئی تھی...... لیکن آپ کو دیکھ کر لگتا ہے......'' شابی نے احمد کو دیکھ کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا جو بڑی گہری نظروں سے انیقہ کو دیکھنے میں مصروف تھا، چونک کر شابی کو دیکھنے لگا کہ اب نجانے وہ کیا کہہ دے۔ شابی کا دل ٹوٹ گیا کہ یہ شخص کیا چیز ہے، کبھی اس کو بھی اتنی محبت اور چاہت سے دیکھا کرتا تھا اور آج انیقہ کو دیکھتے ہوئے بھی اس کی نگاہوں میں وہی محبت اور چاہت ہے۔ پھر انیقہ کے لئے اس نے عزت اور احترام کی جھلک بھی دیکھ لی تھی۔ وہ بجھ کر رہ گئی۔ دولت کے نہ ہونے سے عزت داری میں کتنا فرق پڑتا ہے۔ پھر اُس نے گہرا سانس لیا اور ادھورا جملہ مکمل کیا۔

''کہ احمد صاحب نے جتنی تعریف کی ہے آپ اس سے زیادہ تعریف کی مستحق ہیں۔''

''ارے مسز محمود، انسان گناہگار ہے، اتنا تعریف کے قابل نہیں ہوتا کہ...... اور میں تو... خیر آپ کیسی ہیں، آپ کے بچے تو بہت خوبصورت ہیں۔'' انیقہ نے بے ساختہ شابی کی گود سے اس کی بیٹی کو اٹھا کر پیار کیا تو احمد کی جان پر بن گئی کہ کہیں ان دونوں کو کوئی شک نہ ہو جائے۔

''کیا نام ہے گڑیا کا؟'' انیقہ بغور اس کے بیٹے کو دیکھ رہی تھی۔ اندر سے وہ چونک گئی۔ کیونکہ لڑکے کی شکل احمد سے بہت مل رہی تھی تاہم اس نے ایسی کسی حیرت کا اظہار نہیں کیا۔ مگر کچھ دیر کے لئے شفاعت اللہ کی بات درست معلوم ہوئی۔

''اس کا نام اس کے ابو نے شرمین رکھا ہے۔'' شابی نے ایک نظر احمد کو دیکھا۔ کیا نہیں تھا اس کی زخمی نظر میں۔ دُکھ، اپنی کم مائیگی کا احساس۔ جبکہ احمد کی حالت دیدنی ہو رہی تھی۔ پیشانی پر مارے گھبراہٹ کے بار بار پسینہ آ رہا تھا۔

''بہت پیارا نام ہے، ان کے والد نے ان لوگوں کو دیکھا ہے؟''



انیقہ کے سوال پر احمد کی پیشانی پر پسینہ آ گیا جو اُس نے ٹشو سے صاف کیا اور بے بسی سے شابی کو دیکھا۔ اس نے اشارے سے مطمئن کر دیا۔

''جی وہ تو دُبئی میں ہیں، ابھی تو نہیں دیکھا۔ میں نے ان کی تصویریں بھیج دی تھیں۔ ہو سکتا ہے اب احمد صاحب کی شادی پر وہ آئیں۔''

شابی نے اتنی جاندار پرفارمنس دی تھی کہ احمد خوش ہو گیا۔ دوسری طرف انیقہ کو پھر شفاعت اللہ جھوٹا نظر آنے لگا۔ وہ چپ رہ گئی۔

''ہاں، ہاں کیوں نہیں، انشاء اللہ اب تو آپ کے شوہر کو جلدی آنا پڑے گا۔'' بانو بیگم نے گویا شابی کے دل میں تیر اُتار دیا۔ اُس نے اپنی شدت کو چھپانے کے لئے بیٹی کو سامنے کر لیا۔

''جی، جی اب آپ جلدی سے پروگرام بنا لیجئے تاکہ میں بچوں کے والد کو بتا دوں۔ آپ کو تو معلوم ہے کہ باہر سے آنا کتنا دُشوار ہوتا ہے۔ ان کے والد کہہ رہے تھے کہ شادی کی تاریخ رکھ کر ان کو اطلاع کر دی جائے۔ وہ احمد صاحب سے بہت پیار کرتے ہیں اور ان کی شادی پر ہر صورت شریک ہونا چاہتے ہیں۔ اس لئے بھابی جان! اب تو آپ قریب کی کوئی تاریخ رکھ دیجئے۔'' شابی بڑے اعتماد سے بات کر کے ایک طرف تو احمد کو حیرت میں ڈال رہی تھی اور دوسری طرف بانو اور انیقہ کے شکوک نکال رہی تھی۔ احمد بہت خوش ہو رہا تھا۔

''جی دیکھیے، اب کچھ سوچتے ہیں۔''

''بھابی جان! ذرا جلدی سوچ لیجئے۔ سوچ کا سفر اتنا زیادہ نہ ہو کہ ہم بزرگ ہو جائیں۔''

احمد نے چونچالی انداز میں کہا جو انیقہ کو بہت برا لگا۔ مگر وہ فیصلہ کر چکی تھی اس لئے اب ضبط ضروری ہو گیا تھا۔ وہ گود میں رکھے ہاتھوں پر اپنی لکیروں میں جانے کیا تلاش کر رہی تھی اور احمد جس انداز سے اسے دیکھ رہا تھا، اس انداز میں شابی اپنی آئندہ زندگی کی کوئی جھلک تلاش کر رہی تھی۔

''اب ایسی بھی کیا بے صبری ہے احمد میاں، ایسے کام چٹکیوں میں تو ہوتے نہیں۔ ہاں تو مسز محمود آپ اپنا نام بتاؤ، پھر اتنی کم عمر ہو تو......'' بانو کی بات پر شابی نے احمد کو دیکھا۔

''جی...... میرا نام...... میرا نام سائرہ ہے۔'' اس نے وہی نام بتایا جو احمد نے رکھا تھا۔ احمد چونک چونک جا رہا تھا۔ چونکہ خود اپنے دل میں چور تھا اس لئے اسے اب بھی شابی پر شبہ تھا کہ وہ کوئی گڑبڑ نہ کر دے۔

''بہت اچھا نام ہے سائرہ، یہ بتاؤ کہ تم اپنے شوہر کے پاس کیوں نہیں گئیں؟ اور کتنا

عرصہ ہو گیا ہے ان کو گئے ہوئے؟'' بانو نے سادہ سے انداز میں یوں ہی بات بڑھانے کی غرض سے پوچھا تھا مگر احمد کو لگا جیسے ان کو کوئی شک ہو گیا ہے جو پوچھ رہی ہیں۔

''جی زیادہ عرصہ نہیں ہوا، اسی لئے تو میں یہاں ہوں۔ اب انشاء اللہ جب احمد صاحب کی شادی ہو جائے گی تو میں بھی بچوں کو لے کر اس کے ساتھ چلی جاؤں گی۔ ارے ایقہ، آپ کہاں چلیں، بیٹھیئے ناں۔''

ایقہ سے اب مزید یہاں بیٹھا نہیں جا رہا تھا۔ وہ اٹھ کر جانے لگی تو شابی نے جلدی سے کہا۔

''جی آپ بیٹھیے ناں، آپ کیوں جا رہی ہیں؟'' احمد نے عجیب انداز میں شرماتے ہوئے کہا تو ایقہ کا دل مزید برا ہو گیا۔

''معذرت چاہوں گی ذرا سر میں درد ہو رہا ہے۔ اب لیٹوں گی جا کر۔'' وہ ذرا تنک لہجے میں بولی تو احمد ہر بات کو نظر انداز کر کے ان کے سامنے آ کھڑا ہوا تو ایقہ کا دل چاہا اسے کھری کھری سنا دے جو اپنا بھرم رکھنے کی بجائے بلاوجہ ہی ایسی حرکتیں کر رہا تھا جو اسے سوٹ نہیں کر رہی تھیں۔

''نصیب دشمناں، آپ کے سر میں درد کیوں ہونے لگا؟ آئیے میں آپ کو ڈاکٹر کے پاس لے چلوں۔'' اس وقت وہ بہت ہی چھچھورا لگ رہا تھا۔ شدت ضبط اور غصہ سے کچھ دیر کے لئے ایقہ تھرا کر رہ گئی۔ تاہم ضبط کی طنابیں مضبوطی سے تھامے وہ اسے نظر انداز کر کے آگے بڑھی۔

''جی بہت شکریہ احمد صاحب، سر میں معمولی سے درد کے لئے میں کبھی بھی کسی ڈاکٹر کے پاس نہیں گئی۔'' اُس کا لہجہ دھیما ضرور تھا مگر خاصا سخت اور ناپسندیدگی کا احساس لئے ہوئے تھا جو اپنی ترنگ میں احمد تو نہ سمجھ سکا البتہ شابی کو یہ صورت حال بہت تکلیف پہنچا رہی تھی۔ وہ جیسا بھی تھا، اس کا شوہر تھا اور وہ اس کی انسلٹ کیسے برداشت کر سکتی تھی؟ مگر ستم یہ تھا کہ وہ اس کے حق میں بول بھی نہیں سکتی تھی۔ دوسری طرف اسے ایقہ پر ترس بھی آ رہا تھا۔ احمد کسی طور بھی ایقہ کے قابل نظر نہیں آ رہا تھا۔ بانو سر جھکائے اپنی بہن اور احمد کے درمیان فرق کو محسوس کرتی رہیں۔ مزاج میں اختلاف، سوچ میں اختلاف...... کس طرح یہ سنجوگ ہو گا؟

''معذرت چاہتی ہوں مسز محمود، میں ابھی آتی ہوں۔''

ایقہ کا غصہ ذرا اترا تو اس نے پلٹ کر شابی سے معذرت کی جو نجانے کن سوچوں میں گم تھی۔ اس کی بات پر وہ دکھ سے مسکرا دی۔ اس کی تو اپنی کشتی حیات انجانے راستوں پر جا



ہی تھی، وہ تو خود بے بس تھی، وہ کسی کے لئے کیا کر سکتی تھی۔ ایقہ جا چکی تھی۔

''شرما گئی شاید، ہاں وہ مسز محمود آپ کہہ رہی تھیں کہ بھابی جان سے نکاح کی ڈیٹ لے ی آئیں گی۔ بات کر لیجئے ناں۔'' احمد نے کہا تو شابی دل تھام کر رہ گئی۔

احمد نے ڈھٹائی کے ریکارڈ توڑتے ہوئے کہا تو بانو بیگم کو اچھا نہیں لگا۔ بھلا اب اس کی ر تھی ایسی اوچھی باتیں اور حرکتیں کرنے کی؟ وہ تو وقت اور حالات نے باندھ کر مارا تھا ورنہ مد اور ایقہ کا کیا جوڑ تھا۔

''جی بھابی جان، اب چونکہ میں باقاعدہ لڑکے والی بن کر آئی ہوں تو بتا دیجئے میں قاعدہ رسم کرنے کب آؤں؟'' شابی نے اٹھتی ٹیسوں کو دباتے ہوئے پوچھا۔

''ارے بی بی، اب دونوں نوجوان تو ہیں نہیں، ہمیں کون سی ایسی رسمیں کرنی ہیں، بس کاح ہی تو کرنا ہے۔ میں ایقہ کے دُلہا بھائی سے پوچھ کر آپ کو فون کر دوں گی۔'' بانو بیگم نے مُردہ سے لہجے میں کہا تو شابی کھڑی ہو گئی۔

''اچھا تو پھر اب ہمیں اجازت ہے ناں بھابی جان...... لیکن یہ ہے کہ اب ہمیں زیادہ نتظار مت کروایئے گا۔ ایقہ کو دیکھ لینے کے بعد تو......'' جیسا بجھا بجھا سا انداز بانو کا تھا، وہی نداز شابی کا تھا۔

''جی میں نے کہا ناں، اب انشاء اللہ جلد ہی کوئی تاریخ رکھ لیں گے۔ خدا حافظ۔''

''خدا حافظ۔'' بانو گیٹ تک آ گئیں۔

''بھابی جان! میں مسز محمود کو چھوڑ کر آتا ہوں۔ خدا حافظ۔''

احمد جب بھی اسے مسز محمود کہتا تو شابی کو لگتا جیسے وہ نشتر دل میں اتار رہا ہو۔

*☆*

''اب تو آپ خوش ہیں، مجھ سے کوئی بھول یا کوتاہی تو نہیں ہو گئی؟''

''ہاں، بہت اچھی۔ بلکہ میں تو حیران ہو رہا تھا۔ کچھ دیر کے لئے میں خود بھی بھول گیا کہ تم میری نہیں بلکہ کسی اور کی بیوی ہو۔'' وہ ڈھٹائی سے ہنس رہا تھا۔

''آپ بھول ہی تو گئے ہیں...... وہ میرا مطلب ہے آپ خوش ہیں ناں؟'' شابی نے نکھوں میں چڑھتے دریا کو دل کی طرف موڑتے ہوئے نم گوشوں سے پوچھا۔

''ہاں، بہت زیادہ خوش ہوں۔ دیکھو ایسی ہی رہو گی ناں تو میں تمہیں اپنے بہت قریب ھوں گا۔ بلکہ ایسا کروں گا کہ......''

''چھوڑیں کل کی باتیں، یہاں کسی دُکان پر روک لیں، بچوں کے پیمپر لینے ہیں۔''

"اوکے جناب، یہ لیجئے۔" احمد نے تابعدار شوہر کی طرح بڑے دلار سے کہا اور گاڑی ایک جنرل اسٹور پر روک دی تو شانی اس لمحاتی خوشی کے احساس کی لطافتوں کو سمیٹتی گاڑی میں بیٹھی احمد کو اپنے بچوں کے لئے شاپنگ کرتے دیکھتی رہی۔ وہ بچوں کے لئے ڈھیر ساری چیزیں خرید رہا تھا۔

"میرے پروردگار، میرے بچوں کے اس باپ کو واپسی کے راستے پر ڈال دے۔ آمین!"

خاموش لبوں نے دھڑکنوں کی اس دُعا کی آبرو رکھ لی۔ ورنہ وہ ضرور پوچھتا۔

※☆※

"ارے شفاعت میاں، آپ.... آیئے آیئے، بغیر اطلاع کی آمد، خیریت تو ہے سب وہاں پر؟" منشی جی شفاعت اللہ کو فارم پر یوں اچانک دیکھ کر خوش بھی ہوئے اور اُلجھ بھی گئے۔

"وہاں پر تو الحمدللہ بالکل خیریت ہے منشی جی۔ ہم تو یہاں کی خبر لینے آئے ہیں۔ کیا حال احوال ہیں یہاں پر؟ سب ٹھیک تو چل رہا ہے ناں؟" شفاعت اللہ کو احمد ایک تو یوں بھی پسند نہیں تھا اور کچھ اس کا کردار مشکوک تھا اور کچھ وہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ آیا وہ شادی شدہ ہے کہ نہیں۔

"یہاں تو سب ٹھیک ہی ہے۔ مگر میاں آپ لوگوں سے بارہا کہا کہ دونوں بھائیوں میں سے کوئی ایک تو یہاں آن کر آباد ہو جائے۔ اللہ نے اتنی بے شمار نعمتیں عطا کر رکھی ہیں مگر...."

حسب معمول چونکہ منشی جی حیات کے بہت خلاف تھے، آتے ہی ان کی شکایات کی پٹاری کھل گئی اور وہ بولے چلے گئے اور شفاعت اللہ آئے بھی تو اسی غرض سے تھے۔

"دیکھو منشی جی، ہماری یہاں کیا ضرورت ہے؟ حیات احمد بہت اچھا کام سنبھالے ہوئے تو ہیں۔"

"معاف کرنا میاں، یہ بھی آپ دونوں بھائیوں کی سادہ دلی ہے کہ حیات احمد جیسے بندے پر اعتماد کرتے ہیں۔ ورنہ....."

"ورنہ.... ورنہ کیا منشی جی، آخر آپ حیات احمد کے اتنے خلاف کیوں ہیں؟ چلیں مان لیا کہ وہ معاملات میں ہیر پھیر کرتے ہیں، مگر چلیں کوئی بات نہیں، آخر ان کا بھی تو حق ہے اس زمین، جائیداد پر۔" شفاعت اللہ ایسی باتیں کر کے منشی جی کو تپا کر ان سے اُگلوانا چاہتے تھے۔

"ٹھیک ہے میاں، تو پھر ہمیں اجازت دیجئے، ہم سے تو یہ عیاشیاں برداشت نہیں ہوتیں۔" منشی جی نواب صاحب کے وقتوں کے تھے اور جان دینے کی حد تک وفادار آدمی



تھے۔ ان کی اس طرف داری پر وہ شفاعت اللہ سے خفا ہو گئے۔

"ارے منشی جی، آپ تو بابا جان کی صورت ہیں۔ یقین جانئے ہم آپ کا انہی کی طرح احترام کرتے ہیں۔ ہم تو فقط یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ حیات احمد کے کردار سے تو یہاں کے لوگوں کو کوئی شکایت نہیں ناں۔"

"لیجئے اور سنئے، اب میں کچھ کہوں گا تو آپ کو برا لگے گا۔ آخر وہ چچا زاد ہے اور ہم ٹھہرے..... خیر میاں، آپ کو اعتبار آئے نہ آئے، مگر حیات احمد کا کردار ایسا ہے کہ آپ کے خاندان پر بھی حرف آ رہا ہے۔"

اور پھر منشی جی جن کو دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع ملا تھا، انہوں نے حیات احمد کے سارے پول کھول دیئے اور شانی سے شادی کی خبر جو ان کو کچھ عرصہ قبل ہی ملی تھی، وہ بھی بتا دی تو شفاعت اللہ غصے سے کھڑے ہو گئے۔

"یہ شادی والی بات پکی ہے ناں منشی جی؟" شفاعت اللہ کنفرم کرنا چاہتے تھے۔

"لیجئے اور سنئے، ارے میاں اب تو وہ صاحب اولاد بھی ہو گئے ہیں۔ آج کل وہ شہر اسی لئے گئے ہوئے ہیں کہ ان کے ہاں جڑواں بچے پیدا ہوئے۔ کیا آپ لوگوں سے ملنے نہیں آیا؟ اسے گئے تو دو تین ماہ ہو چکے ہیں۔ آپ کے ہاں نہیں آیا؟ ہاں آتا بھی تو کس منہ سے۔" منشی جی تو اور بھی اس کے کارنامے بیان کر رہے تھے۔ مگر شفاعت اللہ کو جس خبر سے واسطہ تھا، وہ کنفرم کر کے وہ آ گئے۔

※☆※

"کہتے ہیں بھابی جان، کبھی کبھی دیوار سے بھی مشورہ کر لینا چاہئے۔ یہ مثال دینے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ واقعی دیوار سے مشورہ کیا جائے۔ اس مثال سے مشورے کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ مگر بھابی جان، آپ نے تو ہمیں کسی قابل جانا ہی نہیں۔ اس کے باوجود ہم نے بن مانگے آپ کو مشورے دیئے، سمجھایا مگر آپ بضد رہیں۔"

"ہم کیا کرتے بھیا، اس بدنصیب کا نصیب ہی ایسا ہے تو کیا کریں۔ سوچا تھا کہ دس عیب سہی مگر اپنے خاندان کا فرد ہے۔ مگر اتنا بڑا دھوکہ اس نے دیا ہمیں۔ اور اُس لڑکی کو دیکھو، کیسے ہمیں بے وقوف بنا گئی۔"

بانو بیگم بری طرح روئے جا رہی تھیں اپنی بہن کے نصیبوں پر۔ دوسرا وہ شفاعت اللہ سے شرمندہ ہو رہی تھیں کہ ان کی بات نہیں مانی تھی۔

"خیر بھابی جان، اس میں اس کی بیوی کا قصور نہیں۔ وہ بہت کم عمر اور خوفزدہ لڑکی ہے۔

حیات احمد نے پہلے اس سے زبردستی شادی کی، پھر اس شادی کو چھپائے رکھا۔ اب بچے ہوئے تو لڑکی کس منہ سے گاؤں واپس جائے اور یہاں بھی وہ نجانے اس کو کس طرح دھمکیاں دے کر لایا ہوگا۔ یہ شخص بہت خبیث ہے بھابی جان۔ آج اگر آپ انیقہ کا رشتہ اس سے کر دیں گی تو ایک عورت اور دو معصوم بچے لاوارث ہو جائیں گے۔''

''اللہ نہ کرے شفاعت میاں، جواب ہم ایسا کوئی فیصلہ کریں۔ لیکن ہم کیا کریں، ہماری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ کہاں ڈال دیں اس بدنصیب کو؟''

''بھابی جان! آپ سب جانتی ہیں میرے دل کی کہانی، میری محبت، منزہ بھی یہی چاہتی ہے اگر آپ انیقہ کو تیار کر لیں تو.... تو ان کی زندگی میں اللہ کے حکم سے خوشیاں بھر دوں گا۔'' شفاعت اللہ کے لہجے کے خلوص میں بانو کو انیقہ کا روشن مستقبل نظر آ رہا تھا۔ وہ ان کو دیکھنے لگیں۔

''مجھے یقین ہے وہ مانے گی تو نہیں۔ لیکن کوشش کر کے دیکھتی ہوں۔''

''نہیں، کبھی نہیں۔'' باہر کھڑی انیقہ پر جو قیامت گزر گئی تھی، وہ دونوں نہیں جانتے تھے۔ اس کے اندر باہر طوفان تھے جو اُسے اڑا کر نجانے کہاں لے گئے۔

''میں جا رہی ہوں، مجھے تلاش کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔''

''انیقہ.....'' خط پڑھ کر بانو بے ہوش ہو گئیں......!

✲✫✲



''سلیم..... سلیم اُٹھو، خدا کے لئے اُٹھو سلیم..... میں زیبو کو کیا منہ دکھاؤں گی سلیم؟ اُف غدایا میں کیا کروں۔ سلیم کو کیسے ہپستال لے کر جاؤں؟ یا اللہ مدد فرما۔ میری مدد فرما پروردگار۔'' نازو خون میں لت پت پڑے بے ہوش سلیم کو دیکھ کر بری طرح رو رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ کس طرح اسے ہپستال لے کر جائے۔ اسی دوران اس نے ایک بار پھر راشد خبیث کا سہارا لینے کا فیصلہ کیا۔ قاتل کو مسیحا بنانے کا ارادہ کیا تو اسی وقت ایک گاڑی اس کے قریب آ کر رُکی اور راحیلہ بڑی تیزی سے اتری اور ان دونوں کی طرف بڑھی۔ نازو کو روتا اور سلیم کو خون میں لت پت دیکھ کر وہ حواس باختہ سی ہو گئی۔

''نا..... نا..... نازو یہ سب کیا ہوا، کس نے مارا ہے؟''

''راحیلہ، تم بھی اچھی طرح جانتی ہو یہ کس کا کام ہے۔ اب مزید باتیں نہ کرنا اور نہ پوچھنا۔ اگر میرے لئے کچھ کرنا چاہتی ہو تو سلیم کو ابھی ہپستال لے چلو۔ ابھی میرے خدا نے تمہیں فرشتہ بنا کر بھیج دیا تو دیر نہ کرو۔''

''ہاں، ہاں..... چلو سلیم کو پیچھے سیٹ پر لٹا دیتے ہیں۔''

اور پھر دونوں نے بمشکل سلیم کو گاڑی میں ڈالا اور عین اس وقت جب راحیلہ گاڑی سٹارٹ کر رہی تھی تو راشد پاگلوں کی طرح بندوق لئے آ گیا اور اس سے پہلے کہ وہ کوئی رکاوٹ پیدا کرتا، راحیلہ نے گاڑی اسٹارٹ کی اور جتنی وہ دُکھی تھی اور غصے میں اسے کچل دینا چاہتی تھی مگر وہ یہ بھی نہ کر سکی اور اس کے انتہائی قریب سے گاڑی نکالی کہ وہ دور جا گرا اور اس کے سنبھلنے سے پہلے ہی وہ تیز رفتاری سے گاڑی نکال کر آگے بڑھی۔

''راحیلہ، دیکھ کر.....'' نازو چلا کر نہ کہتی تو آج شاید وہ تینوں آئل ٹینکر سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتے۔

''شکر ہے خدا کا بچت ہو گئی۔ ورنہ آج کام ہو جاتا۔'' راحیلہ خوف اور گھبراہٹ سے گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔ اس وقت اس کی حالت گاڑی چلانے والی نہیں تھی کیونکہ اس کے والد آخری سانسیں گن رہے تھے اور انہوں نے راشد کو لانے کے لئے کہا تھا۔ وہ

محض باپ کی خاطر اس خبیث آدمی سے تعلق جوڑنے پھر آ گئی تھی۔ آ کر دوسری ہی صورتحال سے سامنا ہو گیا تھا۔

''تمہارے ابو کیسے ہیں؟''

''معلوم نہیں نازو، ہیں بھی کہ نہیں۔ جب آئی تھی تو گہرے گہرے سانس لے رہے تھے۔''

''پھر تم ان کو چھوڑ کر کیوں......؟ لیکن میرے مولا کو میری دعا بھی تو سننی تھی اسی لئے۔''

''ہاں نازو، تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ میں یہاں آئی تو اس خبیث کو لینے کے لئے تھی مگر معلوم نہیں تھا کہ اس صورت حال کا سامنا کرنا پڑے گا۔''

راحیلہ کی نگاہوں میں باپ کا چہرہ گھوم رہا تھا۔ زندگی کی روشنی کم ہو رہی تھی اور اشارے سے انہوں نے اسے راشد کو منا کر لانے کی ہدایت کی تھی اور وہ اپنی انا کو روندتی باپ کی خواہش پوری کرنے آ گئی تھی۔ مگر خدا کو شاید کچھ اور ہی منظور تھا۔

''راحیلہ! سلیم بچ تو جائے گا؟ بچ جائے گا ناں میرا سلیم؟......زیبو کا سلیم؟''

نازو بہت جذباتی ہو رہی تھی۔ وہ راحیلہ کے شانے پر سر رکھ کر شدتوں سے رو دی تو راحیلہ نے اپنے آنچل میں اس کے تمام آنسو جذب کر لئے۔

''انشاء اللہ ضرور بچ جائے گا۔ تم دُعا کرو، دُعا میں بے حد تاثیر ہے۔ خود کو سنبھالو، انسان کا تو زندگی میں نجانے کون کون سی صورتحال سے واسطہ پڑتا ہے۔ بندے کو صبر و استقامت کا دامن نہیں چھوڑنا چاہئے۔'' یہ کہتے ہوئے راحیلہ کا لہجہ بہت گہرا ہو گیا تھا۔ نجانے یہ تسلی اس نے نازو کو دی تھی یا خود کو۔

راحیلہ، سلیم کو بہت اچھے ہسپتال میں لے آئی تھی۔ ایمرجنسی میں سلیم کو آپریشن تھیٹر میں لے گئے تھے۔

''او کے نازو، تم یہاں رہو، سلیم کے لئے دُعا کرو۔ میں...... میں اب چلتی ہوں، بہت گھبراہٹ ہو رہی ہے۔ پپا کا نجانے کیا حال ہے۔''

''ہاں راحیلہ، تم جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اس نیکی کا اجر دے، میری طرف سے انکل کو ضرور پوچھنا اور سلیم کے لئے دعا کرنا۔''

راحیلہ آگے بڑھی۔ اسی وقت موبائل کی بیل ہوئی۔

''جی مما، میں...... میں آ رہی ہوں۔'' راحیلہ بے چینی سے بولی۔

''نہیں...... اب کسی کے آنے کی ضرورت نہیں۔ نہ تمہارے نہ راشد کے۔ جانے والا چلا



گیا ہے۔''

''نہیں......نہیں مما، پپا مجھ سے ملے بغیر نہیں جا سکتے......نہیں۔''

راحیلہ، نازو کی بانہوں میں آ رہی۔ نازو شدت سے رو پڑی۔ سلیم کا آپریشن ہو رہا تھا۔ راحیلہ باپ گنوا کر اس کی بانہوں میں بے ہوش پڑی تھی۔ وہ کیا کرے، اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تو وہ ڈاکٹر کے پاس چلی گئی۔

''اوہو، تو عبدالرحمٰن صاحب کی ڈیتھ ہو گئی؟''

''ڈاکٹر صاحب آپ ان کو جانتے تھے؟''

''جی بہت اچھی طرح۔ وہ بہت اچھے انسان تھے اور ہمارے ہسپتال میں مستحقین کے لئے قائم کئے گئے فنڈز میں بڑا حصہ ہوتا تھا ان کا۔ بڑا افسوس ہوا۔ ایسے اچھے اور انسان دوست انسانوں کو تو ایک طویل عرصے تک زندہ رہنا چاہئے۔ بہرحال جو اللہ کا حکم۔ راحیلہ بی بی آپ اس وقت بہت دُکھی ہیں، ہم آپ کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ آپ میرے ساتھ چلئے، میں آپ کو گھر لئے چلتا ہوں۔ اور نازو بی بی، آپ اپنے مریض کے لئے دعا کیجئے۔ اللہ تعالیٰ سلیم کو زندگی عطا فرمائے۔ ویسے سلیم پر فائرنگ کس نے اور کیوں کی؟''

ڈاکٹر نے اچانک پوچھا تو نازو سن سی ہو گئی۔ راحیلہ جو پپا کے صدمے سے نیم جان تھی، کچھ بھی نہ بول پائی۔ تب نازو نے ہمت کر کے کہہ دیا۔

''جی گھر میں ڈاکو گھس آئے تھے۔ لوٹنا چاہتے تھے۔ سلیم صاحب نے مزاحمت کی تو فائر کرتے ہوئے بھاگ گئے۔ ہم دونوں ان کو یہاں لے آئے اور......''

''جھوٹ بولتے ہوئے اور موجودہ حالات کی سنگینی کو محسوس کرتے ہوئے نازو شدت سے رو دی۔

''آئی ایم سوری، چلئے آپ دعا کیجئے، ہم چلتے ہیں۔ آیئے راحیلہ بی بی۔''

ڈاکٹر طاہر خان، راحیلہ کو دلاسا دیتے ہوئے لے گئے۔ نازو سجدے میں گر گئی۔

☼☆☼

''اماں! یہ...... یہ آگے دوڑنے والے بھی کتنے سنگدل اور کٹھور ہوتے ہیں ناں۔ پلٹ کر دیکھتے بھی نہیں کہ کون ان کے پیچھے بھاگ بھاگ کر ادھ موا ہوا جا رہا ہے۔ اپنے پیروں کے آبلوں کی پرواہ کئے بغیر، سنگ و خشت پر بھاگے جاتا ہے۔ یہ سلم اور نازو کتنے برے اور سنگدل ہیں ناں اماں۔ نہ نازو، سلیم کی طرف پلٹ کر دیکھتی ہے اور نہ اس کی دوڑ کو منزل کا پتہ دیتی ہے اور...... اور نہ سلیم میری طرف۔ ہم عشق کے مارے لوگ کیا کریں، کہاں جائیں

اماں، اب دیکھ ناں اماں، وہ نازو کو کھوجتا پھر رہا ہے اور میں...... میں اسے...... زیادتی ہے کہ نہیں اماں؟"

چوتھے دن کے ڈھلتے سورج کے ساتھ زیبو کی ہمت بھی جواب دے گئی تو اس نے اماں کی گود میں سر رکھ دیا۔ کشور جہاں بھی اپنی اس دیوانی بیٹی کے لئے دُکھی ہو گئیں۔

"تیرا تو دماغ خراب ہو گیا ہے۔ دیدوں کا پانی مر گیا ہے۔ کمبخت کو ذرا جو لحاظ ہو کہ ماں سے کیا بات کر رہی ہوں۔ چل دفع ہو، نماز کا وقت ہو رہا ہے۔" اماں نے دوہتھڑ مار کر اٹھایا تو وہ ان کے عین سامنے بیٹھ گئی۔

"بس رہنے دے اماں، میں تیری نقلی اور جعلی باتوں کی لپیٹ میں آنے والی نہیں۔ اور پھر ماں سے کیسی شرم، تو میری ماں ہے۔ اور ماں تو بیٹی کا آئینہ ہوتی ہے اور تو بھی میرا آئینہ ہے۔ بول میں کتنی حسین ہوں۔"

وہ اندر سے ماں کی بات پر جھینپ گئی تھی اور کچھ اتنی بے بس ہو گئی تھی کہ اسے کچھ خیال ہی نہیں رہا تھا کہ وہ ماں سے مخاطب ہے۔ اب ماں کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھامے پوچھ رہی تھی۔ اماں کو اس وقت وہ چھ سالہ زیبو لگی، بھولی بھالی۔ اس نے بے ساختہ اسے چوم لیا۔

"کیوں نہیں، میری بیٹی، میری زیبو سب سے زیادہ حسین ہے۔ کوئی نہیں اس کے مقابلے کی لڑکی۔ بس ذرا جھلی ہے۔" اماں نے اس کی پیشانی پر پیار کیا تو وہ شوخ ہو گئی۔

"کیا کروں اماں، بیٹی بھی تو تیری ہوں ناں۔"

دونوں ماں بیٹی اپنے آپ میں مگن یہ دیکھ ہی نہ سکیں کہ ممتا کی ماری حمیدہ بیگم جو چار دنوں کی اس مسافت سے نحیف اور لاغر ہو گئی تھی ان دونوں کی محبت بھرے سین دیکھ رہی تھی جس نے اس کی ساری زندگی کی فلم چلا دی تھی۔ وہ کہاں تک برداشت کرتیں؟ صدمے اور بھوک کی وجہ سے وہ بہت کمزور ہو گئی تھیں۔ اس ستم ظریف منظر کو وہ زیادہ دیر نہ دیکھ سکیں اور کمرے کی دہلیز پر بیٹھتی چلی گئیں۔

"نازو......" اماں کے دُکھی دل سے آہ نکلی۔ اسی وقت دروازہ کھلا اور نازو اندر داخل ہوئی۔ حال سے بے حال۔ نازو پر نظر پڑتے ہی اماں چلائیں۔

"ارے نازو بیٹی، تم آ گئیں؟" وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھیں تو زیبو جو نماز کے لئے وضو کرنے جا رہی تھی، پلٹی اور نازو پر نظر پڑتے ہی برقی انداز میں اس کی طرف بڑھی۔

"نازو! سلیم کہاں ہے؟" زیبو دروازے کی طرف بھاگی۔

"امی...... امی جان...... امی جان!" نازو کی نظر دروازے پر بیٹھی اماں پر پڑی جو اس کی



آمد کو اپنے واہموں اور خواہش میں حقیقت تصور کر کے بارہا شرمندہ ہو چکی تھیں۔ اب حقیقت میں وہ سامنے آئی تو بے حس و حرکت بیٹھی رہیں۔ نازو تڑپ کر ان کی طرف بڑھی، ان کو چومے گئی۔ پیار کیے گئی۔ بیٹی کی محبت کی حدت نے ماں کی ممتا پر جمی بے یقینی کی برف کو پگھلا دیا تو وہ دیوانی سی ہو گئیں۔ بے قرار ممتا کو نہ تو یقین آ رہا تھا اور نہ ہی قرار آ رہا تھا۔

"نا...... نازو، تو...... تو...... نہیں تم نازو نہیں ہو۔"

"امی جان! اللہ کے واسطے میری بات پر یقین کریں، یہ قیامت ہم پر ٹوٹ کر گزر چکی ہے۔ امی، مجھے راشد خبیث نے اغوا کر لیا تھا اور......"

ہچکیوں میں ٹوٹتے سانسوں اور لڑکھڑاتی زبان سے اس نے ساری داستان سنا دی۔

"امی، یہ میرے پروردگار کا فضل ہے، کرم ہے کہ میں الحمد للہ جیسے گئی تھی ویسے آ گئی ہوں۔ میرے اللہ نے مجھے ہمت، استقامت بخش دی تھی۔"

"میرے پیدا کرنے والے، میرے خدائے لاشریک، میں گناہگار بندی اس احسان پر تیرا شکریہ کس طرح ادا کروں۔ پروردگار! اتنا شکرانہ قبول فرما جتنا میں کر سکتی ہوں۔" اور پھر حمیدہ دیوانوں کی طرح چارپائی پر سجدے کیے گئیں۔

"نازو! سلیم کہاں ہے؟" زیبو کے بے قرار دل کی پکار اس کے لبوں پر آ گئی تو نازو نے بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ وہ خود کو زیبو کا مجرم سمجھنے لگی۔

"زیبو! ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا اور مانگ سکتی ہو تو ایک بار پھر سلیم کو خدا سے مانگ لے۔ مانگ لے زیبو اس سلیم کی زندگی خدا سے جس پر صرف تیرا حق ہے جو تیری محبت ہے۔ مانگ لے اس کو۔"

نازو روتے ہوئے بولے گئی تو زیبو کو جیسے سکتہ ہو گیا۔

"کیا ہوا ہے میرے بیٹے کو؟ وہ کہاں ہے؟ تو ایسی باتیں کیوں کر رہی ہے؟" زیبو کو کہاں ہوش تھا کہ وہ کچھ پوچھتی۔ کشور تڑپ کر آگے بڑھیں تب نازو نے ساری بات انہیں بتا دی۔

"میرا بچہ...... خدا غارت کرے اس راشد کے بچے کو۔ ارے منوں، جا دکان سے ابا کو بلا لا۔ ارے سلیم کو کچھ ہو گیا تو تیرے ابا بھی زندہ نہ رہیں گے۔ مرتے ہیں اس پر۔ زیبو!" کشور جہاں سینہ کوبی کرنے لگیں۔ گھر میں جیسے بھونچال آ گیا۔ سارے بہن بھائی سلیم بھائی کے لئے رونے لگے۔ نازو اور حمیدہ بہت شرمندہ ہو رہی تھیں کہ ان کی وجہ سے سلیم مشکل میں پھنسا تھا۔ جان پر کھیل گیا تھا۔

''اماں! مجھے ابھی سلیم کے پاس جانا ہے۔ ابھی اور اسی وقت۔'' زیبو نے پتھرائی آنکھوں میں اُمڈتے سیلاب کو روکا اور مضبوط لہجے میں بولی۔

''ارے باپ کو تو آ لینے دے۔ وہ...... وہ زندہ تو تھا ناں نازو بیٹی؟'' اماں نے کپکپاتے، لرزتے خوف زدہ لہجے میں پوچھا تو نازو ٹوٹ کر رہ گئی۔

''ارے خالہ، ایسی کوئی بات نہیں۔ ڈاکٹر بہت پُرامید ہیں۔ بس آپ سب دعائیں کریں۔''

''ارے زیبو کی اماں یہ...... یہ منوں کیا بکواس کر رہا ہے؟ کیا ہوا ہے میرے سلیم بیٹے کو؟ میرے مرحوم بھائی کی نشانی کو کس نے مارا ہے؟''

ابا بھی روتے ہوئے آ گئے۔ یہ ساری سچویشن سنبھالنا نازو اور حمیدہ کے لئے مشکل تھا۔

''چچا جان! صبر اور ہمت سے کام لینے کا وقت ہے۔ چلئے ہم سب چلتے ہیں۔ اور آپ ڈاکٹر سے خود بات کر لیجئے۔''

*☆*

''بی بی، آپ کہاں چلی گئی تھیں؟ آپ کے مریض کو خون کی ضرورت ہے۔'' نازو کو دیکھتے ہی نرس جو اسے تلاش کر رہی تھی، بھاگی آئی۔

''ہاں تو میرا خون لگا دو اس کو۔ مریض تو وہ اسی کا ہے پر دیکھنا نرس باجی، میرا خون اور صرف میرا خون ہی اسے لگے گا۔ چلو میں خون دوں گی۔'' نرس کی بات سنتے ہی زیبو شرٹ کی آستین چڑھا کر اس کی طرف بڑھی۔

''بی بی! خون ایسے ہی نہیں لگا دیا جاتا۔ خون جب تک مریض کے خون سے میچ نہ کرے تو ہم......''

''ارے تو آپا جی، میچ کرا دو ناں۔ تم لوگوں کو تو بڑے پاپڑ بیلنے آتے ہیں۔ اس معاملے میں جو لینا دینا ہوگا، میں دوں گی۔ بس تم میرا خون اسے میچ کرا دو، تمہیں معلوم نہیں وہ کون ہے؟'' زیبو بہت سادہ اور معصوم تھی۔ وہ تو سلیم کی دیوانی تھی۔ اسے دنیا داری کے جھمیلوں کی کیا خبر۔ وہ تو بس دیوانی تھی اپنے شہزادے سلیم کی جس نے اسے کبھی انارکلی کا درجہ نہیں دیا تھا۔ مگر وہ محبتوں میں صلوں پر یقین ہی کب رکھتی تھی جو کچھ توقع اور صلے کے لئے کرتی۔

''ٹھیک ہے زیبو، تم اپنا خون ٹیسٹ کرا دو۔ اللہ کرے تمہارا گروپ سلیم کے گروپ سے مل جائے۔''

''ضرور ملے گا نازو، کیسے نہیں ملے گا۔ نہیں ملے گا تو میں ان رگوں کو ہی کاٹ ڈالوں گی جن میں گردش کرتا ہوا خون میرے سلیم کے کام نہیں آئے گا، جو میرے سلیم کی زندگی بچانے



کے کام نہیں آئے گا، اسے میری زندگی کو رواں رکھنے کے لئے میری رگوں میں دوڑنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔ چلو نرس بہن۔''

زیبو اس وقت بہت جذباتی ہو رہی تھی اور نازو جانتی تھی کہ اگر اس کا گروپ سلیم سے نہ ملا تو واقعی وہ کچھ کر گزرے گی جو اس نے کہا ہے۔ اس لئے وہ اب سلیم کے ساتھ اس پاگل سی دیوانی سی لڑکی کے لئے بھی دعائیں کرنے لگیں۔ یہ وقت بھی کتنی عجیب چیز ہے، خوشگوار لہر۔ لگتا ہے پر لگا کر اُڑ گیا ہے۔ ہم اسے پکڑتے ہی رہ جاتے ہیں اور بوجھل تکلیف دہ لمحات تو چھا سے جاتے ہیں اور ان کی رفتار تھم جاتی ہے۔ ہم جتنا چاہتے ہیں کہ یہ لمحات جلد ہمارا پیچھا چھوڑ دیں مگر یہ اداس شام کی طرح بڑھتے جاتے ہیں۔ زیبو کی دعا اور محبت رنگ لے آئی تھی۔ اس کا بلڈ گروپ سلیم کے گروپ سے مل گیا اور اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔

''دیکھا نازو، اس کو کہتے ہیں محبت۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ میرا خون سلیم کے گروپ سے نہ ملتا؟ ہمارا خون بھی ایک ہی ہے ناں...... اور......''

بولتے بولتے زیبو کو نقاہت ہونے لگی۔ وہ چپ ہو گئی۔

''ڈاکٹر صاحب! میرے بیٹے کا کیا حال ہے؟ وہ...... وہ بچ تو جائے گا ناں؟''

آپریشن تھیٹر سے جیسے ہی ڈاکٹر باہر آیا، ابا بے چینی سے آگے بڑھے۔ سب کے دل مٹھی میں آ گئے۔ ڈاکٹر نے ان سب کو دیکھا جن کے چہرے اترے ہوئے تھے۔ ہر کوئی سراپا دعا بنا ہوا تھا۔

''دیکھئے بزرگو، ہم بھی آپ کی طرح بے بس انسان ہیں، سب کچھ خدا کے ہاتھ میں ہے جس کے حضور آپ اور میں دعا گو ہیں۔ آپ لوگ اس کی ذات پاک پر یقین رکھئے اور دعائیں جاری رکھئے۔ آپریشن ہو رہا ہے اور انشاء اللہ آپریشن کامیاب ہو جائے گا۔ خدا کرے آپ کی دعائیں سلیم کی زندگی کی نوید ہوں۔ آمین۔'' ڈاکٹر نے ابا کے شانے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی تو کشور آ گئیں۔

''ڈاکٹر صاحب! ہمارے بیٹے کو گولیاں کہاں لگی ہیں؟''

''دیکھئے بی بی، ابھی آپریشن ہو رہا ہے۔ آپ لوگ بس اس کی زندگی کی دعا کریں۔ اللہ بہتر کرے گا۔''

ڈاکٹر نئی آنے والی ایمرجنسی کی طرف بڑھ گئے تو سب سراپا دعا بن گئے۔ دل گھڑی کی ٹک ٹک سے بھی تیز دھڑک رہے تھے۔ نازو اور حمیدہ کی دعاؤں میں شدت اور ندامت ملی ہوئی تھی کیونکہ دونوں جانتی تھیں کہ انہوں نے ماضی میں سلیم اور اس کے گھر والوں کے ساتھ

اچھا نہیں کیا اور انہوں نے ہمیشہ ان کا ساتھ دیا اور اب جبکہ وہ موت سے زندگی کی جنگ لڑ رہا تھا یہ بھی ان کی وجہ سے ہوا تھا۔ نازو تو زیبو سے بری طرح شرمندہ ہو رہی تھی جو سفید اور خشک ہونٹوں کے ساتھ دامن پھیلائے اپنے سلیم کی زندگی کی دعا کر رہی تھی۔ جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا، ان کی گھبراہٹ میں اضافہ ہو رہا تھا۔

''میرے پروردگار، ہماری عزت رکھ لے۔ سلیم کو زندگی بخش دے۔ ورنہ کوئی کسی کی مدد کرنے سے پہلے سوچے گا۔ یا اللہ، سلیم کو زندگی عطا فرما دے۔'' حمیدہ بیگم ہسپتال کے لان میں لگے نل سے وضو کر کے وہیں گھاس پر نماز ادا کر کے روتے ہوئے التجائیں کر رہی تھیں لیکن وہ اتنی خودغرض تھیں کہ مطلب کے وقت سلیم کو بلا لیتیں اور پھر آنکھیں پھیر لیتیں اور اس بات پر نازو شرمندہ تھی سلیم سے۔ وہ نجانے کب تک روئے جاتیں اور اس کے لئے دعائیں کرتیں کہ نازو کی آواز پر پلٹیں جو روتے ہوئے بھاگتی ہوئی آ رہی تھی۔

''امی...... امی سلیم......''

*☆*

''میں جانتی ہوں کہ میں نے یہ غلط قدم اٹھایا ہے مگر میرے پاس اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ میں اپنی بہن کے سسرال میں رہ کر ان کا سر جھکانا نہیں چاہتی اور نہ ہی محض سائبان کی خاطر شفاعت اللہ سے عقد ثانی کر کے ان میاں بیوی کے سامنے گرنا چاہتی ہوں اس لئے میں دانستہ طور پر کسی کو الزام دیئے بغیر اپنی خوشی اور مرضی سے گھر چھوڑ کر جا رہی ہوں۔ اپنے خاندان کی عزت اور وقار ہمیں اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے۔ ہم کوئی ایسا قدم نہیں اٹھائیں گے جس سے خاندان کی عزت اور ہمارے وقار کی چادر پر داغ لگتا ہو۔ لیکن اتنی گزارش ضرور کریں گے کہ برائے مہربانی میری تلاش میں وقت برباد نہ کیا جائے۔ میرا اتہ پتہ نہیں ملے گا۔ آپ سب کی گنہگار، معافی کی خواستگار، انیقہ۔''

بانو بیگم تو بہن کی تحریر پڑھتے ہی بے ہوش ہو گئی تھیں۔ اب یہ تحریر شفاعت اللہ کے ہاتھ میں تھی۔ ان کے دل میں جھکڑ چل رہے تھے، ان کے بس میں ہوتا تو ابھی انیقہ کو ڈھونڈ کے اور خوب ڈانٹتے اور پھر ہمیشہ کے لئے اپنی پناہ میں لے لیتے۔ مگر وہ بے بسی سے صرف خلاؤں میں گھور کر رہ گئے۔ منزہ تو باقاعدہ رو رہی تھی۔

''کچھ کیجئے شفاعت، انیقہ کو ڈھونڈیئے۔ وہ ابھی کہیں دور نہیں گئی ہوں گی۔ پولیس......''

''نہیں، نہیں...... پولیس میں انیقہ کی رپورٹ نہیں ہو گی۔ ہم نے اسے خدا کے سپرد کیا۔ اب کوئی اس کا ذکر نہ کرے۔ ہم...... ہم......'' بانو بیگم چیخ مار کر اٹھیں۔ شجاعت اللہ



صدمے کی حالت میں گنگ سے بیٹھے تھے۔

''بھائی جان! آپ ہی بتائیں کیا، کیا جائے؟'' شفاعت اللہ تو خود روہانسے ہو رہے تھے۔

''ہمارا دماغ تو ماؤف ہو چکا ہے شفاعت میاں۔ جو آپ کی سمجھ میں آتا ہے کیجئے، ہمیں انیقہ سے اس بچپنے کی توقع ہرگز نہیں تھی کہ وہ ہماری عزت داؤ پر لگا کر......''

''بھائی جان پلیز، انیقہ کے بارے میں کوئی غلط رائے قائم مت کیجئے۔ وقت اور حالات کے بے رحم ہاتھوں نے کس قدر ظلم ڈھائے ہیں اس حرماں نصیب پر کہ......''

شفاعت اللہ سے بھائی کی یہ بات بالکل برداشت نہیں ہوئی، وہ اٹھ کر باہر نکل گئے اور پھر پولیس کو اطلاع دیئے بغیر شفاعت اللہ نے انیقہ کی تلاش شروع کر دی۔

*☆*

چھوڑنے کو تو انیقہ گھر چھوڑ کر آ گئی تھی۔ بڑی سی چادر میں لپٹی ہوئی ہونے کے باوجود کچھ مشکوک اور کچھ غلط نظریں اس کے جسم کے آر پار ہو رہی تھیں اور شام کے بڑھتے ہوئے سائے چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے کہ عورت کو اپنی چاردیواری کسی حالت میں بھی نہیں چھوڑنی چاہئے۔ ریلوے اسٹیشن کے ویٹنگ روم میں بیٹھے ہوئے وہ سوچ رہی تھی کہ کہاں جائے؟ اس کا ذاتی کوئی حوالہ نہیں تھا اس شہر میں۔ رات سر پر تھی، اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ جہاں جائے۔ مغرب کی اذان ہوئی تو وہ وضو کر کے نماز میں مصروف ہو گئی۔ دوسرے درجے کے ویٹنگ روم میں مسافر خواتین کا رش لگا ہوا تھا۔ جلدی آنے اور جانے والی تو اس پر توجہ نہیں دے رہی تھیں مگر چند ایسی خواتین بھی تھیں جو کافی غور سے اسے دیکھ رہی تھیں اور وہ ان کو مشکوک لگ رہی تھی۔ کچھ تو آنکھوں آنکھوں میں اس کے بارے میں سوال و جواب کر رہی تھیں اور کچھ کانوں میں اس کے بارے میں باتیں کر رہی تھیں اور انیقہ اسی وجہ سے زیادہ خوفزدہ ہو رہی تھی۔ وہ سجدے میں گری دعائیں مانگ رہی تھی۔

''یا اللہ، تو ہی میرا خالق و مالک ہے، تو ہی میرا نگہبان ہے۔ گھر چھوڑنے والی غلطی مجھ سے ہو گئی ہے۔ مجھے معاف فرما دے پروردگار، میں اس گھر میں نہیں جانا چاہتی جہاں میری کوئی جگہ ہے نہ حیثیت، جہاں میں لوگوں کی مجبوری بن کر رہ گئی ہوں۔ یا اللہ، مجھے اپنی پناہ میں رکھ، میری مدد فرما۔''

نجانے کتنے مسافر آئے، گئے، نجانے کس نے اس کے بارے میں سوچا، نہیں سوچا۔ وہ خشوع و خضوع سے دعا کرتی رہی۔ جب دعا کے سفر سے لوٹی تو ویٹنگ روم جہاں سارا وقت شور اور ہنگامہ رہا تھا، عورتوں کی باتیں، بچوں کا شور، کھیلنا، رونا وہاں اب سکوت تھا۔ اس نے

چادر ہٹا کر جالی کے دروازے سے باہر دیکھا۔ باہر ویسا ہی شور اور رش تھا۔ مسافر چھوڑنے والے، لینے والے، دُکاندار، خریدار سب کا شور تھا اور زندگی کی اسی ہنگامی حالت کو دیکھتی، گھبرا سانس لے کر لکڑی کے بینچ پر بیٹھ گئی۔ ٹیک لگائی تو تھکی ہوئی آنکھوں میں نیند دعوت کے بغیر چلی آئی اور اسے خبر نہیں رہی۔ چہرے پر سے چادر بھی ڈھلک چکی تھی۔

''ایکسیوز می۔'' کسی نے بہت دھیمے سے پکارا تھا۔ ایک دھیمے احساس کے لوچ کے ساتھ اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ بری طرح ہڑبڑا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے سامنے جو خاتون کھڑی تھی، وہ بڑی جانچتی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ بھی چادر سنبھالتی بغور اسے دیکھنے لگی۔ وقت، حالات کی دبیز تہہ چھٹنے لگی تھی، آنکھوں میں پہچان کی کشش اترنے لگی تھی۔ خاتون جیسے خواب کی سی کیفیت میں بولیں۔

''میں اگر غلطی پر نہیں تو آپ...... انیقہ ہیں؟'' خاتون کی آنکھوں میں پہچان کی اتنی واضح تصویر دیکھ کر بھی انیقہ کا جی چاہا اسے جھٹلا دے۔ مگر دوسرے ہی لمحے خیال گزرا کہ وہ جو اتنی دیر سے اللہ سے دعائیں کر رہی تھی کسی عزت دار جائے پناہ کی تو اللہ نے وسیلہ بنا دیا تھا۔ اس نے اپنی برسوں کی دوست فرحانہ کو پہچان کر بانہیں پھیلا دیں۔

''قطعی نہیں، میری فرحانہ کبھی غلطی پر نہیں ہوسکتی۔''

دونوں کالج کی دوست تھیں، فرحانہ غریب والدین کی سادہ سی لڑکی تھی مگر انیقہ کی اس سے بہت دوستی تھی۔ فرحانہ اس کے نوابانہ ٹھاٹھ سے مرعوب تھی مگر انیقہ کو محض اس کی اچھائی اور خوبصورتی کی وجہ سے بہت چاہتی تھی اور فرحانہ کا خلوص انیقہ کو اس کے قریب کر گیا۔ دونوں بہترین دوست تھیں۔ مگر پھر دونوں کی شادیاں ہوگئیں۔ کئی ماہ و سال درمیان میں آ گئے تو ایک دوسرے کی کوئی خبر ہی نہیں تھی۔ آج اتفاقیہ ملاقات پر دونوں خوش تھیں۔ انیقہ نے خود پر گزرنے والی ساری واردات فرحانہ کے گوش گزار کر دی تو وہ اسے ساتھ لگا کر شدت سے رو پڑی۔

''اُف میرے خدا، تم پر کیا کیا آفت نہیں گزری۔ کاش...... کاش ہم لوگ آپ سے کوئی رابطہ رکھتے تو آج تمہارے ہاتھ کرچیاں سمیٹ سمیٹ کر لہولہان نہ ہوتے۔''

''یہ تو سب نصیب کی بات ہے فرحانہ، مگر ہم نے گھر چھوڑنے والی حرکت اچھی نہیں کی۔ ہم اپنے اس جذباتی اور غلط فیصلے پر بہت نادم ہیں۔'' رہ رہ کر انیقہ کو اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا۔

''ہاں، ہے تو غلط فیصلہ۔ مگر اب جب کہ یہ ہو چکا ہے تو اب در در کی ٹھوکریں تو نہیں



کھانی ناں۔ اُٹھو اور میرے ساتھ چلو۔''

''تمہارے ساتھ؟ مگر فرحانہ، تمہارے شوہر؟'' چاہنے کے باوجود نوابی خون گوارا نہیں کر رہا تھا کہ یوں کسی پر بوجھ بنے۔

''ناصر میرے شوہر بہت اچھے آدمی ہیں، دو چھوٹے بچے ہیں۔ رہی بات سسرال والوں کی تو بہن بھائی بیاہے گئے، ساس سسر اللہ کو پیارے ہو گئے۔ بس ایک دیور کنوارا ہے، وہ آرمی میں ہے۔ آج یہاں تو کل وہاں۔ چلو جلدی کرو، باہر ناصر انتظار کر رہے ہوں گے، ہم ان کے کسی دوست کی فیملی کو سی آف کرنے آئے تھے۔ میں واش روم کی وجہ سے اندر آئی تو مجھے کیا خبر تھی کہ مجھے تم مل جاؤ گی۔ سچ اس قدر خوشی ہو رہی ہے کہ......''

''وہ تو ٹھیک ہے فری، تم تو سب جانتی ہو۔ مگر ناصر بھائی کو میرے بارے میں پتہ چلے گا تو کیا رائے قائم کریں گے؟'' یہی سوچ کر انیقہ کی پیشانی عرق آلود ہوگئی۔

''کہا ناں وہ بہت اچھے انسان ہیں۔ تم فکر نہ کرو۔ ملو گی تو میری بات پر یقین آ جائے گا۔ چلو شاباش، اب دیر نہ کرو، وہ باہر کھڑے میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔''

''وہ سب ٹھیک ہے فری، مگر ہم بہت شرمندہ ہیں، نجانے کوئی میرے اس اقدام کو کس نظر سے دیکھے اور......'' انیقہ کی اس وقت عجیب حالت ہو رہی تھی۔ وہ ایسے موڑ پر کھڑی تھی جس کے ایک طرف کھائی تھی تو دوسری جانب گہرا گڑھا تھا۔ دونوں سے بچنا دشوار تھا۔ غلطی تو وہ کر چکی تھی اب بھٹکنا تو تھی اور پھر فرحانہ کو تو اللہ نے فرشتہ بنا کر بھیج دیا تھا تو اب اس کے ساتھ نہ جانا بھی مناسب نہیں تھا۔

''دیکھو انیقہ، ناصر اسلامک اسٹڈیز کے پروفیسر ہیں اور بہت سمجھدار انسان ہیں۔ وہ تمہیں ہرگز غلط نہیں سمجھیں گے۔ دیکھنا تمہیں ان سے مل کر ایسا ہی لگے گا کہ وہ تمہارے سگے بھائی کی طرح ہیں۔''

''نہیں فری، مجھے سگا بھائی نہیں چاہئے۔ ایک اچھا انسان، دوست انسان چاہئے۔ سگے بھائی کی وجہ سے تو میں یہاں ہوں۔ ورنہ والدین اور بھائیوں کی دہلیز پر تو......''

اپنے بھائی اور بھابی کا رویہ یاد کر کے انیقہ پھر شدت سے رو پڑی۔ ''بھائی اگر باپ بن جائیں تو کوئی حرماں نصیب لڑکی اس طرح گھر نہ چھوڑے اور ویٹنگ روم میں خوفزدہ نہ رہے۔''

''اچھا چلو، میں تو ہوں ناں تمہاری اپنی مخلص دوست۔ چلو اب میں تمہیں ان حالات میں یوں دنیا میں خوار ہونے کے لئے نہیں چھوڑ سکتی۔''

※☆※

''ہوں، بات یہ ہے انیقہ بی بی! گو کہ آپ بہت دکھی تھیں، پریشان تھیں مگر پھر بھی آپ کو یہ انتہائی قدم نہیں اٹھانا چاہیے تھا۔ غصہ اور جذبات انسانی عقل کو جلا کر راکھ کر دیتے ہیں اور راکھ تو آپ کو معلوم ہے پیروں میں آتی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ جس پر جو گزرتی ہے وہی جانتا ہے۔ میرے جسم میں اگر تکلیف ہے تو میں ہی محسوس کر سکتا ہوں، آپ نہیں۔ لیکن خیر آپ میرے لئے قابل احترام ہیں اور میں نہیں چاہتا کہ آپ کا فیصلہ آپ کے لئے سزا بنا دیا جائے۔ آپ میری بہن ہی نہیں، میری بیٹی کی حیثیت سے اس گھر میں رہیے۔ آپ باوقار خاندان کی با عزت باوقار خاتون ہیں، ہمارے لئے تو آپ کا یہاں آنا ہی باعث عزت ہے۔ آپ اس گھر کو اپنا گھر سمجھئے۔''

ناصر صاحب واقعی بہت تعلیم یافتہ اور اچھے آدمی تھے۔ نپے تلے انداز میں وہ اس کو سمجھا رہے تھے اور وہ گود میں ہاتھ رکھے ناخن نوچتی رہی۔ بار بار اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا۔

''جی بھائی، آپ نے جتنی مجھے عزت دی اس کے لئے میں بہت مشکور ہوں اور.....''

''اور یہ کہ آپ کا تعلق نواب خاندان سے ہے اور آپ نواب زادی ہیں۔ ہر چند کہ یہاں آپ کے شایان شان تو کچھ نہیں، پھر بھی.....'' اٹھتے ہوئے ناصر صاحب نے سادگی سے کہا اور یہ بات ان کے ذہن میں تھی کہ وہ نواب زادی ہے مگر انیقہ کو ان کی یہ بات مناسب نہیں لگی۔

''معذرت کے ساتھ عرض کروں بھائی، آپ نے اب تک جو بات کی میں اپنی عزت افزائی سمجھتی رہی، مگر آپ نے یہ بات کر کے دل توڑ دیا ہے۔ میں نواب زادی بعد میں اور مسلمان پہلے ہوں اور مسلمان انسانیت میں، رتبوں پر نہیں، مرتبوں پر نہیں، برابری پر یقین رکھتا ہے۔ اور.....''

''اچھا چلئے، ہم سے غلطی ہوگئی۔ آپ ہماری بہن ہیں، بیٹی ہیں تو پھر جس طرح گھر میں بہنیں، بیٹیاں رہیں، آپ بھی رہیے اور ہماری بات کو دل پر مت لیجئے گا۔''

انیقہ کے رندھے ہوئے لہجے اور آنکھوں میں اترتی نمی نے ناصر صاحب کو پہلے ہی نادم کر دیا تھا اور کچھ فرحانہ شوہر کو تنبیہی انداز میں گھور رہی تھیں۔

''اور ہاں بہن، ایک ضروری بات۔'' ناصر صاحب اپنے کمرے میں جاتے جاتے پلٹے۔ انیقہ کو ان کا یوں بہن کہنا بہت اچھا لگا۔ وہ آ کر انیقہ کے قریب کھڑے ہو گئے، اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

''دیکھو بیٹی، انسان کو چاہیے کہ ہو سکے تو اپنی غلطی کو کم کرے، میرا مطلب یہ ہے کہ آپ



کے گھر والے خصوصاً آپ کی بڑی ہمشیرہ بہت پریشان ہوں گی۔ آپ وہاں نہیں جانا چاہتیں نہ سہی، مگر ان کو یہ اطلاع ضرور کر دیں کہ آپ اپنی دوست کے ہاں ہیں اور اچھی جگہ پر ہیں۔ بے شک آپ یہاں کا اتہ پتہ نہ دیں، لیکن ان کو ضرور بتا دیں کہ آپ خیریت سے ہیں اور اپنوں کے پاس ہیں۔''

''ہاں انیقہ، میں بھی یہی کہنے والی تھی۔ آپی کا تو حشر ہو گیا ہوگا رو رو کر۔ نجانے کیا کر رہے ہوں گے وہ لوگ.....'' ناصر اور فرحانہ کے سمجھانے پر وہ صرف ان کو اپنی خیریت کی اطلاع دینے پر تیار ہو گئی۔ وہ اب واپس، جانا نہیں چاہتی تھی، یہیں سے اپنی بکھری زندگی کو نئے انداز سے ترتیب دینا چاہتی تھی۔

''ٹھیک ہے تو چلیں پی سی او۔'' اور پھر وہ فرحانہ کے ساتھ پی سی او آ گئی۔

''ہیلو..... ہیلو.....'' پہلی ہی بیل پر بے چینی سے ٹہلتے ہوئے شفاعت اللہ نے ریسیور اٹھا کر کہا تو اس کے دل کی ساری بے قراری ایک لفظ ہیلو میں ڈھل گئی۔ انیقہ کے دل پر چوٹ پڑی۔ انیقہ نے ریسیور رکھ دیا اور چہرے پر ہاتھ رکھ کر شدت سے رو دی۔ یہ اس کی زندگی کی کیا کہانی بن گئی تھی اور کیا بننے جا رہی تھی۔

''ہمت سے کام لو انیقہ، پھر ملاؤ نمبر اور بات کرو۔ جو بھی اٹھائے اس کو بتا دو اور رکھ دو۔'' فرحانہ کے سمجھانے پر اس نے پھر نمبر ملایا۔ پھر شفاعت اللہ تھے، وہ جس انداز سے ہیلو کہہ رہے تھے ایک یقین جھانک رہا تھا ان کی آواز سے کہ جیسے ان کو یقین ہو فون کرنے والی انیقہ ہی ہے۔ وہ چپ رہی۔

''ہیلو..... ان..... انیقہ بولو، بولتی کیوں نہیں ہو؟ کہاں ہو؟ پلیز بتاؤ ناں؟ کیا ہماری تڑپ کا لطف اٹھا رہی ہو؟ انیقہ..... انیقہ.....''

ان کے لہجے کی تڑپ ان کی اندرونی بے قراری کی غماز تھی اور اسی بات سے انیقہ کو خوف آ رہا تھا۔ وہ منزہ جیسی محبت کرنے والی دیوانی کے شوہر اور اپنے بچے کے باپ تھے۔ وہ اسی بات سے تو زیادہ بھاگی تھی اور ان کی تڑپ برقرار تھی۔ اس نے لہجہ سخت کر لیا۔

''جی شفاعت صاحب، میں ہی ہوں انیقہ۔''

''ان..... انیقہ مجھے معلوم تھا یہ تم ہو۔ کہاں ہو؟ یہ کیا بچکانہ حرکت ہے؟ جلدی بتاؤ میں کہاں..... لینے آؤں؟ انیقہ، میں.....'' شفاعت اللہ کا بس چلتا تو ریسیور میں گھس جاتے یا اسے کھینچ لیتے۔ مگر اس وقت وہ بالکل بے بس تھے۔

''شفاعت صاحب! میں کہاں ہوں، یہ ہرگز نہیں بتاؤں گی۔ میں نے صرف یہ بتانے

کے لئے فون کیا ہے کہ میں خیریت سے ہوں اور آپی کو بتا دیجئے۔ میں اپنی دوست فرحانہ کے پاس ہوں۔ ان کے لئے اتنا اطمینان ہی کافی ہے۔ خدا حافظ!'' اور پھر شفاعت اللہ بے قراری سے ہیلو، ہیلو ہی کرتے رہ گئے۔ انیقہ نے ریسیور رکھ دیا۔ حقیقت تو یہ تھی کہ اب وہ واپس جانا ہی نہیں چاہتی تھی۔ اس لئے فرحانہ کے گھر میں چند دن رہ کر وہ کسی ہوسٹل وغیرہ جانا چاہتی تھی۔

☆

''شکر ہے میرے پروردگار، انیقہ اچھے لوگوں میں گئی ہے۔ تیرا اتنا شکر ہے اللہ پاک جتنا میں ادا کرنے کی سکت نہیں رکھتی۔'' بانو بیگم کو جب پتہ چلا کہ انیقہ اپنی عزیز مخلص دوست فرحانہ کے پاس ہے تو بانو بیگم پُرسکون ہو گئیں۔ سب سے پہلے انہوں نے خدا کے حضور سجدۂ شکر ادا کیا اور رو ئے گئیں۔ مگر باقی سب مطمئن نہیں تھے۔ خاص طور پر شفاعت اللہ تو بری طرح بے چین تھے۔

''انیقہ اب محفوظ ہاتھوں میں ہے شفاعت میاں۔''

''وہ تو ٹھیک ہے بھابی جان۔ مگر ان کا کوئی اتہ پتہ بھی تو ہوگا ناں۔''

''ہاں شفاعت میاں، ضرور ہوگا۔ مگر ہمیں کچھ معلوم نہیں۔ شادی کے بعد ہم تو اپنی گھر داری میں الجھ گئے۔ فرحانہ کی شادی کب اور کہاں ہوئی، اس کے شوہر کیا کرتے ہیں؟ کہاں ہیں؟ ہمیں کوئی خبر نہیں۔ بس اتنا اطمینان ضرور ہے کہ انیقہ غلط جگہ پر نہیں۔''

''اوہو، تو بیگم اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم انیقہ کو واپس نہ لائیں۔ وہ وہیں پرائے گھر میں پڑی رہیں یہ..... یہ ہمیں گوارا نہیں۔'' شجاعت اللہ انیقہ پر سخت خفا تھے۔

''انیقہ کے لئے تو سب گھر پرائے ہیں شجاعت صاحب، بہن کا گھر ہو یا سہیلی کا گھر۔'' بانو بیگم بہن کی اتنی ناقدری پر شدت سے رو پڑیں جبکہ مرد ہر صورت میں فرحانہ کا ایڈریس مانگ رہے تھے۔

''آپ کا کیا خیال ہے شفاعت میاں، ہم جان بوجھ کر فرحانہ کا پتہ نہیں دے رہے؟ ہمیں معلوم ہوتا تو ہم خود جا کر اپنی لاڈلی کو منا لاتے۔''

''چلیے، بھابی جان! آپ زیادہ اثر نہ لیجیے، کئی روز سے آپ کا بی پی مسلسل ہائی چلا آ رہا ہے۔ یہ بھی اللہ کا فضل و کرم ہے کہ انیقہ اچھے ہاتھوں میں ہے اور یہ بھی اللہ کا شکر ہے کہ انہوں نے بتا دیا ورنہ ہم بے خبر تو ان کے لئے ہولتے ہی رہتے۔''

منزہ نے آگے بڑھ کر بانو بیگم کو ساتھ لگا لیا۔ دوا دے کر لٹایا تو کتنے دنوں کی بے چینی کو



جیسے سکون مل گیا تھا۔ انیقہ اچھی جگہ پر تھیں، یہ اطمینان ہی ان کے لئے بہت تھا۔ جبکہ شفاعت اور شجاعت اللہ اس کھوج میں تھے کہ فرحانہ کا ایڈریس کہیں سے مل جائے تو انیقہ کو لے آئیں۔

☆

''یہ ہماری کم نصیبی ہے کہ نہیں فری کہ جب شفاعت اللہ جیسا شخص جو کہ ہماری چاہت بھی تھا، ہمارا آئیڈیل بھی تھا، جب دیوانہ بن کر ہمارا طلب گار ہوا تو ہم احتشام الدین کے نکاح کے پنجرے میں قید تھے، جب وہاں سے آزادی ملی تو شفاعت اللہ قید ہو چکے تھے منزہ کی محبت میں، اس کے نکاح کے پنجرے میں۔ بے بسی سے ہمیں دیکھتے رہتے اور.....''

انیقہ نے اپنا دل کھول کر رکھ دیا تو وہ اس کو ساتھ لگا کر پیار کرنے لگی۔ اس کے ساتھ ساتھ شفاعت اللہ پر بھی ترس آنے لگا۔

''ہاں، ہے تو بہت دکھ کی بات لیکن جیسا کہ تم کہہ رہی ہو، منزہ اچھی لڑکی ہے اور وہ خود تمہارا اور شفاعت اللہ کا نکاح کرنے پر تیار تھی تو؟''

''فری! تم..... تم یہ بات نہ کہو کہ میں اتنی خود غرض ہو جاؤں کہ اپنی خوشی کی خاطر ایک معصوم لڑکی کی محبت سے فائدہ اٹھاؤں۔ اور میں اتنی مجبور بھی نہیں کہ سب کے لئے مجبوری کا سودا بن جاؤں منزہ نے اگر یہ قربانی دینے کا فیصلہ کیا ہوگا تو نجانے اس کے دل پر کیا گزری ہوگی۔ وہ بھی مجبوراً مجھے گوارا کر لیتی تو کیا میں..... میں ایسی ہوں کہ..... نہیں فری، مجھے مر جانا تو گوارا تھا، ان کا یہ فیصلہ قبول نہیں تھا اور اسی وجہ سے میں نے یہ انتہائی قدم اٹھایا۔ میں تمام عمر اس احساس کے ساتھ نہیں گزار سکتی تھی کہ مجھے یہ سب کچھ خیرات میں مل رہا ہے۔ میں کسی کے حصے میں حصے دار بن رہی ہوں، اس اذیت ناک احساس سے کہیں بہتر یہ سب ہے کہ محرومیاں رہیں۔ بس گھر چھوڑنے والا فیصلہ میں نے انتہائی غلط کیا ہے، جو کسی بھی لڑکی کو کسی حال میں نہیں کرنا چاہئے۔ میں گھر نہ چھوڑتی تو کوئی بھی مجھے میری مرضی کے خلاف زندگی گزارنے یا کسی سمجھوتے پر مجبور نہیں کر سکتا تھا۔ بس اسی بات کی خلش رہے گی زندگی میں اور کسی بات کی نہیں۔'' بات پوری کر کے ایک بار پھر شدت سے رو پڑی تو فرحانہ نے ساتھ لگا لیا۔

''چلو، اب تو جو ہونا تھا ہو گیا ناں، گھر بتا دیا ناں، اب آپی بھی سکون میں ہوں گی کہ تم میرے پاس ہو۔ چلو اٹھو، نماز پڑھ کر کھانا کھاتے ہیں اور لیٹ جاتے ہیں۔''

☆

''امی، امی! سلیم کا آپریشن کامیاب ہو گیا ہے امی، وہ ٹھیک ہے۔ امی، وہ زندہ ہے۔ امی..... امی!'' نازو بھاگتی ہوئی آئی اور امی کے قریب آ کر گر گئی۔ حمیدہ بیگم نے سنا تو اسی وقت سجدے میں گر گئیں شکرانے کے لئے۔

''تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے خدایا، تیری ذات پاک کا میں کس طرح شکرانہ ادا کروں پروردگار کہ تو نے سلیم کو دوبارہ زندگی عطا فرمائی۔ شکر ہے میرے پروردگار، شکر ہے۔''

دونوں ماں بیٹی جو خود کو مجرم سمجھ کر اور زیادہ پریشان تھیں، آپریشن کی کامیابی کا سن کر دونوں شکرانہ ادا کر رہی تھیں۔

''یا اللہ، تیرا میں کس طرح شکرانہ ادا کروں کہ تیری پاک ذات نے مجھے زیبو کے سامنے سرخرو کر دیا ہے، تیرا شکرانہ ادا کر ہی نہیں سکتی پروردگار۔'' نازو سجدے میں بری طرح رو رہی تھی۔ زیبو تو خوشی سے دیوانی ہو گئی تھی۔ سلیم کو دوبارہ زندگی ملنے پر پاگل کی طرح خوش ہو کر اللہ کا شکرانہ ادا کر رہی تھی۔

''مبارک ہو نازو، مبارک ہو..... تیرا دیوانہ بچ گیا ہے۔ آپریشن کامیاب ہو گیا ہے تیرے دیوانے کا۔'' زیبو بڑی صاف دل لڑکی تھی۔ نازو سے نہ تو اسے حسد محسوس ہوا تھا کبھی یہ جانتے ہوئے بھی کہ سلیم جس پر وہ مرتی ہے، نازو پر جان دیتا ہے اور نہ ہی اب کوئی شکوہ تھا کہ اس کی وجہ سے سلیم موت کے منہ میں چلا گیا تھا۔ جیسے ہی سلیم کا آپریشن کامیاب ہونے کی خبر ملی، وہ فرش پر سجدے کرتی بھاگی اور نازو سے لپٹ کر رو دی گئی۔

''ارے بھئی جب تک سلیم کی دیوانی اسے دعائیں دینے کے لئے زندہ ہے تو سلیم کو کچھ نہیں ہوگا۔ دیکھ لو، میں نے کہا تھا ناں، مانگ سکتی ہے تو مانگ سلیم کو دوبارہ اللہ سے۔ اب سلیم تمہارا ہوا۔'' نازو نے نجانے کس دل سے کہا۔ زیبو زور سے ہنس پڑی۔

''لے، چل ہٹ یہاں سے۔ سلیم تو ہے ہی میرا۔ میرا ہوا سے کیا مطلب ہے تیرا؟ ارے ذرا گھر تو چل لے، اچھی طرح ٹھیک کروں گی اسے۔ ارے میرا خون دوڑ رہا ہے اس کی رگوں میں۔ اب تو وہ میرے خون کا قرض دار ہے۔ اب میرے خون کا قرض کیسے چکائے گا؟ اب تو میں اسے اچھی طرح قابو میں رکھوں گی اور..... نازو تجھے برا تو نہیں لگ رہا؟''

اپنی دیوانگی میں بولتی زیبو ایک دم چونک کر اسے دیکھنے لگی جو نجانے کن سوچوں میں گم تھی۔

''ہوں..... ہاں، کیوں مجھے برا کیوں لگے گا۔ پہلے بھی تیرا ہی حق تھا اس پر اور اب تو وہ تیرا قرض دار ہے جس طرح چاہے اپنا قرض وصول کر لینا۔ بس مجھے تو یہ بتا تو مجھ سے خفا تو نہیں؟'' نازو نے اس کے ہاتھ تھام کر پوچھا تو کچھ دیر کے لئے وہ حیرت سے اسے دیکھتی



رہی اور اس کی بات سمجھنے کی کوشش کرتی رہی۔ کیونکہ کس وجہ سے نازو دیکھ رہی تھی اس وجہ تک تو زیبو کی ہزارویں سوچ بھی نہیں جا سکتی تھی۔

''خفا کس بات پر؟ اوہ، اچھا تو وہ جو میرے ابا کی دس بھینسیں چوری ہو گئی ہیں وہ تو نے چرائی ہیں؟ یا میری اماں کے ہیرے جواہرات چوری ہوئے ہیں وہ بھی تو نے چرائے ہیں۔ لو سب چیزیں واپس کر جلدی۔'' معصومیت اس کے انداز میں لوٹ آئی تھی۔

''پاگل! میں اس لئے کہہ رہی ہوں کہ میری وجہ سے جو سلیم کو یہ سب برداشت کرنا پڑا اس وجہ سے......''

''اوہ، اچھا اچھا..... لو اور سنو، ارے پاگل لڑکی، محبت کی دوڑ میں ایسا ہوتا ہی ہے۔ جو جس سے محبت کرتا ہے ناں نازو وہ اس کے پیچھے بھاگتا ہے اندھا دھند، پھر اس راہ میں کتنی مشکلات ہیں، کتنے خار ہیں تجھے کیا خبر۔ تجھے کسی سے محبت نہیں ہوئی ناں، اس لئے پیچھے بھاگنے والوں کے بارے میں نہیں جانتی کہ ان چوٹوں میں کتنی راحت ہے جو محبوب کی طلب سے ملیں۔ یہ تو بس مجھے اور سلیم کو ہی اس خوشی اور تسکین کا پتہ ہے۔''

سلیم کی محبت میں محبت کا فلسفہ بولتی زیبو کو نازو حیرت سے دیکھے گئی۔ کون کہہ سکتا تھا کہ وہ تعلیم یافتہ نہیں یا عام انداز میں انتہائی منہ پھٹ اور جاہل مینرز والی لڑکی ہے۔

''پتہ ہے زیبو، اس وقت تم بہت پڑھی لکھی لڑکی لگ رہی ہو، کہاں سے سیکھیں تم نے ایسی باتیں؟''

''محبت کی کتاب سے۔ تو بھی محبت کی کتاب پڑھ لے، ساری باتیں سمجھ میں آ جائیں گی۔ چل اب آ جا، تیرا دیوانہ تو تجھے دیکھنے کو مچل رہا ہوگا۔''

وہ خوشی سے گھسیٹتی اپنے ساتھ لے گئی۔

☼☆☼

سلیم اللہ کے فضل و کرم سے رو بہ صحت تھا۔ سب نے اتنی محبت اور توجہ دی تھی کہ وہ خدا کا شکر ادا کرتا کہ جیسے والدین نہیں تھے اگر یہ لوگ بھی بے حس ہوتے تو وہ کیا کرتا۔ خاص طور پر زیبو کا بڑا عجیب سا روپ سامنے آیا تھا۔ وہ اتنی کیئرنگ بھی ہو سکتی تھی، وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

''پتہ ہے شہزادے، اگر تو مر جاتا ناں تو میں کیا کرتی؟'' وہ اُسے دوا دیتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''ہوں، پتہ ہے چھت سے کود جاتی۔'' سلیم نے اپنے یقین کو لفظوں کی زبان دی تو وہ

اسے بغور دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں ڈولتا عکس اس بات کی تصدیق کر رہا تھا مگر وہ زور سے ہنس پڑی اور ہنسے گئی۔

"لو اور سنو، میں اپنی یہ پیاری جان تیرے لئے دے دیتی، نہ بابا نہ، یہ حوصلہ نازو ہی میں ہوگا کہ تیری محبت میں جان پر کھیل جائے، میں نہیں دیتی جان جیسی چیزیں تیری خاطر۔ تجھے پتہ ہے نازو کتنا روئی ہے، کتنی دعائیں مانگی ہیں اس نے تیرے لئے۔ وہ تو کہہ رہی تھی کہ اگر سلیم نہ رہا تو میں بھی جان دے دوں گی۔ وہ تو خدا کا شکر ہے تو بچ گیا۔ ورنہ وہ بھی گئی تھی۔"

"تو..... تو سچ کہہ رہی ہے زیبو؟ نازو نے میرے لئے یہ سب کہا تھا؟" سلیم کو یقین نہیں آیا۔

"لے، تو مجھے جھوٹ بول کر کون سا انعام مل جاتا؟ اور تو اور اب تو وہ بڈھی خالہ بھی لائن پر آگئی ہے۔ سارے کس بل نکل گئے ہیں بڑھیا کے۔ اب تو اتنی احسان مند ہے کہ بس رشتہ مانگنے کی دیر ہے، کھٹاک سے ہاں کہہ دے گی۔"

زیبو اپنے انداز میں ساری باتیں بنائے گئی اور وہ کچھ اور ہی سوچ رہی تھی۔

❋☆❋

"خدا سلیم کو زندگی دے بیٹا، میرے تو رواں رواں سے اس کے لئے دعائیں نکل رہی ہیں۔ اس نے جان پر کھیل کر اس نے تیری جان اور عزت بچائی، اللہ ہی اجر دینے والا ہے۔ اور زیبو سمیت سب نے میرا اتنا خیال رکھا ہے کہ میں تمام زندگی ان کا احسان چکا نہیں سکتی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوئی کہ ان چھ سات دنوں میں ان لوگوں نے ایسے مجھے اپنے گھر میں رکھا کہ کسی کو خبر نہیں ہوئی کہ میں ان کے ہاں ہوں اور تم غائب ہو۔ سچ اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو یا تو میں گھٹ گھٹ کر مرگئی ہوتی یا ساری دنیا کو اپنے دکھ میں شریک کر کے بدنام ہوگئی ہوتی۔ یہ اللہ تعالیٰ کے ایسے نیک لوگ ہیں جو انسانیت کی آبرو ہیں۔"

نازو خاموشی سے ماں کو دیکھ رہی تھی جو سلیم سمیت ان سب کو قابل نفرت سمجھتی تھیں اور سلیم کے رشتے کو نفرت اور حقارت سے ٹھکرا دیا تھا کہ ان کی جرأت کیسے ہوئی میری نازو کا رشتہ مانگنے کی۔

"جی امی! اچھے لوگ ہیں تو دنیا قائم ہیں۔ اور یہ لوگ بہت ہی اچھے ہیں، بغیر کسی لالچ کے انہوں نے ہمیشہ ہمارا ساتھ دیا ہے اور ایسے مخلص دوست تو انسانیت کے ماتھے کا جھومر ہوتے ہیں جن سے زندگی خوبصورت نظر آتی ہے۔" آج پہلی بار نازو نے کھل کر سلیم اور ان



سب کی تعریف کی تھی ورنہ تو وہ ان کا نام لیتے ہوئے بھی ڈرتی تھی ماں کے سامنے۔

"ہاں بیٹا، میں تو ان سے اتنی شرمندہ ہوں کہ نظریں اونچی نہیں کر سکتی۔"

"امی! اب ہمیں یہاں سے چلے جانا چاہئے۔ آپ ہاجرہ خالہ سے بات کر کے شادی طے کر دیں تو ہم حیدر آباد چلے جائیں گے اور وہیں رہیں گے۔ اب مجھے یہاں سے خوف آتا ہے۔"

"نہیں بیٹا، ہم اتنے اچھے اور مخلص لوگوں کو چھوڑ کر کہیں نہیں جائیں گے بلکہ یہیں رہیں گے۔ اور میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اب تمہاری شادی سلیم سے ہی ہوگی۔ اس سے بڑھ کر تمہارا حقدار کوئی ہے اور نہ ہی ہو سکتا ہے۔ پہلے تو انہوں نے رشتہ مانگا تھا ناں، اب میں خود ان کو گھر جا کر رشتہ دوں گی، اتنی ہی عزت سے جتنی عزت سے انہوں نے مانگا تھا۔"

حمیدہ بیگم پورے خلوص سے کہہ رہی تھیں۔ نازو کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہے یا کرے۔

"امی! ٹھیک ہے، سلیم نے میرا بہت ساتھ دیا ہے، میری عزت اور جان کی خاطر وہ جان پر کھیل گیا مگر....." نازو نجانے کیوں ہچکچا رہی تھی کہ امی پہلے بات نہ کریں۔

"اب اگر مگر کی گنجائش کہاں ہے نازو، تمہیں ایک ایسے ہی مخلص سہارے کی ضرورت ہے۔ اور پھر خود بات کر لینے میں حرج ہی کیا ہے۔ اور اب جو میں نے سوچ لیا وہ کر کے رہوں گی۔ آگے جو میرے اللہ کو منظور، یہاں کوئی تیرے باپ بھائی تو بیٹھے نہیں کہ ارمانوں سے تجھے رخصت کریں گے۔"

حمیدہ بیگم کی بات ابھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ دروازے پر ایک بار پھر پرانے والی دستک ہوئی۔ دونوں ماں بیٹی سلیم کہہ کر ایک دوسرے سے لپٹ گئیں۔

"امی، کہیں وہی خبیث راشد نہ ہو۔ مت جائیے گا باہر" خوف سے نازو کا حلق خشک ہو گیا۔ حمیدہ نے آیات پڑھنا شروع کر دیں۔ پھر دستک ہوئی تو حمیدہ کی گھٹی گھٹی آواز برآمد ہوئی۔

"کک..... کون؟"

"یہ..... یہ حمیدہ اور شہناز کا گھر ہے ناں؟" وہی خوف میں لپٹی کھوج کا سفر طے کرتی ہوئی آواز حمیدہ کی سماعتوں سے ٹکرا کر دھڑکنوں کو منتشر کرتی چلی گئی۔

"امی..... امی، منع کر دیں کہ نہیں۔ نجانے کون ہے۔ کہیں راشد ہی کا بھیجا ہوا نہ ہو"

حمیدہ نے دھڑکتے دل کے ساتھ نازو کو دیکھا اور قدم آگے بڑھا دیئے، یوں جیسے کوئی

کشش ان کو اپنی طرف کھینچ رہی ہو۔ نازو منع ہی کرتی رہی مگر وہ نہ مانیں، بڑھتی رہیں دروازے کی جانب۔

''امی پلیز!'' نازو سامنے کھڑی ہوگئی تو انہوں نے اسے پرے کر دیا۔

''مجھے دیکھنے تو دو نازو اس آواز والے کو جس کی آواز میری روح تک کو جھنجھوڑ دیتی ہے، اپنی طرف کھینچتی ہے۔ کیوں ایسا ہے، میں یہی دیکھنا چاہتی ہوں۔ ہاں...... ہاں یہ حمیدہ اور شہناز کا گھر ہے۔ ہاں، ہاں یہی وہ گھر ہے جہاں حمیدہ بدنصیب رہتی ہے۔''

حمیدہ چلاتی ہوئی آئی اور دھڑ سے دروازہ کھولا تو دروازے پر کھڑا نوجوان جو خاموشی پا کر جانے کا سوچ رہا تھا کہ اچانک آنے والی آواز نے قدم روک دیئے۔ اجنبی سا خوش شکل نوجوان متلاشی نظروں سے حمیدہ اور شہناز کو دیکھ رہا تھا۔

''اگر آپ حمیدہ بیگم ہیں تو سینے سے کیوں نہیں لگا لیتیں امی جان، میں...... میں آپ کا وہ بدنصیب بیٹا ہوں جس پر نہ ماں کو ترس آیا اور نہ باپ کو۔ آپ جب مجھے جھولے میں چھوڑ کر آ گئیں امی، تو میں ایک سال کا تھا۔ امی میں...... میں کامی ہوں، آپ کا کامران۔''

اولاد سامنے ہو، دکھی ہو، آنسو بہا رہی ہو تو ممتا کے سمندر میں آگ لگ جاتی ہے۔

''کا...... کا...... کامی میرا بچہ...... میرا جگر گوشہ، میری دھڑکن، میرا بیٹا۔''

اتنی بڑی خوشی اتنی اچانک پا کر حمیدہ بیگم بے قابو ہوگئیں۔ نازو کو بچپن کے سارے سین یاد آ گئے جب وہ اپنے تین بھائیوں کے ساتھ سکون سے رہ رہے تھے کہ ابو کی زندگی میں ایک عورت ایسی آئی کہ اس نے ان کی زندگی کا شیرازہ بکھیر کر رکھ دیا۔ ابو اس کے عشق میں ایسے گرفتار ہوئے کہ حمیدہ جیسی شریف، وفا شعار بیوی کو صرف اس عورت سے شادی کے چکر میں طلاق دے دی، تینوں بیٹے رکھ لئے اور نازو جس کو اپنے ابو سے بہت پیار تھا، اسے انہوں نے الگ کر دیا تو وہ بکھر کر رہ گئی۔ اس عورت نے دھکے دے کر ان ماں بیٹی کو گھر سے نکال دیا تو وہ در در کی ٹھوکریں کھاتی اس بستی میں آ کر آباد ہوگئی تھیں۔

''آپا، مجھے تو کچھ علم نہیں۔ مگر جب ہوش سنبھالا تو رضوان بھائی نے ساری کہانی سنائی تو میں اسی وقت سے آپ دونوں کی تلاش میں پھر رہا ہوں۔ ایک بار ایک پرانے بزرگ آدمی نے امی کو یہاں دیکھا تو مجھے بتایا۔ تب سے میں آ رہا ہوں۔ مگر ہر بار...... ہر بار مایوس ہو کر لوٹ گیا۔ مگر اب تو میری برداشت ختم ہو چکی تھی، میں فیصلہ کر چکا تھا اب بھی آپ لوگوں نے قبول نہ کیا تو خود کو اس دہلیز پر ختم کر لوں گا۔ یہ...... یہ دیکھیں میں ریوالور ساتھ لایا تھا۔''

''نہیں میرے بیٹے، میرے چاند! تم لوگوں کو میری عمر بھی لگے۔ میرے پروردگار نے



بالآخر میری فریادیں سن لیں۔''

پھر برسوں کی جدائی مٹ گئی اور اس عرصے میں دلوں پر بیتنے والی واردات سب نے ایک دوسرے کو سنائیں۔ تینوں روتے رہے۔ حمیدہ بیگم کی ممتا کو آج سکون ملا تھا۔ اب وہ اپنے دوسرے بیٹوں کے بارے میں دکھی تھیں۔

''میرا رضوان اور غفران کیسا ہے؟'' حمیدہ ان دونوں کے لئے مچل مچل گئیں۔

''معلوم نہیں امی، دونوں بھائی مجھے چھوڑ کر کینیڈا چلے گئے ہیں۔ ابو نے مجھے جانے نہیں دیا تو میں بالکل اکیلا ہوگیا۔ پھر میں اللہ سے دعائیں کرتا رہا کہ کسی طرح مجھے آپ سے اور آپا سے ملوا دے تو آج اللہ نے ملوا دیا۔ میں اللہ کا شکرانہ کیسے ادا کروں امی؟''

کامران کی برسوں کی پیاس بجھ گئی تھی۔ وہ ماں کی ممتا اور بہن کی محبت کو چھپا لینا چاہتا تھا۔ بار بار ماں بہن کو پیار کر رہا تھا اور اپنی محرومیوں کی داستان سنا کر خود بھی رو رہا تھا اور ماں بہن کو بھی رُلا رہا تھا۔

''کامی، ابو کیسے ہیں؟ ان کی صحت کیسی رہتی ہے؟'' ابو کا ذکر کر کے وہ شدت سے رو پڑی تو حمیدہ نے اسے ساتھ لگا لیا۔

''تو کیوں پوچھتی ہے اس بے حس انسان کے بارے میں جس نے تجھے گھر سے نکال دیا، دل سے نکال دیا اور کبھی پلٹ کر خبر نہیں لی۔''

''امی! میں تو ان کو دل سے نہیں نکال سکی ناں، وہ میرے باپ ہیں۔ مجھے تو ایک دن بھی ایسا یاد نہیں جو ان کی یاد سے غافل گزرا ہو۔''

''آپا! بچپن کا تو پتہ نہیں، مگر جب سے ہوش سنبھالا ہے اس عورت کو ابو سے جھگڑا کرتے دیکھا ہے۔ اور ابو کو یہ کہتے سنا ہے کہ مجھ جیسا احمق اور بدنصیب آدمی بھی کوئی ہوگا جس نے ایک ایسی عورت کے لئے اپنا ہنستا بستا گھر برباد کر لیا، اپنی وفا شعار بیوی اور اکلوتی بیٹی کو گھر سے نکال دیا۔ میں نے ابو کو بار بار روتے دیکھا ہے۔''

''ہونہہ، اب مگرمچھ کے آنسو بہانے سے کیا حاصل ہوگا۔ زندگی تو سب کی برباد ہوگئی۔ محرومیوں کی اتھاہ گہرائیوں کی نذر ہوگئی۔ میں نے اور نازو نے جو خوف کی زندگی گزاری ہے ناں، یہ میں جانتی ہوں کہ کس طرح میں اپنے بچوں کے بچھڑنے کا سوگ مناتی تھی۔ میں اس شخص کو معاف نہیں کروں گی جس نے اپنے نفس کی آگ میں راکھ کر ڈالا میرا گھر، میری ممتا۔''

ایک ایک کر کے زخم اکھڑتے چلے گئے اور اتنی اذیت ہوئی کہ وہ نئے سرے سے زخم زخم ہوگئیں۔ وہ دونوں ماں کو سمجھاتے رہے۔

"اُٹھیے امی، نماز پڑھ کر بیٹے کے آنے کے شکرانے کے نفل ادا کریں اور پھر ہم دونوں بہن بھائی کو اپنے ہاتھوں سے کھانا بنا کر کھلائیں۔ معلوم ہے کامران، امی پلاؤ اتنا اچھا بناتی ہیں کہ......"

"مجھے کیا پتہ آپا، میں تو اتنا کم نصیب ہوں کہ ماں تو خیر دور تھی قریب رہ کر بھی باپ کی محبت اور توجہ حاصل نہیں کر سکا۔ آپ تو خوش نصیب ہیں کہ باپ نہیں ماں کی ممتا کے سائے میں تو پلی بڑھی ہیں ناں، کسی قسم کی محبت کی محرومی کا احساس نظر نہیں آتا چہرے پر۔"

"میں صدقے جاؤں، میرا بچہ اتنا محروم رہا ہے۔ اب تو میں ایک سیکنڈ بھی اپنے بچے کو خود سے الگ نہیں کروں گی۔"

حمیدہ نے دونوں کو ساتھ لگا کر پیار کیا اور خوشی سے تمتماتے چہرے کے ساتھ دونوں کے لئے کھانا بنانے لگیں۔ تب تک بہن بھائی نے زندگی بھر کی باتیں کر ڈالیں۔

"دیکھا آپ نے آپا، کتنا سکون ملتا ہے ناں اپنوں سے۔ مجھے جب تک معلوم نہیں تھا کہ میری ماں اور بہن ہیں اور ان کے ساتھ اس گھر میں ایسا ہوا ہے تب بھی مجھے آپ لوگوں کی انجانی سی محبت اور تلاش تھی۔ مجھے اندر ہی اندر محسوس ہوتا تھا کہ مجھے کسی کی تلاش ہے، کس کی؟ معلوم نہیں تھا۔ پھر جب بھائیوں نے آپ دونوں کے بارے میں بتایا تو مجھے ایک انجانی تلاش کی منزل مل گئی تو میں مطمئن ہو گیا اور آپ دونوں کی تلاش میں لگ گیا۔ اور اب تو انتہا ہو گئی تھی کیونکہ مجھے یقین تھا کہ آپ دونوں یہاں ہیں اور آپ لوگ انکار کر دیتے تھے اور......"

"کامی، میرے چاند سے بھائی، جیسے ہم نے زندگی گزاری ہے یہ ہم ہی جانتے ہیں۔ بس اللہ تعالیٰ نے عزت رکھی ہوئی ہے ہماری ورنہ...... جس گھر میں باپ بھائی نہ ہوں، لوگ ان عورتوں کو نوچ نوچ کر کھا جاتے ہیں۔ انسانی کھال میں بھیڑیوں سے کمزور عورت کو اللہ ہی بچا سکتا ہے۔" نازو راشد کا خیال کر کے رو پڑی۔ اگر کامی ان کے ساتھ ہوتا تو کسی کی جرأت تھی ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھتا۔

"بس آپا، اب آپ نہیں روئیں گی۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ملا دیا ہے ناں۔"

"آؤ میرے بچو، کھانا بن گیا ہے۔"

اور پھر ایک مدت کے بعد حمیدہ اپنے بچوں کے ساتھ بیٹھی تو بار بار ان کی نظر اتار رہی تھیں۔ انہوں نے گزشتہ زندگی کا ایک ایک زخم دکھا دیا تھا بیٹے کو۔

"بس امی، بیت گیا۔ جو دکھ آپ کو برداشت کرنے تھے کر لئے۔ اب میں آ گیا ہوں



ناں، میں آپ دونوں کو اپنے پاس رکھوں گا، جاب کروں گا۔ میں خود اچھا سا لڑکا دیکھ کر خود آپا کی شادی کروں گا۔"

"بیٹا، میں نے لڑکا دیکھ رکھا ہے۔ جن لوگوں نے ہمارا اتنا ساتھ دیا، دکھوں میں ہمارے ساتھ ہماری خوشیوں میں بھی ان کو شریک ہونے کا پورا حق ہے۔"

"اچھا امی، مجھے بھی اس لڑکے سے ملوایئے گا۔"

"ہاں، ہاں کیوں نہیں۔ تمہاری بہن کی عزت اور جان کے لئے تو اس نے اپنی جان کی بھی پرواہ نہیں کی۔ ملواؤں گی تمہیں ان لوگوں سے۔"

وہ لوگ سلیم کی باتیں کر رہے تھے۔ نازو اٹھ کر باہر چلی گئی۔ اب جبکہ سب ٹھیک ہو گیا تھا، امی سلیم کو قبول کر چکی تھیں اور اسے خوشی تھی کہ اس کی ماں میں جو ایک کمزوری تھی کہ وقت پڑنے پر کام آنے والے سلیم اور زیبو وغیرہ کو دھتکار دیتی تھیں اب دل سے سلیم کو پسند کر کے اپنی دہی پڑھی لکھی تعلیم یافتہ بیٹی اسے دینے کو تیار تھیں جس کے لئے انہوں نے نجانے کیا کیا خواب دیکھے تھے۔ جبکہ نازو دل سے سلیم کو پسند کرنے کے باوجود اسے اب زیبو کو سونپ دینا چاہتی تھی۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ زیبو کتنی دیوانی ہے سلیم کی۔ اور سلیم کی دیوانگی کا عنوان تو وہ خود تھی۔ وہ الجھ سی گئی۔ وہ زیبو کا دل دُکھانا نہیں چاہتی تھی۔ وہ ابھی کوئی فیصلہ بھی نہیں کر پائی تھی کہ حمیدہ کامی کو لے کر زیبو کے گھر پہنچ گئیں اور دعاؤں کی بارش کر دی سلیم پر، زیبو پر۔"

"ارے بس بس خالہ، اب مجھے اتنا بھی شرمندہ نہ کریں کہ میں......" سلیم واقعی نادم ہو رہا تھا۔

"ارے سلیم بیٹا، شرمندہ تو میں ہوں، میں نے ہمیشہ تم لوگوں کی محبتوں کو ٹھکرایا، وقت پڑنے پر بلا لیتی اور بعد میں...... میں...... میں ذرا خودغرض ہو گئی تھی بیٹا۔ مجھے معاف کر دو۔"

"اب چھوڑو بھی حمیدہ بہن، اب اگر انسان بھی انسان کے کام نہ آئے تو اور کیا فرق رہ جائے گا حیوان اور انسان میں؟ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے تمہیں بیٹا دیا ہے۔"

کشور جہاں نے پیار سے کامران کو دیکھا جو ان کے خلوص اور محبت سے بہت متاثر ہو رہا تھا۔ زیبو اماں کی بات سن کر شرارت سے بولتی اندر آئی۔

"اماں! خالہ کو اللہ نے بیٹا دیا ہے۔ خالہ بہت بہت مبارک ہو، مگر میرا بھائی تو آتے ہی جوان ہو گیا۔ فیڈر میں دودھ بنا کر لاؤں۔ ارے فکر نہ کرو میرا بھائی ہے ناں، یہ رہا سانڈ کا سانڈ۔ اماں نے ڈھیروں فیڈریں رکھی ہوئی ہیں اس کے لئے۔"

زیبو نے موٹے سے منے کو کامی کی گود میں رکھ دیا تو وہ ہنس پڑا اور اسے پیار کرنے لگا۔

''اری کمبخت وہ تو آتے ہی جوان ہو گیا خیر سے۔ مگر تو بیس سالوں میں بڑی نہ ہو سکی کم عقل، نجانے کس پر پڑی ہے۔'' امی نے ہنسی دباتے ہوئے کہا تو وہ دوپٹے کا کونا دانتوں میں دبا کر شرما گئی۔

''اماں! تم پر پڑی ہوں اماں۔ ہمیشہ ہی تو کہتے ہیں لوگ، بالکل ماں پر پڑی ہے بے عقل۔''

کامران کو یہ سب بہت اچھے لگے تھے۔ اس کو سلیم بہت پسند آیا تھا۔ اس کے خیال میں وہ مزید تعلیم حاصل کر کے ایک اچھا شہری بن سکتا تھا۔

''امی! آپ آپا کا رشتہ وہاں کر دیں، میں مطمئن ہوں۔''

اور پھر حمیدہ بیگم نے باقاعدہ اپنی خواہش کا اظہار کر دیا تو گھر بھر خوشی سے گونج اٹھا۔ سب سے زیادہ خوش زیبو تھی جس کے چہرے پر روشنی تھی مگر اندر کہیں سناٹے تھے۔ وہ بہت خوش تھی کہ بہت زیادہ افسردہ، سادہ سی زیبو اپنی ہی کیفیت کو سمجھ نہ سکی تو اس نے سوچ لیا کہ وہ بے حد خوش ہے۔ وہ ناچنے لگی۔

''نازو تو میری ہی بیٹی ہے۔ مجھے اس رشتے سے کوئی انکار نہیں بلکہ سو جان سے قبول ہے۔''

''ہاں بہن، ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ اللہ مبارک کرے اور ہمارے بچوں کو خوش رکھے۔'' ابا بھی اسی وقت آ گئے۔ انہوں نے بات سن کر خوش ہو کر حمیدہ کے سر پر ہاتھ رکھا تو وہ خوش ہو گئیں۔

''لیکن اب مجھے اس رشتے سے انکار ہے۔'' سلیم ان کے جانے کے بعد بولا تو جیسے سب سکتے میں آ گئے۔

☀☆☀

''بھئی انیقہ، آپ کے لئے ایک بہت اچھی خبر ہے۔ مٹھائی لے کر آیئے تو آپ کو خبر سنائیں۔'' ناصر صاحب کالج سے آتے ہی لاؤنج میں آ گئے جہاں انیقہ ان کے دونوں بچوں کو ہوم ورک کرا رہی تھی۔ اس نے ان کو دیکھ کر پہلے ڈھلکا ہوا دوپٹہ درست کیا پھر کھڑی ہو گئی۔

''ہر چند کہ میری زندگی اور اچھی خبریں دو متضاد چیزیں ہیں۔ مگر چلئے آپ بتایئے، اچھی خبر ہونے کی صورت میں مٹھائی اپنے ہاتھ سے بنا کر کھلاؤں گی۔''

''ہوں، گڈ..... تو جناب سنیے کہ میرے کالج میں ایک انگلش لیکچرار کی جگہ خالی ہوئی تو ہم



نے جھٹ آپ کے کاغذات جمع کرا دیئے۔ اب اگلے ہفتے آپ کو جوائن کرنا ہے۔ کہئے، کیسی خبر ہے؟''

''ارے ناصر بھیا، یہ تو بہت اچھی خبر ہے بلکہ میری زندگی کی سب سے اچھی خبر ہی یہ ہے۔'' انیقہ جو بہت افسردہ اور مایوس سی تھی، یہ خبر اس کے لئے ویرانے میں بہار بن کر آئی تھی۔

''ہوں، تو لایئے ہماری مٹھائی۔'' ناصر بضد ہوئے۔

''لیجئے مٹھائی۔ شوگر پیشنٹ ہو کر بھی مٹھائی اس قدر پسند ہے کہ انتہا ہے۔'' اس وقت فرحانہ وہ مٹھائی لے کر آ گئیں جو خود ناصر لائے تھے۔

''مبارک ہو انیقہ، میں بہت خوش ہوں۔ یہ مٹھائی ناصر خود ہی لے کر آئے ہیں۔ اللہ تمہیں اور خوشیاں دے۔'' فرحانہ نے انیقہ کو گلے لگا لیا جو خوشی سے رو پڑی تھی۔

''ارے بھئی لڑکی، یوں رو کر ہماری خوشی کو تو نہ ڈبوؤ۔ چیئر اپ۔'' ناصر صاحب نے ڑے بھائیوں کی طرح اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو ان خوشی کی کرنوں میں اپنے پیاروں کے ہرے گھوم گئے۔

''اللہ آپ کو اس کا اجر دے گا ناصر بھیا، یہ بتایئے کہ مجھے ہوسٹل میں کمرہ مل جائے گا ں؟''

''بس تمہیں تو یہاں سے جانے کی جلدی ہے۔''

''گو کہ میری بہن ہم یہ چاہتے ہیں کہ تم یہاں رہو۔ لیکن اگر تم ہوسٹل جانا چاہو گی تو میں ں کا بھی بندوبست کر دوں گا۔ خوش؟''

''جی، بہت بہت شکریہ۔''

انیقہ اس جاب کے ملنے پر بے حد خوش تھی۔ اس نے شکرانے کے نفل ادا کئے اللہ کے ور اور آئندہ زندگی کے بارے میں سوچنے لگی۔ اس نے انگلش میں ایم اے کیا ہی اس ے تھا کہ وہ ٹیچر بنے گی یا پھر سول سروس میں جائے گی۔ مگر وقت اور حالات نے اس کی ت کو مسمار کر کے رکھ دیا تھا۔ اس کے خوابوں اور خواہشوں کے محل اسی پر آ رہے تھے۔ مگر ، وہ شعبۂ تدریس کے لئے خود کو وقف کر دینا چاہتی تھی۔ آج ایک مدت کے بعد وہ اپنے . زندگی کو محسوس کر رہی تھی۔

بچے سو رہے تھے۔ وہ لان میں آ گئی۔ گہرے بادل ہو رہے تھے۔ ہر طرف سے رنگ اور ومحسوس ہو رہا تھا۔ وہ بہت خوش تھی اور اللہ کا شکر ادا کر رہی تھی کہ اسے بھی خوشی کے یہ

لمحات عطا کئے تھے۔

"ہاؤ......" وہ پشت کر کے کھڑی تھی، تب ہی اس نے گیٹ سے آرمی یونیفارم میں آتے ناصر کے چھوٹے بھائی میجر یاسر کو نہیں دیکھا۔ کسی کے چھونے پر وہ پلٹی تو یاسر بری طرح شرمندہ ہو گیا۔

"اوہ سور...... سوری...... سوری، وہ دراصل میں اپنی بھابی سمجھا تھا۔ سوری پلیز، ہاں وہ......" وہ بار بار اپنی اس حرکت پر نادم ہو کر معذرت کر رہا تھا تو ماضی کے دھندلکوں میں وہ سین جھانک گیا۔ اسی طرح شفاعت اللہ بھی اپنی بھابی کے چکر میں اسے چھیڑ گئے تھے اور کتنی ہی دیر معذرت کرتے رہے تھے۔ پھر اس کے بالوں کا الجھ جانا... وہ مزید یاد نہ کر پائی۔

"میں یہاں ہوں یاسر، یہ میری دوست انیقہ ہے۔" دوسری طرف سے فرحانہ آ گئی۔

"جی، جی بہت خوبصورت دوست ہیں...... میرا مطلب ہے بھابی جان آداب، السلام علیکم۔ آپ ٹھیک تو ہیں ناں؟ وہ آپ کا دماغ خراب تھا ناں، میرا مطلب ہے کہ......" یاسر بدحواسی میں بے تکا بولے گیا۔

"انیقہ، یہ یاسر ہے میرا دیور۔ اس نے کوئی الٹی سیدھی بات تو نہیں کر دی؟"

"نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہوئی فرحانہ۔ یہ تو سمجھے تھے کہ تم کھڑی ہو۔ بس دھوکا کھا گئے۔"

"ہائے، کیا خوب دھوکا کھایا ہے کہ ایسا دھوکا بار بار کھانے کو دل چاہ رہا ہے۔" یاسر نے گہری نظروں سے انیقہ کو دیکھتے ہوئے کہا تو فرحانہ نے اس کے کان پکڑ لئے۔

"اندر چلو، پہلے جوتے کھاؤ بھائی سے، پھر بھابی سے کھانا کھاؤ اور پھر انیقہ سے دھوکا کھانا۔"

"واہ، کیا کھانے کی گردان تھی۔ ویسے میں آپ کو مس انیقہ کہوں یا مسز......" یاسر چلتے چلتے شرارت سے پلٹ کر انیقہ کو دیکھ رہا تھا۔ وہ کچھ جزبز سی ہو گئی۔

"تم ان کو نہ مس کہو نہ مسز کہو صرف انیقہ کہہ سکتے ہو۔"

"صرف انیقہ...... کیا آپ شاعری کرتی ہیں؟ حالانکہ آپ پر شاعری ہونی چاہئے۔" وہ شوخی سے بولے جا رہا تھا اور انیقہ کو اچھا لگ رہا تھا یہ سب۔ شاید اس لئے کہ اس کا دل خوش تھا۔ آج ہر چیز ہی خوبصورت اور نکھری ہوئی لگ رہی تھی۔

"انیقہ یہ میرا دیور ذرا دیوانہ سا ہے۔ مائنڈ نہ کرنا۔"

"اجی جیسا ہوں بھابی ان آپ ہی کا ہوں۔" یاسر شوخی سے بولا۔



"یہ میری بہت اچھی دوست ہے انیقہ۔ سمجھے تم؟"

"قطعی نہیں، دیکھئے ناں آپ کی دوست ہیں تو اچھی کیسے ہو سکتی ہیں؟ ارے نہیں بابا نہیں۔ آپ بہت اچھی ہیں میری جانوں بھابی ہیں جو ماں ہے، بہن اور دوست ہے۔"

یاسر نے فرحانہ کا ہاتھ اٹھتا دیکھ کر کہا اور بچوں کے کمرے میں بھاگ گیا تو فرحانہ اس کے بارے میں بتاتی رہی۔

"معلوم نہیں شادی کے نام سے کیوں بدکتا ہے۔ کوئی لڑکی ہی پسند نہیں آتی اسے۔"

"ارے آتی کیوں نہیں، یہ پرانی اطلاع ہے۔ نئی اطلاع یہ ہے کہ پسند آ گئی ہے۔ آپ کی نزدیک کی نظر اب کمزور ہو تو ہم کیا کریں۔ غور طلب بات ہے، ضرور غور کیجئے گا بھابی جان۔" وہ نجانے کب ان کی باتیں سنتا ہوا شریک ہو گیا۔ انیقہ پر نظر ڈال کر اپنی پسند کی نشاندہی بھی کر گیا۔

یاسر کسی کورس کے سلسلے میں آیا تھا۔ آفس کے بعد زیادہ تر وقت اب یہیں گزارتا۔ انیقہ سے پہلی نظر میں پسند آ گئی تھی۔ فرحانہ نے اس کی ساری داستان سنا ڈالی تو کچھ افسردہ ہو گیا مگر اتنی اچھی لڑکی کو دکھ ملنے پر اپنی اس کی ضد اپنی جگہ تھی کہ وہ شادی کرے گا انیقہ سے ورنہ نہیں۔ اور جب انیقہ کو معلوم ہوا تو اس نے صاف انکار کر دیا تو وہ اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

"اجی آپ خود کو کیا سمجھتی ہیں، حور یا پری؟ ارے ہیں تو ہوا کریں، ہم بھی کسی حور سے کم ہیں۔ ہم نے شرکت ہی نہ کی ورنہ ملکہ حسن کا ایوارڈ ہمیں ہی ملتا۔" وہ شوخ سا زندگی سے بھرپور نوجوان انیقہ کو متاثر کر گیا۔ وہ ہنس پڑی۔

"مت ہنسا، مسکرایا کریں، ہم جیسے کمزور دل حضرات جان سے جائیں گے۔"

"دیکھئے یاسر صاحب......"

"جی، جی آپ کو دیکھ کر ہی یہ حال ہوا ہے۔ ورنہ ہم پیدائشی کنوارے تو تھے، عاشق نہیں۔"

"آپ میری بات سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کر رہے؟" وہ زچ ہو گئی۔

"تو آپ ہار مان لیجئے ناں ہماری بات سمجھ کر۔" وہ کمر پر ہاتھ رکھے اس کی آنکھوں میں رہا تھا۔

"فری تو کہہ رہی تھی اس نے آپ کو سب کچھ بتا دیا ہے۔"

"جی سب کچھ بتا دیا ہے۔" وہ سینے پر ہاتھ باندھے اس کے مقابل آ گیا۔

''پھر بھی آپ......''

''جی ہاں، پھر بھی۔ دیکھئے انیقہ، زندگی کے سفر میں ہر طرح کے مسافر ملتے ہیں، اپنے اپنے مزاج کے۔ضروری تو نہیں کہ......''

''یاسر صاحب! میں کوئی ٹین ایجر نہیں ہوں، سب جانتی ہوں، سمجھتی ہوں۔ میں نے تو زندگی کے تمام راستوں پر سفر کیا ہے۔ آپ...... آپ اپنا راستہ بدل کر کوئی اور منزل......''

''منزل تو خیر میری آپ ہی ہیں۔ جلد یا بدیر آپ میری ہوں گی۔''

''امپوسبل۔'' انیقہ نے خلوص سے اس کے بڑھے ہاتھ کو بے دردی سے ٹھکرا دیا اور آگے بڑھ گئی۔

اور پھر فرحانہ نے اسے کتنا سمجھایا مگر وہ نہ مانی۔ مگر اس روز وہ کالج سے واپس آئی تو سب موجود تھے۔ بانو، شجاعت اللہ، شفاعت اللہ اور منزہ جن کو ناصر نے خود بلایا تھا۔ انیقہ مارے شرمندگی کے کسی سے نظریں بھی نہ ملا پائی۔

''معذرت چاہتا ہوں انیقہ، مگر اخلاقی طور پر یہ میرا فرض تھا جو میں نے ادا کیا ہے۔''

''ارے ناصر صاحب، ہم تو آپ کا احسان چکا نہیں سکتے۔ افراتفری کے دور میں کون کسی کا اتنا خیال رکھتا ہے۔ انیقہ بیٹا، گو کہ بات دہرانا مناسب نہیں مگر پھر بھی...... اچھا خیر چھوڑیئے، تیار ہو جایئے۔ ہم آپ کو لینے آئے ہیں۔'' شجاعت اللہ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو وہ شدت سے رو پڑی۔ بانو نے بڑھ کر سینے سے لگا لیا۔

''ہم...... ہم اتنے معذرت خواہ ہیں بھائی جان کہ آپ سوچ بھی نہیں سکتے۔ ہم نے واقعی زندگی کی سب سے بڑی غلطی کی ہے۔ ہمیں آپ سب معاف کر دیجئے۔''

''اچھا چھوڑو اب۔ مجھے تو جب پتہ چلا کہ تم فرحانہ کے پاس ہو تو میں بے فکر ہو گئی تھی۔''

''کیوں نہیں آپی، یہ تو انیقہ کا اپنا گھر ہے۔ ہم تو چاہتے ہیں کہ انیقہ ہمیشہ یہاں رہ جائے۔ آپ اسے منائیں ناں، ہمارا لڑکا بہت دل گرفتہ ہو کر گیا ہے یہاں سے۔ اپنے سسرال والوں کی اچھائی کیا بتاؤں کہ میں اس گھر میں بہت بہت خوش ہوں۔''

''ارے آپ فکر ہی نہ کریں فرحانہ، ہم ان کو منا لیں گے۔''

اور پھر منزہ اور شفاعت اللہ اسے دوسرے کمرے میں لے گئے اور کافی دیر سمجھاتے رہے۔

''دیکھیں انیقہ، آپ کو نہ کسی کی مدد گوارا تھی نہ احسان گوارا تھے، نہ کسی پر بوجھ بننا گوارا تھا۔ اب تو آپ کو آپ کا حق مل رہا ہے۔ یاسر بہت اچھا ساتھی ثابت ہوگا انشاء اللہ۔''

منزہ درست کہہ رہی ہے انیقہ، زندگی کے ہر موڑ پر دکھ ہی آپ کے ہمراہ ہوئے ہیں۔



اب خوشی آپ کی ہمسفر بننا چاہتی ہے تو انکار مت کریں۔ یاسر میرا کورس میٹ رہا ہے۔ بہت ہنس مکھ آدمی ہے۔ اتنی ڈیشنگ پرسنالٹی کے باوجود اس نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی۔ ہمیشہ کہتا تھا اسی سے شادی کروں گا جو پہلی نظر میں بھائے گی اور آپ اس کی پسند ہیں۔ انکار مت کیجئے گا۔ پلیز۔'' شفاعت اللہ نے بڑے گمبھیر لہجے میں کہا اور پھر تیزی سے باہر نکل گئے۔ منزہ بھی چلی گئی۔

وہ مسلسل سوچے جا رہی تھی۔ ماضی کے آئینے میں مستقبل کا عکس دیکھ رہی تھی۔ یوں بھی یاسر اسے بڑا کھرا آدمی لگا تھا۔ سب کے اصرار پر اس نے سر جھکا دیا۔ سب خوشی سے دیوانے سے ہو گئے۔

''جیتی رہو بیٹی، تم ہماری بیٹی اور بہو بن کر اس گھر میں آؤ گی۔'' ناصر صاحب نے سر پر ہاتھ رکھا۔

''ہائے انیقہ، میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم یوں میرے گھر آؤ گی۔ یا اللہ، اب میری اس پیاری دوست کو بے شمار خوشیاں عطا فرمانا۔''

سب نے آمین کہا۔ پھر وہ گھر آ گئی۔ سب بہت خوش تھے۔ یاسر کے اصرار پر براہ راست نکاح کر دیا گیا تو وہ شوخ ہو کر اسے دیکھنے لگا۔

''ہوں، لگتا ہے آپ نے میرا کہا مان لیا۔ یعنی ہار مان کر میری بات سمجھ لی۔ اجی ہمیں یقین تھا۔ کیونکہ ہماری شخصیت ہی ایسی ہے۔'' شوخی اور خوشی کے سارے رنگ یاسر کا احاطہ کئے ہوئے تھے۔ وہ دیکھے گئی۔

''آپ بولتے بہت ہیں۔'' اس کی حجاب آلود ہنسی بکھری۔

''کسی ایک کو تو بولنا پڑے گا ناں انیقہ۔ میں کوئی دعویٰ نہیں کرتا مگر یقین سے کہتا ہوں کہ آپ انشاء اللہ میرے ساتھ بہت خوش رہیں گی۔ اللہ آپ کو، مجھے بے شمار خوشیاں دے۔''

''آمین۔'' وہ اس کا ہاتھ تھامے نجانے کیا کیا کہہ رہا تھا۔ وہ تو دل میں خدا کا شکرانہ ادا کر رہی تھی۔

⁂☆⁂

''سلیم! تم نے میری ناک کٹوا دی، اچھا نہیں کیا، بہت نالائقی کا ثبوت دیا ہے اس رشتے سے انکار کر کے۔ بہت دکھ پہنچا ہے مجھے۔'' ابا ناراض ہو کر نماز کے لئے چلے گئے۔

''سلیم بیٹا! آخر تم نے ایسا کیوں کیا؟ جس کے پیچھے مرتے تھے، اب وہ مل رہی ہے تو تم ایسی ناشکری کر رہے ہو۔ کیوں انکار کر رہے ہو تم؟ اب اگر حمیدہ کو پتہ چلے گا تو وہ دکھوں کی

ماری عورت کیا سوچے گی؟ اب اگر اسے خوشیاں ملنے لگی ہیں تو تم.....''

''اماں تو جا کر کام کر، میں دیکھ لیتی ہوں اسے۔ اس کی ٹانگیں نہ توڑ دیں تو کہنا۔ شادی تو اس کا باپ بھی کرے گا۔ ہاں بھئی کیا مسئلہ ہے تیرا؟ وہ نازو جس کے لئے جان دینے کو تیار تھا اب مل رہی ہے تو نشہ سوار ہو گیا ہے۔ میں کہتی ہوں گولیاں تو تیرے پیٹ میں لگی تھیں مگر خراب تیرا دماغ ہو گیا ہے۔ کیوں؟''

زیبو باقاعدہ ڈنڈا لے کر اس کے گرد ہو گئی تو وہ گہرا سانس لے کر سیڑھیاں چڑھتے چڑھتے بولا۔

''کہہ دیا ناں، اب میں نازو سے شادی نہیں کروں گا۔''

اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر وہ اندر سے چارپائی نکال لایا اور بچھا کر لیٹ کر تاروں بھرے آسمان کو دیکھنے لگا۔

''کیوں..... اب نازو کی مونچھیں نکل آئی ہیں؟ داڑھی یا سینگ نکل آئے ہیں کہ اب تو اس کے ساتھ شادی نہیں کر سکتا، کیا وجہ ہے؟'' وہ اس کے سرہانے کھڑی ڈنڈا گھما گھما کر بول رہی تھی۔ تب سلیم نے بغور اس عجیب سی لڑکی کو دیکھا جو محبوب جیسی چیز بھی دوسروں کے حوالے کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''اس لئے کہ اب میں تجھ سے شادی کروں گا۔''

کچھ دیر کے لئے سناٹا چھا گیا۔ زیبو خود کو کہیں اور ہی محسوس کرنے لگی۔ وہ جانے کہاں کہاں کی سیر کر آئی اس چھوٹے سے جملے کے اڑن کھٹولے میں بیٹھ کر۔ مگر وہ بڑی عجیب لڑکی تھی، بظاہر لاابالی، لاپرواہ مگر اندر سے اتنی ہی گہری۔ نجانے وہ کیا سوچے بیٹھی تھی۔

''کیا کہا، تو مجھ سے شادی کرے گا؟ ارے شکل دیکھی ہے تو نے اپنی؟ تجھ سے شادی کرنے کا مطلب ہے کہ میں ساری عمر اسی کٹیا میں گزار دوں۔ نہ بابا نہ مجھے تو کسی بہت امیر آدمی سے شادی کرنی ہے۔ اچھا اب زیادہ ٹال مت، مجھے بتا کیوں انکار کیا ہے؟''

''دیکھ زیبو، تو مجھے اچھی طرح جانتی ہے میں نازو کو کتنا چاہتا ہوں اور.....''

''دیکھ شہزادے، میرے سے محبتوں کا حساب کتاب نہ کر، ہار جائے گا۔ اب آگے بول۔''

کہیں بھنور بنے اور ڈوب گئے۔ اس نے سختی سے آنکھیں رگڑیں۔

''میں..... میں نازو سے اس لئے اب شادی نہیں کرنا چاہتا زیبو کہ اب وہ اور خالہ اس احسان مندی میں نازو کی شادی میرے ساتھ کر رہی ہیں۔ یوں نازو احسان مند ہی رہے گی میں اس کی نظریں جھکی ہوئی نہیں دیکھنا چاہتا۔'' سلیم نے بڑی صاف گوئی سے کہہ دیا جو



اس کے دل میں تھا۔ اس کی بات پر زیبو قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔

''دھت تیری، یہ بات تھی۔ احمق انسان تو..... تو اس کا مطلب ہے کہ محبت کو دیکھتا ضرور ہے، جانتا نہیں۔ شہزادے، تجھے تو محبت کرنا بھی نہ آئی۔ میں تجھے بتاؤں گی محبت کس کو کہتے ہیں۔ ارے تو، تو محبت کی پہلی سیڑھی پر ہی رُکا ہوا ہے اور خیر میں ابا اور اماں کو جا کر کہتی ہوں نازو کے گھر جا کر تیری شادی کی تاریخ رکھ آئیں۔ ارے زندگی میں کوئی تبدیلی تو آئے، کوئی خوشی تو دیکھنے کو ملے۔ ارے تجھے کیا خبر میں نے تیری شادی کے لئے کیا کیا پروگرام بنائے ہیں۔ تیری شادی پر میں اتنا ناچوں گی شہزادے کہ تو بس دیکھتا ہی رہ جائے گا۔''

اور پھر وہ سارے پروگرام جو اس نے بنائے تھے مہندی، مایوں اور شادی ولیمے کے سارے پروگرام اسے بتا رہی تھی۔ اس کا چہرہ عجیب سا ہو رہا تھا، آنکھیں تاریک اور گہری ہو رہی تھیں۔ اور پھر وہ اسے منع کرتا ہی رہ گیا اور اس نے جا کر اماں، ابا کو اسی وقت نازو کے گھر بھیج دیا کہ تاریخ لے کر آئیں۔

اور پھر زیبو کی پھرتیاں قابل دید تھیں۔ وہ تو تتلی کی طرح اُڑتی پھر رہی تھی۔

''زیبو! بھلا تجھے اس شادی سے کیا ملے گا؟'' سلیم کو نجانے کیوں زیبو سے عجیب طرح کا خوف آ رہا تھا۔

''ارے شزادے، مجھے تو وہ کچھ ملے گا جو تم لوگوں کو بھی نہیں ملے گا۔ یعنی خوشی اور سکون کی منزل۔ ویسے سلیم، اگر آج تیری میری شادی ہو رہی ہوتی تو کون خوش ہوتا؟'' وہ مہندی کا تھال پکڑے پوچھ رہی تھی۔

''تو!'' سلیم نے بغیر سوچے اس کی ستواں ناک پر انگلی رکھ کر کہا تو اس کے اندر ایک ساتھ نجانے کتنا کچھ ٹوٹ گیا۔ وہ سن سی ہو گئی۔ کنارے تھے کہ پور پور بھیگ رہے تھے۔

''ہوں..... اسی لئے تو تیری میری شادی نہیں ہو رہی۔ اچھا اب اپنی نظر اتار لے، میری نظر نہ لگ جائے تجھے۔''

اور پھر زیبو نے خود ہی اس کی بلائیں اتاریں اور عجیب سی نظروں سے اسے دیکھتی سیڑھیاں اتر گئی۔ اس نے سلیم کا کمرہ دلہن کی طرح سجا دیا تھا۔ نازو کے لئے پھول بچھا دیئے تھے راہوں میں۔ زیبو نے خوب دھوم دھڑکا کیا تھا، فنکشن پر خوب ڈانس کیا تھا اور اس وقت جبکہ نازو دلہن بنی اپنے دلہا سلیم کے ساتھ بیٹھی تھی تو وہ دونوں کو دیکھے گئی۔ حتیٰ کہ ان کی شکلیں پانی میں ڈوب گئیں۔ پھر وہ فلمی گانوں پر اتنا ناچی کہ سب کو خوف آنے لگا۔ اماں نے بار بار ٹوکا، سلیم نے بازو پکڑا مگر وہ اس گیت پر ناچے گئی۔

''اظہار بھی مشکل ہے، کچھ کہہ بھی نہیں سکتے، ہم تیری جدائی کا دکھ سہہ بھی نہیں سکتے۔''

اُس پر جنون سوار ہوگیا تھا۔ وہ بے سدھ ناچے گئی۔ حتیٰ کہ پیروں سے خون نکلنے لگا۔

''زیبو بس کرو......'' نازو گھبرا کر چلائی۔

''زیبو، میری بچی، بس کر......'' اماں تڑپ کر بھاگی۔

''زیبو، تجھے میری قسم، بس کر......'' سلیم نے کہا تو اُس کے قدم جم گئے۔ وہ زمین پر ڈھیر ہوگئی۔ سب چیخ پڑے مگر وہ سلیم کی بانہوں میں آہستگی سے کلمہ پڑھ رہی تھی۔ اور قبل اس کے کہ ڈاکٹر آتا وہ جا چکی تھی...... ابا اماں غش کھا کر گر پڑے۔ نازو روئے گئی۔ زیبو کے دماغ کی نس پھٹ گئی تھی......!

''زیبو یہ...... یہ ہے محبت...... یہی بتانے کے لئے تو نے...... زیبو، تو نے مار دیا ہے مجھے۔ اپنے سلیم کو مار دیا ہے تو نے۔''

سلیم اُس کا سر سینے سے لگا کے بری طرح رو پڑا......!!

(ختم شد)